انڈکس کتاب مجموعہ لکچر

خلاصہ مضمون	صفحہ
لکچر نمبر ۱ - انڈین نیشنل کانگرس پر	
لکچرار کے نزدیک نیشنل کانگرس کیا چیز ہے اور اسکی حقیقت کیا ہے اور مقاصد کیا +	۲
نیشنل کانگرس نیشنل نہیں ہوسکتا نام ہی غلط ہے +	۳
غدر ۱۸۵۷ء کے بانی ہندو تھے اور مسلمانوں کی وہ شامل ہوئی کہ آٹے کے ساتھ گھن پس گیا ہندو اور مسلمان بالطبع ضد یکدیگر ہیں ایک دوسرے سے نفور +	۴
ہندوستان بدون انگریزی گورنمنٹ کے امن سے نہیں رہ سکتا انگریزی سلطنت نے جسقدر منصفانہ کارروائی سے مخلوق کو رضامند کیا ہے کوئی نہیں کرسکتا +	"
کانگرس کے جلسوں سے مخالفین سلطنت اور علی الخصوص [illegible] پر کیا اثر ہوگا +	۵
گورنمنٹ کو رعایا سے کیا تعلق ہے +	"
نیشنل کانگرس ہم لوگوں کے حق میں مضر نہیں ہے +	"
موجودہ گورنمنٹ واسطے بہتری کے کیا کیا نمایاں ترقی ہندوستان میں کر رہی ہے +	۶
نیشنل کانگرس والے دوسرے ذریعہ سے اپنی رائے اظہار گورنمنٹ کو نہیں کرسکتے یا صرف یہی ایک ذریعہ ہے	"
گورنمنٹ انگریزی نے واسطے تفتیش حال رعایا کے کیا رکھے ہیں +	۷

خلاصہ مضمون	صفحہ
ہندوستانی اور انگریزوں میں کیا مناسبت ہے اور ہندوستانیوں کو انگریزوں کے ساتھ کیسا برتاؤ رکھنا چاہئے +	۷
نیشنل کانگرس گورنمنٹ کی نگاہوں میں کسقدر مبغوض ہے	"
کیا نیشنل کانگرس والے اس ہیکڑی سے اپنے مطالب میں کامیاب ہوسکتے ہیں +	۸
گورنمنٹ کو ابھی تک پورا پورا اعتماد رعایا پر نہیں ہے +	"
نیشنل کانگرس کی وجہ سے کیا برا اثر ہندوستانیوں پر مترتب ہوا اور آیندہ کیا اثر مترتب ہوگا +	"
رفاہ ملکی کے لیے صلاح نیک +	"
نیشنل کانگرس کی ابتدا کن لوگوں سے ہوئی +	۹
ہندوستان کے کانگرس کو ولایت کے کانگرس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے +	"
ہندو اور مسلمان دونوں میں نیشنل کانگرس کی شرکت کس کے حق میں زیادہ مضر ہے +	۱۰
مسلمان اہل ہنود کے مقابلہ میں کیوں ضعیف ہیں	۱۱
مسلمانوں کو ہنود پر ترجیح کے موجبات +	"
گورنمنٹ نے جو لیاقت کا سٹینڈرڈ ٹھہرادیا ہے اُس سے سوسائٹی کو کیا نقصان ہوچکا +	"
محکومیت کے نتائج ہنود میں +	۱۲

خلاصہ مضمون	صفحہ
مواقع ہوتے ہیں +	
جن چیزوں کے واسطے مدرسۃ طبیہ دہلی کی بنیاد قایم کی گئی وہ ابھی کوسوں دور ہیں +	۱۸۶
محمڈن کالج کی کسقدر رونق سید احمد خاں کو تھی +	۱۸۷
اپنے لکچر کی نسبت مصنف کے خیال +	۱۸۷
مدرسۃ طبیہ کے واسطے کیسا لکچرار ہونا چاہیئے +	۱۸۷
مولویت کو طبابت سے کیا نسبت ہے +	۱۸۷
طلبہ کا امتحان کیونکر لیا جایا کرے +	۱۸۸
لکچر نمبر ۱۰ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس	۱۸۹
نظم مسلمانوں کی حالت و نکبت پر افسوس +	۱۹۰
کون جدید کامیابی ہے جو سر سید کو حاصل ہوئی +	۱۹۱
مصنف انگریزی الفاظ کیوں لکچر میں استعمال کرتا ہے +	۱۹۱
مصنف نے کس وجہ سے کالج میں انگریزی تعلیم نہیں پائی +	۱۹۲
انگریزی کے اپسرو کرنے کا کیا طریقہ ہے +	۱۹۳
اگر ایک زبان سلیقہ سے حاصل کر لیوے تو دوسری زبان سہولت سے آسکتی ہے +	۱۹۳
حالی صاحب کی نظم کی کسقدر وقعت ہوئی علی الخصوص کون لوگ زیادہ پسند کرتے ہیں +	۱۹۴

خلاصہ مضمون	صفحہ
آئندہ زبان اردو کی کیا کیفیت ہوگی +	۱۹۴
انگریزی تعلیم میں پہلی سی خوبیاں اب باقی نہیں +	۱۹۵
حضور نظام نے جو اسر کالج کی مدد کی ہے اُس کا اظہار شکریہ کس طریقے سے کیا چاہیے +	۱۹۶
مسلمانوں کو کسی مقدور کا خیال کر کے حتی المقدور محمڈن کالج کی مدد کرنی چاہیئے +	۱۹۷
مصنف کے ذاتی خیالات اپنے لیئے +	۱۹۷
کوئی چیز حد سے تجاوز کرنے سے اصلی مزہ باقی نہیں رہتا +	۱۹۸
گورنمنٹ نظام کے عطیہ کی نسبت ریمارک مصنف +	۱۹۸
گورنمنٹ نظام نے جو مدد کی اُس میں کیا مقصود تھا +	۱۹۹
مسلمان کتنی قسم کے ہیں +	۱۹۹
تعلیم کے لیئے انتخاب غلط کیا جاتا ہے اس سے کیا برا اثر ہوتا ہے +	۲۰۰
مسلمانوں کے تعلیمی فنڈ کی کیا حالت ہے +	۲۰۰
عوام سکالرشپ کو کیا سمجھتے ہیں +	۲۰۰
عربی کے طالب علم کس طرح گزارہ کرتے تھے اور اب کرتے ہیں +	۲۰۰

خلاصہ مضمون	صفحہ
اب اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کیا شان اختیار کرنی چاہیئے +	۲۱۲
مضمون حدیث انما الاعمال بالنیات کی تشریح +	۲۱۲
اس زمانے کے مولویوں کے لیے بکار آمد ہدایت +	۲۱۳
اس زمانے کے انگریزی خواں کس بلا میں مبتلا ہیں +	۲۱۳
کالج میں رہنے اور گھر میں رہنے سے فرق +	۲۱۴
بدون تعلیم انگریزی اسلام قائم نہیں رہ سکتا +	۲۱۴
انگریزی تعلیم میں مدد دینا گویا مسلمانوں کی حالت دنیاوی کا درست کرنا ہے +	۲۱۵
خدا کے کارخانے میں دخل نہ دینا چاہیئے +	۲۱۶
لفظ جہاد کی تشریح +	۲۱۹
لکچر نمبر ۱۱ - انجمن حمایت اسلام لاہور	۲۲۰
تغیرات عالم کا تذکرہ +	۲۲۰
پچھلی عملداریوں کو عموماً نظر حقارت سے دیکھنا کیوں بے انصافی ہے +	۲۲۰
مذہب اسلام نے کیوں چار بیبیوں تک کی اجازت دی +	۲۲۱

خلاصہ مضمون	صفحہ
سررشتہ تعلیم کا سلسلہ پنجاب میں پہلے کس مقام سے شروع ہوا +	۲۲۱
مسلمانوں میں اگر تنبیہ ہوا تو کس قسم کا +	۲۲۳
انگریزی عملداری میں سب سے زیادہ کون قوم تباہ ہوئی +	۲۲۳
مسلمان کیوں تباہ ہیں +	۲۲۴
مذہب اسلام کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل +	۲۲۵
صحابہ کبار رضہ کو سلطنت لینے سے کیا منظور تھا +	۲۲۵
دین کیا چیز ہے اور اس کو دنیا کے ساتھ کیا نسبت ہے +	۲۲۵
دنیا داری میں اسلام کو کس طریقے سے برتنا چاہیئے +	۲۲۶
دینی احکام بھی بدل جاتے ہیں +	۲۲۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کتنے حصے تھے اور وہ کس طرح پر صرف ہوئے +	۲۲۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس خاندان سے تھے اور وہ خاندان کیا عزت و شرافت میں تھا +	۲۲۹
قوم قریش کی اہل عرب کس قدر عزت کرتے تھے +	۲۳۰

جناب مولانا مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب دہلوی کے

شروع سے جون ۱۸۹۲ء تک کے

لکچروں کا مجموعہ

مرتبہ

محمد نذیر حسین تاجر . دہلی بازار دریبہ کلاں ۱۸۹۲ء

مطبع انصاری واقع دہلی میں زیور طبع پہن کر مقبول جہاں ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

محمد نذیر احمد خاں صاحب — جس طرح پرانے مولوی اور نئے حافظ ہیں
مولوی حافظ اسی طرح وہ پرانے مصنف اور نئے لکچرار بھی ہیں۔ اب سے چار برس پہلے اور تو اور خود مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کو بھی معلوم نہ تھا کہ ان میں لکچر دینے کی بھی قدرت ہی۔ جس طرح ضرور نہیں کہ جو بڑا عالم ہو وہ بڑا معلم بھی ہو اسی طرح ضرور نہیں کہ جو بڑا منشی یا ادیب ہو وہ بڑا لکچرار بھی ہو۔ لکچر دینے کے لیئے بعض ایسی صفتیں بھی درکار ہیں جو صرف وہبی یعنی خداداد ہو سکتی ہیں نہ کتابی کہ جو چاہے محنت و مشقت سے حاصل کر لے۔ مثلاً لکچرار چاہیئے جہیر الصوت[1] ہو کہ جو کچھ کہے حضار[2] مجلس کو گنتی میں کتنے ہی کیوں نہ ہوں سُنا سکے اور سُنا سکے بھی تو اس طرز پر کہ قریب متاذی[3] نہ ہوں اور بعید محروم نہ رہیں۔ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کو دلی۔ لاہور علی گڈہ میں لکچر دیتے دیکھا چھ چھ ساٹ ساٹ ہزار آدمیوں کا مجمع اور خدا نے عجیب آواز دی ہی کہ سُننے میں پاس کے پاس اور دور سے دور کے لوگ سب یکساں۔ پھر لکچرار چاہیئے قوی دل دلیر کہ حاضرین کیسے ہی ذی رتبہ اور مقتدا اور لائق ہوں وہ کسی سے نہ جھینپے۔ اچھے اچھوں کو دیکھا کہ دماغ میں بہت کچھ بھرا ہوا ہی گویائی بھی خاصی ہی۔ مگر مجمع کو دیکھ کر کچھ ایسی سٹی گم ہو جاتی ہی کہ ایک بات کہتے نہیں بن پڑتی اور بتکلف کہی بھی تو پسینے پسینے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ آواز لڑکھڑائی جاتی ہی۔ ہاتھ پاؤں پڑے کانپ رہے ہیں۔ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب لکچر دینے میں اگر مرعوب ہوتے ہیں تو اسی قدر کہ گرمی کے دنوں میں پانی اور جاڑے میں چاے بار بار پیتے جاتے ہیں۔ اِن سے پوچھا گیا تو کہا چیخ کر بولنے میں زور بہت پڑتا اور گلا خشک ہوا چلا جاتا ہی۔ مگر ایسی تو کیا بات ہی کہ آڈینس کا کچھ بھی اثر نہ پڑتا ہو۔ پھر بھی بڑے ہی بے تکان بولنے والے

---

[1] بلند آواز ۱۲ [2] ایذا نہ پائیں ۱۲ [3] حاضرین ۱۲

ہیں۔ اور ایک خاص بات یہ ہی کہ اِس عمر پر چار چار پانچ پانچ گھنٹے متصل اُسی کڑاکے سے بولتے رہیں
اور نہ تھکیں اور نہ آواز بھرائے۔ مولوی نذیر احمد خاں صاحب لکچر لکھ کر اپنے ساتھ لایا کرتے ہیں اور اتنے بڑے
بڑے لکچر جو بجائے خود کتاب نہیں تو رسالے ضرور ہوتے ہیں نہ زبانی یادداشت پر دیتے ہیں بھی شکل سے گرو
جو کچھ لکھ کر لاتے ہیں اسکو نوٹ سمجھو۔ اُچٹی ہوئی سی ایک نظر ڈال لی اور ایک پورے مطلب کو حاضرین کی
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ادا کر دیا۔ اور اگر سر جھکائے لکھا ہوا دیکھ دیکھ کر بیان کریں جیسے سررشتہ دار پیش
حاکم رپورٹ پڑھتا ہی یا بار بار تحریر کو دیکھتے جائیں تو سننے والوں کو مزہ ہی کیا خاک ملے۔ اگر بیان میں جادو
ہی اِنّ من البیان لسحرًا[1] تو وہ کہنے والے کی آنکھوں سے نکل کر سننے والے کی آنکھوں میں اور پھر اُس کے
دل میں جگہ کرتا ہی۔ بہت سی باتیں ان کو عین وقت پر سوجھتی جاتی ہیں اور وہی ان کے لکچر کی جان ہوتی ہیں
مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے معدودے چند کے سوائے اکثر بڑے بڑے مطول لکچر دیئے ہیں اور
یہ اُن ہی کی ظرافت اور خوش بیانی کا اثر تھا کہ کبھی کسی کو ملول ہوتے نہ دیکھا۔ وہ جو مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب
کی تحریر کی طرز خاص ہی اور جو الگ پہچان پڑتی ہی۔ اُس زور سے تو نہیں مگر پھر بھی ان کے لکچروں سے ٹپکی پڑتی ہی
اِن کو اردو فارسی اور عربی زبانوں پر یکساں قدرت حاصل ہی اور عربی انگریزی کے الفاظ بلکہ جملے کے جملے وہ ایسے
بے تکلفی کے ساتھ بولتے چلے جاتے ہیں کہ گویا ان کی اپنی زبان ہی۔ قوم اور ملک نے صرف طرز بیان اور
زور بیان ہی کی وجہ سے اِن کے لکچروں کی قدر نہیں کی۔ بلکہ اِن کے مطالب اور مضامین ایسے ضروری اور
مفید ہیں کہ اِن کے لکچر اِن کی تصنیفات پر فائق اور مرجح نہیں تو دلچسپ ہونے میں کسی سے ہیٹے بھی نہیں
انھوں نے بہت سے معرکۃ الآرا مضامین پر نہایت آزادی اور متانت اور استواری سے اپنی رائے ظاہر کی
ہی اور وہ ایسی محکم اور مدلل ہی کہ چار و ناچار اُس سے اتفاق کرنا پڑتا ہی۔ مذہب اسلام اور تعلیم دونوں کیسے ضروری
مضمون ہیں اور مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے ان پر ایسی موشگافی کے ساتھ بحث کی ہی کہ کوئی
پہلو بچنے نہیں پایا۔ اسلام کی تائید میں ان کے دلائل ایسے تشفی بخش اور یقین دلانے والے ہیں کہ علم کلام کی کسی
کتاب میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ نوجوان انگریزی خواں جو سائنس اور مذہب کی کشمکش میں ثابت قدم رہ
نہیں سکتے ان کو دین اسلام پر جمے رہنے کے لیئے ان لکچروں سے سہارا لینا ضرور ہی۔

سب سے پہلے منشی فضل الدین صاحب تاجر کتب لاہور نے مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے لکچروں کو جمع کر کے
چھپوایا۔ مگر اُس وقت تک خود لکچر تھوڑے سے ہوئے تھے اور جو ہوئے وہ بھی اُن کو پورے دستیاب

[1] بعض بیان جادو کی تاثیر رکھتے ہیں ۱۲

نہیں ہونے یا انھوں نے کسی وجہ سے سب ۔ لینا نہیں چاہا۔ چونکہ لکچروں کا سلسلہ جاری ہی اب جو کتاب اس صورت
اس تمام ہی فضل الدین صاحب نے جمع فرمانے کو پڑھنے والوں کی خاطر سے لکچرار کے سوانح عمری سب نہیں
اکثر نہیں مختصری برائے نام شروع میں بڑھا دیئے ہیں۔ مگر جو شخص حی و قائم زندہ موجود ہو اپنا دل تو اُس کے
حالات قلمبند کرنے کو گوارا نہیں کرتا۔ اول تو معلوم نہیں کہ آخر تک اِس کے مزاج میں۔ عادات میں۔ حالات
میں کیسے کیسے تغیر واقع ہوں۔ دوسرے کوئی بندہ بشر ایسا ہوا ہی یا اب ہی یا آیندہ ہونا ممکن ہی جو بے عیب ہو
ہم اُسی کو بے عیب سمجھتے ہیں جس کے ہنر اُس کے عیوب پر غالب ہوں۔ بہر کیف جس طرح تصویر میں دو رخ ہوتے
ہیں روشن اور تاریک ہر انسان میں دونوں طرح کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ بعض قابلِ مدح اور بعض مستوجب
ملامت۔ اور مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب بھی اس کلیئے سے کیوں مستثنیٰ ہوں اگر ہم ان کی نری مدح ہی
مدح کریں تو وہ بے جا خوشامد کے علاوہ جھوٹ بھی ہوگا اور اگر ان کے نقصان اور عیب بھی ظاہر کریں تو نتیجہ
یہ ہوگا کہ اُن کا اور اُن کے اقارب و احباب کا دل دُکھائیں۔ بہت کم ہیں وہ لوگ جو اپنے میں کسی نقصان کے ہونے سے
رنجیدہ ہوتے ہیں۔ مگر ایسے بہت بلکہ سب ہیں جو ان نقصانات کے ظاہر کیے جانے سے ضرور آزردہ ہو جاتے ہیں
مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے مزاج میں کوئی نہ کوئی تو خرابی ہی کہ وہ بلا رضامندی نہیں بلکہ خلاف مرضی نوکری سے
الگ ہو کر بیٹھے بیکاری کی شکایت کیا کرتے ہیں۔ نہ ان کو کوئی خطاب ہی نہ وہ شریک کونسل ہیں اور نہ کسی سوسائٹی کے
ممبر فرض کرو کہ ہم اپنے زعم کے مطابق اس خرابی یا اُن خرابیوں کو بیان کریں تو مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کو بُرا
لگے پر لگے۔ اور کہیں اُس سے اُن کو پیدا ہو بے دلی۔ تو اِس کے یہ معنی ہوں گے کہ ان کی تصنیفات اور لکچروں کے
سلسلے کے انقطاع یا کمی کے ہم باعث ہوں۔ اور پبلک ہمکو کوسیں اور بد دعائیں دیں۔ اسلیئے ہم اس پہلو پر نہیں آتے
ورنہ ہمکو تو مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے اتنے حالات معلوم ہیں کہ اتنے ان کے سب لکچر مل کر نہ ہوتے جتنی ان کی سوانح عمری
مگر ہمنے اس کمی کی تلافی اسطرح پر کردی ہی کہ اولاً ان کے کل لکچر شروع سے تا تاریخ امروزہ جمع کر دیئے ہیں اب لکچروں کی قسم
کوئی حرف متروک نہیں ثانیاً ہمنے کل لکچروں کا ایک انڈکس بنا دیا ہی تاکہ ایک نظر میں معلوم ہو جائے کہ ان لکچروں میں کس
کس قسم کے مطالب ہیں اور وہ کس جگہ ملیں گے۔ ثالثاً عربی اور انگریزی عبارتوں کا ترجمہ اور جہاں ضرورت معلوم ہوئی حاشیہ بطور
فٹ نوٹ کے بڑھا دیا ہی تا فہم مطالب میں سہولت ہو۔ غرض ہمارا خیال یہ ہی کہ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے لکچروں کا
مجموعہ اس سے بہتر کسی نے اسوقت تک ترتیب نہیں دیا اور ہی مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کی سوانح عمری ہمارے پاس آکر
اتنا سامان مہیا ہی کہ جب ہم اسکو پبلک کے روبرو کتاب کے پیرائے میں پیش کرینگے تو لوگ دیکھ لیں گے کہ سوانح ایسے تو ہوں فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انڈین نیشنل کانگرس پر

جو ۵ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو بمقام ٹاؤن ہال دہلی میں دیا گیا

تمہید

اس کی حقیقت اس طرح پر ہے کہ بمبئی سے کوئی بھیم جی صاحب نیشنل کانگرس کی طرف سے دہلی میں آئے۔ اتفاقات سے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دورے پر تھے۔ انھوں نے کسی میونسپل کمشنر سے مل کر ٹاؤن ہال میں تائید کانگرس پر لکچر دیا۔ ان کا مقصود یہ تھا کہ کانگرس کی حمایت کو لوگ کھڑے ہوں۔ اسکے ممبر بنیں چندہ دیں۔ ان دنوں سرکاری حکام شاید بایمائے گورنمنٹ کانگرس کے مخالف تھے۔ اور نہیں چاہتے تھے کہ کانگرس کو عروج اور ترقی ہو۔ غرض صاحب ڈپٹی کمشنر نے دورے میں بھیم جی کے لکچر کا حال سنا اور دہلی واپس آتے لوگوں سے ملاقاتوں میں ظاہر ہوا ہوگا کہ بھیم جی نے جو مجمع کیا وہ صاحب ڈپٹی کمشنر کی رائے کے خلاف تھا۔ اسکی تردید میں دوسرا مجمع ہوا اور بڑے اہتمام و ازدحام کے ساتھ ہوا لکچر دینے والوں

۱ گفتگو و عظ ۱۲ ۲ ہندوستانی قومی مجمع۔ یہ ایک جماعت تخمیناً دس برس ہوئے جب قائم ہوئی تھی اور غرض اس کی یہ تھی کہ سرکار انگریزی سے لڑ جھگڑ کر رعایا کے کچھ حقوق دلوائے جائیں ۱۲ ۳ لفظی معنی شہر کا کمرہ۔ یہ شہر دہلی میں میونسپل کمیٹی کے اجلاس کی جگہ ہے۔ میونسپلٹی کے علاوہ دیگر مجامع بھی ہوتے رہتے ہیں ۱۲

میں مولوی **محمد نذیر احمد خاں** صاحب پیش پیش تھے اور یہ اُن کا لکچر ہے۔

مجکو مجامع عام[1] میں شریک ہونے کی عادت نہیں اور شوق و رغبت بھی نہیں اس لیے کہ میں اپنی زندگی کے اخیر دن ایسے سکون میں بسر کرنے چاہتا ہوں کہ اپنے اختیار سے ایک گوشۂ عافیت میں پڑا ہوں ع

کہ کس نہ گویدا زینجا بخیز و آنجا برو

لیکن چند احباب نے اصرار کیا کہ نیشنل کانگرس کی نسبت میں اپنے خیالات علی رؤس الاشہاد ظاہر کروں۔ اُنھوں نے یہ توقع بھی ظاہر کی کہ تمہارے خیالات معلوم ہونے سے مسلمانوں کو فائدہ ہوگا۔ مسلمانوں کے فائدے کا نام سنکر میں نے نقض عادت کیا۔ اور بے تامل آپ لوگوں میں آکھڑا ہوا۔ میرے کان تو تین تین ساڑھے تین تین برس ہوتے کانگرس کے نام سے آشنا ہیں مگر کیا تمام حاضرین کا یہی حال ہے؟ مجکو توقع نہیں مسٹر بھیم جی یا بھینیم جی صاحب[2] (کیونکہ مجکو ان کے نام کی بھی اچھی طرح صحت نہیں) غرض جو کچھ ہوں اُن کے لکچر[3] شاید دو یا تین دن پہلے کا مذکور ہے کہ میں اور مولوی محمد کریم بخش صاحب اور ایک صاحب اور قبل المغرب جامع مسجد کے حوض پر منتظر نماز بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک شخص مسٹر بھیم جی کا اشتہار دکھا کر پوچھنے لگے کیوں صاحب یہ کیا چیز ہے؟ چونکہ اُنھوں نے لفظ نیشنل کانگرس پر اُنگلی رکھکر پوچھا معلوم ہوا کہ پڑھے لکھے ہیں مگر نہ لفظ نیشنل کانگرس اُن کی زبان سے ادا ہوتا ہے نہ اسکے معنی سمجھے ہیں ضیق وقت کی وجہ سے اُنکے ساتھ زیادہ باتیں کرنے کی مہلت تو نہیں ملی تاہم اُنکے طرز استفسار سے ایسا مستنبط ہوتا تھا کہ نیشنل کانگرس کو اندر سبھا کی قسم کا کوئی تماشا سمجھے ہیں (چیرز[4]) ابھی تھوڑی دیر میں میں آپ صاحبوں پر ثابت کر دونگا کہ اندر سبھا کی قسم کا تو نہیں لیکن نیشنل کانگرس تماشا تو ضرور ہے (چیرز) مجکو نیشنل کانگرس کے کسی جلسے میں شریک ہونیکا اتفاق تو نہیں ہوا مگر جہاں تک اخباروں میں پڑھا اور جہاں تک لوگوں سے سُنا اس سے نیشنل کانگرس کی اصل حقیقت میں نے اپنے ذہن میں یوں ٹھہرا رکھی ہی کہ انگریزی تعلیم مدتوں سے چپکے چپکے دلوں میں شورش پیدا کر رہی تھی لوگ نوکری کے واسطے تیاری کرتے اور نوکری ہی کی امید میں سخت سخت زحمتیں اٹھاتے تھے سرکار نے تعلیم پر ملکی ضرورتوں سے بہت زیادہ زور دیا جس کا ضروری نتیجہ یہ تھا کہ خواستگاران نوکری کا ایک بہت بڑا کثیر الانفار گروہ پیدا ہو گیا بیشک عقلاً محال تھا کہ سرکار جس کی

---

[1] مجمع عام میں سب کے روبرو ۱۲ [2] یہ صاحب بمبئی ہیں جو مسلمانوں کا بڑا نامی متقدر خاندان ہے اس میں کے ایک ممبر ہیں ۱۲ [3] لگی ہوئی [4] شور مچایا تھا ۱۲ [5] یہ ایک انگریزی طریقہ ہے کہ جب کسی لکچر پر سامعین خوش ہوتے ہیں یا اظہار مسرت کے لیے بجاتے ہیں [6] جس میں کثرت سے آدمی ہوں ۱۲

جزرسی اور کفایت شعاری بھی مشہور ہے۔ اُس جمّ غفیر[۱] کو نوکریاں دے سکے۔ یوں سلسلہ بسلسلہ بڑھنے سے توقعات[۲]۔ توقعات سے حرمان[۳]۔ اور حرمان سے ناراضامندی پیدا ہوئی۔ جس کا مرادف[۴] ہی نیشنل کانگرس پس نیشنل کانگرس اسکے سوائے اور کچھ نہیں کہ چند ناکام انگریزی خواں اس پیرائیے میں اپنے دلوں کے جلے پھپھولے پھوڑ رہے ہیں (چیرز) ان کے دلوں میں گورنمنٹ کی طرف سے ناحق کے بخارات بھرے ہوئے ہیں اور انکے بخارات نے اِن کی چشم انصاف کو اس قدر تیرہ[۵] و تار کر دیا ہے کہ گورنمنٹ میں سوائے عیب کے ان کو کچھ نہیں سوجھتا۔ ایک شاعر عربی نے کیا خوب کہا ہے **شعر**

وَعَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيلَةٌ　　وَلٰكِنَّ عَيْنَ السُّخْطِ تُبْدِي الْمَسَاوِيَا

یعنے خوشنودی کی آنکھ عیب کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے وہ تو غصہ ہی کی ہے جسکو برائی ہی برائی سوجھتی ہے میں نے اب تک لفظ نیشنل کانگرس استعمال کیا اور آیندہ بھی کروں گا۔ صرف اس وجہ سے کہ جو لوگ نیشنل کانگرس کے بانی[۶] اور موجد محرک[۷] ہیں اُنھوں نے اپنے گروہ کا یہی نام رکھا ہے "انڈین نیشنل کانگرس" اپنے مُنہ میاں مٹھو لیکن ایک طفل مکتب جسکو ہندوستان کے جغرافیے اور تاریخ سے کچھ بھی مناسبت ہے۔ ہندوستان کے نام کے ساتھ لفظ نیشنل سنکر کان کھڑے کریگا۔ کہ کجا ہندوستان اور کجا نیشنلٹی۔

من چہ سرایم و طنبورۂ من چہ می سراید

تمام روئے زمین پر کوئی ایسا ملک نہیں کہ جس میں اس کثرت سے مختلف العقائد مختلف المراسم مختلف العادات اور مختلف الاغراض قومیں رہتی ہوں۔ جیسے ہندوستان میں۔ پس ایسے اجزائے متضادہ[۸] کو یکجا کر کے ایک مجہول مرکب[۹] قوم واحد قرار دینا صریح مغالطہ[۱۰] دہی ہے۔ نگرس کو؟ آن بچہ[۱۱] انگریزوں کو جو انڈیا[۱۲] کا اتنا ہی حال جانتے ہیں کہ ایک بڑی زرخیز کالونی[۱۳] ہے اور بس۔ بھلا شکلی تفریقوں کا لحاظ بھی نہ کرو اور ہندو ہندو ایک اور مسلمان مسلمان ایک قوم سمجھو تو خیر یہاں تک بھی مضائقہ نہیں مگر ہندو اور مسلمان کیونکر ایک قوم میں شامل ہو کر انڈین نیشن کہلا سکتے ہیں (چیرز) گنگا اور سندھ کا سنگم[۱۴] ہو سکتا ہے۔ اور نہیں ہو سکتا تو ہندو اور مسلمان کا جب تک ہندو ہندو ہے اور مسلمان مسلمان بَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا[۱۵] (چیرز) قومیت کے بارے

---

[۱] بھیڑ کی بھیڑ ۱۲ [۲] جمع توقع بمعنے امید ۱۲ [۳] ناامیدی ۱۲ [۴] ہم معنی ۱۲ [۵] بالکل اندھا ۱۲ [۶] بنا کرنیوالے ۱۲ [۷] ایجاد کرنے والے ۱۲ [۸] تحریک کرنے والے ۱۲ [۹] ضد کیے ہوئے ۱۲ [۱۰] جو دو اکثی مفرد دواؤں سے مل کر بنے ۱۲ [۱۱] فریب ۱۲ [۱۲] تازہ ولایت۔ ناواقف ۱۲ [۱۳] ہندوستان ۱۲ [۱۴] نوآبادبستی جیسیں کسی ملک کے آدمی آکر بسے ہوں ۱۲ [۱۵] جس جگہ دو دریا باہم مل کر نہیں ۱۲

ہم میں تم میں ہمیشہ کے لیے کھلم کھلا دشمنی ہو گئی ۱۲

میں ہم ہندؤں کا نجل دیکھتے ہیں کہ ان ہی میں کا کوئی شخص ولایت جاکر واپس آئے تو پھر اُسکو اپنے میں شامل نہیں کرتے ۔ اِسکی مثالیں خود ہمارے اسی شہر میں موجود ہیں ۔ لیکن جم کے بھرشٹ جنم کے ملیکش مسلمانوں کے حال پر ایسی کیا دَیا اور کرپا ہے کہ ہمکو کانگرس میں اپنے ساتھ گھسیٹے لیے جاتے ہیں (چیرز بڑے زور سے) ع

میں تو ڈوبا ہوں مگر تجھکو بھی لے ڈوبونگا (چیرز) سیو می فرام مائی فرینڈز ۔ آخر تو کچھ دال میں کالا ہے

اسیطرح کا ایک واقعہ ۱۸۵۷ء کے غدر کا ہو چکا ہے کہ کارتوس پر بگڑے تو ہندو ۔ مگر آخر کار ہندؤں کے آٹے کے ساتھ مسلمانوں کا گھن بھی پس گیا (چیرز)

کانگرس والے جو چاہیں سو کہیں ۔ میونسپلٹی کے ممبروں کے انتخاب اور مذہبی تقریبات محرم و دسہرہ ۔ ہولی عید وغیرہ میں ہر مرتبہ ایسے شواہد پیش آتے رہتے ہیں کہ ہندو و مسلمان دو عناصر ہیں ۔ بالطبع ضد یکدیگر ایک دوسرے سے نفور ۔ جنکو حاکمان وقت نے بزور حکومت جمع کر رکھا ہے (چیرز) ہمارے ہندوستان کی ترکیب ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بدون فارن گورنمنٹ کے ہم من حیث المجموع چین سے رہ نہیں سکتے ۔ ہمنے سیکڑوں برس ہندو اور مسلمان دونوں کی حکومتوں کو آزمایا ۔ اور تاریخ میں اسبات کا کافی اور وافی ثبوت موجود ہے کہ کسی ایک گورنمنٹ کو بھی برٹش گورنمنٹ کی سی کامیابی نہیں ۔ اُسکا ہزارواں حصہ بھی نصیب نہیں ہوا (چیرز) ہندؤں کی عملداری میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں رہیں ۔ اور مسلمانوں کی حکومت میں بعض ظالم بادشاہوں نے ہندؤں کو ستایا ۔ الغرض یہ بات خدا کی طرف سے فیصل شدہ ہے کہ سارے ہندوستان کی عافیت اسی میں ہے کہ کوئی اجنبی حاکم اسپر مسلط رہے جو نہ ہندو ہو اور نہ مسلمان ۔ پس ہو نہو کوئی سلاطین یورپ میں سے ہو سلاطین یورپ میں سے کون ہے جسنے سلطنت ہندوستان کی طمع نہیں کی ۔ فرنچ ۔ پورچگیز ۔ ڈچ اپنی اپنی جگہ سب نے زور آزمائیاں کیں ۔ حضرت شہنشاہ روس کے خاندان میں تو پیٹر دی گریٹ کیوقت سے یہ مرض نسلاً بعد نسل متوارث چلا آتا ہے کہ جس طرح بن پڑے ہندوستان پر قبضہ کیجئے ۔ مگر خدا کی بے انتہا مہربانی اسی کی مقتضی ہوئی کہ انگریز بادشاہ ہوئے (چیرز) انھوں نے سو سوا سو برس حکومت کر کے اپنی قومی بیدار مغزی ۔ جفا کشی لیاقت ۔ انصاف ۔ رعایا پروری اور بہادری کو ایسے آشکارا طور پر ثابت کر دکھایا جیسے روز روشن میں آفتاب

۱ ناپاک ۱۲ ۲ پیدایشی ۳ بہوت ۴ مہربانی ۵ خدا ایسے دوستوں سے پناہ دے ۶ یعنی کچھ تو اسمیں فریب ہے ۷ لفظ [illegible] ۸ ہندوستان کی نہیں بلکہ دوسرے ملک والوں کی سلطنت ۹ اوپری یعنی غیر ۱۰ فرانس والے ۱۲ ۱۱ پرتگال والے ۱۲ یہ بھی ایک انگریزوں کی ایک قوم ہے ۱۲ ۱۳ یہ شخص شاہنشاہان روس میں سب سے بڑا نامور شخص ہے ۱۲ ۱۴ موروثی ۱۲

تو کیا اب بھی کسی منصف مزاج دانشمند ملکی خیرخواہ کے دل میں یہ وسوسہ گذر کرسکتا ہے کہ خدانخواستہ سلطنت بدل جائے"۔ سب بولو؟ نہیں نہیں نہیں۔ (چیرز) میں سمجھتا ہوں کہ اگر اسوقت کوئی کانگرس کا طرفدار بھی اِس مجمع میں ہوگا تو اُسکو بھی سوائے نہیں کہنے کے اَور کچھ کہتے نہیں بن پڑیگا۔ لیکن موُنھ سے نہیں کہنا کافی نہیں گرداسے۔ گفتارت۔ ثبوت دو کہ تم تبدل[1] سلطنت نہیں چاہتے'۔ آپ صاحبوں میں سے اکثروں نے اخبار میں پڑھا ہوگا کہ ہندوستان کے لینے کا مالیخولیا اِن دنوں روس کے دماغ میں برسرشورش ہے۔ روس جو تمہاری کانگرس کی خبر سُنے گا اور اُسنے ضرور سُنی ہوگی (کیونکہ آجکل کا ایسا وقت ہے کہ گھر میں بات کرو تو اخبار کے ذریعے سے ملکوں ملکوں جا پہونچتی ہے۔ نہ کہ کانگرس جیسی کشاں کشاں سیکڑوں آدمی بلائے جائیں اور اُس کا ڈہنڈورا پٹے۔ اُسکے لیے بگل بجائے جائیں اُسکی منادی اِسطرح کی جائے کہ گویا بلاتشبیہ کانگرس انجیل ہے۔ اور منادی کرنے والے پادری۔ اُسکے لیے اخباروں میں آرٹیکل[2] لکھے جائیں۔ رسالے تصنیف ہوں اور مشتہر کیے جائیں کیونکر ممکن ہے کہ روس کے کان میں ایسی کانگرس کی بھنک[3] نہ پڑی ہو۔ ع

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

بھلا پھر روس نے کانگرس کی خبر سنکر کیا خیال کیا ہوگا؟ وہی جو ہر شخص خیال کرسکتا ہے کہ اس سرے سے اُس سرے تک سارے ہندوستان کی رعایا گورنمنٹ سے ناخوش ہے۔ جس مضمون کے ادا کرنے کا دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ تبدل سلطنت کی خواستگار ہے۔ پھر اس خیال نے روس پر کیا اثر کیا ہوگا؟ دیوانہ را ہوئے بس است۔ وہ مجنونانہ حرکت جو وہ پرسوں کرتا کل کریگا۔ اور کل کرتا تو آج۔ افسوس ہے کہ کانگرس والے اپنی حرکت کے اس زبون[4] نتیجے پر نظر نہیں کرتے۔ گورنمنٹ اور رعایا میں جو تعلق ہے وہ ایسا ہے کہ گورنمنٹ پدر مہربان ہے اور رعایا اولاد۔ یا گورنمنٹ طبیب ہے۔ رعایا مریض۔ یا گورنمنٹ اُستاد شفیق ہے۔ اور رعایا شاگرد لیکن اُن تعلقات کی مزہ وازی اسی میں ہے کہ محتاج کو محتاج[5] الیہ پر پورا پورا بھروسہ ہو اور وہ نہیں ہوگا جب تک محتاج اپنے نیک و بد کو محتاج الیہ پر نہیں چھوڑ بیٹھتا۔ اگر اولاد اپنی تربیت میں یا بیمار اپنے علاج میں یا شاگرد اپنی تعلیم میں اپنی رائے کو دخل دے تو ایک نیچرل[6] بات ہے کہ باپ اور طبیب اور اُستاد ذمہ واری سے سبکدوش ہو کر پرداخت میں کمی کرنے لگتے ہیں۔ پس کانگرس کا یہ پہلو کیا ہمارے حق میں مضر نہیں ہوگا۔ ہوگا۔ اور ضرور ہوگا

چیرز

[1] بدل جانا [2] مضامین [3] آواز [4] بد [5] جسکے پاس حاجت لیجاویں [6] فطرتی۔ خلقی ۱۲

ہم برٹش گورنمنٹ کی پچھلی کارروائی پر نظر کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ یہ گورنمنٹ ٹرنسزیٹو
اور پروگریسو گورنمنٹ ہی یعنے گورنمنٹ کی حالت ٹھہری ہوئی اور جمی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ یوماً فیوماً بہتری
اور درستی اور صفائی اور عمدگی اور آسانی کی طرف ترقی کرتی جاتی ہے چونکہ ہم خود ٹرنسزیٹو اور پروگریسو
ہندوستان میں ہیں۔ گورنمنٹ کو بھی ٹرنسزیٹو اور پروگریسو ہونا چاہیئے۔ زیادہ نہیں ۱۸۵۷ء کے غدر سے
پہلے کے زمانے کو اس وقت سے مقابلہ کرو تو ظلمت و نور کا فرق پاؤ گے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ یہ ریل
یہ تار برقی۔ یہ سررشتۂ تعلیم۔ یہ منی آرڈر۔ یہ پوسٹ کارڈ۔ یہ ویلیو پی ایبل پارسل۔ یہ میونسپلٹی۔ یہ سڑکیں
یہ صفائی۔ یہ نہر۔ یہ سفر بحری و بری کی آسانیاں۔ یہ پولیس۔ یہ اخباروں کی آزادی۔ یہ ہندوستانی
اہالیان ملک کے اختیارات تبنیت۔ یہ نمائشیں۔ یہ معدلت گستری کے قوانین اور ضابطے۔ یہ ہندوستانیوں
کی کونسلوں میں شرکت۔ یہ تعزیزی خطاب۔ یہ تجارت کی ترقی۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا
غرض یہ سارے انتظام کس نے سوچے؟ کس نے نکالے؟ کانگرس بیچاری تو کسے آدمی و کسے پیڑی
کسی کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا۔ خدا ایمان کو ٹھکانے رکھو اور نیت کو ڈانواڈول مت ہونے دو۔ جنہوں
نے اتنا کچھ کیا ہے۔ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ چلتے بیل کے آر نہ مارو اور رکنے دو (چیرز) کانگرس
والوں کے پاس چکنے چپڑے الفاظ تو بہت سے ہیں جنکے ذریعے سے وہ اپنے اوپر کسی اعتراض کو
اپنی پندار میں جمنے نہیں دیتے۔ مگر ہم تو واقعات کو دیکھتے ہیں ؎

ما بروں را ننگریم و قال را
ما دروں را بنگریم و حال را

کانگرس کی بنیاد صرف اس ایک بات پر ہے کہ حکام وقت رعایا کی حالت۔ رعایا کی ضرورتوں سے غافل اور
بے خبر نہیں تو خود غرض اور نا منصف ہیں۔ میں یقین نہیں کرتا کہ کوئی شریف آدمی جسکے نزدیک جھوٹ بولنا
اور [illegible] برابر ہے۔ ایسے لغو اور بے اصل اور بیہودہ اور غلط الزام لگانے والوں میں شرکت کر سکتا ہی (نعرہ!
نہیں نہیں!) بارہ برس ہوئے کہ مجھکو برٹش گورنمنٹ سے ایک طرح تعلقی سی ہے۔ مگر مجھ پر برٹش گورنمنٹ
کے حقوق ہیں۔ برٹش گورنمنٹ نے مجھکو پڑھایا۔ عزت دی۔ نوکری دی۔ میں اس کی رعیت ہوں۔ اور

سے سرکار انگریزی [illegible] حالت [illegible] وہ پارسل جو قیمت لے کر ادا کیا جاتا ہے [illegible] اگر خدا کی نعمتوں کا شمار
کرنا چاہو تو تم ان کو نہ گن سکو گے

فضل

امن و آسائش اور آزادی بھی وجہ الکمال متمتع ہیں۔ بااینہمہ میں برٹش گورنمنٹ کا بھاٹ نہ کبھی تھا اور نہ اب ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ برٹش گورنمنٹ کے بہت سے انتظام اصلاح طلب ہیں +

برٹش گورنمنٹ انسانی گورنمنٹ ہے۔ کون انسان ہے۔ جس سے بھول چوک نہیں ہوتی ؟ گورنمنٹ کی نکتہ چینی داخل بدخواہی نہیں۔ مگر نکتہ چینی کے بھی طریقے ہیں۔ کیا کانگریس والوں کو اس پر قناعت نہیں کہ ہر شخص اخبار کے ذریعے سے اپنی رائے ظاہر کر سکتا ہے۔ اکثر بڑے بڑے شہروں میں کمیٹیاں ہیں۔ مجلسیں ہیں سوسائٹیاں ہیں ایسوسی ایشن ہیں۔ انجمنیں ہیں۔ خود حکام سفر میں حضر میں درپئے تفتیش و تلاش رہتے ہیں حتی کہ ہوس آف کامنس اور پارلیمنٹ کے ممبر تک ہر سال اس ٹوہ میں آنکلتے ہیں۔ اور جو لوگ حکام رس ہیں ان کو ہمیشہ اس طرح کے مواقع حاصل ہوتے رہتے ہیں کہ رعایا کا دکھ درد حاکموں کے کان تک پہونچائیں۔ مگر نیشنل کانگریس کا نیا طریقہ تو کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ گورنمنٹ کی مخالفت میں ایک گونا جمع ہو۔ سوتی بھڑیں جگائی جائیں۔ جو لوگ امن چین سے اپنے اپنے کام دھندوں میں لگے ہیں سنکر چونک پڑیں کہ ایسی کیا آفت نازل ہوئی جسکی وجہ سے یہ تمام کھلبلی مچ رہی ہے۔ کانگریس والے اس بات کو پیش نظر نہیں رکھتے کہ انگریزوں کو ہمارے ساتھ اجنبیت محض ہے۔ اس سے بڑھکر اور اجنبیت کیا ہوگی کہ سوائے انسانیت کے ہم میں اور انگریزوں میں کسی طرح کی شارکت نہیں۔ اسطرح فاتح اور مفتوح کا تفرقہ۔ کہ تیل اور پانی نہ کبھی ملے ہیں اور نہ کبھی ملیں گے۔ تو ایسے اجنبیوں سے ہماری کاربرآری ہو تو کیونکر ہو۔ اسکی یہی ایک تدبیر ہے کہ جسطرح ممکن ہو چاپلوسی و خوشامد سے نہیں (کہ وہ تو میرے نزدیک دنائت اور کمینگی طبیعت اور پستی فطرت کی دلیل ہے) بلکہ اطاعت اور فرمانبرداری اور سلامت روی سے حکام وقت کو خوشنود کریں تاکہ انکے دلوں میں ہماری مراعات اور مہربانی کے خیالات پیدا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ کانگریس کی نسبت گورنمنٹ آف انڈیا اور عہدہ داران انگریزی کے کیسے خیالات ہیں۔ لیکن خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا۔ عقل کہتی ہے اور میں اسکو اوپن سیکرٹ سمجھتا ہوں کہ ضرور یہ کانگریس گورنمنٹ آف انڈیا اور کل عہدہ داران انگریزی کی نظر میں مبغوض ہوگا اور اسکو مبغوض ہونا چاہیئے +

کیسا ہی کوئی حلیم اور بردبار اور متین اور باوقار کیوں نہ ہو کب یہ اثر رکھ سکتا ہے کہ یوں کھلم کھلا مجامع اور محافل میں اس کی روئی دھنکی جائے اور روئی دھنکنے والے کون ہوں ؟ اپنی ہی رعایا۔ اپنے ہی محکوم

ل پورے طور سے فائدہ حاصل کرنیوالے ۲ فقیر ۳ کمیٹیاں ۴ انجمنیں ۵ ہوس آف کامنس اور پارلیمنٹ اُن دو مشہور جماعتوں کا نام ہے جنپر دارومدار نظم و نسق سلطنت انگریزی منحصر ہے صرف فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ ہوس آف کامنس میں علی العموم وکلا یا لوگ شریک تجویز ہیں اور پارلیمنٹ میں خاص خاص ذی مقتدر جیسے لارڈ لاٹ وغیرہ شریک ہوتے ہیں ۶ وہ جماعت جس سے سلطنت کے معاملات فیصل ہوں ۷ کسی چیز کی خفیہ خبر لینا ۸ میں ۹ فتح کر نیوالا غالب ۱۰ فتح کیا ہوا مغلوب ۱۱ خوشامد

کے وہ گویا دوسرے ہیں۔ سب سے پہلے اپنے تئیں تعصبات رسمی کے پھندوں سے چھڑاؤ پھر علم حاصل
کرو۔ علم سے مراد یہ علم نہیں جسکو پڑھکر انسان بی اے[1]۔ ایم اے۔ بن بیٹھتا۔ اور کانگرس کے خواب
پریشان دیکھنے لگتا ہے (چیرز)۔ بلکہ انجنیری۔ ڈاکٹری۔ باٹنی[2]۔ کیمیا[3]۔ جیولوجی[4]۔ طبیعیات۔ جیالوجی[5]
وغیرہ جنکے ذریعے سے صنعت اور دستکاری اور ایجاد کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اور جنکی تفصیل ہمارے
دوست شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب خوب جامعیت کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ سب
کچھ تمہاری ہی مٹی میں ہے۔ اور تمہاری ہی مٹھی میں ہے۔ مگر تمکو اس سے متمتع[6] ہونے کا سلیقہ نہیں۔ جو
کر سکتے ہو اور جو تمکو کرنا چاہیئے۔ اسکی تمکو ذرا بھی پروا نہیں۔ اور پروا بھی ہو تو کہاں سے ہو۔ تم کو گورنمنٹ
کے انتظاموں پر جرح اور اعتراض کرنے سے فرصت کب ملتی ہے۔ اگر بنگالیوں نے۔ یا پارسیوں نے۔
یا جو لوگ کانگرس کے حامی ہیں۔ اپنے یہ فرائض پورے طور پر ادا کیے ہوتے تو ہم سمجھتے کہ نیشنل کانگرس
رفاہ ملک کے لیے کھڑا کیا گیا ہے۔ مگر جو شخص فرض کو چھوڑ کر نفل پر دوڑے ہمکو تو اُسکی خدا پرستی تسلیم نہیں
(چیرز)۔ خدا اگر کسی کے دماغ میں اسطرحکا خلل ڈالے کہ وہ انگریزی پڑھ لینے سے اپنے تئیں انڈیا کا بسمارک[7]
سمجھنے لگے اور ملک داری کے امور عظیمہ میں رائے زنی کرنے کو لڑکوں کا کھیل خیال کرلے تو اُسکو سمجھنے
اور خیال کرنے دو۔ اپنا مسلک تو یہ ہے ؎

رموز مصلحت ملک خسرواں دانند گدائی گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

(چیرز) یہ سچ ہے کہ جسطرح کا ایجی ٹیشن (تحریک) کانگرس کرنا چاہتا ہے۔ ولایت میں اکثر ہوتا رہتا ہے
مگر ہمارا کہنا یہ ہے کہ ہندوستان کو ولایت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے **شعر**

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا پہونچے کب اُسکو ہاتھ ہمارے غبار کا

ولایت والوں کی سی لیاقت۔ اُن کی سی معلومات۔ اُن کی سی روشن دماغی۔ اُن کی سی تلاش۔ اُن کی سی
راستی۔ اُن کی سی بلند حوصلگی۔ اُن کی سی مستقل مزاجی۔ اُن کی سی جفاکشی۔ اُن کا سا ربط ضبط۔ اُن کی سی
جاں نثاری۔ اُن کی سی یکسانی خیر خواہی اور اُنکی سی نہیں۔ بلکہ اُسکا عشر عشیر بھی ہندوستانیوں میں

---

[1] یہ درجہ فضیلت علمیت کے ہیں ۱۲ [2] علم نباتات ۱۲ [3] جس علم سے نباتات و جمادات کی ترکیب معلوم ہو ۱۲ [4] جس علم سے آلات
کا بنانا اور بوجھ کا اُٹھانا سکھایا جاتا ہے ۱۲ [5] علم طبقات الارض جسکے ذریعہ کانیں دریافت کرتے ہیں ۱۲ [6] فائدہ لینے کا ۱۲ [7] یہ شخص
شہنشاہ حال جرمنی کے دادا کے وقت میں وزیر تھا یہ وہ نامور شخص ہے جسنے سلطنت جرمن کو متحد کیا اور فرانس پر غلبہ [illegible] نپولین [illegible] اسنے ہی گرفتار کیا

یہ ہے۔ اور یہ زِنر لیف (رولی یقین) مبنی ہے ساری عمر کے تجربے پر کہ کارفرمائی جیسی ایک مسلمان
کرسکتا ہے ہندو سے نہیں ہوسکتی نہیں ہوسکتی!! ہرگز نہیں ہوسکتی! (چیرز) کارفرمائی کی شرط اعظم
ہے۔ خودداری ذاتی تعزز فورس آف کیرکٹر (ہمت، جرأت) اور یہ حرارت مسلمانوں کے خون سے
ابھی تک تو نکلی نہیں۔ الغرض ہمارا کیس ایک اسپیشل کیس ہے اسکی روئداد کسیطرح ہندوؤں کی
روئداد سے نہیں ملتی۔ ہندو جب زور دیکھے کثرت اور انگریزی دانی پر! اور یہی جگہ ہماری نانی
کے مرنے کی ہے (چیرز) پس ہمکو ہندوؤں کی رفاقت ضرور نقصان پہونچائے گی۔ میری صلاح مانو
تو نہ روؤ نہ چھینکو۔ متوکلاً علی اللہ چپ چاپ بیٹھے رہو۔ وہ کارساز ہمارے لیے اسباب مہیا کررہا ہے ع

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد (چیرز)

ابھی کانگرس نے ضرور گورنمنٹ کو چوکنا کیا ہوگا۔ کوئی دن جاتا ہے کہ لیاقت کے سٹینڈرڈ میں ترمیم
ہوگی۔ یہ تو میں نہیں کہتا کہ تعلیم انگریزی کی نون مدہم کردی جائے گی۔ مگر گورنمنٹ کو اس کی
تدبیر تو چار و ناچار کرنی پڑے گی کہ ہندوستانیوں کو ایسی تعلیم دی جائے کہ اُن کے خیالات
سوشیل رفارم لوکل امپروومنٹ کی طرف مصروف ہوں۔ جس سے ملک کو فائدہ پہونچے۔ اور
ایسے کیڑے اُن کے مغز میں نہ کلبلانے پائیں کہ بجٹ اسٹمنٹ کی وصولی کے بدون اُن کو چین
نہ پڑے (بڑے زور سے چیرز) ع

چہ دانی تو اے بندہ کار خدائی

نیشنل کانگرس کا انجام کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ہماری حمیت تو گوارا نہیں کرتی کہ ہندوؤں کے طفیلی
بنکر کوئی دنیوی مفاد حاصل کریں۔ گو وہ مفاد کتنا ہی بڑا کیوں نہو۔ ۵

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر ست
رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

ہمکو جو کچھ فائدہ اس عملداری میں ہونے والا ہے۔ ہم اُس کو لیں گے۔ کوئین وکٹوریہ سے۔ وائسرائے
سے۔ لفٹننٹ گورنر سے۔ کمشنر سے۔ ڈپٹی کمشنر سے۔ اور انشاء اللہ بے مانگے لیں گے۔ تم نے
نہیں سُنا "بن مانگے موتی ملیں اور مانگے ملے نہ بھیک" (چیرز) ہمکو اِن کانگرس والوں کی

۱ خاص صورت ۲ خدا پر بھروسہ کرکے ۳ طرز تمدن کی اصلاح ۴ ملکی بہبودی ۵ تخمینۂ آمد و مصارف آئندہ

الله

وہ بے مانند ہے۔ اول معلوم کرنا چاہیئے کہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب ہیں کون پھر پوچھنا چاہیئے کہ اِنکے اغراض
کیا ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہندوستان میں کوئی ایسا شہر یا قصبہ ہے؟ جہاں کے لوگ یہ نہ جانتے ہوں کہ
جناب حکیم **محمود خاں** صاحب دہلی میں اول درجے کے طبیب حاذق ہیں۔ اور جو شخص حکیم صاحب کی
خدمت میں حاضر ہوا ہے اُسکو یہ بھی معلوم ہے کہ مدتوں سے حکیم صاحب کا مطب اُنکے خلف اکبر وارشد حکیم
عبدالمجید خاں صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ پس جو شہرہ حکیم محمود خاں صاحب کا ہے حقیقت میں من حیث الطب
حکیم عبدالمجید خاں صاحب کا حق ہے۔ طب کی حقیقت طب کا بھلا بُرا حکیم عبدالمجید خاں صاحب سے بڑھکر کوئی
کیا جانے گا۔ یہ خیال اُنہی کے دل میں گزرا کہ طب کا ایک مدرسہ جاری کرنا ضرور ہے۔ اِس مدرسے کے اجرا
سے اُنکی یہ غرض ہے کہ بالفعل طب یونانی کو سنبھال کر آیندہ اِسکو ترقی دیجائے مثل اُن لوگوں کے جو کہتے
ہیں کرنے کے لیے نہ صرف کہنے کے لیے۔ حکیم عبدالمجید خاں صاحب اپنے اغراض کے صاف صاف بیان
کرنے میں مضایقہ سا کرتے ہیں۔ مگر واقع میں اُنکا مطلب یہ ہے کہ طب کے طریقۂ درس کو باقاعدہ کیا جائے
وہ اِس بے تمیزی کو نہایت حقارت کے ساتھ دیکھتے ہیں اور وہ حقارت کی چیز ہے بھی۔ کہ چند روز کسی طبیب
کے مطب میں بیٹھنے اور بے سلسلہ دو چار کتابیں پڑھ لینے یا صرف کسی طبیب کا جانشین ہوجانے سے کسی
شخص پر طبیب کا اطلاق کیا جائے۔ پس اُنہوں نے ٹھیک سوچا ہے کہ طب کا مدرسہ ہوگا اور اُسمیں با
قاعدہ درس دیا جائے گا۔ امتحان ہوگا سند ملیگی۔ تو نیم حکیم خطرۂ جان جو حشرات الارض کی طرح اطراف
و جوانب میں منتشر ہو رہے ہیں رفتہ رفتہ معدوم ہو جائیں گے۔ اِسکے علاوہ اُنکے اغراض میں یہ بھی ہے کہ
جراحی جسکو اطبائے یونانی نے عملاً ترک کر رکھا ہے شرط طبابت گردانی جائے اور درحالیکہ انگریزی آلات
بہم پہونچ سکتے ہیں اور کتابوں میں مسائل تشریح بکمال شرح و بسط لکھے ہوئے موجود ہیں۔ حکیم صاحب کا یہ
ارادہ بادی النظر میں دشوار تو معلوم ہوتا ہے مگر کوئی اِسکو محال و ناممکن نہیں کہ سکتا۔ حکیم صاحب چاہتے
ہیں کہ اِن کے مدرسے کے طبیب آپ فصد کھول لیا کریں جگہ سے ٹلے ہوئے اعضا کو اُنکے اصلی موقع پر بٹھا
دیا کریں۔ عند الضرورت چیر پھاڑ قطع و برید کر لیا کریں۔ غرض نہ صرف طبیب ہوں بلکہ جراح بھی۔ حکیم
عبدالمجید خاں صاحب اِسپر بڑا زور ڈالتے ہیں کہ اِنکے طبیب دواشناس اور دواساز بھی ہوں یعنی
بقدر تعلق طبابت یونانی کیمیا کے ماہر۔ حکیم عبدالمجید خاں صاحب دلی زبان سے یہ بھی کہتے ہیں اور اُنکا
دلی زبان سے کہنا اور دوسرے کا ڈھنڈورا پیٹنا برابر ہے کہ جب ہم طب یونانی کو تازہ اور مستحکم کر چکیں گے

تو وید کی ڈاکٹری کی بکار آمد چیزوں کے لینے اور رواج دینے میں بھی کوشش کرینگے۔ سبحان اللہ
اصلی رفارمر تو اسیکا نام ہے اور اسیکی ہمکو ضرورت ہے۔ خدا کرے دوسرے رفارمروں کے بھی ایسے ہی
خیال ہوں۔ میں اپنی جگہ بیٹھا ہوا اسیطرح کی بہت تحریکیں سنا کرتا ہوں ابتدا میں غل ہے اور شور
ہے اور اہتمام ہے اور ابرام ہے اور آخر میں کچھ نہیں۔ اگر حکیم عبدالمجید خاں صاحب نرے مجوز اور محرک
ہوتے تو میں اس مدرسے کو بھی ہندوستانیوں کی عام تجویزوں کیطرح بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتا
مگر میں دیکھتا ہوں کہ واقع میں ایک اعتبار سے انہوں نے مدرسہ جاری کر دیا۔ درس طب اور مطب دو
چیزیں ہیں اور دہلی میں اسوقت دونوں چیزیں حکیم عبدالمجید خاں صاحب کی دونوں مٹھیوں میں ہیں
تو جب انہوں نے مدرسی کو کہ وہی بڑا کام تھا اپنے اور اپنے دونوں بھائیوں کے متعلق کر لیا تو اب رہ
کیا گیا صرف حیثیت کا بدل دینا جو لوگ حکیم عبدالمجید خاں صاحب سے استفادہ طب کر رہے ہیں اپنی
حالت پر قایم رہیں لیکن اس حیثیت سے کہ مدرسہ طبیہ مجوزہ کے طالب علم کہلائے جائیں اور حکیم صاحب
اور انکے بھائی بے تنخواہ کے مدرس۔ اس سے زیادہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب مدرسہ جدید کو کیا دیتے
اور کیا کرتے کہ تینوں بھائیوں نے اپنی خدمتوں کو بے مزد و بے منت وقف مدرسہ کر دیا اب لوگوں کی
ہمتوں کو دیکھنا ہے۔ اگر مثقال[1] حبۃ من خردل بھی سر میں عقل اور دل میں خیر ہے تو جی کھولکر
چندہ دیں کہ کتابیں اور آلات خریدے جائیں۔ جدید طلبہ داخل ہونے شروع ہوں۔ اُن کے رہنے
بیٹھنے اور کھانے کا ٹھکانا کیا جائے۔ اور مدرسہ ترقی پکڑے اگر ایسے محل پر بھی لوگوں نے کوتاہی کی تو
سمجھ لیں کہ ہندوستان سے طب رخصت ہوئی۔ اور زندگانی سے عافیت۔ واللہ[2] ولی التوفیق
دہلی میں تو کوئی ایسا مجنون بھی خیال نہیں کر سکتا۔ مگر ہاں باہر والے جنکو حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے
تفصیلی حالات سے آگہی نہو اس مثل کے مطابق کہ دودھ کا جلا چھاچھ کو بھی پھونک پھونک کر پیتا
ہے۔ شاید بدگمانی کریں تو ایسی بدگمانی ان[3] بعض الظن اثم میں داخل ہوگی +

میں گواہی دیتا ہوں کہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب فی حد ذاتہ بڑی مقدرت کے آدمی ہیں۔ اور
اُن کی شان ماشاءاللہ اللّٰھم[4] زد فزد اس سے بہت ارفع ہے کہ ایسی دنی اور خسیس منفعت پر نظر
کریں۔ تو جو لوگ چندہ دینا چاہیں وہ سمجھ لیں اور بخوبی مطمئن رہیں کہ اُن کا دیا ہرگز اکارت نہیں

۱ رائی کے ایک دانے کے برابر ۲ اللہ توفیق دینے والا ہے ۳ بعضے گمان داخل گناہ ہیں ۴ خدا زیادہ اور زیادہ کرے

جا سکتا۔ نہ صرف اس اعتبار سے کہ آپ کو آخرت میں ثواب ملے گا وہ تو ملے ہی گا اور انشاء اللہ تعالیٰ
وہ چند لے گا مثل جاء بالحسنة فله عشر امثالها مگر دنیا میں بھی ان کی کوڑی
کوڑی کمال احتیاط اور کفایت شعاری کے ساتھ طب یونانی کی صلاح
اور ترقی میں خرچ ہوگی ؎ واللہ علی ما نقول

و کـــــــــن

ؑلہ جو ایک نیکی کرے گا وہ دس نیکیوں کا ثواب پائے گا۔ ۱۲ ؎ جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا اُس کا گواہ ہے ۱۲

فالوورز میں میں بھی ہوں۔ اگر فالوورز سے وہ لوگ مراد ہوں جو اِس کانگریس میں شریک ہونے کے لیے اُنکے ساتھ آے بلکہ اگر وہ لوگ بھی مراد ہوں جو سر سید احمد خاں کو بڑا انلائٹنڈ (روشن ضمیر) بڑا عالی خیال بڑا آل اندیش بڑا مدبر بڑا مستقل مزاج بڑا متحمل اور مسلمانوں کا بڑا بہت بڑا اور سچا خیرخواہ باور کرتے ہیں فانا اولہم واقدمہم (تو میں سب سے اول اور سب سے آگے ہوں) لیکن اگر فالوورز سے مراد ہوں بلا تحقیقات اُنکے تمام خیالات کے تسلیم کرنے والے اگرچہ وہ خیالات مذہبی ہی کیوں نہوں تو میں اِس بھرے مجمع میں پکارکے کہتا ہوں انی بریٔ (میں بری ہوں) سر سید احمد خاں کی طلب کے علاوہ مجھکو اس کانگریس میں شریک ہونے کے لیے ایک وجہ اور بھی داعی ہوئی کہ میرے نزدیک ایسے مجمع کے لیے تمام ہندوستان میں پنجاب سے اور تمام پنجاب میں لاہور سے بہتر کوئی موقع نہیں ہوسکتا اسوقت کیا رعایا کیا سرکار سب کی ہمتیں پنجاب کی طرف مصروف ہیں اور جس زور سے ڈفنس (ملکی حدود کی حفاظت) کارروائیاں ہو رہی ہیں آپ سب صاحبوں کو معلوم ہیں مگر تعلیم سے بڑھکر کوئی ڈفنس نہیں بشرطیکہ مناسب طور پر ہو۔ یونیورسٹیاں اور کالج تو بجائے خود میں کہتا ہوں ہر ضلع بلکہ ہر تحصیلی اسکول ایک فورٹ آف اسٹرنگتھ (قلعہ مستحکم و استوار) ہے اگر اُس میں تعلیم اچھی ہو۔ رعایا گورنمنٹ کی دولت ہے۔ اور اُسکی رضامندی گورنمنٹ کی قوت۔ رعایا اور گورنمنٹ کے اغراض ایسے وابستہ بہم گر ہیں کہ اگر رعایا گڈ (اچھی) رعایا ہو اور گورنمنٹ گڈ گورنمنٹ تو رعایا ہی گورنمنٹ ہے اور گورنمنٹ ہی رعایا۔ مگر افسوس بڑے افسوس بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ ہمارے بدنصیب ہندوستان کی رعایا اور گورنمنٹ میں وہ گاڑہا اتحاد نہیں ہے اور اُسکے ہونے میں ابھی بہت دیر معلوم ہوتی ہے جسکا ہونا رعایا اور گورنمنٹ دونوں کے حق میں مفید بلکہ ضروری ہے برٹش گورنمنٹ کو ہندوستان میں حکومت کرتے ہوئے قرن ہوگئے۔ بھلا پھر کونسی چیز رعایا اور گورنمنٹ میں اتحاد کے پیدا ہونے کی مانع ہے۔ کیا گورنمنٹ جابر اور سخت گیر ہے۔ توبہ توبہ ماباپ سے بڑھکر شفیق۔ تو کیا رعایا سرکش ہے؟ نہیں نہیں۔ ایسی منقاد و اسقدر مطیع کہ ایک چرواہے کو بھیڑ بکری کے ریوڑ کا روکنا مشکل۔ اور ایک لفٹننٹ گورنر کو انبوہ رعایا کا سنبھالنا آسان۔ پھر کسکا قصور ہے؟ رعایا کا۔ کیونکہ اَن ایجوکیٹڈ (ناتعلیم یافتہ) ہیں ان بدبختوں کو گورنمنٹ کا منشا معلوم نہیں۔ گورنمنٹ کے پرنسپلز (اصول) سے آگہی نہیں۔ اباً عن جدٍ اُنہوں نے دیکھے ہیں۔ ڈسپاٹک (شخصی خودمختار) حکومتیں ان کے ذہنوں میں متوارث طور پر یہ بات مرتکز ہو رہی ہے

۵۱ پیرو ۱۲ ۵۲ روشن ضمیر ۱۲ ۵۳ حفاظت۔ حمایت ۱۲ ۵۴ گلہ ۵۵ متوارث ۱۲

کرتا۔ اور کبھی ساشاماغا اور آربھی چھپوتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو مسلمانوں کی ریفارم کے درپے ہیں مسلمانوں کو
کبھی ان کے بزرگوں کی شان و شوکت اُن کی عظمت اُن کی فتوحات اُن کے ہر طرح کے کمالات یاد دلاتے کبھی
مسلمانوں کی حالت موجودہ کی تباہی اُن کی مفلسی اقوام معاصر کے مقابلے میں اُن کی بے وقعتی کا مرثیہ اُن کو
سُناتے اور کبھی اُن کو کاہلی اور تعصب پر ملامت کرتے اس غرض سے کہ مسلمانوں کی غیرت کو تازیانہ ہو۔ میں بھی
یہی کچھ کروں گا اور اس کے سوائے کر بھی کیا سکتا ہوں +

یہ بات مسلمات سے ہے کہ مسلمان فی زمان عروجہم (اپنے عروج کے زمانے میں) کسی قوم سے علم
میں ہیٹے نہیں رہے۔ وہ تحصیل علم پر اس قدر حریص تھے کہ جہاں سے اور جس ڈھب سے جو کچھ ہاتھ لگا لے اُڑے
جس طرح مسلمانوں کی ملک گیری حیرت انگیز ہے کہ ایک ہی صدی میں تمام روے زمین پر لمن الملک الیوم
(آج کوئی اور بھی ہمارے سوائے ملک کا مالک ہے) ڈنکا بجا پھرے۔ اسی طرح بلکہ اُس سے زیادہ اُن کی علمی
فتوحات محل استعجاب ہیں۔ شروع شروع میں بعض متعصبین نے انگریزی کی مثل گیو ڈی ڈاگ اے بیڈنیم اینڈ
وین کِل ہم آوٹ "دُکتے پر پہلے کچھ الزام لگاؤ پھر اُس کو لات مار کر باہر کرو) کے مطابق مسلمانوں پر بہتان بندی
کی بھی کہ انھوں نے اپنے مذہب کے ضعف کی پردہ داری کے لیئے علوم کو معدوم کرنا چاہا۔ مگر فیکٹس (واقعات)
کس کے دبائے دبتے ہیں۔ آخر کار ہسٹری (تاریخ) پکار اُٹھی کہ جھوٹ! اب تمام یوروپ میں شاید ایک متنفس بھی
اس سے انکار کرنے والا نہیں۔ کہ علم کی روشنی ان میں ابتدا مسلمانوں ہی نے پھیلائی۔ ایک منصف مزاج اور
محقق انگریز کا یہ قول کسی آرٹکل (مضمون) میں نظر پڑا تھا کہ "مسلمانوں کی تعلیم میں کوشش کرنا حقیقت میں
اُن کے بزرگوں کا دیا ہوا قرضہ اتارنا ہے" میں سچ کہتا ہوں کہ یہ فلیٹرنگ لینگویج (الفاظ مدح) پڑھ کر تھوڑی
دیر کے لیئے میں بھی شیخی میں آگیا تھا۔ مگر اُسی وقت یہ شعر یاد آگیا ؎

ان الفتے من یقول ھا انا ذا   لیس الفتے من یقول کان ابی

(مرد وہ ہے جو کہے میری ذات میں یہ ہنر ہے۔ وہ مرد نہیں ہے جو باپ پر فخر کرے) پھر تو وہ
کامپلیمینٹری (توصیفی) الفاظ ہجو ملیح کی نشتر کی طرح چبھنے لگے۔ ہم اپنے علمائے متقدمین کو اُن کے زمانے کے
لحاظ سے اور بھی زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اُن وقتوں میں علم کچھ ایسی بہت بکار آمد چیز نہ تھی یونانی
جو علم کے اعتبار سے سب میں سر برآوردہ تھے اُن کے سارے کمالات کا خلاصہ تھا حکمت نظری وہ ذہنی
احتمالات کی بھول بھلیاں میں بھٹکتے پھرنے کو عقل انسانی کی معراج جانتے تھے لولا الاعتبارات

اور اخوۃ اسلامی کا قایم ہونا تھا کہ اہل عرب کی مجموعی شجاعت اور سپہگری کا نزلہ اطراف پر گرنا شروع
ہوا۔ پس اگر اسلام کو طائر سے تشبیہ دیں تو اُسکا داہنا بازو مذہب تھا اور بایاں سپہگری۔ اسلام کی ابتدائی
حالت ایک اُبال کی سی تھی۔ جسنے دیگچی کی تہ تک کے پانی کو اُچھال ڈالا۔ یہ تو عروج اسلام کی حقیقت ہی اب
رہا تنزل۔ لوگ اپنے اپنے پندار کے مطابق اُسکے گوناگون اسباب قرار دیتے ہیں۔ ع

ہرکس بخیال خویش خبطے دارد

مجھکو دوسرے خیالات سے اسوقت بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ جہاں تک تعلیم کو تنزل اسلام
میں دخل ہے میں اُسپر چند ریمارکس کرونگا۔ تنزل اسلام سے مراد ہے ضعفِ سلطنت۔ میں ایسا سمجھتا
ہوں کہ ترقی اسلام ہی اُسکے تنزل کا باعث ہوئی۔ اور قوت کے ساتھ ساتھ ضعف بڑھتا گیا۔ دنیا کے کارخانے
کا بھی عجیب انتظام ہے اضداد میں علاقۂ علیۃ و معلولیۃ ہے ؎

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے * زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

عروس سلطنت آئی تو آسایش آرام طلبی کاہلی عیش و عشرت سستی اور غفلت اپنی سہیلیوں کو ساتھ
لائی۔ رفتہ رفتہ سلطنت کی صلاحیت سلب اور اُسکے ساتھ سلطنت منتزع ہوگئی۔ اگرچہ ابھی تک چند اسلامی
سلطنتیں باقی ہیں۔ مگر نا منتظم ضعیف۔ محتاج مغلوب۔ اور جو لوگ زمانے کی آلاپ سے اُسکے راگ کو پہچانتے
ہیں اسبات پر متفق ہیں کہ اِن سلطنتوں کا ثبات و قیام اب صدیوں اور قرنوں کی نہیں بلکہ برسوں
کی بات ہے۔ ع

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

اہل یورپ کے باہمی محاسدات رفع ہوئے اور یہ نقش باطل کی طرح صفحۂ روزگار سے مٹے انّا للہ و انا الیہ
راجعون[1]۔ جو اسباب عموماً اسلامی سلطنتوں کے انتزاع کے باعث ہوئے وہ سب کے سب تو اِن سلطنتوں
میں تھے ہی تھے اب گزشتہ صدی کے اندر ہی اندر مجموعۂ اسباب کا جدا مجدا ایک سبب جدید اور پیدا ہوا
سائنس (علوم) دیکھئے یہ موذی اہل اسلام کو روئے زمین پر رہنے بھی دیتا ہے یا نہیں۔ سائنس نے ایسا
سر اُٹھا رکھا ہے کہ زور جسمانی اور بہادری اور پہلوانی کسی کی کچھ حقیقت باقی نہ رہی۔ ورزش بانسا مہا کشتی داؤ
پیچ پھکیتی پٹا بانک سپہگری کے جتنے کرتب تھے اب تعزیہ داری کے جلوس کے سوائے اور بھی

[1] ہم لوگ واسطے اللہ کے ہیں اور اُسی کی طرف رجوع ہونے والے ہیں ١٢ *

معروف کے ہیں؟ کیا زمانے کے انقلاب ہیں!!! ایک وقت وہ تھے کہ یہی کرتب سلطنتوں کے فیٹ
ڈسائڈ (فیصلے) کرتے تھے۔ اب وہی کرتب بازیچۂ بازاریاں ہیں۔ سو گریہ ہیچ۔ میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ اہل
یورپ کے مقابلے میں بہادری کے معنے ہیں خودکشی۔ ہر روز آلات حرب میں ایسی ایسی ایجادیں ہوتی چلی جاتی
ہیں کہ اہل یورپ ہی ایک دوسرے کی مقاومت کریں تو کریں۔ ورنہ دوسری قوموں کا ایسے لایعنی توقعات
کو دل میں جگہ دینا ع

این خیال ست و محال ست و جنوں

اہل یورپ کی ملکی فتوحات تو سب کی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں اور ہم کو سارے اہل یورپ سے کیا غرض
یا مطلب انگریزوں ہی کی فتوحات کو دیکھو۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ میری یاد میں باعتبار اوسط
بیس برس بھی ایسے نہیں گزرے جن میں کوئی نہ کوئی نیا ملک سلطنت انگریزی میں شامل نہوا ہو الم یروا
انا ناتی الارض ننقصہا من اطرافہا؎ کیا نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو ہر طرف سے لیتے چلے جاتے ہیں
ہر چند یہ فتوحات بھی بجائے خود معظمات الامور ہیں۔ مگر ان سے معظم تر انگریزوں کی سائنٹفک (علمی)
فتوحات ہیں۔ ملکی فتوحات کے ذریعے سے انگریز ہم کو اسیقدر مطیع کر سکتے تھے۔ اس سے ایک انچ بھی
زیادہ نہیں کہ طوعاً کرہاً ہم اُن کو خراج دیں۔ لیکن سائنٹفک فتوحات کے ذریعے سے انہوں نے
یہانتک ہمکو اپنے بس میں کر لیا کہ وہ کپڑا بُنیں تو ہم پہنیں۔ وہ ریل چلائیں تو ہم کانگرس میں آئیں۔ وہ تار
دیں تو ہمکو خبریں ملیں۔ وہ گھڑی کے کیل پرزے ڈھالیں تو ہمکو وقت کی پہچان ہو۔ وہ دیا سلائی بنائیں
تو ہم چراغ جلائیں۔ یا بعض چُرٹ یا سگریٹ سلگائیں۔ اُن کے ہاں سے سوتی آئے تو ہماری پوشاک
سی جائے۔ میں کہاں تک گنوایا کروں گا۔ جس نے انگریزی وضع اختیار کر لی ہے تو وہ بھلا خیر ادید اگر
انگریزی ساز و سامان رکھے ہی گا۔ جن کو انگریزی وضع کی چڑ ہے۔ اور اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں وہی ذرا
سوچ کر انصاف سے بتائیں کہ نماز کے بوریئے، وضو کے بدھنے اور تانبے کے پرانے باسنوں کے سوا
اور بھی کوئی چیز ان کے گھروں میں ہے۔ جس کو انگریز کا دست صنعت نہیں لگا الا ماشاء اللہ گزی گاڑھا کو
سے پرہیز۔ یہ لوگ اپنے پندار میں انگریزوں سے پرہیز کرتے ہیں اور انگریز ہیں کہ من بین ایدیہم
ومن خلفہم وعن ایمانہم وعن شمائلہم ومن فوق رؤسہم ومن تحت ارجلہم آ گھسے اور

؎ چار و ناچار ۱۲

پیچھے سے - داہنے سے اور بائیں سے - اوپر سے اور تلے سے) ہر طرف سے اُن کو گھیرے ہوئے ہیں جاؤ
تو بچ کر کہاں جاتے ہو ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطٰن
(اگر تم کو قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل بھاگو تو چلے جاؤ - مگر بے قدرت تو نہیں جا سکو گے)
یہ ہے سائنٹفک حکومت جس نے تمام رعایا کو جکڑ بند کر رکھا ہے - ہندوستان میں اس طرح کی اضطراری حکومت
انگریزوں سے پہلے اور کسی کو تو نصیب ہوئی نہیں - ہو گی بھی نہیں ۵۷ء کے غدر میں میں اپنے دل ہی
دل میں کہا کرتا تھا کہ انگریز بیٹھے سے ہوں تو سمٹ کر تھوڑے دنوں کے لئے سمندر میں ہو رہیں تا کہ باغیوں
کو کافر نعمتی کا اچھی طرح مزہ مل جائے - باوجودیکہ اُس وقت تک انگریزوں کا سائنٹفک تسلط ایسا قوی نہ
تھا جیسا اب ہے - مگر جیسا اور جس قدر تھا میرے اس خیال کو کافی تھا کہ جو آسایش ہم کو انگریزی عملداری
میں میسر ہے کسی دوسری قوم میں اسکے مہیا کرنے کی صلاحیت نہیں پس یہی باغیان ناعاقبت اندیش بر
خود غلط جو عملداری کے تزلزل سے خوش ہیں - چند روز میں عاجز آ کر منت انگریزوں کو منا کر لائیں تو سہی - میں
اپنی معلومات کے مطابق اُس وقت کے ہندوستانی والیان ملک پر نظر ڈالتا تھا اور برہما اور نیپال اور افغانستان
بلکہ فارس اور مصر اور عرب تک خیال دوڑاتا تھا اِس سرے سے اُس سرے تک ایک متنفس سمجھ میں نہیں آتا تھا
جس کو میں ہندوستان کا بادشاہ بناؤں - امیدواران سلطنت میں سے اور کوئی گروہ اُس وقت موجود نہ تھا کہ
میں اُس کے استحقاق پر نظر کرتا پس میرا اُس وقت کا فیصلہ یہ تھا کہ انگریزی سلطنتِ ہندوستان کے اہل ہیں
سلطنت اِن ہی کا حق ہے اِن ہی پر بحال رہنی چاہیئے - دعوی مدعیان معہ خرچہ ڈسمس - ہوں تو میں غریب آدمی کسی کا
نوکر نہیں چاکر نہیں - مگر اپنے جھونپڑے میں پڑا ہوا اب بھی سلطنت کے فیصلے کیا کرتا ہوں - میں نے اپنے ذہن
میں ایک ایسا قاعدہ ٹھہرا لیا ہے کہ شاید مدتوں تک مجھ کو تجویز کی زحمت نہیں اُٹھانی پڑے گی - وہ قاعدہ یہ ہے
کہ فی زماننا ھذا سلطنت کوئی حق مستقل بالذات نہیں - بلکہ سائنٹفک سوپیریارٹی (علمی برتری) کا تابع اور
اُس کی فرع ہے - پس جو شخص سائنٹفک سوپیریارٹی سے بے نصیب ہو اُس کا دعوی سماعت نہ کیا جائے - ہماری
تیرھویں صدی میں دنیا کی تمام حالتیں اِس قدر متغیر ہوئیں کہ اگر اب سے سو برس پہلے کے مُردے کا جلایا جانا
ممکن ہوتا تو وہ دنیا کو دیکھ کر ضرور تعجب کرتا سب سے بڑا عظیم الشان تغیر جس پر تمام دوسرے تغیرات متفرع
ہوئے علمی تغیر تھا - جب مسلمان ہندوستان پر حکمران ہوئے تو جیسا تقاضائے حکومت ہے رفتہ رفتہ

لے خارج ۱۲ . اس زمانے میں ۱۲

ہندوؤں کے علوم نسیاً منسیاً ہوکر آخرکار مسلمانوں کے علوم رواج پا گئے ۔ متعصب ہندوؤں نے جو مسلمانوں
کے مظالم کی بڑی لمبی فرد بنا رکھی ہے اُسمیں یہ بات بھی ضرور ہوگی ۔ لیکن میرے نزدیک اُن کو مسلمانوں کا
شکرگزار ہونا چاہیئے ۔ اے کاش جسطرح مسلمانوں کی عملداری میں ہندو اپنے علوم بھول گئے ۔ انگریزی عملداری
میں مسلمان اپنے علوم بھول گئے ہوتے ۔ تو لاکھوں سیکڑوں ہزاروں مسلمان اس کانگریس میں حاضر ہونے کی
سرگردانی اُٹھاتے ۔ اب جو انگریزی سرکار دربار میں ہندو استدعا پیش ہیں کہ تمام سرکاری خدمتوں
کے ٹھیکہ دار ہیں اور یوں بھی اس عملداری میں اُنکو ہرطرح کے بھاگ لگ رہے ہیں ؎

خط بڑھا زلفیں بڑھیں کاکل بڑھے گیسو بڑھے + حُسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے

یہ سب ترقی و خوشحالی اپنے قدیم علموں کے بھلا دینے کی وجہ سے ہے ۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی تخصیص نہیں
روئے زمین کی تمام قوموں کے پُرانے علوم اسی قابل ہیں کہ اُنکو بُھلا دیا جائے ۔ کل قوموں کے پُرانے علوم تھوڑی
کمی بیشی کے ساتھ کہ وہ اختلاف سرزمین وغیرہ کی وجہ سے ہونے ضرور تھے ۔ باعتبار مآل کار قریب قریب ایک ہی
طرح کے تھے اگر مائی نیوٹلی (شرح و بسط کے ساتھ) علموں کی تفصیل کرنی چاہو تو بڑی بھاری فہرست بن سکتی ہے
مگر سرسری دیکھنے میں تو پُرانے علم متداول دو ہی طرح کے تھے ۔ زباندانی اور معقولات ۔ فن زباندانی ہر زمانے میں
ہر سرزمین میں ہر دلعزیز رہا ہے ۔ اب بھی ہے اور آیندہ بھی رہے گا ۔ لیکن ہر دلعزیز ہونا اور چیز ہے اور قوم
اور ملک کے حق میں مفید ہونا اور چیز ۔ بیشک ایسی مثالیں بھی ہیں کہ بعض اوقات شاعروں کو ایک ایک قصیدے
پر لاکھ لاکھ روپیہ ملا ہے ۔ مگر یہ شخصی فائدے تھے اور وہ بھی شاذ اور اتفاقی ۔ ان گئے گزرے وقتوں میں بھی
۱۸۵۷ء کے غدر کے پہلے تک دلّی میں ایسے ایسے شاعر موجود تھے کہ ہر شخص اپنی طرز کا استاد تھا ۔ مگر بیچارے
محتاج مفلس تنگیِ معاش کی وجہ سے پریشان ۔ اور جتنے نامی اور مستند شعراء متقدمین و متاخرین ہندی اور عجمی ہو
گزرے ہیں سبھی کے کلام سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ شاعروں کو گویا کسی فقیر کی بددعا ہے کہ ہمیشہ تنگدست
رہیں ہمارے ملک میں کلب علی خاں ایک شاعر تھے اُن کے شعر سے اسکی تصدیق ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں ؎

لوگ کہتے ہیں کہ فن شعرگوئی نحس ہے + شعر کہتے کہتے میں ڈپٹی کلکٹر ہوگیا

خیر بددعا تو کیا ہوگی مگر اسکا سبب یہ ہے کہ شاعری کی ایسی بُری چاٹ ہے کہ آدمی کو دنیا اور دین دونوں جہان
کے کاموں سے معطل کردیتی ہے ناچار شاعروں کو امیروں کا بھاٹ بننا پڑتا ہے جو ایک طرح کی گداگری ہے
غرض خود شاعروں کے ذاتی فائدے کے لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو شعر و سخن امیروں کے پیٹ بھرے کا

مشغلہ تھا۔ اب نہ پہلے سے امیر رہے نہ اگلی سی فراغتیں ع

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

کس توقع پر کوئی خون جگر کھائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد سے کسیطرف کوئی نیا شاعر بڑے نام ونمود کا سُننے میں نہیں آیا۔ لکھنو والوں میں کسیقدر رگ گدی ہے سو وہ بھی یوماً فیوماً گھٹتی چلی جا رہی ہے جوں جوں لوگوں پر یہ بات منکشف ہوتی چلی جاتی ہے کہ پُرانی تعلیم سے معاش میں مدد نہیں ملتی وہ آپ ہی اُس سے دست کش ہوتے جاتے ہیں۔ سر سید احمد خاں کو اور اُن لوگوں کو جو اُنکا سا خیال رکھتے ہیں صبر نہیں آتا۔ ورنہ کیسے لیکچر اور کہاں کا کانگرس۔ پیٹ ایسی بُری بلا ہے کہ اسکی خاطر سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ میں نے مدتوں سررشتہ تعلیم میں نوکری کی اُن دنوں "کوالیٹی" (صفت) کو تو کوئی پوچھتا نہ تھا کوانٹٹی (مقدار) بڑی کارگزاری سمجھی جاتی تھی۔ یعنی جہاں تک ممکن ہو رپورٹ میں مکتبوں اور طالبعلموں کا شمار زیادہ دکھایا جائے وہ گورنمنٹ کی غلطی تھی اور جبکہ ہر سال مکتبوں اور طالبعلموں کا شمار زیادہ ہوتا جاتا تھا گورنمنٹ جانتی تھی کہ لوگ پبلک انسٹرکشن کی قدر کرتے جاتے ہیں ایک مدت دراز تک گورنمنٹ کو یہی غلط خیال رہا۔ یہاں تک کہ نوکری کے لیے مڈل کے امتحان کی قید لگا دی گئی۔ اُسوقت سے البتہ لوگ سرکاری تعلیم کیطرف راغب ہوئے۔ لیکن نہ اس وجہ سے کہ اس تعلیم کو پسند کرتے ہیں بلکہ صرف نوکری کی طمع سے تو میں نے راغب ہوئے غلط کہا۔ مجھکو کہنا چاہیئے تھا کہ مجبور ہوئے۔ پھر یہی تماشہ وکالت اور مختاری کے امتحانوں میں دیکھا۔ اِن باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لوگ معاش کی طرف مضطر ہیں۔ جدھر توقع پاتے ہیں بے تامل دوڑے چلے جاتے ہیں۔ مذہبی تعصب یا غلط فہمی یا اَور کوئی خیال جسنے شروع شروع میں مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سے باز رکھا ہو میرے نزدیک جہاں تک مجھکو معلوم ہے اب اُن موانع میں سے کوئی مانع باقی نہیں اب مسلمان سمجھ گئے۔ بیٹر لیٹ دین نیور (بدیر ہو تو اس سے بہتر ہے کہ کبھی نہو) کہ پچھلے ڈھترے پر چلنے سے انکی دنیاوی کاربرآری نہیں ہو سکتی۔ اب سرکاری مدرسوں میں انکا شمار بہت بڑھ گیا ہے اور اُس حمیت سے جو مسلمانوں کا خاصۂ مذہبی ہے میں تو یقین کرتا ہوں کہ مسلمانوں نے جب تک نہیں کیا تھا نہیں کیا تھا۔ لیکن اَب کرنے پر آئے ہیں تو ایسا کرینگے جو کرنیکا حق ہے۔ خدا انکو توفیق دے کہ ایسا ہی کریں۔ میں پُرانے علوم کے سلسلے میں یہ بات بیان کر رہا تھا کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد کسیطرف کوئی نیا شاعر

۱۸ سررشتہ تعلیم ۱۲

بڑے نام و نمود کا سُننے میں نہیں آیا - یعنی ہمارے لٹریچر (علم ادب یا انشا پردازی) کی ترقی مسدود ہوگئی
آپ صاحبوں میں سے کوئی صاحب ایسا نہ سمجھیں کہ میں لٹریچر کا نوحہ پڑھ رہا ہوں - نہیں نہیں میں تو اس
خیال کا آدمی ہوں کہ علوم قدیمہ کو مسلمانوں کی ترقی کا سدِ راہ جانتا ہوں اور علوم قدیمہ میں سے بھی خاصکر
لٹریچر کا سخت مخالف ہوں - مسلمانوں میں ایزائے نیشن (بحیثیت قومی) جتنی خرابیاں ہیں کُل تو نہیں اکثر
اسی لٹریچر نے پیدا کی ہیں - یہ لٹریچر جھوٹ اور خوشامد سکھاتا - یہ لٹریچر واقعات اور موجودات کی اصلی خوبی کو
دباتا اور مٹاتا - یہ لٹریچر متوہمات اور مفروضات بے اصل کو فکٹس (واقعات) بناتا - یہ لٹریچر نالائق ولولوں
کو شورش دلاتا - اگر کسی نے اِس زہر کو چکھا ہے تو میں نے پیا ہے اور اگر کسی نے اس سانپ کو کھلایا ہے تو میں نے
اپنے تئیں اس سے کٹوایا ہے - اگرچہ بڑی عمر میں میں نے بوڑھے طوطے کی طرح آپ ہی آپ تھوڑی سی انگریزی
بھی پڑھ لی تھی - لیکن میری طبیعت میں ایشیائی تعلیم کا رنگ رچ چکا تھا - انگریزی پڑھنے سے اتنا تو ہوا کہ مجھکو اپنے
یہاں کے لٹریچر کے عیوب معلوم ہونے لگے - مگر مذاق وہی کا وہی رہا - اب بھی اگر کوئی برجستہ شعر سُن پاتا
ہوں چاہے اُسمیں کتنا ہی مبالغہ خلاف قیاس کیوں نہو بے اختیار پھڑک اُٹھتا ہوں - یہ ساری خرابی کمبخت
فارسی کی پھیلائی ہوئی ہے - خیالات اور مضامین کے اعتبار سے تمام دنیا کے لٹریچروں میں اس زبان کے
لٹریچر سے بدتر اَور کوئی لٹریچر نہیں - اسنے قومی مذاقوں کو ایسا بگاڑا اور اسقدر تباہ کیا کہ ہم لوگوں کو واقعات
میں مزہ نہیں ملتا - اور چونکہ طبیعتوں سے مناسبت سلب ہوگئی ہے سرکاری تعلیم مسلمانوں کو غذائے نامرغوب
کیطرح پچتی نہیں - شاید سو طالب علموں میں ایک بھی ایسا نہیں نکلیگا جو تاریخ اور جغرافیے اور طبیعات پر دل لگاتا ہو
ایک ڈائرکٹر نے رپورٹ میں لکھا کہ مسلمانوں کے سر ہی خدا نے ریاضی کے مناسب نہیں بنائے اور یہی وجہ
ہے کہ اکثر مسلمان طالب العلم ریاضی میں فیل (ناکامیاب) ہوتے ہیں - مسلمانوں کی تعلیم کی اصلاح میں مجھکو سب سے
زیادہ خدشہ اسی کا ہے کہ اُن کی طبیعتیں کہیں مدتوں میں جاکر تعلیم جدید سے مناسبت پیدا کرینگی - لٹریچر جس کی
نسبت میں نے چند ریمارکس کیے - مسلمانوں کی تعلیم مروجہ کا جزو اعظم ہے بعض وقلیل ماہر (اور ایسے
لوگ بہت تھوڑے ہیں) جنکو سر پر دستار فضیلت کے لادنے کا شوق ہوتا ہے - زبان کے علاوہ کچھ علوم
بھی پڑھتے ہیں جنکا خلاصہ ہے معقولات - سو ہمارے یہاں کا معقول ایسی نامعقول چیز ہے کہ اسکے پڑھنے
سے انسان مخبوط العقل ہو جاتا ہے - میں اسکو تسلیم کرتا ہوں کہ ایک حد تک معقول کا پڑھنا مفید اور بکار آمد ہے

اس سے فکر غائر اور ذہن تیز ہوتا مطلب کے مسئلہ اور ما علیہ اور اطراف و جوانب پر نظر احاطہ کرنے لگتی مگر
اُسمیں توغل کرنا انسان کو تشکیک - جھگڑالو - اور کٹھ حجتی بناتا اور تحقیق حق سے باز رکھتا ہے - لٹریچر کی تو غیر
ترقی ہی مسدود ہوتی ہے معقولات کو میں دیکھتا ہوں علی شفا جرف ھار (معدوم ہونے کی قریب) بڑے
بڑے چھاپے خانے والے جنکو اپنا پہاڑ جھونکنے کے لئے خشک و تر سبھی طرح کے ایندھن کی تلاش رہتی ہے اب
تو وہ بھی معقولات کی کتابوں کو ہاتھ نہیں لگاتے - کیونکہ ان کی نکاسی نہیں پاتے غرض نہ کسی کے سکھانے
سے اور نہ کسیکے بہکانے سے نہ کسیکے ڈرانے دھمکانے سے بلکہ دیکھنے اور آزمانے سے مسلمانوں پر خود بخود پرانی
تعلیم کا بھنڈ کھل گیا اور انگریزی پڑھیں یا نہ پڑھیں - مگر پرانی تعلیم کو تو خیرباد کہہ چکے - غدر کے بعد سے ہم تو
برابر یہی دیکھتے چلے آتے ہیں کہ جب کسی فن کا کوئی صاحب کمال مرا وہ فن بھی اُسکے ساتھ رخصت ہوا اب
سے زیادہ نہیں تیس برس پہلے کسکو توقع تھی کہ تعلیم کے متعلق مسلمانوں کے خیالات اسقدر جلد روبراہ ہو جائینگے
جب سر سید احمد خاں نے ابتداءً مسلمانوں کے رفارم کی چھیڑ چھاڑ شروع کی - باستثنائے معدودے چند
جنکو سر سید احمد خاں کے ساتھ زیادہ اختلاط تھا اور وہ ایماناً اور صداقةً انکے ارادوں کو مسلمانوں کی سچی
خیرخواہی کے سوائے دوسرے موٹوز (اغراض) کی طرف منسوب کر نہیں سکتے تھے - تمام ہندوستان کے مسلمان
کنفس واحدة[2] ان کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے - اور جو نہ کہنا تھا سو کہا اور جو نہ کرنا تھا سو کیا - اُن دنوں مسلمانوں
کی عام شورش دیکھکر یہ خیال تو کئی بار میرے دلمیں بھی آیا تھا کہ جب مسلمان رفارم کے اسقدر مخالف ہیں
تو بہتر ہوگا کہ اُنکو اُن کی حالت پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ زمانہ اُن کی اصلاح کرے فان الدھر احسن
المودبین (یعنے زمانہ سب سے اچھا سکھلانے والا ہے) لیکن غور کرنے سے مجھکو اپنی غلطی پر تنبہ ہوا اور میں نے
سوچا کہ زمانہ یا دہر یا وقت ہے کیا چیز نہ تو وہ کوئی موجود منفرد اور مستقل بالذات ہے اور نہ اُسمیں تصرف
کی قدرت ہے - جو کچھ ہوگا اور جب کبھی ہوگا ہمارے ہی کرنے سے ہوگا - چنانچہ سر سید احمد خاں اپنی دُھن میں
اپنا کام کیئے چلے گئے - اول تو ہمارے یہاں رفارمر ہی ایسے کون سے کوڑیوں ہو گزرے ہیں کہ اُن کے ساتھ
سر سید احمد خاں کا مقابلہ کیا جائے - لیکن جہاں تک مجھکو رفارمروں کا حال معلوم ہے یہیں کے نہیں بلکہ
دوسرے ملکوں کے بھی - میں تو سر سید احمد خاں کو بڑا خوش نصیب اور کامیاب رفارمر سمجھتا ہوں - اُنھوں نے
ایسی جگہ ایک بیج بویا جہاں کی سرزمین اور آب و ہوا کسیطرح اس بیج کو سازگار نہ تھی - اُن کی آبیاری سے وہ

[1] مفید و مضر ۔ [2] مثل تن واحد ۱۲ ۔

بیج جما اور اُسکو نشو و نما ہوا اور انشاء اللہ وقت پر پھولے اور پھلیگا بھی کزرعٍ اخرج شطأہ فآزرہ
فاستغلظ فاستویٰ علیٰ سوقہ یعجب الزراع (جیسے کھیتی کہ کونپل نکلی۔ پھر اُسمیں جان پڑی
پھر پنپی۔ پھر کھڑی ہوگئی کہ کاشتکار لگے دیکھ کر خوش ہونے) اور یہ سب کچھ انہی کی زندگی میں۔ علیگڈھ میں
اس بات کا ثبوت مرئی موجود ہے محمڈن کالج کہ ایک متنفس کرنے پر آئے تو کیا کچھ کرسکتا ہے اب ہمکو تو ہم ہی
کو نہیں جو اس حال میں جمع ہیں بلکہ تمام مسلمانوں کو سوچنا چاہئے کہ سر سید احمد خاں میں کاہے کی
خصوصیت ہی۔ کیا ان کی لال ٹوپی میں پھندنے کی جگہ سرخاب کا پر لگا ہے ؟ نہیں۔ کیا یہ بڑے عالم متبحر ہیں؟
نہیں۔ کیا یہ بڑے مالدار ہیں؟ نہیں۔ کیا ان کو گورنمنٹ کی طرف سے کوئی اقتدار خاص عطا ہوا ہے؟ نہیں
پھر انکے پاس وہ کیا لٹکا ہے جس سے مسلمانان ہند کی کایا پلٹ دی اور اُن کی ہسٹری[1] میں ایک نیا ایرا (واقعۂ
عظیم جس سے برسوں کا شمار کیا جائے جیسے مسلمانوں میں ہجرت) شروع کرادیا۔ وہ لٹکا ہے دل جو ان کے
سینے میں لٹکا ہوا ہے۔ کسی کے پاس ایسا دل ہو تو وہ بھی علیگڈہ کے محمڈن کالج کا سا شعبدہ کرسکتا ہے ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید * دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ابھی قوم کو ایسے بہت سے دلوں کی ضرورت ہے مقلب القلوب[2] توفیق عطا کرے۔ اگرچہ محمڈن علیگڈہ
کالج فی حد ذاتہ بڑے فخر و نمود کی چیز ہے اور ابداً مؤبداً[3] فخر و نمود کی چیز رہیگا۔ اور میں امید کرتا ہوں
کہ وہ تعلق وہ قوی تعلق جو سر سید احمد خاں کو اس کالج کے ساتھ ہے۔ کم سے کم بیس پچیس برس سید احمد خاں
کو اگر مرنا چاہیں بھی تو نہیں مرنے دیگا۔ مگر میری نظر میں علیگڈہ محمڈن کالج سے کئی درجہ زیادہ سر سید احمد خاں
کے لیے فخر و نمود کی چیز یہ ہے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کو ڈوبتا ہوا دیکھکر غل مچایا اور اُنکو ورطۂ ہلاکت سے
نکلنے کا رستہ بتایا بارے شکر ہے کہ مسلمان بدیر سمجھے گر سمجھے ؎

لاتے اُس بت کو التجا کرکے * کفر توڑا خدا خدا کرکے

اب مسلمانوں کو انگریزی سے نہ اگلی سی وحشت ہے نہ پہلا سا گریز ہے۔ الغرض جو کچھ ہوا اور جتنا کچھ ہوا
بہت ہوا۔ امید سے زیادہ۔ توقع سے بڑھکر۔ مگر ہائے اب بھی مسلمانوں کے درد کی دوا نہیں۔ اسوقت
تک جتنی انگریزی پڑہی پڑھائی جاتی ہے۔ اُسکی غرض و غایت ہی سرکاری نوکری۔ انگریزی پڑھنے پر بھی مسلمانوں
کو سرکاری نوکری میں سے جو حصہ ملنے والا ہے وہ ایسا ہی ہوگا۔ جیسے اونٹ کے مونہہ میں زیرہ سا۔ دل تو وہ

۱؎ تاریخ ۱۲ ۲؎ دلوں کو پھیر دینے والا ۱۲ ۳؎ ہمیشہ ہمیشہ ۱۲

نوکریاں ہی کتنی ہیں۔ ایک انار اور [illegible] کے دعویدار صد بیمار۔ کہ نہ ذات کی قید نہ پیشے کا لحاظ نہ مذہب
کی خصوصیت نہ ضرورت پر نظر۔ ایک عالم ہے کہ نوکری کے خبط میں گرفتار ہے۔ انگریزوں کے سارے انتظام
اچھے ہیں مگر وضع الشئی فی غیر محلہ (بے جگہ چیز کو رکھنا راؤنڈ بال اِن اے اسکوئر ہول (چوکور سوراخ
میں مدور گولی) انہوں نے اپنے ملک پر قیاس کرکے نوکری کو عام کر دیا۔ اور یہ نہ سمجھا کہ یہاں نوکری ایک پیشہ ہے
اور پیشہ داخل ذات۔ پس نوکری کا عام کرنا گویا ذات کے امتیاز کو مٹانا اور سوسائٹی کے قدیم کانسٹیٹیوشن (بناوٹ)
کو بگاڑنا ہے۔ جو اعتراض نوکری کی تعمیم پر ہے وہی مع شئی زائد تعلیم کی تعمیم پر ہے۔ بھڑبھونجے۔ بھٹیارے
نائی۔ قصائی۔ دھوبی۔ گھسیارے۔ درزی۔ خانساماں۔ خدمتگار بلکہ بھنگی تک پڑھنے پر اتر پڑے۔ لکھ پڑھ
جانے سے کمینوں کی تو سوسائٹی میں کچھ بھی عزت نہ بڑھی۔ مگر ان نااہلوں نے علم کو ذلیل کر دیا۔ ع

ہر چہ گیرد علتی علت شود

میرے والد مرحوم مجھے بچپن میں سمجھایا کرتے تھے کہ بیٹا علم تمغائے شرافت ہے۔ انکے یہ الفاظ ابھی تک
میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ اب اسی تمغائے شرافت کو دیکھتا ہوں چینی کے بٹنوں سے زیادہ بے قدر
جس قلی مزدور نے چاہا ایک پیسے کے درجن بھر خریدے۔ اور کوٹ میں ٹانک پھرا۔ منجملہ چند در چند قباحتوں کے
جو تعمیم تعلیم سے پیدا ہوئیں اور ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ بڑی قباحت یہ ہے کہ پیشۂ نوکری ہندوستان میں
ہمیشہ سے رہا ہے معزز۔ جو شخص ذرا سی بھی شُد بُد کر لیتا ہے۔ نوکری کے سوائے دوسری شے کو ہاتھ
نہیں لگانا چاہتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ دوسرے پیشوں میں پیشہ وروں کی تعداد برابر گھٹتی چلی جاتی ہے۔ اور
جتنے لوگ دوسرے پیشوں کو چھوڑتے جاتے ہیں وہ سب نوکری میں گھستے جاتے ہیں۔ پس اگر مسلمانوں
نے سرکاری نوکری کے لالچ میں آ کر انگریزی پڑھنی شروع کی ہے اور مجھے خوب معلوم ہے کہ جنہوں نے
پڑھی اسی غرض سے پڑھی۔ اور جو پڑھ رہے ہیں اسی غرض سے پڑھ رہے ہیں۔ اگرچہ کہتے ہوئے میرا جی
کڑھتا ہے مگر بے کہے رہا بھی نہیں جاتا کہ امتحان میں اگر فیل (ناکامیاب) نہ ہوں تو اس موقع پر اکثر ضرور فیل
ہونگے اس واسطے کہ اسٹور (گودام) کھچا کھچ بھرا پڑا ہے اور ڈیمانڈ (مانگ) سپلائی (رسد) کے مقابلے
میں گویا کہ نہیں۔ اگرچہ خطر ناکامی سبھی کے لیے ہے۔ مگر روپیہ میں دو آنے ہندو تو چودہ آنے مسلمان کیونکہ
مسلمانوں نے انگریزی کے شروع کرنے میں اسقدر دیر کی کہ ہندو چھوٹی بڑی تمام سرکاری خدمتوں پر قابض
ہو چکے تھے۔ علاوہ بریں گورنمنٹ سروس کا بڑا حصہ سب سروس (ادنے درجہ کی نوکری) جس میں تھوڑا

بہت ابتذال چار و ناچار انگیز کرنا پڑتا ہے - اور ہم مسلمانوں کا حال جلی ہوئی رسی کا سا ہے کہ راکھ ہوگئی مگر
بل نہیں گئے - سخت بات کی سہار نہیں - خوشامد قومی شعار نہیں ؎

ہم خستہ جاں ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر + تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں دم نکل گیا

غرض جسطرح پر تعلیم اب ہو رہی ہے اسکا لازمی نتیجہ بیدلی جسکو ام الفاسد (تمام خرابیوں کی ماں) سمجھنا
چاہیئے - بار بار سر سید احمد خاں کا نام لیتے ہوئے میری طبیعت مضایقہ کرتی ہے - کہ مبادا کوئی کریم النفس
خیال کرے کہ جسطرح لکھنؤ کے مرثیہ خواں بنائے ہوتے بسورنے والوں کو مجلسوں میں ساتھ ساتھ لیے پھرتے
ہیں کہیں اسیطرح سر سید احمد خاں مجھکو تو اپنے ساتھ نہیں لائے - لیکن اگر خدا کسی کے دماغ میں ایسی برکت
دے کہ ہر ایک مفید چیز کیطرف سب سے پہلے اسی کا ذہن منتقل ہوا کرے تو کیا خدا کا ہاتھ پکڑا جا سکتا ہے ؎

حکمت محض است اگر لطف جہاں آفریں + خاص کند بندۂ مصلحت عام را

جسطرح مسلمانوں کے رفارم کا مضمون سب سے پہلے سر سید احمد خاں کو سوجھا اسیطرح ایجوکیشنل کانگرس کی ابتدا انہی
سے ہوئی مگر اسمیں کامیابی ہوئی اور اُمید ہے کہ ہوگی اور ضرور ہوگی تو میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اقبال
کی صبح کے طلوع کا وقت قریب آ لگا کیونکہ تعلیم ہی ایک چیز ہے جو دنیا اور دین دونوں کی درستی کی متکفل ہو سکتی ہے
اگر تعلیم کو ہم ایک مقدمہ فرض کریں تو اسکی روداد ایسی صاف اور سلیس ہے کہ جو فیصلہ اسپر صادر
کیا جائے مختلف فیہ ہو نہیں سکتا - ہمکو چاہیے کہ پہلے اہل یورپ کے ساتھ اپنی حالت کا موازنہ کریں - ہم دیکھتے
ہیں کہ جو سامان مبدأ فیاض نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کی آسائش کے لیے مہیا کیے ہیں ہمکو انمیں سے
لائنز شیئر (شیر کا حصہ) ملا ہے - ہماری جیسی سر زمین - ہماری جیسی آب و ہوا - ہمارے جیسے موسم - ہماری جیسی
پیداوار - غلے - میوے - درخت - پھول - پھل - ہمارے جیسے حیوانات - ہمارے جیسے معادن کوئی چیز بھی
تو اہل یورپ کو نصیب نہیں - اس رو سے چاہیئے تھا کہ ہم خوشحال ہوتے - اور اہل یورپ تنگدست -
ہم محتاج الیہ ہوں اور اہل یورپ محتاج - لیکن معاملہ منعکس ہے - سلطنت کو بھاڑ میں ڈالو - اور اسکی بحث
کا نام نہ لو - یوں دیکھو کہ ہندوستان اور یورپ میں باہمی لین دین کا کیا رنگ ہے - وہ رنگ تو یہ ہے کہ
ایک آدمی ہے نہ زندہ نہ مردہ بلکہ سسکتا ہوا نیم جان ضعیف و ناتوان - اُس بیچارے کو اس کثرت سے
جونکیں - لپٹی ہوئی اُسکا خون پی رہی ہیں کہ کوئی مسام جونک کے مونہہ سے خالی نہیں اور جونکیں بھی کالفذی

سلہ ضامن ہے ۔ ۵ جن باریک سوراخوں کے ذریعے سے ہوا جسم کے اندر پہونچتی ہے - یہ سوراخ بادی النظر میں معلوم نہیں ہوتے ۱۲

نہیں بلکہ بڑی قسم کی جو بھینسا جونک کہلاتی ہیں۔ آپ سمجھے کہ میری اس تمثیل سے میری کیا مراد ہے؟ وہ
بھینسا آدمی ہندوستان ہے۔ خون ملکی دولت۔ اور جونکیں اہل یوروپ۔ یہ سمجھنا ایک نادان بلکہ بے ایمان
آدمی کا کام ہے۔ کہ انگریزی گورنمنٹ ہماری دولت گھسیٹے لیے چلی جاتی ہیں۔ خدا ٹریڈ اور کامرس (تجارت) اور امپورٹ
اور اکسپورٹ (مال کی درآمد برآمد) کی رپورٹیں پڑھو۔ اور فنانشیل سکرٹریٹ سے سالانہ بجٹ (تخمینہ جمع و خرچ)
کے نقشے لیکر دیکھو۔ مگر خبردار نقشے مانگنے جاؤ تو اتنی بات ضرور جتا دینا کہ ہم نیشنل کانگریس والے نہیں ہیں تو معلوم
ہو کہ سلطنت کی راہ دولت برس رہی ہے تو ٹریڈ (تجارت) کی طرف بند لوٹا ہوا ہے۔ ہماری اور اہل یوروپ کی
تجارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم خریدنے والے ہیں اور اہل یوروپ بیچنے والے۔ بیشک ہندوستان سے بہت
سا مال یوروپ کو چلا جاتا ہے مگر مینوفیکچرڈ (تیار کیا کرایا) نہیں بلکہ را میٹریل (غیر تیار شدہ اشیاء) کہ جیسا
پیدا ہوا جوں کا توں یوروپ چلا گیا۔ اہل یوروپ نے اپنی ہنرمندی سے بنایا سنوارا اور اضعافاً مضاعفہ[1]
نفع پر پھر اُلٹا ہمارے سر مارا۔ اہل یوروپ نے ساری تجارت کو اپنی مٹھی میں کر لیا ہے۔ جیسے شیر کہ اُسنے شکار
مارا اور گودا اور روغن جو چیزیں عمدہ اور مزے کی تھیں۔ آپ کھائیں ہیں خالی ہڈیاں لومڑی کے لیے چھوڑ دیں
کہ وہ انکو پڑی چچوڑا کرے۔ دلی میں اسوقت غلے کی بڑی بھاری منڈی کھاری باولی ہے۔ بندہ کا غریب خانہ اسی
منڈی کے متصل ہے۔ صبح ہوئی دن چڑھتے چڑھتے رالی برادرز (نام تجاران انگلستان) کے گماشتے بازار میں
آبھرے۔ اس بازار میں اکثر اوقات اسطرح کی چل پہل رہتی ہے کہ رستہ نہیں ملتا۔ ہجوم کرنے والوں میں وہ
محتاج لوگ بھی ہوتے ہیں جو چھاج اور جھاڑو لیے ہوئے گرے پڑے دانے ڈھونڈتے سونتہرتے پڑے پھرتے ہیں
میں جب جب ان مصیبت مندوں کو دیکھتا ہوں بے اختیار جی میں خیال آیا کرتا ہے کہ ہزارہا من غلہ پڑا
تل رہا ہے۔ مگر ان کی قسمت کے دانے ہیں۔ اسیطرح یوروپ کی تجارت میں ہر روز لاکھوں کروڑوں کے وارے
نیارے ہوتے ہیں ہمارے حصے میں کیا آتا ہے کوڑیاں۔ یا خوب گہرے ہو گئے تو پیسے۔ یوروپ کی اصلی اور
حقیقی عظمت۔ اصلی اور حقیقی ہنرمندی۔ اصلی اور حقیقی دولت کا اندازہ بے یوروپ گئے نہیں ہوسکتا۔ ہرگز
نہیں ہوسکتا۔ وہ صدہا ہزارہا انواع و اقسام کے کارخانے۔ وہ صدہا ہزارہا انواع و اقسام کی کلیں وہ صدہا
ہزارہا عالی شان عمارتیں سڑکیں۔ پل۔ ٹنل (سرنگ) انڈر گرونڈ (زیر زمین) ریلوے ڈاکس۔ اسٹیمرز (جہاز)
مارکٹس (بازار) پیلیسز (ایوان)، پارکس گارڈنز (باغ) میوزیمز (عجائب خانے) چرچز (گرجا گھر) اور کیا

[1] چند در چند ۱۲ [2] سہتے جاتے ہیں ۱۲

اور کیا۔ کیونکہ ہندوستان میں اٹھکر آجائیں کہ ہم انکو دیکھیں۔ مگر جسقدر یہاں ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے اس سے تو اتنا تو کوڑ مغز سے کوڑ مغز اور متعصب سے متعصب کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہم کسی دنیاوی برتری میں انگریزوں کے ساتھ لگا نہیں کھا سکتے۔ اچھا اب دوسری بات ہمکو یہ دیکھنی ہے کہ انگریزوں میں یہ ہنرمندی یہ صناعی یہ قوت ایجاد آئی تو کہاں سے آئی اور کیونکر آئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ انگریزوں کے سارے کمالات اس ایک صفت پر متفرع ہیں کہ سب بڑی سرگرمی کے ساتھ واقعات نفس الامری کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں یعنی ان کی طبائع میں قوۃ استقراء بالنسبۃ الی سائر الناس (جزئیات سے کلیہ قاعدہ بنالینے کی قوت بہ نسبت اوروں کے) غالب ہے۔ اور بہو نہو لوکل سرکمسٹانسز یعنے مقامی حالات نے انکے اس حس (حواس) کو تیز کیا ہوگا۔ نسسٹی از دی مدر آف انونشن (ضرورت مادر ایجاد) ان کی سرزمین ضروریات زندگانی کے مہیا کرنے کے قابل نہ پہلے تھی اور نہ جیسی چاہیئے اب ہے آیندہ کسی تدبیر سے ضروریات زندگانی کیسی اگر خود بخود پیدا (درخت زندگی) ہی اس سرزمین میں پیدا ہونے لگے تو عجب نہیں۔ کارخانۂ دنیا کا انتظام اسی قاعدے پر مبنی ہے کہ مخلوقات میں جسقدر جسکی ضرورتیں اُسیقدر ذل (کاہل) اور ضعیف العقل۔ اگر انسان گھاس پھوس سے اپنا پیٹ بھر لیا کرتا اور گرمی سردی برسات سے متاذی نہوتا تو ایک گدھے جتنی عقل اسکو کفایت کرتی اور اتنی ہی اسکو ملتی بھی۔ مگر نیچر (فطرت) نے ایک طرف انسان کو ساز و سامان زندگی کے عطا کرنے میں مضایقہ کیا تو دوسری طرف عقل سے اسکی تلافی کردی۔ اگر یہ استدلال صحیح ہے تو ایشیاٹک قومیں خلقۃً اہل یوروپ کے مقابلے میں کاہل الوجود کم عقل ہیں۔ میں شاید اپنے بیان کے قصور کی وجہ سے اپنا مافی الضمیر اچھی طرح آپ صاحبوں کے ذہن نشین نہیں کرسکا۔ ٹو بی مور پلین (زیادہ وضاحت کے ساتھ) میرا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ قوم کو ایسی تعلیم دینی چاہتے ہیں کہ اسکے ذریعے سے قوم کی حالت درست ہو جیسی کہ اہل یوروپ کی ہوئی تو یہ شکل آپ کی نصب العین (آنکھ کے سامنے) رہنی چاہیئے کہ میری سمجھ کے مطابق قوم کی طبیعت میں اُسکا تقاضا مضمر نہیں یا اگر ہے تو اسقدر ضعیف ہے کہ اسکو قوی کرنا ویسا ہی دشوار ہے جیسا کہ نئے تقاضے کا طبیعت میں پیدا کرنا تعلیم مروجہ سے چاہے وہ سرکاری کالجوں کی ہو یا علی گڈھ محمڈن کالج کی مجھکو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مشکل کو اسوقت کی نظر سے نہیں دیکھا گیا جسکی وہ مستحق ہے۔ علیگڈھ محمڈن کالج کو سرکاری کالجوں پر کچھ مزیت ہی۔ بورڈروں کا بڑا اہتمام ہے مسلمانوں کے تالیف قلوب کی بھی کچھ رعایت کی گئی ہے۔ مگر ان باتوں کو نفس تعلیم میں جسپر میں بحث کر رہا

ملہ اذیت پانے والا ۱۲ ملہ ایشیائی ۱۲ ملہ دل بھید ۱۲ ملہ طالب علم ۱۲

ہوں کچھ مدخل نہیں - جہاں تک مجھکو علم ہے علیگڈہ محمڈن کالج کی جماعتوں کا سٹینڈرڈ اور سرکاری کالج کی
سٹینڈرڈ نہ صرف یکساں بلکہ متحد ہے - پس تعلیم مروجہ تمام برٹش انڈیا میں قریب قریب ایک ہی طرز کی ہے - اس طرز
پر جتنے لوگوں نے آجتک تعلیم پائی ہے انکا مجموعی شمار بھی کچھ ایسا کم نہیں لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ ملک کی حالت
پر خود تعلیم یافتہ لوگوں کے مائینڈز (دلوں) پر اس تعلیم کا کیا اثر مفید مترتب ہوا ایک کا جواب ہے نل (نہیں)
دوسرے کا نن (کچھ نہیں) برٹش انڈیا ماشاءاللہ اتنا بڑا وسیع اور آباد ملک اور مدتوں سے تعلیم کا چرچا
لیکن کوئی صاحب مہربانی فرماکر بتائیں کہ شروع سے لیکر آجتک کسی پاس شدہ سٹوڈنٹ نے کسی قسم کی کوئی
کل نکالی - ؟ کسی چیز کی کان دریافت کی ؟ فلاحت کے پرانے دقیانوسی دستوروں میں کسی دستور کو بدلا ؟
حیوانات میں سے کسی حیوان کی نسل کو درست کیا ؟ اپنے بھائی بندوں میں ڈومسٹک اکانومی (خانہ داری
میں کفایت شعاری) پھیلائی ؟ لوگوں سے سینیٹری رولز (صفائی کے قاعدے) کی تعمیل کرائی ؟ - تجربہ
و استقرار کرکے موالید ثلثہ میں سے کسی ایک چیز کا کوئی نیا خاصہ تحقیق کیا ؟ کوئی سی دو چیزوں میں
علاقہ علتہ و معلولیتہ ثابت کر دکھایا ؟ یہ نہ سہی اپنی ایجوکیشن (تعلیم) سے کسی اور طور پر پبلک کو نفع پہونچایا ہو تو
بتاؤ ازبرائے خدا بتاؤ کہ ذرا میرا بھی جی خوش ہوجائے - پبلک کو نفع پہونچانا تو درکنار ابھی سے لوگوں نے
جھینکنا شروع کردیا ہے اور ابھی جھینکیں گے کہ تعلیم مروجہ سے خود پڑھنے والوں کی کار برآری نہیں ہوتی
اور واقع میں یہ پڑھے لکھے تعلیم یافتہ اونچی دوکان پھیکا پکوان سرکاری نوکری کے علاوہ اور ہیں بھی کس
مصرف کے - اور اگر ان کو نوکری نہ ملے اور نہ ملنے کے احتمالات زیادہ اور قوی تر ہیں تو یہ بیچارے مصیبت کے
مارے روٹیوں کو محتاج معاش سے تنگ مرتا کیا نہ کرتا عذاب ہوں گے اپنے حق میں - اپنے خاندان کے حق میں
سوسائٹی کے حق میں - اور گورنمنٹ کے حق میں +

اَب میں اپنے خیال کے مطابق یہ بات دکھانی چاہتا ہوں کہ تعلیم مروجہ میں کس چیز کی کسر ہے
اسمیں اتنی ہی کسر ہے کہ ادہوری اور ناتمام ہے - میں اسوقت کے تعلیم یافتوں کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتا
ہوں انکو ہر طرح کی تحسین و توقیر کا مستحق جانتا ہوں اور ہر چند ساری عمر میں نے بھی یہی پاپڑ بیلے ہیں - مگر
میں صاف دل سے انکو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہوں - میری طالب علمی کے زمانے میں تو بی - اے - اور ایم - اے
کر کچھ بکھیڑے تھے نہیں اور خدا نے مجھکو اس دردسری سے بچایا ہے کہ اپنے نام کے ساتھ کسی خطاب کا

لہ طالب علم ۱۲

اور کون کہتا ہے کہ کاشتکاروں کو اسقدر تعلیم چاہیئے وہ سخت حاجت مند ہیں نہ دیجائے۔ لیکن گفتگو یہیں ہے
کہ اگر ہندوستان کو یوروپ کیطرح ترقی دینا منظور ہے تو آیا ویسی ترقی اور ویسی کا کیا مذکور ہے اُسکی آدھی
پاؤ بھی اس تعلیم کے ذریعے سے ہو سکے گی یا نہیں۔ مجھکو اسکا کامل اذعان ہے کہ جب تک علوم جدیدہ کے
ہر شعبے کے کامل فن تیار نہوں گے۔ ہندوستان حضیض نکبت سے ایک انچ کی قدر بھی تو اوپر کو نہیں اُبھر
سکتا۔ اور جب ہمارے طالب العلم کمال فن کی لذتوں سے آشنا ہوں گے تو سمجھیں گے نوکری کتنی ہی بڑی
کیوں نہو خسیس ترین منفعت ہے جسکی ایک کامل فن توقع کر سکتا ہے۔ جو لوگ اسوقت علوم جدیدہ کے حاصل
کرنے میں مصروف ہیں۔ اِنکے بزرگ یا اِنکے خیرخواہ۔ انکے استاد انکے ممتحن بہتیری نصیحتیں اُنکو کرتے
ہونگے۔ میں ایک اجنبی آدمی ہوں نہ کچھ غرض نہ مطلب حِسْبَۃً لِلّٰہِ ایک نصیحت میں بھی کیے دیتا ہوں یاد
رکھوگے تو یاد کروگے ؎

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی ٭ کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

تعلیم مروجہ کا ایک نقصان آور سو اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ نہیں مجھ تئی (اور میں اپنی حجت تم پر تمام کر چکا)
ہندوستانیوں کی طبیعتیں خلقۃً کانسرویٹیو (پرانی باتوں پر قائم رہنے والی) واقع ہوئی ہیں۔ یہ نقال ہیں
نہ موجد۔ نواح دہلی میں ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو ہزار برس پہلے کی عمارتیں موجود ہیں۔ اُنپر چھکڑوں اور بہلوں
کی تصویریں بنی ہیں وہ حال کے چھکڑوں اور بہلوں سے اسقدر مشابہ ہیں کہ گویا ان ہی کو دیکھکر بنائے گئے ہیں
اس سے کیا ثابت ہوتا ہے کہ باوجودیکہ چھکڑا اور بہل روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ مگر کسیکا ذہن منتقل
نہیں ہوا کہ ان میں ایک کیل یا ایک کانٹا گھٹاتا بڑھاتا۔ پس بدون پریکٹیکل سائنس (حکمت عملی) کے ہرگز توقع نہیں
کہ ہندوستانی اپج کی لیں۔ یہ تو ایسے جدی بندے ہیں کہ لادو لدا دو لادنے والا ساتھ دو تب کہیں
جگہ سے ہلیں تو ہلیں۔ تعلیم ہی کا ضمیمہ بلکہ ایک اعتبار سے اُسکا مقدمہ زبان ہے۔ علوم جدیدہ کا ضروری
ہونا اب باجماع قوم مسلم ہو چکا ہے ولایت میں پیدا ہوئے اور وہیں اُنکا توالد تناسل جاری ہے اُنکی مادری
زبان البتہ اُسی ملک کی زبان ہے اور ہونی چاہیئے۔ ہم لوگوں کو تو فضول اور لاعنی مباحثات میں بڑا مزہ ملتا
ہے۔ مدتوں لوگ اِسی بات میں جھگڑتے رہے کہ علوم جدیدہ کو انکی اصل زبان میں سیکھنا چاہیئے یا ترجمے کے ذریعے
سے اپنی بولی میں۔ بہتوں کی یہی رائے تھی اور بعض کی اب بھی ہے کہ انگریزی اجنبی زبان ہے کہ اسکے سیکھنے

لہ یقین ۱۲ ہ پستی افلاس ۱۲ سہ خدا کے واسطے ۱۲ ہ مطلب یہ ہے کہ تعلیم مروجہ کا ایک نقصان آور سو ۱۲

میں بڑی پیچیدگی ہے۔ یہ لوگ قومی خیرخواہی کے جوش میں اسقدر مستعجل تھے کہ زبان انگریزی کے سیکھنے تک
صبر نہیں کر سکتے تھے مارے گھبراہٹ کے اُنھوں نے ترجمے کی مشکلات پر مطلق نظر نہ کی۔ اُنھوں نے دیکھی تھی
شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب کی اردو کی یوکلڈ (اقلیدس) اُردو کا
الجبرا (جبر و مقابلہ) کہ اُسے کی جگہ الف اور بی کی جگہ ب۔ ایکس کی جگہ لا۔ اور وائی کی جگہ۔ ی۔ رکھدینے
سے خاصی طرح کام چلتا ہے۔ سبب کہ لوگوں کو انگریزی کے انتظار میں جھلانا کیا ضرور رہا تھی (علم فلاحت)
یا کمسٹری (علم کیمیا) کا کوئی چھوٹا سا رسالہ لیکر بیٹھتے اور ایک دو چیپٹر (باب) کا ترجمہ کرتے تو حقیقت کھلتی
کہ علوم جدید کا اردو میں لانا جوئے شیر کا لانا ہے یہ لوگ اپنی رائے کی تائید میں یونانیوں اور اہل عرب
اور انگریزوں کے شواہد پیش کر کے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب جب کسی قوم نے علم میں ترقی کی ہے اپنی ہی
زبان کے پڑھنے سے کی ہے۔ ہم ایسے ڈھکوسلے نہیں سنتے۔ جن قوموں سے استشہاد[۱] کرتے ہو اپنی ترقی
کے زمانے میں حکمران بھی رہے ہیں۔ ہمکو ایسی قوم کی نظیر دکھاؤ۔ جو ہماری طرح فارنرز (اقوام اجنبی) کی
محکوم رہی ہو میں اسکو تسلیم کرتا ہوں کہ ہم ہندوستانیوں کو انگریزی کا سیکھنا دشوار ہے اور ہماری
اور انگریزی کی کچھ خصوصیت نہیں ہر شخص کو فارن لینگوج (اجنبی زبان) کا سیکھنا دشوار ہوتا ہے
انگریزوں پر ہی نظر کرو۔ کہ پچیس چھبیس۔ تیس تیس برس اس ملک میں آکر رہتے اور ہمہ وقت گھر پر کچہری میں
اردو کے الفاظ سنتے باانیہمہ شاذ و نادر کوئی انگریز ہوگا بلکہ تلفظ کے اعتبار سے تو میں کہہ سکتا ہوں
کہ ایک بھی نہیں جو ہم ہندوستانیوں کیطرح اردو کا ایک چھوٹا سا جملہ بھی بول سکے۔ میرے ایک بڑے
معزز دوست جو ولایت میں رہ آئے ہیں بیان کرتے تھے کہ ایک صاحب پنشنر کسی کلب میں اپنے دوستوں
کے روبرو بیان کر رہے تھے کہ ہندوستان عجیب ملک ہے اور سب سے زیادہ عجیب اُسکی زبان ہے کہ ایک لفظ
کے کئی کئی معنے مثلاً "چہا" (ٹی۔ چاء) "چہا" (فور۔ چار) "چہا" (ول۔ کنواں) "چہا" (ڈزایر۔ خواہش)۔ "چہا"
(اے کائنڈ آف برڈ۔ چہا) "چہا" (ٹو کور۔ چھانا) "اچھا"۔ وِتھ لے سلائٹ ڈفرنس۔ (تھوڑے سے اختلاف)
(پکل۔ اچار) اینڈ گڈ۔ اچھا۔ لیکن فارن لینگوج (اجنبی زبان) میں جو دشواری ہوتی ہے کمال زباندانی کی
ہوتی ہے۔ جتنی انگریزی علوم کے سمجھنے کو درکار ہے میرے نزدیک چنداں مشکل نہیں۔ میں نے ترجمے کا
کام کیا ہے اور مجھکو اردو کی وسعت معلوم ہے۔ میری ہمت تو تصور کرتی ہے کہ انگریزی کی کسی علمی کتاب کا

[۱] طلب شہادت ۱۲

ترجمہ کروں ⁂

میر انشا اللہ خاں جہاں اُور سخراپن کیا کرتے تھے ایک مرتبہ اُنکے سر میں یہ خبط سمایا کہ لاؤ عربی کے منطق کو اردو کریں تو مصطلحات کے کیسے کیسے ترجمے مغز سے اُتارے ہیں موجبہ کلیہ پوراجوڑ۔ سالبہ کلیہ پورا توڑ۔ عموم وخصوص مطلق اکہری اوبخ نیچ عموم خصوص من وجہ دوہری اونچ نیچ وقس علیٰ ذلک میں نہیں سمجھتا کہ انگریزی کے مصطلحات العلوم کا کسی سے ایسا بھی ترجمہ ہوسکے۔ بھلا مصطلحات جوں توں کر کے گھڑے بھی تو آلات اور کلوں کے کیل پرزوں اور چیزوں کے ناموں کا کیا علاج۔ آخر اُن کو تو چارو ناچار جُوں کا تُوں رکھنا ہی پڑے گا۔ پھر طرز کتابت ما شاء اللہ ایسا عمدہ کہ انگریزی پرونسی ایشن (تلفظ) کی کسیطرح آمیں کھپت ہی نہیں۔ الغرض جس شخص نے انگریزی علوم کو اُردو کرنے کا ارادہ کیا۔ ع

دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست۔

میں سمجھتا ہوں کہ ترجمے سے زیادہ تو یہ آسان ہے کہ کہیں سے کوئی میجک وانڈ (جادو کی چھڑی) ہاتھ آجائے تو لنڈن کو ہی یہاں اُٹھا لائیں۔ میں ترجمے کا کچھ اسوجہ سے مخالف نہیں ہوں کہ ترجمہ ہو نہیں سکتا۔ تاہم میں انگریزی علوم کا انگریزی ہی زبان میں پڑھنا پسند کرتا ہوں انگریزی ایسی بُری طرح پنجے جھاڑ کر ہمارے پیچھے چمٹی ہے کہ اب اِس سے تحرز ممکن نہیں۔ ع

ورنہ ستانی بہ ستم میرسد

دیو سلائی کے بکس پر۔ چاقو پر۔ مقراض پر۔ پنسل پر۔ قلم کے ہولڈر پر۔ نبّ پر۔ خط لکھنے کے کاغذ پر لفافے پر۔ کارڈ پر۔ غرض ہر انگریزی چیز پر۔ کسی انگریزی آفس مثلاً ریلوے اسٹیشن میں جاؤ تو دروازے دروازے پر۔ ریل کی گاڑیوں پر۔ جدہر دیکھو انگریزی منی آرڈر۔ ٹیلیگرام۔ ویلیو پے ایبل پارسل بلٹی سب کے فارم انگریزی پہلا پہلا تو انگریزی عملداری ہے۔ انگریزی جسقدر پاؤں پھیلائے اُسکا گلہ کیا تعجب سخت تعجب کی بات تو یہ ہے کہ روم اور فارس کے اخباروں میں اسقدر انگریزی الفاظ ہوتے ہیں یا فرانسیسی کہ وہ بھی انگریزی کے قریب قریب ہے کہ جسکو انگریزی نہیں آتی اِن اخباروں کو سمجھ نہیں سکتا۔ حضرت شاہنشاہِ ایران سیر انگلستان کو تشریف لے گئے تھے حضرت کا روزنامچہ شاید فارسی کے

سلہ اسیطرح اُن دوں کو قیاس کرلو ۱۲ سے وہی بجنسہ ۱۲ سے پرہیز ۱۲ سے تم تھی ۱۲

کورس میں بھی داخل ہے۔ اسکا بھی وہی حال ہے۔ جو خاص طہران کے اخبار فارسی "اختر" اور جو خاص قسطنطنیہ کے اخبار عربی "الجوائب" کا ہے ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

تو جب ہمکو انگریزی چار و نا چار سیکھنی ہے۔ کیا فائدہ کہ علوم انگریزی کو اپنی زبان میں ترجمہ کرنے کا قصد کریں جبکہ اس قصد کا انجام معلوم ہے ٹوٹل فیلیوئر (ناکامی محض)

ہرچند مینے آپ صاحبوں کی سامعہ خراشی بہت کی اور سکیولر ایجوکیشن (دنیوی تعلیم) کے متعلق جو کچھ مجھکو کہنا تھا کہہ چکا۔ لیکن مجھکو مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے بارے میں کچھ کہنا چاہیئے اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہو۔ اگر مذہبی تعلیم محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے پروگرام میں داخل ہے تو میں سمجھتا ہوں سکنڈری ہی کو تسچن کے طور پر ہوگی۔ جیسے طالب العلموں کے کورس میں سکنڈ لینگوج۔ یعنی کانگرس کا اصلی مطلب تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی دنیاوی تعلیم کی اصلاح ہو۔ مگر دیکھتے ہیں کہ دنیاوی تعلیم کا پہیہ مذہبی تعلیم کی چکنائی کے بدون آسانی اور تیزی کے ساتھ چل نہیں سکتا۔ ناچار مذہبی تعلیم کو بھی اپنے نامۂ اعمال میں ٹانک لیا ع

این ہم اندر عاشقی بالاے غمہاے دگر

اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو میرے نزدیک کانگرس کی کارروائی ناقص ہے۔ اور اسکی تدبیر ناکافی مسلمانوں کی دنیاوی تعلیم سے کئی درجے بڑھکر ان کی مذہبی تعلیم محتاج اصلاح ہے۔ مذہب اسلام ایبسٹرکیٹ رلجن ہے کہ اسکو دنیاوی امور سے کچھ سروکار نہو۔ شارع اسلام اٰتاہُ اللہُ الفضیلۃَ والدرجۃَ الرفیعۃَ (اللہ اُن کو بزرگی اور بہت عالی درجہ دے) ہمکو ایک کوڈ (مجموعۂ قوانین) حوالہ کر رہے ہیں کتابُ اللہ مدوّنٌ بین الدفتین (اللہ کی کتاب دو دفتیوں کے بیچ میں) جو شتمل ہے معاش اور معاد۔ اور اوامر اور نواہی اور معتقدات اور عبادات۔ اور معاملات اور اخلاق اور آداب معاشرت اور سیاست مدن اور سیاست منزل۔ اور تاریخ۔ اور مواعظ سب پر لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (کوئی تر و خشک نہیں ہے مگر قرآن میں ہے) اب میں سب سے پہلے اُن مسلمانوں سے جنکا رواں رواں فوارۂ حمیت اسلامی ہے پوچھتا ہوں

ل مسئلہ فرضی ہے ۱۲ سکنڈ دوسری زبان۔ مطلب یہ ہے کہ مثلاً جن لوگوں کو انگریزی زبان میں امتحان دینا منظور ہوتا ہے وہ مجبور کیے جاتے ہیں کہ کسی ایک دوسری زبان کا بھی امتحان دیں مثلاً عربی یا سنسکرت وغیرہ تو اس صورت میں عربی یا سنسکرت کو سکنڈ لینگوج کہیں گے ۱۲ سے یعنی جن ہر کچھ اعمال سے تعلق نہو صرف معتقدات ۱۲ سے جمع امر یعنی حکم ۱۲ سے جمع نہی یعنی منع ۱۲ سے انتظام ملکی ۱۲ سے انتظام خانہ داری ۱۲

زحمتیں اُٹھائیں کہ جب تک جئیں تندرستی کو روتے رہیں۔ خدا تو اپنے دل میں انصاف کرو کہ کبھی کلام اللہ
کو شغلے کے طور پر چند منٹ کے لیے لیکر بیٹھتے ہو۔ کہ لاؤ بھائی ہمارا دین ایمان ہے زیادہ نہیں تو ایک ہی دفعہ
شروع سے آخر تک دیکھ تو لیں کہ اس میں کیا لکھا ہے ما قدروا اللہ حق قدرہٖ (انہوں نے نہیں سمجھا
جیسے کہ اس کا حق تھا اللہ کی قدر کو) مجھکو مسلمانوں کی بےمبالاتی[1] پر ذرا بھی تعجب نہیں آتا ؎

ورنہ سزاوار خداوندیش ✦ کس نتواند کہ بجا آورد

مگر جب میں انکو اپنے اسلام پر ناز بیجا اور دوسرے مسلمانوں کی توہین کرتے سنتا ہوں۔ بیشک سخت
تعجب کرتا ہوں۔ بھائیو اس زمانے میں کیسا دین اور کہاں کا اسلام۔ مسلمانان در گور مسلمانی در کتاب
اب تو امتیاز قومی رہ گیا ہے۔ اور اتنا بھی ٹھہرا ہے تو غنیمت ورنہ عام انگریزی خوانوں کی طبیعت کا رجحان
دہریت اور لامذہبی کی طرف ہے نہ تحقیق و تفتیش کی وجہ سے۔ بلکہ استخفاف[2] و استہزا[3] کے سبب۔ ہاں تو
غرض یہ ہے کہ قرآن جو اصل دین ہے بہت ہی تھوڑے مسلمان اسکو سمجھتے ہیں۔ اسکا بڑا سبب اور سبب
نہیں بلکہ حیلہ جو مسلمانوں نے اپنے نزدیک ٹھہرا رکھا ہے یہ ہے کہ اسکی زبان عربی ہے اور وہ آسانی سے
آ نہیں سکتی۔ بے شک مسلمان قرآن کو اتنا عزیز رکھتے ہیں کہ جنکو اور زیادہ علم حاصل کرنا منظور نہیں ہوتا وہ
بھی کم سے کم قرآن ناظراں ضرور پڑھ لیتے ہیں اور علی الاکثر[4] قرآن کا ناظراں پڑھنا شرط اسلام سمجھا جاتا
ہے۔ علاوہ بریں مسلمانوں کو قرآن کے زبانی یاد رکھنے کا اسقدر شوق ہے کہ کسی دوسری قوم میں اسکی
نظیر نہیں۔ معتقدات اہل اسلام کی رو سے قرآن کا زبانی یاد رکھنا فی نفسہٖ اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔ اے
کاش یہ شوق فہم معنی کی طرف متوجہ ہو تو مسلمان پکے رجسٹرڈ مسلمان ہو جائیں۔ دیندار۔ خدا ترس۔ خوش خلق
راست باز۔ نیک دل۔ خدا کے اچھے بندے۔ حاکم وقت کی اچھی رعایا۔ سوسائٹی کے اچھے ممبر۔ قرآن کا عربی ہونا
اسکے نہ سمجھنے والوں کے لیے عذر ہے۔ مگر سخیف۔ اگر صرف و نحو عربی کے صرف سیدھے سادے کثیر الاستعمال
مسائل پڑھائے جائیں تو میرے نزدیک جتنے دنوں میں ایک متوسط الذہن لڑکا قرآن حفظ کرتا ہے اتنے ہی
دنوں میں قرآن کے سلیس جملوں کو بتعلق عبارۃ سمجھ لینے پر قادر ہو سکتا ہے۔ بھلا کوئی اسکو اپنی جگہ آزما کر
تو دیکھو۔ خدا معقول کو شرمائے۔ آپ تو بگڑے ہی تھے بے موقع بے محل منقولات میں دخل دیکر انکو بھی
غارت کیا۔ منطقیانہ لایعنی کٹھ حجتوں کے ڈر کے مارے کوئی صرف و نحو کے پاس نہیں جاتا کہ کون جھیلے۔

[1] بے پروائی ۱۲ [2] خفیف سمجھنا ۱۲ [3] تمسخر کرنا ۱۲ [4] کثرت سے ۱۲

ہیں جیسے اب سے دو برس پہلے کی جنتریاں تھینے ماتاکہ مسلمانوں کے بعض باہمی معاملات شلاً نکاح اور طلاق
اور میراث اور وصیت میں فقہ کی رعایت کی جاتی ہے مگر جب ساری کتابوں کو دیمک چاٹ گئی دو تین
ورق بچے تو کیا اُن کو دیکھ دیکھ کر ابو جی کڑھتا ہے۔ اور پھر وہ دو تین ورق بچے بھی تو انگریزوں نے میعاد
اور شہادت وغیرہ کے قوانین اور پریوی کونسل اور ہائی کورٹ کے نظائر اور کنسٹرکشن کے حواشی چڑھا
چڑھاکر اصل کو مسخ کر دیا۔ یہ ہے حقیقت فقہ کی۔ وہ انتظام دنیا کی تدبیر تھی۔ اب انتظام دنیا خدا نے دوسروں
کے حوالے کیا۔ وہ تمہاری فقہ کی کچھ پروا کرتے نہیں تمکو انتظام دنیا میں دخل نہیں۔ اس پر بھی تمکو فقہ میں
کوئی مفاد دکھائی دیتا ہو تو پڑھو۔ اب رہی حدیث۔ مسلمانوں کے سوا سے روئے زمین پر کوئی اور
قوم نہیں جس نے اپنی مذہبی تاریخ کو ایسی تلاش اور جستجو کے ساتھ جمع کیا ہو۔ وہ بے انتہا فخر اور عزت
اور قدر اور وقعت کی چیز ہے۔ جو لوگ احادیث کے اختلاف کو دیکھ کر نفس حدیث سے بدعقیدہ ہوئے
جاتے ہیں اُن کو منصب محدث پر نظر نہیں ہوتی۔ محدث حقیقت میں امانت گزار ہے کہ پیغمبر صاحب کے نام سے جو
کچھ اُسکو جس ذریعے سے پہونچا ہے جوں کا توں دوسرے کو پہونچا دے۔ حدیث کی تنقید[1] محدث ہونے
کی حیثیت سے اُس کا کام نہیں جمع احادیث میں ہر ایک مصنف نے ایک شان خاص اختیار کی ہے۔ جو
شخص تنقید کی مشکلات سے آگاہ ہے وہی سمجھ سکتا ہے کہ متقدمین نے اس کام میں کیسی کیسی زحمتیں
اُٹھائی ہیں۔ آج کسی مشہور سے مشہور شخص کی لائف لکھنی چاہو تو ایک عمر صرف کرو و تب کہیں بہزار
وقت میٹریل (سامان یا مواد) مہیا ہو۔ تو اِن لوگوں کو صدہا مختلف[2] الازمنہ۔ مختلف[3] الامکنہ۔ راویوں کی لائف
(حالات) کے تحقیق کرنے میں کیسی کچھ جانفشانی کرنی پڑی ہوگی۔ اگر فلاح عاقبت کی دُھن نہ ہوتی تو میں
نہیں سمجھتا کوئی دنیاوی بڑی سی بڑی ترغیب بھی اس کام کا سرانجام کرا سکتی۔ بہرکیف جو کچھ ہے جوہر شناس کی
نظر میں بے بہا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ حدیث عہد نبوت کی نہایت عمدہ تاریخ ہے۔ میں اسکو اسوجہ سے اور بھی
ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن بمنزلے متن قانون کے ہے اور حدیث اسکا ضابطۂ کارروائی۔ بایں ہمہ حدیث
بیچاری تو ایسی کس مپرسی کی حالت میں ہے کہ مولوی بھی سب نہیں بلکہ معدودے چند جو دین کا پیشہ کرتے
ہیں وہی اُسکو پڑھتے پڑھاتے ہیں ورنہ اور کسی مسلمان کو اس سے سروکار نہیں۔ ذرا مسلمانوں کی مذہبی سرگرمی

[1] بمعنی تبصرہ شلاً فیصلۂ خصومات مشورہ دینے ۱۲ [2] بمعنی پرکھنا۔ کھرے کھوٹے کا امتیاز ۱۲ [3] مختلف زمانوں
میں ۱۲ [4] مختلف مکانوں میں ۱۲

لو تو دیکھو کلام خدا کے ساتھ وہ بے اعتنائی۔ قول رسولؐ سے ایسی بے تعلقی ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ٭ جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

پھر ایک بڑی قباحت فن حدیث میں بھی ہے کہ احادیث کے جمع کیے جانے کے میرے نزدیک دو سبب ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ صحابہؓ کو جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ محبت نہیں بلکہ عشق تھا۔ جب تک پیغمبر صاحب زندہ رہے ہر وقت صحابہؓ ان کو گھیرے رہتے تھے۔ جب پیغمبر صاحبؐ نے انتقال فرمایا صحابہؓ کو ہر وقت ان ہی کی یادگار رہتی۔ دوسرے پیغمبر صاحب کی حیات میں جس صحابی کو دنیا یا دین کی کوئی ضرورت پیش آتی تھی گیا اور پیغمبر صاحبؐ سے پوچھ آیا۔ جب پیغمبر صاحب کو خدا نے اپنے پاس بلا لیا صحابہؓ کو بڑی مشکل پڑی کیونکہ اپنی ضرورتوں کے علاوہ اب پیغمبر صاحبؐ کے فتوے کا کام بھی ان ہی کو کرنا پڑا تو بات بات میں ایک سے ایک پوچھتا۔ بھلا کوئی ایسا واقعہ پیغمبر صاحبؐ کے روبرو پیش آیا تھا۔ اور حضرتؐ نے کیا فرمایا تھا۔ سلطنت پیغمبر صاحب کے زندگی کے زمانے سے اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی تھی اور بڑھتی چلی جا رہی تھی یوں پہلے اور شدید ضرورت جو جمع احادیث کا باعث ہوئی ملکداری کی ضرورت تھی۔ حدیث کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اکثر احادیث احکام فقہی سے متعلق ہیں اور ان ہی احکام فقہی کے استنباط کی غرض سے انکو جمع کیا گیا ہے۔ اور چونکہ انقلاب زمانہ نے فقہ کو بیکار کر دیا جیسا کہ میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی بیان کر چکا ہوں تو جہاں تک احادیث کو احکام فقہی سے تعلق ہے وہ بھی ہم مسلمانان ہند کے حق میں بیکار ہیں حدیث پر اگرچہ میری نظر بہت ہی قاصر و محدود ہے۔ مگر جس قدر ہے اُس سے مجھ کو یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ حدیث کا ہیڈنگ یا عنوان یا خلاصہ مضمون جسکو اصطلاح میں ترجمہ کہتے ہیں بدلنے سے بہت سی احادیث جو اس وقت احکام فقہی سے متعلق ہیں ہماری حالت موجودہ کے مطابق بکار آمد کر لی جا سکتی ہیں۔ مگر کس میں اتنی ہمت ہے کہ تراجم[1] الاحادیث کے بدلنے کا نام لے۔ اور کوئی کرے بھی تو مسلمانوں کے فائدے کی غرض سے سو مسلمان ایسے شکی اور ضدی ہیں کہ ایسی کتاب کو ہاتھ بھی تو نہ لگائیں۔ عام لوگوں کا خیال یہ ہے کہ مذہب ایک سانچہ ہے جس میں دل ڈھالے جاتے ہیں۔ اور میں بالکل اسکے خلاف سمجھتا ہوں میرے نزدیک دلوں کے سانچوں میں مذہب ڈھلتا ہے۔ ایک اسلام تو اُس شخص کا تھا جسنے درخت[2] بیعۃ الرضوان کو اکھڑوا کر پھکوا دیا تھا جسنے یہ کہکر حجر اسود کو ڈانٹا

[1] حدیثوں کے عنوان اور خلاصے ۱۲

[2] اُس بیعت کا نام ہے جو ایک خاص مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں سے بیعت لی تھی اسکے بعد آیت نازل ہوئی کہ خدا اُن لوگوں سے راضی ہو اسوجہ اس بیعت کا نام بیعۃ الرضوان ہوا چونکہ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے واقع ہوئی تھی اسوجہ سے اس درخت کو [illegible] الرضوان کہنے لگے ٭

تو پیغمبر صاحب کے کہیں ڈیڑھ سو برس بعد جا کر لکھی جانی شروع ہوئیں۔ اس وقت تک روایت سامعین سامع ہوتی رہی اور اب تک اسی طریقہ کی تقلید ہوتی جا رہی ہے۔ ماخذ تو سمجھ میں آیا۔ مگر طریقہ درس اس وقت تک بچوں کا کھیل ہی معلوم ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسدّس

خود اپنا تصنیف کیا ہوا مشمولہ قصہ مبتلا جس کو مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب نے حسب درخواست جناب خان بہادر سردار محمد حیات خاں صاحب صدر انجمن و سرسید احمد خاں صاحب سکرٹری کے اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانگرس منعقدہ ۲۸۔ دسمبر ۱۸۸۸ء میں بمقام لاہور اپنے لکچر کے بعد پڑھا۔

دنیا عجیب مرحلہ بے ثبات ہے
ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہے
یاں امن ایک لحظہ نہ دن ہے نہ رات ہے
جس کو فنا نہیں ہے وہی ایک ذات ہے
بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمین میں
لیجائیگی یہ کھینچ کے آخر زمین میں

فرقِ نیاز فرشِ زمیں پر پڑا ہوا
ہمت کا پاؤں عرشِ بریں پر گڑا ہوا

ہر دم خیالِ موت کا پیشِ نظر رہے — جبتک جیئے جیئے جب اجل آئی مر رہے
رہرو ہمیشہ چاہیئے باندھے کمر رہے — دنیا وطن نہیں ہے کہ آئے تو گھر رہے
آئے ہیں ہم جہاں ہیں تو جانا ضرور ہے
سارا ہی قافلہ سرِ راہِ مرور ہے

پھر بعد مرگ کیسی بنے کچھ خبر نہیں — یہ وہ خطر ہے جس سے کسیکو مفر نہیں
پر کیا ہی ڈھیٹ ہم ہیں کہ اسکا بھی ڈر نہیں — عقلِ معاد سے ہمیں بہرہ مگر نہیں
ربّ العباد نعمتِ فکرِ معاد دے
اب فکرِ معاد دے ہمیں ذکرِ معاد دے

کیا جانبِ [51] خدا سے ہدایت ہمیں نہیں — یا سوچنے کو عقل [52] و درایت [53] ہمیں نہیں
فی الاصل کچھ ضرورت و حاجت ہمیں نہیں — پر ہاں سے غور کرنے کی عادت ہمیں نہیں
ہم دیکھتے نہیں کبھی غائر نگاہ سے
سنتے نہیں ہیں بات کوئی انتباہ [53] سے

غفلت کرا رہی ہے یہ ساری شرارتیں — ہنوا رہی ہے رہنے کو پکی عمارتیں
اللہ رے دلیریاں بل بے جسارتیں [54] — دنیا کمائیں دین کی کرکے خسارتیں [55]
غفلت کا کر علاج کہ اصل مرض ہے یہ
تیرا ہی کچھ بھلا ہو ہماری غرض ہے یہ

غفلت نہ ہو تو کینہ و بغض و حسد نہ ہو — جھگڑا نہ ہو لڑائی نہ ہو رد و کد نہ ہو
بھائی کی پیٹھ پیچھے کبھی ذکرِ بد نہ ہو — انساں شکارِ صفتِ دام و دد نہ ہو
غفلت سے اس جہان میں سارا فساد ہے

---

[51] اس میں اشارہ ہے طرف کرمنا بنی آدم اور بعثت نبی صلعم اور نزول قرآن مجید کے ۱۲ [52] عقل فہم ۱۲ [53] آگاہی اور بیداری مغزی ۱۲
[54] جسارت بفتح دلیری ۱۲ [55] خسارہ یعنی زیاں و نقصان ۱۲ [56] اس میں اشارہ ہے طرف حدیث کُن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل وعُدّ نفسک فی اھل القبور رواہ البخاری ۱۲

اعمال و شر جوں خس و خاشاک و سیل ہے | اتنا بھی گر نہ سمجھے تو انسان بیل ہے

مشرک کی کوئی شئے نہیں کرتا خدا قبول

اُس کی دعا قبول نہ کچھ التجا قبول

القصہ اک وہ دین تھا دنیا کا دستگیر | واعظ ادیب ناصح مشفق صلاح کار

مونس رفیق موجب تسکین غمگسار | ہمدرد بے ریا و ہوا خواہ جاں نثار

وہ کھینچتا تھا بار امیر و فقیر کا

دنیا میں اُس میں ربط تھا شاہ و وزیر کا

اب ہم نے اپنے دیں کو بنایا چھوئی موئی | دنیا میں اور دیں میں لگانے لگے دوئی

پھر قاصر اس قدر نظر نارسا ہوئی | شہتیر بن گیا جو حقیقت میں تھی سوئی

دیں کے عوض تعصب و اوہام رہ گئے

دیں دار اصل مر گئے بدنام رہ گئے

دنیا گئی کہ ہم نہ ہوئے اُس کے خواستگار | اور کیونکہ ہوتے مولوی[۱] جنت کا چوبدار

مسجد میں وعظ کہتا تھا منبر پر آشکار | مفلس ہیں مومن و دست از طلب بدار

دنیا و دیں کے ربط کی رسّی کو کاٹ کے

دھوبی کے کُتے ہو گئے گھر کے نہ گھاٹ کے

ادبار کا یہی تو ہے سب سے بڑا سبب | دنیا میں اور دیں میں عدو اور تارے غضب

دنیا بغیر سخت مصیبت ہے روز و شب | لازم ہے دین کا بھی کما حقہٗ ادب

خستہ ہوئے خراب ہوئے اور مٹ گئے

ان دونوں کی لڑائی میں ہم مفت پٹ گئے

---

[۱] یعنی وہ مولوی جو ریا سے وعظ کہتا ہے اور رہبانیت کی تعلیم کرتا ہے اور خود حصول دنیا میں غرق ہے کبھی تعمیر مسجد کو ذریعہ حصول مال کا کرتا ہے اور کبھی تعمیر مدرسہ کو۔ یہ مولویوں کے کرتوت ہیں جیسی صوفیوں کی ترکیب تھی اور ہے کہ تعمیر خانقاہ و عرس کو ذریعہ حصول مال کا کرتے ہیں۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۔ ترک دنیا بمردم آموزند ٭ خویشتن سیم و غلہ اندوزند ٭ ۱۲

دل بجھ گیا ہے دیکھ کے دنیا کا انقلاب — افسوس کیا تباہ ہوئی قوم انتخاب

دیں کے خدا پرست وہ دنیا کے فتحیاب — آپس[۲] میں رحم لطف عدو کے لیے عذاب

سجدہ میں سب جبیرہ پڑے ہیں زمین پر

میدان میں ڈٹے ہوئے گھوڑوں کے زین پر

لوگوں کو گر مناصب دنیا گناہ ہوں — داخل محرمات میں اعزاز و جاہ ہوں

دنیا کی آبرو سے اگر دیں تباہ ہوں — اُن کا تو دیں یہی تھا کہ ہم بادشاہ ہوں

اگلے بزرگ لوگ تھے خاص امتیاز کے

پیشانیوں پر اُن کی تھے گھٹے نماز کے

معمور ہیں خزائن انعام کردگار — بے انتہا و بے حد و بے حصر و بے شمار

وہ چھینتا[۳] نہیں ہے کبھی دے کے ایک بار — شایاں اُسے نہیں ہے کہ بندوں کو دے اُدھار

دنیا بدل گئی ہے نہ نعمت بدل گئی

اس واسطے کہ قوم کی ہمت بدل گئی

افسوس قوم میں عصبیت[۴] نہیں رہی — ہم میں کسی طرح کی مزیت[۵] نہیں رہی

مضبوطی ارادہ و نیت نہیں رہی — جرأت کہاں سے ہو کہ حمیت نہیں رہی

ہم میں ہر اک بشر کے خیالات پست ہیں

پس لاجرم ذلیل ہیں اور تنگ دست ہیں

اے قوم یہ تباہی و افلاس جائے شرم — اے قوم یہ تعصب و سوہس جائے شرم

اس درجہ ضعف قوت احساس جائے شرم — تقصیر فی مقابلۃ الناس[۶] جائے شرم

---

۱ اشارہ ہے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ۱۲
۲ یعنی اصحاب رض کا ۱۲ ۳ اشارہ ہے طرف آیت ما کان اللہ مغیرا نعمۃ انعمہا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسہم کے ۱۲ ۴ ایک دوسرے کی طرفداری و حمایت ۱۲ ۵ فضیلت ۱۲ ۶ یعنی لوگوں کے مقابلہ میں پیٹھا ہونا شرم کی بات ہے ۱۲

تم اور تمہاری نسل ہو مشغول کھیل میں
اور لوگ چل رہے ہیں ترقی کی ریل میں

کیا خوب کہہ گیا ہے کوئی شخص خوش خصال
لفظ عرب میں نحن رجال و ہم رجال
اب اے عزیز و تم سے ہمارا ہے یہ سوال
کیوں آگیا ہے قوم کی حالت میں اختلال
اقوام روزگار میں بیٹھے ہو کس لیے
بے وقعتی کی خاک پہ لیٹے ہو کس لیے

کثرت سے تم میں صاحب مقدور کیوں نہیں
لوہا تمہارا مانتے جمہور کیوں نہیں
منہ پر تمہارے حسن سے ہے نور کیوں نہیں
دل قوم کے شگفتہ و مسرور کیوں نہیں
آخر تمہاری قوم پہ یہ کیا وبال ہے
جس شخص پر خیال کرو خستہ حال ہے

جب تک ہماری قوم میں تاج و نگیں رہا
ہم میں کسی کو فکر معیشت نہیں رہا
کس کس کا نام لیں کہ جہاں ور حسیں رہا
ہر فرد عافیت سے ثنا سے قریں رہا
ہم مالک خزائن روئے زمین تھے
اہل زمانہ قابلِ شستہ خوشہ چین تھے

ہمکو خراج دیتے تھے دنیا کے بادشاہ
تھی مرجع انام کبھی اپنی بارگاہ
اس میں بقدر ذرہ نہیں شک و اشتباہ
تاریخ ہے ترقیٔ اسلام کی گواہ
جن کو ہمارے ساتھ دریغ التفات ہے
ہم اُن پہ حکمراں تھے ابھی کل کی بات ہے

ہم نے بنایا اہل جہاں کو خدا پرست
ہم نے دلایا یاد اُنہیں وعدۂ الست
ہم نے کیا بتوں کے تئیں سرنگون و پست
ہم نے اُتار انشۂ صہبائیان مست

ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں ۱۲ خصلت ۱۲ کلیۃً ۱۲ جائے رجوع خلق ۱۲ اشارہ ہے اس کی طرف کہ خدا نے سب آدمیوں کی روحوں سے پوچھا - کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں ؟ سب نے کہا ہاں ۱۲ شرابی ۱۲

شایستگی کی بیل ترقی کے ساتھ کی
پَودا اِس کی ہے لگائی ہوئی اپنے ہاتھ کی

کچھ ایسی اپنی بات بن آئی تھی اُن دنوں
ساری زمیں پہ اپنی دوہائی تھی اُن دنوں
گردوستی تھی یا کہ لڑائی تھی اُن دنوں
ہر حال میں ہماری بڑائی تھی اُن دنوں

کیا فضل کردگار تھا کیا اُس کی شان تھی
اسلام تھا کہ دولت و ثروت کی کان تھی

لیکن فراغ دولت و حشمت ہزار حیف
وہ شوکت اور لوازم شوکت ہزار حیف
عزت ہزار حیف حکومت ہزار حیف
صد حیف قابلیتِ نعمت ہزار حیف

گو حَور بعد کَور[1] اشد العذاب ہے
یاد از قبیل لیت یعود الشباب ہے

کیا فائدہ جو تذکرۂ ماسبق کریں
کیوں یادِ رفتگاں میں ماتم بپا کریں
بے سود گریہ تا بہ قیامت بکا کریں
اک امر اختیار سے خارج ہے کیا کریں

فرہاد[2] وار در صدد جوئے شیر کیا
اب جا چکا ہے سانپ تو پیٹیں لکیر کیا

پھر بھی ہے ایک وجہ تسلی بہت بڑی
قسمت ہمارے ملک کی اچھوں سے جا لڑی
جن کو فلاح خلق ہے منظور ہر گھڑی
لیکن یہ مشکل ایک بڑی سخت آپڑی

نادِ جب اڑ کے بیٹھے ہیں ہم اپنی بات پر
پیاسے تڑپ رہے ہیں کنار فرات پر

دروازہ کونسا ہے جو ہم پر کھلا نہیں
ناممکن الحصول کوئی مدعا نہیں
مذہب کا قوم و ملک کا یاں تفرقہ نہیں
آزادی اس قدر ہے کہ کچھ انتہا نہیں

[1] حدیث نعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔ یعنے ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اس کمی سے جو زیادتی کے بعد ہو حور بعد کور بڑا عذاب ہے۔ مگر اس کا یاد کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی گئی ہوئی جوانی کی پھر تمنا کرتا ہے ۱۲ ایک مشہور قصہ ہے
[2] فرہاد اپنی معشوقہ شیریں کی فرمایش سے پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر لانے کی فکر میں تھا ۱۲ اس کا اور پلے ۱۲

بے جوتے بوتے آپ اُگے گا اناج کیا
ہم ہی اگر نہ چاہیں تو اس کا علاج کیا

اس ضد احمقانہ کو یکدم کم کرو
جانوں پہ اپنی بس ندامت ستم کرو
چاہو ہمیں بُرا کہو یا تم ستم کرو
پر روٹیوں کی فکر تو بہرِ شکم کرو
ہم دیکھتے ہیں قوم کی حالت تباہ ہے
بیمار کو دوا نہ بتائیں گناہ ہے

پھر بھی تم ہی تم ہو اگر دل پہ ٹھان لو
وہ وقت اب نہیں ہے کہ سیف و سنان لو
ہے علم پر مدار اسے خوب جان لو
اتنی سی ایک بات ہماری بھی مان لو
رکھتی ہے اپنا وقت مناسب ہر ایک شے
تسویف تا کجا و پس و پیش تا بہ کے

لیکن مراد علم سے علم جدید ہے
یوروپ میں جس سے رونق اہل ہنر مزید
ثروت کی سلطنت کی یہی اک کلید ہے
یہ ہو تو پھر تمام زمیں زر خرید ہے
ایسی کلیں چلیں کہ طلسمات کر دیا
ان کافروں نے سب کے تئیں مات کر دیا

یہ علم گر نہیں ہے تو فضل و کمال ہیچ
منشی ادیب شاعر شیریں مقال ہیچ
وابستہ مناظرات و جواب سوال ہیچ
تحقیق میر زاہد و ملا جلال ہیچ
ہم نے تو قیل و قال میں کی عمر رائگاں
یوروپ نے مارے لوٹ لیا گنج شائگاں

ہم میں سے آج جو علمائے فحول ہیں
مخدوم ہیں کہ خادم شرع رسول ہیں
عابد ہیں باخدا ہیں ثقہ ہیں عقول ہیں
لیکن معاملات میں ایسے جہول ہیں
سمجھیں نہ وہ حساب کا ادنیٰ سوال بھی
پھر یارو ایسے پڑھنے کا کوئی مآل بھی

[illegible] یہ دو فن کتابیں منطق کی عربی میں مشہور ہیں [illegible] عالم مشہور [illegible] جس کی گواہی مقبول ہو

اُن کے لیے تلافیٔ مافات ہو چکی — دامن سے امید شفاعات ہو چکی
بیمار جاں بلب ہے مداوات ہو چکی — بس لوٹ دو بساط کہ یاں مات ہو چکی

دیں دار مدعی نہیں دنیا سے کھوئیں گے
یہ ناخدا جہاز تمہارا ڈبوئیں گے

واللہ سارے اپنی خرابی کے ڈھنگ ہیں — کل صنعتیں یہ قبضۂ اہل فرنگ ہیں
بیٹھے ہوئے دلوں پہ تعصب کے زنگ ہیں — محتاج ہیں غریب ہیں مفلس ہیں تنگ ہیں

ہم اپنا پیٹ پالتے ہیں پیٹ پیٹ کر
انگریز ساری لے گئے دولت گھسیٹ کر

یورپ اگرچہ لے گیا بازی تو خیر ہے — ہمکو خدانخواستہ کچھ اُس سے بیر ہے
وہ صاحب کتاب ہے مہتر ہے غیر ہے — مسجد نہ ہو تو صومعہ بہتر ز دیر ہے

ہندو اُٹھائے بیٹھے ہیں سر آسمان کو
ہم پوچھتے ہیں رو گے کس کس کی جان کو

کوشش کرو تو غیب سے ہوں حاجتیں روا — بے جہد کے کسی کو کبھی کچھ نہیں ملا
ہمکو توقعات نہ رکھنے کی وجہ کیا — یورپ نے کچھ خدائی کا ٹھیکہ نہیں لیا

دو تین چار ہاتھ کھسکنا ضرور ہے
مانا کہ ہم سے منزل مقصود دور ہے

قسمت کی خوبی دیکھو کہ اب بھی خبر نہیں — سمجھانے اور کہنے کا مطلق اثر نہیں
جس سے رفاہ قوم ہو ایسا ہنر نہیں — کیوں بھائیو کسی کی توجہ ادھر نہیں

کردار نا صواب پہ اصرار کس لیے
آنکھوں سے دیکھتے ہو تو انکار کس لیے

یارب قلوب عصبتنا بین اصبعیک — الرشد والہدیٰ و الفوز فی یدیک

۱ جو چیز فوت ہوگئی یعنے ہاتھ سے جاتی رہے ۱۲ ۞ علاج ۱۲ ۞ مسجد نصاریٰ ۱۲ ۞ ہندوؤں کا مندر ۱۲ ۞ اے رب ہماری قوم کے دل تیری دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں سیدھے رستے پر چلا جانا اور مطلوب پانا تیرے ہی ہاتھ میں ہے ۱۲ +

نستشفع النبی باکرام لدیک   لما تضیقت سائر حاجاتنا الیک

ہوں بر سرِ عروج خیالات قوم کے
شایان شان قوم ہوں حالات قوم کے

سب جانتے ہیں عالم اسباب ہے جہاں   ہر واقعہ نتیجۂ علت ہے بے گماں
اس قاعدے سے بھاگ کے جائے کوئی کہاں   جاری ہے یہ زمین سے لے تا آسماں
یہ ضابطہ جدید نہیں سرسری نہیں
اسلام بھی عموم سے اس کے بری نہیں

دیں کا عروج بے سبب معتبر نہ تھا   تھا مزد سعی صرف دعا کا اثر نہ تھا
راہِ خدا میں جان تلک کا بھی ڈر نہ تھا   مومن نہ تھا کہ جس کا ہتھیلی پہ سر نہ تھا
ان معرکوں میں کتنے عزیزوں کا خوں بہا
اک سلطنت اور اتنے شہیدوں کا خوں بہا

تھی نارِ شرک سارے زمانے میں مشتعل   روئے زمیں پہ نورِ ہدایت تھا مضمحل
اہل کتاب تک اسی آفت میں پا بگل   بس دو طرح کے لوگ تھے یا ضال یا مضل
شیطان کی جہاں میں دہائی پھری ہوئی
یعنے خدا سے ساری خدائی پھری ہوئی

اہل عرب کا حال تھا سب میں بہت خراب   جیسے بلا مبالغہ چیونٹی بہر کباب
بارود سے زیادہ مزاجوں میں التہاب   گر بات پوچھئے تو ملے جنبیہ جواب
اتنے سے لفظ پر کہ چلو یا ہٹو پرے
لڑنے پہ مستعد ہوئے حتی کہ کٹ مرے

سفاک کینہ توز ستم گر ستیزہ جو   بے رحم سنگدل ستمگر درشت خو

---

۱ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (کہ تیرے نزدیک انکی عزت ہے) شفیع لاتے ہیں۔ ہماری تمام حاجتیں جو تجھ سے تنگ ہوئیں ضرور پوری کر ۱۲ ۲ کوشش کا صلہ ۱۲ ۳ یہ حال اہل عرب کا تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے ۱۲ ۴ افروختہ شدن آتش ۱۲ ۵ جنبیہ ایک آلۂ قتل ہے ۱۲ ۶ کینہ کش ۱۲ ۷ یعنی خونریز ۱۲ ۸ [illegible] ۱۲ [illegible]

غارت گروں کو اصل قوافل کی جستجو — اس ڈھب میں سدا پڑے پھرتے تھے چار سو
صحرا نورد و وحشی و خانہ بدوش تھے
اونٹوں کو پالتے تھے بس اتنے ہی ہوش تھے

اُن کو نظر نہ تھی نہ زیاں پر نہ سود پر — گھر بار سب لٹا دیں گر آجائیں جود پر
جانیں نثار کرتے تھے اپنے وفود پر — مرتے تھے فخر و عزت و نام و نمود پر
برداشت کر نہ سکتے تھے از بسکہ بیٹیاں
کمبخت مار ڈالتے تھے اپنی بیٹیاں

محکوم تھے بھی بعض تو صرف از برائے نام — کیا جانیں ایسے لوگ سیاسات و انتظام
اک رنگ میں رنگے ہوئے چھوٹے بڑے تمام — دادوں کا لیتے پوتوں پڑپوتوں سے انتقام
ہر قوم سے طناب عداوت تنی ہوئی
بارہ مہینے ان میں لڑائی ٹھنی ہوئی

تھے گرچہ علم و فضل لیاقت سے بے نصیب — لیکن ہر ایک بلبل فصاحت کا عندلیب
ترکیب اُن کی بولی کی واقع ہوئی عجیب — جادو اگر نہیں ہے تو جادو کے ہی قریب
وہ دل کو موہ لیتے تھے طرز بیان سے
باتوں میں پھول جھڑتے تھے اُن کی زبان سے

با آنکہ شہر مکہ میں تھا کعبہ خلیل — نالائقوں نے اُسکو کیا اس قدر ذلیل
گھر میں خدا کے سیکڑوں بت ہوگئے دخیل — جیسے کہ آن بیٹھے ہما کی جگہ میں چیل
کیا انقلاب گردش چرخ کہن کے ہیں
یہ بت پرست خلف اُسی بت شکن کے ہیں

غالب صفت تھی اُن کی خشونت با ہی حال — اس طرز میں شریک تھے کیا اہل کیا عیال
وہ خانہ داریاں تھیں بجائے خود شر و بال — اک مرد جتنی عورتیں چاہے کرے حلال

ل جمع قافلہ ۱۲ ۲ مہمان ۱۲ ۳ جمع سیاست ۱۲ ۴ یعنی اہل عرب حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلعم کی اولاد اور اُن کے دین کے مدعی تھے اور پھر کعبے میں بت رکھ کر بت پرستی کرنے لگے ۱۲ ۵ سختی ۔ درشتی ۱۲ ۶ بہر حال ۱۲ ۷ سخاوت ۱۲

منکوحہ چھوٹ جاتی تھی غدر خفیف پر
نزلہ گرا ہی کرتا ہے عضو ضعیف پر

ناگفتہ بہ ہے اُن کا طریق معاشرت — شرم و حیا سے اُن کو نہ تھی کچھ مناسبت
کرنا زنانِ بیوہ کی ارث و مقاسمت — دو بہنیں اور حقوق زنی میں مشارکت
ظاہر خبر اُس سے زبوں تر سیرتیں
انسان ہو کے اُن میں بہائم کی سیرتیں

سب اہلِ روزگار تھے گمراہ یک قلم — مستوجب عذاب الٰہی عرب عجم
پر اُس نے عین وقت پہ اپنا کیا کرم — پیدا ہوئے نجات دہندۂ امم
بنیاد شرک و کفر و ضلالت کی ہل گئی
بھٹکے ہوؤں کو منزلِ مقصود مل گئی

کیا عقل تھی جنابِ رسالت مآب کی — شرمندہ جس کے آگے ضیا آفتاب کی
تدبیر سوچتے تھے گر فتح باب کی — آخر کو راہ ڈھونڈ نکالی صواب کی
وہ گمرہی وہ خوئے جہالت نکل گئی
تھوڑے دنوں میں ملک کی حالت بدل گئی

ہرچند اُن کو ذاتِ خدا کی پناہ تھی — پر مقتضائے وقت پہ ہر دم نگاہ تھی
تدبیر صلح و جنگ کی شام و پگاہ تھی — جو دوسروں کی راہ ہو وہ اُن کی راہ تھی
تقصیر کب درست ہی تدبیر کار میں
ہم اُن کے سامنے ہیں بھلا کس شمار میں

جاگو کہ شتر باندھ کے سوؤں سے پہلے — خارق شنوط راہِ تمنا میں بو چکے

---

۱ عرب جاہلیت کا دستور تھا کہ مثلاً باپ دس بیبیاں چھوڑ مرا تو وہ بیبیاں مثل مال متروکہ بیٹوں پر تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ اور ان کی بانٹ میں لڑائیاں ہوتی تھیں اس کے علاوہ حقیقی بہنیں ایک نکاح میں ہوتی تھیں۔ ان بری رسموں کو اسلام نے موقوف کیا ۲ اعمال باطن ۳ یعنی خدائے تعالیٰ نے ۴ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ۵ ناامیدی ۶ بودہ، کم زور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن حمایت اسلام لاہور

کے چوتھے سالانہ جلسے میں دیا

تمہید

یہ پہلا لکچر ہے جو انجمن حمایت اسلام میں دیا گیا۔ جس دن مولوی محمد نذیر احمد خان صاحب نے لاہور ایجوکیشنل کانفرنس میں پہلا لکچر دیا اُسی دن ممبران انجمن حمایت اسلام نے ان کو گھیرا تھا کہ ایک لکچر ہمارے ہاں دیجئے۔ اور اسی طرح ممبران انجمن حمایت اسلام امرتسر۔ اور ممبران محمڈن ایسوسی ایشن نے۔ مگر مولوی محمد نذیر احمد خان صاحب نے عذر کیا کہ میں سید کے ساتھ ہوں اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ نہیں بنا سکتا۔ آخر بمشکل انجمن حمایت اسلام نے ان کا پنڈ چھوڑا مگر اس کا وعدہ کرا لیا تھا کہ ان کے اگلے سالانہ جلسے میں ضرور لکچر دیجئے چنانچہ یہ لکچر وزیر خاں کی مسجد میں ہوا۔ اگرچہ لاہور میں سب سے بڑی وسیع مسجد ہے مگر لکچر کے وقت شروع سے آخر تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ لکچر دن کے دس بجے شروع ہوا اور نماز ظہر تک ختم نہ ہو سکا تو نماز کے بعد بھی لکچر کا بقیہ دیا گیا اور یوں سمجھنا چاہیے کہ نماز عصر تک اس کا تسلسل قایم رہا ۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم صلعم

ابر و باراں کی وجہ سے پچھلے دو دن موسم ناسازگار رہا کہ جس قدر انبوہِ عام کی توقع کی جاسکتی تھی شاید
اُس میں کسی قدر کمی ہوئی ہے لیکن یہ کمی ممبران انجمن حمایت اسلام کی دل شکنی کا موجب نہیں ہونی چاہیئے۔

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا ۔۔۔ ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے ۔۔۔ جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

حمایت اسلام ایسا دلکش اور پیارا لفظ ہے کہ جس کے دل میں اسلام کی ذرا سی بھی گدگدی ہے۔ ممکن نہیں کہ
یہ آواز اُس کے کان میں پڑے اور اُس کے شوق کو تحریک نہ ہو۔ چاہیئے تھا کہ مسلمان اس انجمن پر ایسے گرتے
جیسے شہد پر مکھیاں یا شمع پر پروانے۔ لیکن اگر ایسا ہوا ہوتا تو آج انجمن کے ممبروں کی فہرست کتاب ہفت قلزم
کے حجم سے کم نہ ہوتی۔ اچھا پھر اس مجلس کی شرکت۔ اعانت۔ سرپرستی میں مسلمانوں کی طرف سے وہ سرگرمی کیوں
نہیں ظاہر ہوئی جس کی توقع کی جاتی تھی۔ کیا لوگوں کو اس انجمن کی خبر نہیں یا اسلام محتاج حمایت نہیں یا
جس قدر ہو چکا ہے اسلام کی ضرورتوں کو کافی ہے۔ یا انجمن کی کارروائی اصلاح طلب ہے۔ یہ ہیں چند سوالات
جو انجمن کے اس جلسے میں شریک ہونے کے مقصد کے ساتھ میرے ذہن میں گزرے۔ ان کے جوابات بہم
پہنچانا۔ ان پر غور کرنا۔ سوچنا۔ موانعات کو دفع کرنا میرا نہیں بلکہ انجمن کے اُن ممبروں کا کام ہے جو انتظام
اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں تو صرف نفس حمایت اسلام پر چند ریمارکس کروں گا۔ مجھ کو صرف اتنی بات کا ظاہر
کرنا منظور ہے کہ ہندوستان میں اسلام کو کس طرح کی حمایت درکار ہے*

شروع میں اسلام کو ایسے نا ملائم اتفاقات پیش آئے کہ جناب پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چار
ناچار نبرد آزمائی کرنی پڑی۔ حضرتؐ نے بڑے صبر۔ بڑے تحمل اور بڑے استقلال کے ساتھ بارہ برس تک
اس پہلو کو بچایا۔ اور صرف خدا کے واسطے تمام دنیاوی ایذاؤں کو برداشت کیا۔ مگر عرب کے لوگ لاتوں کے
بھوت باتوں سے کیوں رو براہ ہونے لگے تھے۔ عرب کے لوگوں کو حضرتؐ کے ساتھ صرف اسی وجہ سے عداوت تھی
کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خدا کی پرستش کو قائم کرنا چاہتے تھے۔ وہ لوگ دینی دشمنی کے سبب طرح طرح
پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زبانی ایذائیں دیتے اور کہتے دیوانہ ہے جھوٹا ہے۔ شاعر ہے۔ ہیں کہیں مرزا
ارشد اور الطاف حسین حالی ان صاحبوں کے واسطے شاعری سرمایہ ناز ہو۔ مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ

لہ حمد اللہ کی کرتے ہیں اور درود بھیجتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ۱۲ [illegible] موافق ۱۲ [illegible] لڑائی ۱۲

مجموعہ تیسرے سے بڑا ہوتا ہے ہر حالت میں صحیح ہے۔ بعینہ یہی حال ہے اسلام کا۔ کسی نے اسکو طوعاً
تسلیم کیا تو۔ اور کرہاً تسلیم کیا تو۔ وہ فی حد ذاتہ مذہب صحیح تھا۔ اور ہے اور رہے گا۔ ان تو میں اسباب کو ملتا ہوں
ولا یختلف فی صدق منہ شئ کہ اسلام کو متقدمین مسلمانوں نے زبردستی سے ہندوستان میں پھیلایا
مسلمان ہرگز ہندوستان میں مہمان نہ تھے۔ جیسا کہ الطاف حسین حالی نے شکوہ ہند میں لکھا ہے۔ بلکہ
غاصب اور دخیل بیجا سمجھے جاتے تھے۔ ہندوستان کے باشندوں یعنی ہندوؤں نے ایک لمحہ کے لیے
بھی اپنی سوسائٹی میں ایڈمٹ نہیں کیا۔ اور نہ انہیں اپنا مہمان سمجھا۔ نہ انکے ہاتھ کا چھوا کھانا کھایا نہ پانی پیا
شادی بیاہ کا تو کیا مذکور ہے۔ پس مسلمان اگر مہمان تھے بھی تو مہمان ناخواندہ۔ غرض ہندو مسلمانوں میں
جو بگاڑ شروع شروع میں پیدا ہو گیا تھا کسی زمانے میں کم نہ ہوا۔ اکبر نے ہندو مسلمانوں میں ربط و ضبط
پیدا کرنے کی کچھ کوشش کی تھی مگر فریقین کی طرف سے وہ ایک شخصی سی بات تھی۔ بے ثبات۔ شاید اس کی
تدبیر کے مرہم سے زخم اختلاف کچھ بھر چلا ہو تو اس کے بعد ٹانکے ٹوٹ ٹاٹ کر وہ گھاؤ پہلے سے بھی بدتر
ہو گیا۔ اور جب فساد زخم تمام جسد ہندوستان میں پھیل گیا تو پولیٹیکل سرجری کے قاعدے سے قطع
عضو فاسد لازم آیا یعنے انتزاع سلطنت۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں اصول اسلام ایسے عمدہ اور سلیس اور
عام فہم اور ہر دل عزیز اصول ہیں کہ ان کے ماننے والے یعنے مسلمان دنیا میں بہت زیادہ ہونے چاہئیں۔ سب سے بڑی
خوبی جو اسلام میں ہے یہ ہے۔ کہ اس میں تکلف نہیں۔ تصنع نہیں۔ اوعا نہیں۔ طلب محال نہیں۔ تکلیف
مالا یطاق نہیں۔ کسی طرح کا اشکال نہیں +

بڑے اصول مذہب کے تین ہیں +

اوّل توحید **دوم** رسالت - **سوم** احکام یعنے اوامر اور نواہی +

جن وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ خدا کا ہونا ضروری ہے انہی وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ایک ہی قرآن شریف
میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ذکر ہے کہ کس طرح سے انہوں نے توحید کا سراغ لگایا۔ موجودات میں سے ادنے
قسم جمادات ہیں کہ جو حرکت بالارادہ نہیں کر سکتے۔ اس سے آگے نباتات کا درجہ ہے۔ مثل گھاس و روئیدگی
و درخت۔ ان میں نمو ہے۔ مگر حرکت پر قادر نہیں۔ ہوا کا جھکولا آیا تو ہل گئے ورنہ کھڑے ہیں۔ ان میں اور

سلہ میرے سینے میں اس کی طرف سے کچھ نہیں کھٹکتا ۱۲ سلہ چھین لینے والے ۱۲ سلہ شامل ۱۲ سلہ بڑا حصہ متعلق سینے
سلہ ۱۲ سلہ جس کی برداشت نہ ہو سکے ۱۲

جمادات میں صرف بالیدگی کا فرق ہے۔ بعدہ حیوانات جو اپنے ارادے سے نقل و حرکت کرتے ہیں جن میں سب سے اعلے درجہ انسان کا ہے۔ انسان میں سب باتیں مثل دوسرے جانوروں کے ہیں۔ مگر اس کو فضیلت ہے بسبب عقل کے۔ جس کی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ ہندؤں کو ہم افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ جانور۔ آگ۔ تلسی پیپل کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ گویا انسان سب سے بدتر ہے۔ اسلام انسان کو کیا سکھاتا ہے کہ دنیا میں سب چیزیں مجھ سے کم ہیں۔ اگر خدا دنیا میں ہوتا تو میں ہی ہوتا۔ انسان اشرف المخلوقات تھا اور اس کی حالت اس شرافت کی مقتضی تھی لیکن اس شرافت پر انسان کو اسلام نے جمایا اور اس اعتبار سے تمام بنی نوع انسان کی گردن پر اسلام کا بڑا حق ہے۔ مگر ہندو دھرم نے انسان کو سب سے بدتر بنایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں علم نجوم کو بڑی ترقی تھی اور تمام تصرفات نجوم کی طرف منسوب کیے جاتے تھے۔ ایسے گھر میں پیدا ہوئے جہاں بت بنائے جاتے۔ اور پوجے جاتے تھے۔ مگر چونکہ فطرت وحدانیت کی طرف پوری پوری متوجہ تھی۔ اُنھوں نے خیال کیا کہ وہ خدا کیسا کہ جس میں ہم خود تصرف کر سکتے ہیں۔ یعنی بت کہ اُن کا بنانا بگاڑنا ہمارے اختیار میں ہے اُس زمانے کے تقاضائے وقت سے آپنے اجرام فلکی کی طرف خیال کیا۔ جنگل میں کھڑے ہو کر کہا کہ خدا کہاں ہے۔ اتنے میں ایک چمکتا ہوا ستارہ عرصۂ فلک پر نمایاں ہوا۔ آپنے خیال کیا کہ شاید یہی خدا ہوگا۔ کواکب کی تاثیرات کو سب لوگ مانتے ہیں۔ مگر دیکھا کہ ستارہ طلوع ہوا پھر ترقی ہوئی۔ پھر تنزل۔ معلوم ہوا کہ یہ خود مجبور ہے خدا کیونکر مجبور ہو سکتا ہے فلما جن علیہ اللیل رای کوکبا قال ھذا ربی فلما افل قال لا احب الافلین تھوڑی دیر کے بعد چاند کو دیکھا اُس کا بھی انجام ویسا ہی ہوا پھر ناامید ہو کر فرمایا کہ میری کوشش یہی ہے کہ میں تلاش کروں۔ آفتاب نکلا۔ کہا کہ اسکے سامنے سب ماند پڑ گئے یہ خدا ہے مگر وہ بھی آخر کو غروب ہوا۔ تو بے اختیار بول اُٹھے افسوس میری غلطی ہے خدا وہ ہے جس کو میں نہیں دیکھ سکتا۔ جس کے دیکھنے کے واسطے چشم بصارت اور بصیرت دونوں کافی نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ ہندؤں کی بڑی غلطی ظاہر کرتا ہے۔ اب عیسائیوں کو لو یہ لوگ بھی گمراہ ہوگئے۔ اِن کے یہاں دس احکام ہیں۔ ایک حکم یہ ہے کل کے واسطے بالکل ذخیرہ مت کرو۔ ایک حکم یہ ہے کہ اپنے دشمن کے واسطے دل سے بہتری چاہو۔ جیسے اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے۔ ایک حکم یہ ہے کہ اگر کوئی تمہاری دائیں

لے آسمان کے چاند سورج ستارے وغیرہ ۱۲ لے رات ہوئی تو دیکھا ستارے کو کہا یہ ہے رب میرا جب وہ غروب ہوگیا۔ کہا میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۱۲

گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی پھیر دو۔ مگر آدمی کے لیے یہ احکام ممکن التعمیل نہیں ہیں کہ کوئی اسپر ظلم ہوکے تھپڑ مارے اور وہ کہے کہ اور مار یا جانی دشمن کے ساتھ محبت کرے مثل اپنی اولاد کے یا فکر دنیا سے فارغ ہو بیٹھے۔ یہ احکام ہیں از قسم محالات۔ احکام اسلام ایسے ہیں کہ جن پر ہم عمل کر سکتے ہیں۔ سوٓ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ (بدی کی جزا اسی طرح کی سزا۔ اگر کوئی معاف کرے اُس کا اجر اللہ پر ہے) یہ ہے وہ حکم جو فطرت انسانی سے ملتا ہے اور جس کو دل مان لیتا ہے اور جو مقدور بشر ہے ✤

عیسائی مذہب عیسوی کا ایک مسئلہ کفارہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا میں دو صفتیں متناقض[۲] کیونکر جمع ہو سکتی ہیں۔ عدل اور رحم۔ عیسائی کہتے ہیں کہ خدا مجبور ہو گیا ہے اگر کسی کو معاف کرے نہیں کر سکتا مگر فطرت انسانی کیا گواہی دیتی ہے۔ اگر بندے سے کوئی گناہ ہو جاسے تو سوا توبہ اور استغفار کے کیا کرتا ہے عیسائی خدا کی ذات میں عدالت اور نصفت کو یوں جمع کرتے ہیں کہ خدا نے حضرت مسیح بن کنواری کو لتیں اور مصیبتیں جھیلیں اور یوں گناہگاروں کی سزا کو خود بھگت کر عدل اور رحم دونوں کو پورا کیا۔ جیسے ہمارے معزز دوست محمد برکت علیخاں صاحب کسی مجرم پر جرمانہ کریں اور اپنے پاس سے بھر دیں۔ اسکو توبہ سے ملا کر دیکھو۔ اب میں رسالت کے لحاظ سے دکھانا چاہتا ہوں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیونکر عرب کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ انسان کے تمام کام معلّل[۳] بالغرض ہوتے ہیں۔ کوئی سفر کو جاتا ہے کسی سے ملنے کے واسطے۔ کھیت جوتتا ہے۔ اناج کے واسطے۔ اگر پیغمبر صاحبؐ نے دعویٰ رسالت کیا تو کوئی مطلب تو ہوگا آیا وہ غرض یہ تھی کہ میں بادشاہ ہوں۔ میں بھی احدٌ[۴] من الملوک ہو جاؤں۔ یہ احتمال بالکل غلط ہے اسکے برخلاف آپ نہایت متواضع۔ نہایت منکسر المزاج تھے۔ ایک دفعہ صحابہ جمع ہوئے۔ حضرتؐ کو دیکھا کہ کھرے بوریے پر لیٹے ہوئے ہیں اور تیلیوں کے نشان پسلیوں پر نمایاں ہیں۔ اصحاب نے عرض کی یا حضرت اگر آپ بوریے پر کپڑا ڈال لیا کریں تو کیا اس میں کچھ حرج ہوگا۔ آپنے فرمایا کہ میں تنعم[۵] نہیں چاہتا۔ دعویٰ رسالت کا دوسرا باعث شاید یہ ہو کہ مجھ کو لوگ مقدس سمجھیں۔ جیسے بعض شیوخ اور ریاکار عالموں کا حال ہوتا ہے لیکن آپنے فرمایا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں بھی تم جیسا آدمی ہوں۔ تم میں اور مجھ میں اگر فرق ہے تو

[۱] دیکھو سورہ حٰم ۱۲ [۲] ایک دوسرے کی نقیض ۱۲ [۳] یعنی ہر ایک کام کی علت کچھ نہ کچھ غرض ہوتی ہے ۱۲ [۴] منجملہ بادشاہوں کے ایک ۱۲ [۵] عیش ۱۲

صرف اسقدر ہے کہ یُوحیٰ اِلَیَّ (مجھ پر خدا کی وحی آتی ہے) جو میرے اختیار کی چیز نہیں۔ پھر فرماتے ہیں لَوْ کُنْتُ
اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ (اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں بہت سی بھلائی
سمیٹ لیتا اور مجھے کوئی اتفاق بد پیش نہ آتا)

کوئی شخص پیشوایان دین میں سے ہی جو اسطرح کہے۔ پھر اس سید ہی سادے منکسر متواضع نبی
کے اس کہنے کو دیکھو مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ (مجھ کو کچھ خبر نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور نہ یہ معلوم
کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا) کفار کے جواب میں فرماتے۔ نشانیاں اللہ کے اختیار میں ہیں کفار کہتے چشمہ بہاؤ
یا کوئی انگور کا باغ لگاؤ۔ جیسے یہاں مٹی لگاتے ہیں اُس میں نہریں بہاؤ۔ ایک سونے چاندی کا محل بناؤ کوئی
عجیب بات ہمکو دکھاؤ۔ اور تم آپ ہمکو ڈرایا کرتے تھے کہ آسمان پھٹ پڑے گا۔ اب آسمان سے پتھر برساؤ یا اللہ کو
اُسکا لشکر ملائکہ دکھاؤ۔ اِن سب باتوں کا آپ جواب دیتے کہ میں کسی اختیار او رتصرف کا دعوے ہی نہیں کرتا
پھر پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نسل کے لیے آمدنی کا کوئی ذریعہ قائم نہیں ہونے دیا۔ اُنہوں
نے آمدنی کے تمام ابواب اپنی نسل پر بند کیے۔ آل ہاشم پر صدقہ اور خیرات اور زکوۃ کو ابداً حرام کر دیا۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المال میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر مال تقسیم کر رہے تھے۔ امام حسین علیہ السلام اُن
دنوں بچے تھے ایک کھجور لیکر مُنہ میں ڈال لی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنگلی سے نکال کر پھینک دی
اور فرمایا کہ یہ صدقات لوگوں کے مال کا مَیل ہیں جن کو خدا نے میری اولاد پر حرام کیا ہے۔ غرض سب سے
بڑی خوبی اسلام میں یہ ہے کہ اس میں تکلیف نہیں۔ طلب محال نہیں تصنع نہیں اس مطلب کو اگرچہ میں
زیادہ نہ بیان کر سکا تاہم مختصراً بیان کر دیا۔ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں۔ کہ اسلام آہن دل انسان کے لیے
مقناطیس ہو۔ حقیقت میں سخت حیرت ہوتی ہے۔ تیرہ سو برس ہو چکے دنیا کے لوگ سارے نہیں تو اکثر
مسلمان کیوں نہیں ہو گئے۔ میں نے اپنے ذہن میں اس کا یہی سبب قرار دے رکھا ہے کہ اسلام کو دوستی
و خیر خواہی اور ہمدردی کے پیرایہ میں لوگوں پر عرض کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ورنہ جس طرح سے پادری
لوگ بہلا کر پھسلا کر لالچ دکھا کر رفق و لینت سے۔ خاطرداری و دلجوئی سے منت و خوشامد سے بہلا کر پرچا کر
سینکڑوں برس سے انجیل کی منادی کر رہے ہیں۔ زیادہ نہیں پچاس برس بھی اس طرح لگ لپٹ کر قرآن مجید
کی منادی کی جائے تو مسلمان دن دونے اور رات چوگنے ہو جائیں۔ میراقصہ +

سلہ خزانہ ۱۲ سلہ بناوٹ ۱۲ سلہ نرمی ۱۲

ہلکے واسوں پر بیچ دیں۔ وحشیوں کو آئینے اور جھوٹے موتی اور کھلونے دکھا کر خوش کریں۔ اور زنان خانوں میں عورتوں کو لکھنا پڑھنا سینا پرونا سکھائیں۔ دائیوں کی طرح بچے جنوائیں۔ یہ ہیں چند نمونے اِن لوگوں کی کوششوں کے جن کو اپنی قومی سلطنت کے ہوتے کسی کوشش کی ضرورت نہیں۔ اب ہمکو اپنی جگہ آپ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام کے لیے بھی کبھی کوئی اس قسم کی تدبیر کی گئی ہے ہرگز نہیں! یہ سچ ہے کہ ہمارے ہاں وعظ کا دستور ابتدا سے ہی۔ مگر جس طرح ہمارے اور پادریوں کے وعظ کے طریقے مختلف ہیں اغراض بھی مختلف ہیں۔ ہمارے ہاں کے عالم اکثر اپنی مسجدوں میں وعظ کہتے ہیں اور اُن کی اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو احکام مذہب سے آگاہ کیا جائے۔ جب کہ پادری دوسروں کو کنورٹ[۱] کرنے کے لیے گلی گلی کوچہ کوچہ وعظ کہتے پھرتے ہیں۔ پادریوں کی دیکھا دیکھی چند روز سے مسلمانوں نے بھی کہیں کہیں سر بازار کھڑے ہو کر وعظ کہنے کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ مگر نام و نمود کے مولوی اس طرز کو موجب کسر شان سمجھتے ہیں حیلے تو بہت سے بنائیں گے۔ کہ ہمکو اپنے ہی گھر درس و ہدایت سے فرصت نہیں۔ کیا کریں پڑھنے والے آگھیرتے ہیں۔ مستفتی[۲] دم نہیں لینے دیتے لیکن شاید اصلی سبب ہے کبر نفس۔ پھر ایک بہت بڑا نقص ہمارے ہاں یہ ہے کہ مولوی احکام ظاہر کا بہت بڑا اہتمام رکھتے ہیں۔ جہاں تک میں خیال کر سکتا ہوں ہمارے مولویوں کی تعلیم کا خلاصہ ہے زہد اور احکام ظاہر کی پابندی۔ شریعت طب روحانی ہے۔ جس طرح طب ابدان میں ہر طرح کے علاج ہر قسم کی دوائیں دیکھتے ہو کہ کہیں فصد اور حجامت اور تنقیہ اور پرہیز اور فاقہ ہے کہ یہ سب تدبیریں ضعیف کرنے کی ہیں کہیں ادویہ مہیج[۳] اور مقوی بھی ہیں۔ کیونکہ لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں کوئی درجہ اعتدال سے بڑھ گیا ہے اُسکو گھٹانے اور نیچے اُتارنے کی ضرورت ہے۔ کوئی گر گیا ہے اُسکو اچکانا اور اُبھارنا ہے بعینہ اسی طرح مذہب میں زہد بھی ہے کہ یہ بمنزلہ تنقیہ ہے مگر وہ کس حالت کے مناسب تھا کہ مسلمانوں میں اس طرح کی دولت پھٹ پڑی تھی کہ مدینہ منورہ میں لوگ زکوۃ کا روپیہ جھولی میں بھرے ہوئے لیے لیے پھرتے تھے اور کوئی زکوۃ کے لینے کی حامی نہیں بھرتا تھا کیونکہ ہر شخص خدا کے فضل سے بجائے خود صاحب نصاب[۴] تھا۔ اور اب بھی خدا مسلمانوں کے ویسے ہی دن پھیرے تو سب سے پہلا شخص جو تعلیم زہد کی رائے دے میں ہوں مگر مسلمانوں کی حالت موجودہ تعلیم زہد سے ویسا ہی اُبھار رکھتی ہے جیسا کہ ایک بیمار ناتواں کی

[۱] نو عیسائی ۱۲ [۲] فتوے لکھوانے والے پوچھنے والے ۱۲ [۳] ہیجان یعنی شورش لانے والی ۱۲ [۴] یعنی اسقدر مال رکھتا تھا جسپر زکوۃ دینی لازم آتی ہے ۱۲

مطلقاً ملتفت ہی نہیں ہوتے قدرے قلیل پابند مذہب ہوتے ہیں۔ اِن میں اکثر اور اکثر بھی قریب کل اس
خیال کے ہوتے ہیں انّا[1] وجدنا آباءنا کذلک یفعلون انا وجدنا آباءنا علیٰ امۃ وانا علیٰ آثارھم
مقتدون ۔ غرض شاذ ہیں وہ لوگ جو تحقیق کے ساتھ کسی خاص مذہب کو اختیار کرتے ہیں مگر تحقیقات
کا نتیجہ ہم نے تو اکثر یہی دیکھا ہے کہ آدمی جس مذہب میں پیدا ہوا اور جس کی خوبی بچپن سے اُسکے ذہن میں
بیٹھ چکی ہے۔ تحقیقات کے بعد بھی اُسی پر قائم رہتا ہے۔ وہ اگر اِس مذہب کے معتقدات میں کہیں پانی
مرتا ہوا دیکھتا ہے تو اُس میں تاویلات گھڑ گھڑا کر من سمجھوتی کر لیا کرتا ہے۔ یدخلون[2] فی دین اللہ
افواجاً کے دن گئے۔ اب کوئی اِکّا دُکّا تبدیل مذہب کرتا بھی ہے تو اُس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً دو بڑے
تالابوں میں چند قطرے ایک تالاب میں سے لیکر دوسرے میں ڈال دو تو اس سے نہ وہ تالاب خشک
ہوگا جس میں سے دو بوندیں نکل گئیں اور نہ وہ تالاب اُبل پڑے گا جس میں دو بوندیں اور آئیں۔ خلاصۂ
مقصود یہ ہے کہ ہمکو تکثیر گروہ مسلمانان کے فکر سے فارغ رہنا چاہیئے۔ اِس سے کہیں زیادہ بکار آمد اور
مفید اور عند اللہ و عند الرسول مقبول یہ ہے۔ کہ ہم عام مسلمانوں کی اصلاح پر متوجہ ہوں۔ اور عجب نہیں
کہ یہ تدبیر آخر کار تکثیر جماعت اسلام کا بھی موجب ہو۔ نیز زمانہ کامپٹیشن[3] کا ہے یوں سمجھنا چاہیئے کہ جتنے
اہل مذاہب ہیں سب ایک قسم کے دوکاندار ہیں۔ اور ہر دوکاندار خریداروں کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا
ہے۔ کامپٹیشن کی صورت میں جو تدبیر ایک دوکاندار اپنی دوکان کی رونق کے لیئے اختیار کرتا ہے ویسی ہی تدبیر ہمکو
کرنی ہوگی کہ ہمارے پاس خریدار کی ضرورت کی سب چیزیں مہیا ہوں۔ سو ہیں۔ مال بھی عمدہ ہو وہ
بھی ہے۔ ارزاں ہو۔ ارزاں بھی ہے۔ چیزیں عمدہ طرح پر سجائی گئی ہوں۔ خریداروں کے ساتھ
ہمارا برتاؤ رفق و نرمی کے ساتھ ہو۔ بس اِن دو باتوں میں کمی ہے۔ اور اِن ہی دو باتوں کی طرف میں
عام مسلمانوں کو اور خاص کر ممبران انجمن حمایت اسلام کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے مذہبی احکام
جن کو میں نے مال تجارت سے تشبیہ دی فی حد ذاتہا نہایت عمدہ ہیں مگر ہم مسلمان ان کو ایسے طور پر
عمل میں نہیں لاتے کہ اِن کی عمدگی ظاہر ہو۔ اور لوگ اسلام کو نظر استحسان سے دیکھیں۔ آپ صاحب مجھ کو
اس بات کے کہنے سے معاف رکھیں گے کہ انجمن حمایت اسلام اپنے پندار میں ایسا خیال کرتی ہے کہ اسلام

[1] ہم نے پایا اپنے باپوں کو اسی طرح کرتے ہیں ہم نے پایا اپنے باپوں کو ایک راہ پر اور ہم اُن کی پیروی کرتے ہیں ۱۲
[2] اللہ کے دین میں گروہا گروہ داخل ہونے لگے ۱۲ [3] مقابلہ سو مجتا بحثی ۱۲

کہ میں خود انگریزی بوٹ کا پہننا بھی پسند نہیں کرتا - ہر چند جانتا ہوں کہ لباس کو مذہب میں کچھ دخل نہیں - مگر میں نے کہا نہ کہ مجھ میں تھوڑا سا تعصب ہی میرا مزاج خلقۃً کا نسٹرویٹو واقع ہوا ہے بایں ہمہ میں مسلمانوں کے فایدے کی نظر سے باصرار کہتا ہوں کہ مسلمانوں کو حقیقی جنبیت اور وحشت اور نفرت نصاریٰ سے ہی مصلحت وقت کے خلاف ہو - اس زمانے کے نصاریٰ وہی نصاریٰ ہیں جو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھے - وہی عقائد ہیں - وہی مسئلے ہیں - اِن ہی کی نسبت خدا فرماتا ہے لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی یہ تو خدا کا فرمودہ ہے اُن وقتوں کا کہ اسلام برسر عروج تھا - اور دوسری قوموں کی دوستی اور دشمنی دونوں سے مستغنی - اب ہمارے برتاو کو دیکھو تو ہم نے اباعد کو اقارب بنا رکھا ہے اور اقارب کو اباعد - اور کس حال میں کہ ہم محتاج ہیں اور نصاریٰ محتاج الیہ - ہم محکوم ہیں اور نصاریٰ حاکم - عقل رکھتے ہو - شعور رکھتے ہو سود و زیان میں تمیز کرنے کی سمجھ رکھتے ہو ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن   مصلحت بین و کار آساں کن

اگر ہمکو سوسائٹی کی ضرورت ہو تو اِس کی بھی ضرورت ہو کہ ہم اُس سوسائٹی سے جہاں تک ممکن ہو پورا پورا فائدہ حاصل کریں - لیکن جب سوسائٹی کے خیالات ہماری نسبت یہ ہوں کہ ہم کو ڈینگے - مغرور - بزدل - غلط - سرکش - ٹرے - ہیکڑی باز - لڑنے کو موجود - جھگڑنے کو تیار خیال کرتے ہوں تو بس معلوم ہوا کہ ہمکو سوسائٹی کی منفعتیں بتامہا حاصل نہیں - میرے خاندان میں دکانیں اور مکانات کی قسم سے کچھ جائداد ہے - ہم لوگ ہمیشہ ہندو کرایہ دار کو ترجیح دیتے ہیں - کیونکہ اُس سے کرایہ بآسانی اور پورا اور فی الوقت وصول ہوجاتا ہے مجھے ایک بندوبست نے مسلمان ڈپٹی کلکٹر کا حال معلوم ہے کہ اِن کی کچہری میں ادنے درجے کی محرری خالی ہوتی تو واللہ اگر ہندو کو رکھتے اس خیال سے کہ ہندو ڈر کر کام کرتا ہے - محنت سے جان نہیں چراتا اپنے نیچے سے خود آ نساپاتو اُن کا خیال صحیح تھا - مہاجن لوگ تقاضے کے لیئے اکثر مسلمان پیادوں کو رکھتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ مسلمان سخت گیر ہوتے ہیں - حد خودداری تک تو اِن باتوں کا مضایقہ نہیں - اِس سے زیادہ میرے نزدیک داخل عیب ہے اور من حیث المعاشرۃ خود مسلمانوں کے حق میں سخت مضر - غرض جہاں تک مسلمان دوسری

[1] جہت ناپسند ۱۲ [2] تو سخت دشمن مومنوں کا یہودیوں اور مشرکوں کو پائیگا دوستی میں بہت قریب ایمان والوں کا اُن کو پائے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں ۱۲ [3] یعنی دور کے لوگوں کو قریب سمجھا اور قریب کے لوگوں کو دور ۱۲ [4] قصداً ۱۲ [5] از روئے میل جول کے ۱۲

کریں۔ غرض سب باتوں میں نرمی تھی۔ اور نہیں تھی تو توحید کے بارے میں۔ فتح بدر کے بعد لڑکیاں شادیانے گانے لگیں۔ آپ خاموش لیٹے ہوئے سنا کیے۔ جب اُنہوں نے کہا کہ ہم میں پیغمبر غیب داں ہے جھٹ آپ نے روکا۔ صحابہؓ نے چاہا کہ فارس کے قاعدے کے مطابق تعظیماً سجدہ کریں۔ منع فرمایا۔ بلکہ لوگوں کے کھڑے ہونے سے بھی ناخوش ہوتے تھے۔ اس خیال سے کہ مبادا میرے پیچھے لوگ پرستش کرنے لگیں وصیت کی کہ میری قبر زمیں دوز بنانا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب تک زندہ رہے توحید کی رخنہ بندیوں میں لگے رہے اب اُسی خدا پرست پیغمبر کی امت کو دیکھتے ہیں۔ قبر پرست۔ پیر پرست۔ تعزیہ پرست۔ رسم پرست۔ اوہام پرست۔ تدبیر پرست خواہش پرست۔ یعنے روزمرہ کی حاجتوں میں تو ہمکو اس کی ضرورت پیش نہیں کہ بیٹھے بٹھائے خدا کو تکلیف دیں۔ اولاد۔ نوکری۔ تندرستی۔ دوستی۔ دشمنی۔ ہار جیت۔ میں نہیں سمجھتا کونسا مطلب ہے جو خدا کے بدون اختیار ہے۔ اور اسکو کوئی نہ کوئی زندہ یا مردہ سالکؒ یا مجذوبؒ فقیر پورا نہ کرسکے۔ یوں تو اپنے وہی کو اپنے مونہہ سے کوئی کیوں کھٹا کہنے لگا۔ لیکن غیر ملک کا کسی ناواقف محض شخص کو آنے دو وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اگر فرق پائے گا تو اسیقدر کہ ہندو اپنے بزرگوں کی پرستش کرتے ہیں اور مسلمان اپنے بزرگوں کی۔ مسلمانوں کو توحید کے بارے میں تنزل دیکھ کر میں ذرا بھی تعجب نہیں کرتا یہ مرحلہ ہے ہی مزلۃ الاقدام ومایؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون لیکن البتہ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہی یا اُسی قسم کے افعال دوسری قوموں کا آدمی کرے تو مشرک اور مسلمان اس سے بدتر سے بدتر بھی کرے پھر موحد کا موحد توحید کیا ہے۔ بی بی تمیز کا وضو ہے کہ وہ کسیطرح ٹوٹتا ہی نہیں۔ تاویلیں جو مسلمانوں کے مونہہ سے سُنی ہیں وہ اس قسم کی ہیں جو دوسرے لوگ کیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں ھؤلاء شفعاءنا عند اللہ ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی یہاں کچھ لڑائی نہیں۔ جھگڑا نہیں۔ مباحثہ نہیں آپس کی بات ہی بحث کرنے پر آؤ تو کوئی بھی مجھ کو بند کردے گا وکان الانسان اکثر شئ جدلا لیکن معاملہ خدا کا ہے یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور۔

زور رت ار پیش میر و و با ما باخداوند غیب داں نرود

لہ وہ درویش جنکے ہوش و حواس درست ہوں ۱۲ لہ جو اپنے آپ میں نہ ہو ۱۲ لہ قدموں کے پھسلنے کی جگہ۔ اور بہت سے ان میں اللہ کو مانتے بھی ہیں تو ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہیں ۱۲ لہ یہ ہیں ہمارے شفیع اللہ کے پاس ان کو ہم صرف اسواسطے پوجتے ہیں کہ ہمکو اللہ کا مقرب بنا دیں لہ اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہی ہے لہ آنکھوں کی چوری اور سینے کی چھپی باتوں کو جانتا ہے ۱۲

سکھاتی ہوتی خود پادری کب اس کو جائز رکھتے - انگریزوں میں مذہبی تعصب اس درجہ کا ہے کہ رومن کیتھلک عقیدے کے لارڈ رپن گورنر جنرل مقرر ہو کر آئے تو ایک غل سا مچ گیا - مسٹر بارنل نے انجیل پر حلف لینے سے انکار کیا تو سب کے سب مارنے کو چلے - یوں مذہبی باتوں میں غفلت اور سہل انکاری سبھی سے ہوتی ہے - مگر بس سے لامذہبی کا الزام عاید حال نہیں ہوتا - یہ بات البتہ غور کرنے کی ہے کہ اگر انگریزی تعلیم لامذہبی کی محرک نہیں تو انگریزی خواں متزلزل العقیدہ کیوں ہوتے ہیں مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ اس بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ ہماری سوسائٹی کا قصور ہے اگر ہمارے گھروں میں مرد اور عورت مذہب کے پابند ہوں - اور بچے ماں باپ اور رشتہ داروں کو دیندارانہ زندگی کرتے ہوئے دیکھیں تو یہ بجائے خود سب سے زیادہ مؤثر تعلیم ہے - انگریزی ہمارے بچوں کو لامذہب نہیں بناتی بلکہ ان کو لامذہب بناتے ہیں ہم اور ہمارے بُرے نمونے اور مذہب کے بارے میں ہماری بے اعتنائی - ہماری بے مبالاتی + دنیاوی علوم کے علاوہ علوم مذہبی کا بوجھ بچوں پر ڈالو گے - تو یقیناً ہندوؤں سے بازی نہیں جا سکو گے میری قطعی رائے یہ بھی کہ تعلیم کے سلسلے سے تو مذہب کو رکھو خارج اور سوسائٹی کی اصلاح کو بناؤ قائم مقام مگر کیا کریں رونا تو یہی ہے سوسائٹی ہی کام کی نہیں - جب تک ایماندار ماں باپ نہوں اولاد کا سدھرنا معلوم - اسی غرض سے انجمن حمایت اسلام نے مجبور بچوں کی دینی و دنیوی دونوں طرح کی تعلیم شروع کی ہے امید ہے اس تدبیر سے ہمارے لڑکوں کے دین کی بھی پوری پوری حفاظت ہوگی اور دنیاوی علوم میں بھی بہرہ کے ساتھ دوسری قوموں کا مقابلہ کر سکیں گے - میں جانتا ہوں کہ بعض لوگ میری اس رائے سے اختلاف کرینگے - مگر سوچو - غور کرو - اہل الرائے سے صلاح لو - اس کے بعد بھی اگر یہ رائے ناپسند ٹھیرے مت ماننا - لیکن خدا کے لیئے کہیں ایسا نکرنا کہ کسی مولوی سے جا لگاؤ - میرے نامۂ اعمال میں کفر کے فتووں کی گنجایش نہیں - حقیقت میں میری بھی عجیب رائے ہے - سارے جہان سے نرالی - جدھر دیکھو تعلیم تعلیم کا غل ہو رہا ہے - اور میں یہ سوچا کرتا ہوں کہ جس قدر تعلیم اس وقت تک ہو چکی ہے وہ بھی ضرورت سے بہت زیادہ ہے - بات یہ ہے کہ ابھی تک میرے نزدیک تعلیم کے اصول ہی ٹھیک نہیں ہوئے - کچھ اس طرح کا خلط مبحث ہو رہا ہے کہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی - اس وقت ساری تعلیم کا ماحصل ہے نوکری

[۱] یہ بھی عیسائی مذہب کا ایک گروہ ہے - جس میں حضرت مریم کی بہت بڑی تعظیم ہے اور یہ لوگ تصویر پرست بھی ہیں ۱۲ [۲] نہ ادھر نہ اُدھر یہ بلا کد صر ۱۲ [۳] بے پروائی ۱۲

نہیں جس کو تم نے لیاقت سمجھ رکھا ہے بلکہ وہ لیاقت جس کو وقت کے بادشاہ انگریز مانتے اور
پسند کرتے اور جس لیاقت کے بل پر اہل یوروپ کودتے ہیں۔ اس سے شاید کوئی شخص بھی انکار
نہیں کرے گا کہ جو لیاقت اس زمانے میں درکار ہے اُس کا حاصل ہونا تو ہنوز دلی دور اس کے حاصل
کرنے کا جیسا چاہیے اور جتنا چاہیئے شوق بھی نہیں۔ ہم کیونکر سمجھیں کہ قوم نے لیاقت کی ضرورت
کو سمجھا اگر کچھ ہوا بھی ہے تو اس کا کریڈٹ تمام وکمال گورمنٹ کا حق ہے۔ لیکن نہ گورمنٹ پر انصافا
لازم ہے اور نہ گورمنٹ اتنا بھاری بوجھ اُٹھا سکتی ہے کہ ہمکو ہماری حاجت کی قدر تعلیم دے مانا
کہ ہم مفلس ہیں۔ محتاج ہیں بے مقدور ہیں۔ لیکن ایسے گئے گذرے بھی نہیں سب کے سب کرنے پر
آئیں تو خدا جانے کیا کریں۔ میں کہتا ہوں کہ جو لوگ دے سکتے ہیں۔ بار بار نہیں۔ جی مضبوط کرکے
ساری عمر میں ایک دفعہ سچے دل سے روپیہ پیچھے ایک ایک پیسہ بھی دے نکلیں تو مسلمانوں کا بیڑا پار
ہے۔ یہ کچھ کم خوشی کی بات نہیں کہ چندروز سے مسلمانوں میں تحریک پیدا ہو گئی ہے۔ وہ پہلے غافل پڑے
سوتے تھے۔ کہ سر پر ڈھول بجاؤ خبر نہیں اب کلبلاتے اور کروٹیں بدلتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہی
کہ نیند ہوشیار ہو چلی ہے۔ اب اتنی ہی بات کی کسر ہے کوئی شاباش ہے میرے شیر کہے اور ذرا سہارا
بھی لگائے تو جھٹ سے اُٹھ کھڑے ہوں۔ چونکہ خدا نے اتفاق میں بڑی قوت دی ہے۔ سب سے بہتر تو
یہ تدبیر تھی کہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک جگہ کوشش ہوتی یعنے سارے ہندوستان
کے لیے ایک فنڈ ایک انجمن۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہو سکا اور نہیں ہو سکتا تو خیر ہر صوبے پیچھے ایک فنڈ ایک
انجمن سہی اس سے کہ ایک ہی شہر میں کئی کئی انجمنیں ہوں کوئی فائدہ معتد بہ مترتب ہونے والا نہیں
افتراق کا ضروری نتیجہ ہے کشمکش اور کشمکش کا ضروری نتیجہ ہے ضعف جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ فرماتا
ہے ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم[1] اور اگر فی الواقع بتقاضاے اخوت اسلامی یا بامید
ثواب عاقبت یعنے خالصۃً للہ مسلمانوں کی اصلاح اور فلاح میں کوشش کی جاے جیسا کہ ہر ایک انجمن
کے ممبر مونہہ سے کہتے ہیں تو تعجب ہے کہ سب کے سب ایک کیوں نہیں ہو جاتے الجنس[2] یمیل الی الجنس
یہ تمام کوششیں جدید العہد ہیں اور ابھی سے ان میں منایرت کا ہونا میری راے میں کچھ ٹھیک سی بات

[1] استحقاق وح وثنا ۱۲ [2] آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو۔ اور ایسا کرو گے تو تم میں بزدلی آجائے گی اور تمہاری ہوا
اُکھڑ جائے گی ۱۲ [3] کند ہمجنس با ہمجنس پرواز ۱۲

نہیں۔ ہمکو بہت کچھ کرنا ہے پہلے ہم صلاح ہوکر کاموں کی فہرست بناؤ اور پھر الاقدم فالاقدم کے لحاظ سے یکے
بعد دیگرے سب کے سب ایک ایک کام کر چلو۔ اسلام کی مثال ایک وسیع عمارت کی سی ہے تمامتر بوسیدہ شکستہ
مرمت طلب آیا یہ بہتر ہوگا کہ ہم ہر طرف کام جاری کردیں جیسا کہ ہو رہا ہے۔ یا یہ کہ ایک ایک قطعے کی درستی کرتے
جائیں جیسا کہ میں نے آپ صاحبوں کی خدمت میں عرض کیا۔ دل تو یہ چاہتا تھا کہ جتنی دیر مجھکو (یہاں) آنے
یہاں آنے میں لگی اتنی ہی دیر تک میں آپ صاحبوں کو باتوں میں لگائے رہوں لیکن جو کچھ
میں نے کہا اس غرض سے نہیں کہا کہ آپ صاحب ایک کان سے سنیں اور دوسرے کان سے
نکال دیں۔ بلکہ اس غرض سے کہا کہ اس پر آپ غور اور غور کے بعد عمل کریں سننے
اور سوچنے اور عمل کرنے میں یقیناً اس سے زیادہ وقت صرف ہوگا جو
میں نے یہاں آنے میں صرف کیا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ
جو میں واپس جانے میں صرف کرونگا۔ بہرکیف میں آپ
صاحبوں کا نہایت شکرگزار ہوں کہ آپ
صاحبوں نے میرے بیان کو متوجہ
ہوکر سماعت فرمانے سے
عزت دی اگرچہ
اس عزت
کا کسی طرح مستحق نہ تھا اور اب کہ میری آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا ہے امید کرتا ہوں
کہ انشاءاللہ اگلے سال پھر انہی دنوں یا شاید کوئی تقریب پیش آئے
تو اس سے بھی پہلے مجھ کو پھر آپ صاحبوں کی ملاقات کی
خوشی حاصل ہوگی خدا کرے ایسا ہو
آمین۔ والسلام

[1] مطلب یہ ہے کہ نہایت ضروری اور بہت ضروری اور ضروری میں ترتیب کا لحاظ رکھیں ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکچر

مسلمانوں کی حالت پر

جو جناب ممدوح نے محمڈن ایجوکیشنل کانگرس کے چوتھے سالانہ جلسہ منعقدہ علی گڈھ میں ۲۸ دسمبر ۱۸۸۹ء کو دیا

تمہید

علی گڈھ میں اس کے تیسرے برس مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے پھر بھی لکچر دیا۔ مگر یہ پہلا بڑی دھوم کا تھا۔ اس میں لوگوں کی بڑی کثرت تھی۔ اور لوگ بھی چیدہ۔ اور علی گڈھ کالج کے اسٹریچی ہال میں ہوا تھا۔ اس میں اہل پنجاب بھی بہت شریک تھے۔ اس کے بعد سے تو پنجابیوں نے آنا ہی موقوف سا کر دیا۔ اور غالب یہ ہے کہ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے لکچر سننے کا اشتیاق اُن کو یہاں کشاں کشاں لایا تھا۔

عمر خاموشی بھی مدت سے میرے مونہہ پر لگی
سید احمد خاں کی خاطر ہی وگرنہ میں کہاں
پھر خدا جانے ملے کب موقع اظہار حال

ہر برس لکچر کے دینے کی یہ کیسی کر[1] لگی
اور کہاں یہ بھیڑ جو ہے اندر اور باہر لگی
بات اب کوئی نہ رکھیو لے دل مضطر[2] لگی

[1] کر کہتے ہیں خبط کو مراد یہ ہے کہ لکچر کا دینا کر کی طرح لازم ہو گیا۔ [2] بات کو لگا رکھنا یعنے اُٹھا رکھنا۔

رحم کر یارب کہ اب امت تیرے محبوب[1] کی — اس کی حالت دمبدم ہونے بہت ابتر لگی
نسل شاہان سلف عبرت کی جا ہے دوستو — بھیک کے ٹکڑے سے نکل کر مانگنے در در لگی
کیا بتائیں پچ سکتے ہیں بے امداد غیبی یہ غریب — مفلسی کی جن کو ایسی بھاری اک ٹکر لگی
بچ گیا ہے کوئی جس پر مقدر کی بجلی گری — کوئی سنبھلا ہے کہ جس کو دہر کی ٹھوکر لگی
علم ہے بالخاصہ گرچہ علاج درد قوم — لیکن اس میں بھی تنزل کی ہے اک چھری لگی
کچھ نہ ہو تو بھی کتابوں کی تو قیمت چاہیے — اس سے پہلے فیس جو اکثر سے ہے اکثر لگی
پڑھ چکا مفلس کہ جوں لی ہاتھ میں اُس نے کتاب — قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھنے اتڑی پیٹ کے اندر لگی
علم ہے دولت ہے اور دولت سے ہے سب علم و فضل — کشتی تقدیر کھانے دَور کے چکر لگی

جو قوم سلطنت جیسی نعمت اور رحمت کو اپنی نالائقی کی وجہ سے کھو بیٹھی ہو۔ جو تمام اقوام معاصر[2] کے مقابل میں دولت اور عزت اور لیاقت اور اقتدار اور اعتبار سب باتوں میں ہیٹی ہو اور جس کے اکثر افراد کے دلوں میں ولّلاکثر حکم الکل منافست کی ذراسی گدگدی بھی نہ ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسی قوم کا کوئی شخص کسی بات پر بھی فخر کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم مسلمانوں میں بالنسبۃ الی اقوام اخر شخصی عزتیں کم بہت کم ہیں۔ مگر ہیں۔ لیکن چونکہ قوم سے عزت سلب ہو گئی ہے۔ شخصی عزت والے اس شعر کا مصداق ہیں[5]

طاؤس را بہ نقش و نگارے کہ ہست خلق — تحسین کنند و او خجل از پائے زشت خویش

کوئی اس کو یقین کرے یا نہ کرے میں نے اپنے لیے روپیہ کمانے کی تو کوشش کی۔ وہ بھی تعزز کی نظر سے نہیں بلکہ فارغ البالی کی غرض سے۔ شخصی عزت کی طرف سے میرا دل کچھ ہمیشہ سے ایسا بجھا ہوا سا ہے کہ میں نے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی اُس کا خیال نہیں کیا۔ کیونکہ میں قومی عزت کے بدون شخصی عزت کو اصلی عزت نہیں بلکہ عزت کا ملمع سمجھتا ہوں۔ شخصی عزت تو درکنار مجھ کو تو روپے سے بھی وہ خوشی نصیب نہیں جو ایک معزز قوم کے آدمی کو ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے۔ مال سے کیا متمتع ہو سکتا ہے وہ بدبخت جس کے بعض مصیبت مند رشتہ دار دلّی میں دستکاری سے اور بجنور میں کاشتکاری سے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ ان سب کی دستگیری کرو[ں]

[1] جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ۱۲ [2] زیادہ سے زیادہ ۱۲ [3] خالی پیٹ میں جو قراقر ہو اُس کو اتڑی کا قل ہو اللہ پڑھنا کہتے ہیں ۱۲ [4] ہم عصر، ہم عہد ۱۲ [5] جب اکثر لوگوں کا ایک حال ہو تو کہا جاتا ہے کہ سب کا وہی حال ہے ۱۲ [6] سب سے آگے بڑھ جانے کی خواہش ۱۲ [7] دوسری قوموں کے مقابلے میں ۱۲

دوسرے ملکوں کا ذکر نہیں اس کفرستان ہند میں پانچ کروڑ آدمی ان کا کلمہ بھرتے ہیں اور تا قیام قیامت
بھرتے رہیں گے ولو کرہ الکافرون[51] مگر وہ مسلمانوں میں فرد اکمل تھے۔ نہ ان جیسا ہوا۔ اور نہ ہوگا ماکان محمد[52]
ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ انہوں نے اپنی سچائی کے بل بوتے پر معدودے چند
کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ پس اگر مسلمان پوچھتے ہو تو وہ تھے خیر القرون قرنی[53] جو نہ ہماری طرح مختصر زبانی سی اسلام پر فدا تھے
بلکہ انہوں نے اسلام کے لیے گھر چھوڑے۔ مال و اسباب چھوڑے۔ عیش و آرام چھوڑے۔ دنیا کے کام کاج چھوڑے
میں قرآن کی ایک آیت پڑھتا ہوں۔ جس سے معلوم ہوگا کہ مسلمان کی کیا پرکھ ہے قل ان کان اٰباؤکم و
ابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن
ترضونہا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ
واللہ لا یہدی القوم الفاسقین۔ اللہ اللہ کیا بیان ہے۔ کیا جامعیت ہے کیا
احاطہ ہے کہ ان چند لفظوں میں دنیا وما فیہا سب کو سمیٹ لیا ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ اگر تمکو خدا اور
اُسکے رسول اور خدا کی راہ میں جان لڑا دینے سے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیبیاں اور کنبے قبیلے کے لوگ اور
مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جسکے مندا پڑ جانے کا ڈر ہے اور گھر جنکو تم پسند کرتے ہو غرض
یہ چیزیں تمکو خدا اور رسول سے زیادہ پیاری ہیں تو اچھا ٹھیرے رہو اور خدا کے حکم کا انتظار کرو۔ یارو منہ
سے کہنے کی کوئی سند نہیں معاملہ خدا کے ساتھ ہے یعلم[54] خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور کوئی ایک تو
بول اُٹھو کہ اس جانچ میں پورا اتر سکتا ہے۔ اگر یہ اسلام ہے (اور اگر کا کیا محل ہے حقیقت میں اسلام اسی کا نام
ہے) تو میں اپنی نسبت پکار کے کہتا ہوں کہ مجھکو اسلام کے ساتھ ادنیٰ ملابست[55] بھی نہیں اور ہونے کی امید
بھی نہیں۔ میں کسی دوسرے کے دل کا حال نہیں جانتا۔ اور نہ کوئی کسی کے دل کا حال جانتا ہے۔ مگر جہاں
تک ظاہری اعمال و افعال کی بنا پر تحری[56] اور فراست کی جا سکتی ہے میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ کبریت احمر[57] کے
تو ملے۔ عنقا کا پتہ لگے تو لگے۔ کیمیا کا نسخہ دستیاب ہو تو ہو مگر قرن اول بلکہ ثانی بلکہ ثالث بلکہ رابع کے سے
مسلمان خدا پیدا ہی نہیں کرتا۔ ہوں تو کہاں سے ہوں۔ جیسے قرون اولیٰ کے سچے پکے مسلمان تھے۔

۵۱ اگرچہ کافروں کو بُرا لگے ۱۲ ۵۲ محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ وہ تو خدا کے رسول ہیں جن پر رسالت کا خاتمہ ہوگیا ۱۲
۵۳ اہل زمانہ میں سے سب سے بہتر میرے ہمعصر ۱۲ ۵۴ آنکھوں کی چوری اور دلوں کے راز اُسکو سب معلوم ہیں ۱۲ ۵۵ قطع تعلق
۵۶ اتحاد ۱۲ ۵۷ سرخ گندھک۔ یہ ناپید چیز ہے ۱۲

پاک اُن کے دل تھے۔ ویسا ہی اُن کے وقت کا اسلام تھا۔ جملہ ادیان پر غالب۔ معزز۔ متوقر۔ محترم۔ غنی۔۔
ہم وہ وے۔ متزلزل العقیدہ نام کے مسلمان ہیں۔ جیسے ناپاک ہمارے دل ہیں۔ ویسا ہی ہمارے زمانے کا اسلام
ہے۔ مغلوب۔ ذلیل۔ خوار۔ محتاج ؎

جسکو اس وقت میں اسلام کا دعویٰ ہے کمال ۔۔۔ دیکھتا ہوں میں اب اسی ذوق پہ اُنکا احوال
جس طرح سے کہ ہنسا دیتے کو بیدینوں کے ۔۔۔ نقل کرتا ہو مسلمانوں کی کافر نقال

اسلام ایک مفہوم کلی ہے۔ کوئی چیز منفرد مستقل بالذات موجود فی الخارج نہیں۔ وہ ہم میں ہی اور ہمارے ساتھ قائم ہے۔ ہماری ہی عزت اُس کی عزت ہے۔ اور ہماری ہی ذلت اُس کی ذلت ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ عزت اور ذلت سے دنیاوی عزت اور ذلت مراد ہے۔ وہ دنیاوی ہی عزت تھی جس پر قرون اولیٰ کے مسلمان مرتے تھے۔ جس کیلئے تمام زحمتیں اُٹھاتے تھے۔ یہود پر خدا کا قہر نازل ہوا۔ تو وہ دنیاوی ہی عزت تھی جو اُن سے ہمیشہ کے لیے سلب کر لی گئی ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ وباؤ بغضب من اللہ[1]
اب پرانے فیشن[2] کے مولوی ہم کو سمجھاتے ہیں کہ وللہ العزۃ[3] ولرسولہ وللمؤمنین سے اخروی عزت مراد ہے۔ اس طرح کی تعلیم نے دوڑتے ہوتے مسلمانوں کو کھڑا کر دیا۔ کھڑے ہوؤں کو بٹھا دیا۔ بیٹھے ہوؤں کو لٹا دیا۔ لیٹے ہوؤں کو سلا دیا۔ سوائے ان مولویوں کے اور سوائے چند سادہ لوح مسلمانوں کے جو ان کٹھ ملاؤں کے دام تزویر[4] میں ایسی بُری طرح پھنستے ہیں۔ جیسے دلدل میں گدھا۔ کہ اس گروہ کے نزدیک اسلام کبھی ضعیف ہوا ہے نہ ہوگا۔ باقی ساری دنیا اپنے اور پرائے۔ دوست اور دشمن۔ سب جانتے ہیں کہ ضعف اسلام حد غایت کو پہونچ گیا ہے۔ ابتدائی شیوع میں بھی اسلام ضعیف تھا۔ مگر اُس وقت ضعف قلت تھا اور اب ضعف علت ہے۔ اُس وقت مسلمان کم تھے اور جو تھے یا پہلے سے بے مقدور تھے یا اسلام کی وجہ سے اُن کو بڑے مالی نقصان پہونچے تھے۔ غرض نہ تو اعوان و انصار تھے اور نہ کچھ ایسے مالدار تھے۔ نتیجہ اس خستہ حالی کا یہ تھا کہ جو ضعفا تھے اُن کی مصیبت کی کچھ بھی پروا نہ تھی۔ حضرت بلالؓ کے حال میں لکھا ہے کہ یہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ وہ ظالم صرف اسلام کی وجہ سے اُن کو گرمی کے دنوں (اور گرمی بھی مکے کی گرمی) جلتے ہوئے سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے بھاری پتھر رکھ دیتا اور سارے سارے دن اسی طرح اُن کو دھوپ [illegible]

[1] لاد دی گئی اُن پر ذلت اور مفلسی اور نازل ہوا اُن پر خدا کا غضب ۱۲ [2] وضع ۱۲ [3] عزت خدا کی اور رسول کی اور مسلمانوں کی ۱۲ [4] مکر ۱۲

وجہ بتاتے ہیں۔ اگر اسلام کو جنین سے تشبیہ دی جائے تو میں ایسا سمجھتا ہوں کہ شروع سے بدر کی لڑائی تک وہ پہلے پانچ وجہ طے کر چکا تھا۔ غرض اس کی فارمیشن یعنی بناوٹ کا اکثر اور ضروری حصہ ضعف او مغلوبیت کے زمانے میں واقع ہوا۔ حبشے اور مدینے کی ایک چھوڑ دو دو ہجرتیں جسکا دوسرا نام جلاوطنی ہے طائف کا واقعہ۔ مسلمانوں کا عموماً اور ضعفاء مسلمین کا خصوصاً کفار مکہ کے ہاتھوں سے انواع واقسام کی اذیتیں اٹھانا مہاجرین میں سے اس گروہ کا جو اصحاب صفہ کہلاتے تھے نہایت فحش کے فقر و فاقے کے ساتھ زندگی بسر کرنا انصار کی زیرباری۔ یہ سب واقعات تاریخی ہیں۔ پھر کہا جاتا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ سبحانک ھذا بہتان عظیم۔[1] اب ہم اسوقت کے اسلام کو اسوقت کے اسلام سے یعنی اس وقت کے مسلمانوں کی حالت کو اسوقت کے مسلمانوں کی حالت سے مقابلہ کرتے ہیں ممکن نہیں کہ ہم ان جیسے مسلمان ہوسکیں انھوں نے پیغمبر صاحب کو آنکھوں سے دیکھا ہم نے کانوں سے سنا۔

تراوبہ دیوسف راشنیدہ ॥ شنیدہ کے بود مانند دیدہ

یوں آنکھ اور کان میں چار انگل کا فاصلہ ہے۔ مگر دیکھے اور سنے ہوئے میں گزوں کا تو ضرور اور کبھی کوسوں کا بھی۔ عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ جب روز پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول بار مدینے میں تشریف لائے تو سارے مدینے میں غل تھا اور لوگ حضرت کے دیکھنے کو جوق جوق اُمڈے ہوئے چلے جاتے تھے میں اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ عبداللہ بن سلام کہتے ہیں میں نہیں کہتا۔ کبھی مجھ کو سمجھ جاؤ۔ میں نے کہا کہ چلوں دیکھوں تو سہی کیسے پیغمبر ہیں۔ جا کر دیکھا تو بے اختیار میرے دل میں آیا واللہ ما ھذا بوجہ کذاب[2]

دردل ہر امتے کز حق مزہ است ॥ روو آواز پیمبر معجزہ است

یہ اور ایسی اَور چند در چند خصوصیتیں ہیں جو ہمکو نصیب نہیں ہوسکتیں۔ بس یہی ایک بات ہی اختیار سے خارج۔ جس میں ہم قرون اولی کے مسلمانوں سے ہیٹے ہیں۔ لیکن جیسے ہم قرون اولی میں ہونے کی نعمت سے محروم رہے۔ ویسے ہی آفت ابتلا سے بچے۔ کیا اُس وقت کا اسلام آج کل کی طرح بچوں کا کھیل تھا۔ کہ کلمہ پڑھ لیا۔ الٹی سیدھی چار ٹکریں ماریں لگے فردوس بریں کے خواب دیکھنے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ[3] اس سے

[1] سبحان اللہ اس سے بڑھکر بھی کوئی بہتان ہوگا۔ ۱۲ [2] خدا کی قسم اس شخص کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جھوٹ کہنے والا نہیں ۱۲
[3] کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں داخل ہوگے اور تمکو اگلے لوگوں کا سا معاملہ پیش نہیں آیا کہ اُن کو تکلیفیں اور مصیبتیں پہونچیں اور لڑکھڑا اُٹھے یہاں تک کہ رسول اور جو اسکے ساتھ ایمان لائے تھے بول پڑے کہ دیکھیں خدا کب مدد بھیجے ۱۲

بھی تو یہ تراس مضمون کی ایک اور آیت ہے احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین
من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین ۔ بڑے شکر کا مقام ہے کہ ہم ایسے امتحانوں
میں نہیں پکڑے گئے ورنہ خدا کی قسم کافر ہوگئے ہوتے ۔ اس مقام پر مجھ کو ایک بات یاد آئی کہ میں ایک شہر میں
ڈپٹی کلکٹر تھا ۔ اور وہاں شیعہ کسی قدر زیادہ تھے ۔ آیا محرم ۔ تو شیعہ عزاداری کی بڑی بڑی تیاریاں کرنے
لگے ۔ میں بھی مجالس میں بلایا جاتا تھا اور یہ سمجھ کر بے عذر شریک ہوتا تھا کہ گھر پر میرا وقت کون سے نیک کام
میں صرف ہوتا ہے ۔ یہی نہ کہ ان مجلسوں میں رولانے کے لیئے اکثر جھوٹی اور ضعیف روایتیں بیان کی جاتی ہیں مگر
آخر ایک مذہبی رنگ تو ہے ۔ ایک دن ایک مجلس میں خوب ہی رقت ہوئی ۔ میرے پہلو میں ایک صاحب بیٹھے
تھے وہ سب سے زیادہ روتے تھے اور بار بار کہتے تھے یا لیتنی کنت معھم[۵۲] ۔ یا لیتنی کنت معھم مجھ کو یہ ان کا
یا لیتنی کنت معھم کا رٹنا بہت ہی برا معلوم ہوتا تھا ۔ کیونکہ اُس سے استماع میں خلل واقع ہوتا تھا ۔ اور چونکہ
وہ ضمیر ھم کا مرجع معین نہیں کرتے تھے میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ یہ کیا بیہودہ آرزو ہے ۔ کون جان سکتا
ہے کہ تم اُسوقت ہوتے تو کیا کرتے ۔ آخر فریق مقابل بھی تو اپنے تئیں مسلمان ہی کہتا تھا ؎

اترجوا[۵۳] امۃ قتلت حسینا   شفاعۃ جدہ یوم الحساب

فلا[۵۴] واللہ لیس لھم شفیع   وھم یوم القیمۃ فی العذاب

جب دوسرے ذاکر صاحب یعنے لکچرار کیونکہ نئی روشنی والے تعلیم یافتہ ذاکر کو کیا جانیں) ممبر پر تشریف فرما
ہوئے تو رات گئی تھی زیادہ میں اُٹھ آیا ۔ میرا آنا تھا کہ وہاں مار کٹائی ہوئی ۔ پولیس نے بہت سے لوگوں کا چالان
کیا اُن میں وہ یا لیتنی کنت معھم بھی تھے ۔ اُنھوں نے لکھوایا کہ میں اس مجلس میں گیا ہی نہیں ۔ میں نے شکر
کیا کہ ایسی برتے پر آپ کو معرکہ کربلا میں ہونے کی آرزو تھی ۔ الغرض خدا کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں
جیسے ہمارے دل بودے ۔ ہماری ہمتیں پست ۔ ہمارے ارادے متزلزل ہمارے ایمان ضعیف ہیں ویسے ہی
زمانے میں ہمکو پیدا بھی کیا گیا ہے کہ پردہ ڈھکا چلا جاتا ہے ۔ جیسے اُسوقت کے مسلمانوں کے اجر بڑے تھے

---

۵۱ کیا لوگوں کو یہ خیال ہے کہ منہ سے آمنّا کہکر چھوٹ جاینگے اور اُن کو آزمایا نہ جائے گا ۔ اگلوں کی تو آزمایش ہم نے لی پہلی تو ضرور
ہے کہ خدا سچوں کو جان کر رہے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے ۱۲ ۵۲ اے کاش میں اُن کے ساتھ ہوتا ۔ لکھنؤ میں اس کی جگہ یہ کلام
مروج ہے ۔ ائے آقا ہم نہوئے ۱۲ ۵۳ جن لوگوں نے حسینؑ کو قتل کیا کیا ایسے امیدوار ہیں کہ اُن کے نانا قیامت کے دن اُن کی شفاعت
کریں گے ۱۲ ۵۴ بخدا وہاں کی شفاعت کرنے والے نہیں اور اُن کو قیامت کے دن عذاب ہوگا پر ہوگا ۔ ۱۲

ویسی ہی اُن کی ذمہ داریاں بھی سخت تھیں ع

جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

میں نے جو قرون اولے کے مسلمانوں کا تذکرہ کیا تو اس غرض سے کہ باوجود یکہ اُن کی ذمہ داریاں بہت سخت تھیں مگر وہ لوگ کچھ ایسے مضبوط ارادوں کے تھے کہ کڑے سے کڑے (مولوی فریدالدین صاحب پریذیڈنٹ ساکن کڑہ مانک پور کی طرف مخاطب ہوکر) آپکا وطن کڑا مراد نہیں اور نہ میرحسن کی مثنوی کا کڑا ع

کڑے سے کڑے کو بجاتی چلی

بلکہ میری مراد ہے کہ سخت سے سخت امتحان میں بھی کامل العیار نکلتے تھے۔ اُن کے مقابلے میں بہت سی باتوں میں ہماری جیت ہے۔ ہم اُن سے شمار میں بے انتہا زیادہ ہیں۔ امن و عافیت سے اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں۔ کامل آزادی کے ساتھ اپنے فرائض مذہبی کو ادا کرسکتے ہیں۔ مہاجرین کا کوئی لشکر ہمارے سر پر نہیں پڑا کہ ہمکو لوٹے کھاتا ہی کسی جیش کی تجہیز ہمارے ذمے نہیں پشتیں گذر گئیں کسی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی۔ ہم اگر مفلس و محتاج ہیں تو یہ ایک امر اضافی ہے۔ دوسری قومیں ہمسے بہت زیادہ مالدار ہیں۔ زندگی کے مصارف بڑھ گئے ہیں۔ مگر پھر بھی قرون اولیٰ کے مسلمانوں سے ہمارا اغنا کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ نصاب زکوٰۃ سے ہم اُن کے تمول کا اندازہ بخوبی کرسکتے ہیں اُن میں چالیس روپے کسی کے پلے ہوئے تو غنی سمجھا جاتا تھا۔ اب چار چار پانچ پانچ چالیس والے کو بھی کوئی نہیں پوچھتا۔ خلاصہ یہ کہ نہ معذوری ہے نہ مجبوری ہے نہ بے مقدوری ہے وہی ایک چیز کا پیٹنا ہے کہ درو اسلام نہیں۔ اُن سے کچھ بحث نہیں جو نہیں سمجھتے یا نہیں کرسکتے۔ معارضہ تو اُن سے ہے جو سمجھتے ہیں اور کر بھی سکتے ہیں۔ اور پھر کچھ نہیں کرتے یا کرنا چاہیئے من اور کرتے ہیں چھٹانک وہ بھی بہزار مشکل کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون قرون اولیٰ کے مسلمان جو اعلاے کلمۃ اللہ کے پیچھے اپنی جانیں کھپاتے تھے۔ آخر وہ کلمۃ اللہ تھی کیا چیز کیا اہرام مصر کی طرح کا کوئی مینار تھا جسکے بلند کرنے کی فکر میں تھے جیسے اِن دنوں فرانس اور امریکہ کے لوگ۔ یا کوئی جھنڈا تھا۔ اعلاے کلمۃ اللہ سوا اسکے کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کا بول بالا ہو۔ حکومت ہو تو اِن کی ہو دولت ہو تو اِن کی ہو عزت ہو تو اِن کی ہو۔ شان ہو تو اِن کی ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا مسلمانوں کو اب حکومت اور دولت اور عزت اور شان درکار نہیں۔ کیا واقع میں جیسا وہی اولڈ فیشن کے مولوی سکھاتے سمجھاتے ہیں۔ اِن

ا یعنی کس میں پورے ۱۲ ۲ لشکر ۱۲ ۳ جھگڑا ۱۲ ۴ گویا موت کی طرف دھکیلے جاتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں ۱۲ ۵ پرانی وضع ۱۲

چیزوں کے لیئے کوشش کرنے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ دنیا ان ہی چیزوں سے عبارت ہی اور جب تک
دنیا میں رہنا ہے ہم کیا۔ کوئی بھی ان چیزوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا +

اس سے بڑھکر بھی کوئی تعجب کی اَور بات ہوگی کہ ان چیزوں کے لیئے کوشش کرنا قرونِ اولیٰ میں
اعلے درجے کا ایمان سمجھا جاے۔ اور ہمارے زمانے میں کفر یا گناہ نہیں معلوم مولویوں کی تعلیم کا اثر ہی
یا خود نفوس میں دنائت آگئی ہی کہ اِس وقت کے مسلمان بسبیل اللہ کلمۃ اللہ اور سلام عمومی سے کچھ غرض ہی نہیں
رکھتے اور ایسے فارغ اور بے فکر ہو بیٹھے ہیں کہ گویا اس باب میں اُن کو کچھ کرنا ہی نہیں۔ جسکو دیکھو اپنی ہنڈیا کی خیر
منا رہا ہے اور دوسرے مسلمانوں کی طرف سے اُسکے کان پر جوں نہیں چلتی۔ یہ بات ہر ایک کی سمجھ میں آنے کی
نہیں ہی۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں سمجھتا الا[1] ماشاءاللہ کہ قومی ترقی ایسی برکت ہی جس سے
اُس قوم کا کوئی فرد محروم نہیں رہ سکتا۔ قوم بھی ایک مجموعۂ اشخاص کا نام ہے۔ یہ تو نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا
ہی کہ کسی قوم کے تمام اشخاص کی حالت کسی ایک بات میں بھی یکساں ہو جاے۔ تفاوتِ حالات منجانب اللہ
ہی اور دنیا اور دین دونوں کا مدارِ کار اسی پر ہی۔ پس جب ہم قوم پر من[2] حیث القوم کسی بات کا حکم لگائیں تو اُسکے
یہی معنے ہوتے ہیں کہ دوسری قوموں کے مقابلے میں اُس قوم کے اکثر افراد کا یہ حال ہے۔ انگریز بچے تمول
کی شانیں دیکھ دیکھ کر اور سُن سُن کر (مسلمان تو ایسے کیوں ہونے لگے تھے) ایک بنگالی یا پارسی ملینیر یعنی لکھ پتی
کی بھی آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منھ کھلا کا کھلا رہ جاے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اُن میں غریب نہیں ایک وہ ہیں کہ سلطنتوں
کو مول لیکر چھوڑ دیں اور اُسی شہر میں بلکہ اُنکے پڑوس میں وہ بھی ہیں جن کی مصیبت ہمکو اپنے ہی دُکھ سے فرصت
نہیں۔ کون بیان کرے۔ ہاں تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہی کہ اگر مسلمان سب نہیں (اور سب تو ہو بھی نہیں سکتے) بلکہ
اُن میں سے اِتنوں کی حالت درست ہو جاتی کہ اُن کی وجہ سے قوم پر وقعت کی نگاہ پڑنے لگتی (اے خدا! کب وہ
دن ہوگا۔ پس از سی من کز ھیچکون شدہ شدہ باشد) تو جو لوگ خستہ حال رہ جاتے وہ بھی سر برآوردگان قوم
کی شاد حالی سے ڈرکٹلی (بلاواسطہ) یا اِن ڈرکٹلی (بواسطہ) فائدہ اُٹھاتے پر اُٹھاتے
ہندوستان میں کوئی انگریز اگر لوفر (نکما گدا) بھی ہو تو کہلائے گا صاحب ہی۔ یہ ہی تعصب قومی کہ انگریز
اور صاحب دو لفظ ہو گئے ہیں مترادف ہمدگر۔ ہماری گئی گزری قومی عزت کی یادگار بھی ابھی تک گفتگو میں باقی
چلی جاتی ہے کہ ہندو ہم مسلمانوں کو میاں لوگ پکارتے ہیں۔ لیکن جب مسلمان اپنی عزت کو خود نہیں سنبھالنا

[1] مگر جس کو خدا چاہے ۱۲ [2] قوم ہونے کی حیثیت سے ۱۲

پاتے تو بزرگوں کی کمائی ہوئی عزت بزرگوں کے ساتھ گئی گزری۔ اب اس بات کا خیال کرنا بھی خلل بے
عزتی ہے۔ ہمارے رفارمر جہاں اور تدبیریں کرتے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو اُن کے بزرگوں
کی عزت یاد دلائی جاتی ہے۔ بیشک غیرت کے مشتعل کرنے کو یہ وسیلہ بہت ہی مناسب تھی مگر میں
تو دیکھتا ہوں تو بزرگوں کے کارنامے سُنکر مسلمان بجا سکے کہ اپنے تئیں خیر الاخلاف بعد الاسلاف۔ ور دی آف
لدیہ فوراً وزن بنانے کی کوشش کریں۔ اُلٹے شیخی میں آجاتے ہیں۔ اور شیخی ایسی بُری بلا ہے کہ جتنے رفارمر آ
ہیں وہ اور عشر امثالهم معهم سب ملکر ایک انچ بھی تو مسلمانوں کو ترقی کی طرف نہیں کھسکا سکے گے میں
دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے مادے اس مُہلک بیماری کے اخذ کرنے کو تیار ہیں۔ پھر انگریزی تعلیم جو شرط معاش
شرط آبرو تو اب ہی کوئی دن جاتا ہے کہ بشرط زندگی ہونے والی ہے۔ خدا جانے کیا آفت ہے جس کو چھو گئی
اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ حتی کہ بقول [illegible] کے کھانے والے ہندو دیکھو تو کیا اپدرو مچا رہے ہیں۔ ہر ایک
خیر خواہ اسلام کا فرض ہے کہ مسلمانوں کو اس پہلو پر نہ آنے دے اور ان کو سمجھائے کہ ساری برتری اور فوقیت
تو سلطنت کی ہے وہ تو گئی اور ایسی گئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اب اس کی یادگار تازہ رکھنے سے
ہمکو کوئی نفع نہیں۔ ہمکو اور ہماری نسلوں کو محکوم ہو کر رہنا ہے۔ انگریزوں نے بزور شمشیر ہم سے ملک لیا ہے
ہمارا کوئی حق اُن پر نہیں۔ اگر انگریز ہمارے ساتھ ویسی مدارات کریں جیسی فرعون بنی اسرائیل کے ساتھ کرتا
تھا یذبح ابناءھم ویستحی نساءھم تو ہم اُن کا کیا کر سکتے ہیں۔ مگر نہیں جیسا خدا تعالیٰ اپنی نسبت فرماتا ہے
کتب علی نفسہ الرحمۃ اُس کی رحمت کا پرتو ہے کہ انگریزوں کو انصاف اور مہربانی کی توفیق دی رکھی ہے ہمارا
دینی اور دنیاوی مفاد اسی میں ہے کہ ہل جزاء الاحسان الا الاحسان کے مطابق خوشدلی اور شکرگزاری کے
ساتھ ادب حکومت ملحوظ رکھ کر اپنی حالت کو درست کریں۔ وہ زمانے گئے کہ ساری دنیاوی برکتیں اور منفعتیں
سلطنت میں محصور تھیں۔ اور یہی وجہ سے سلطنت بڑی چیز سمجھی جاتی تھی۔ اب علم کا فروغ ہے۔ اس نے وہ زور
پکڑا ہے کہ سلطنت بھی اسی کی دست نگر ہے۔ میں ذرا مطلب سے دور ہو گیا۔ میں یہ کہنے کو تھا کہ ہندوؤں نے کیونکر
عزت حاصل کی تھی اور ہم نے اُس کو کیونکر کھویا۔ اگر کوئی بیمار طبیب کی طرف رجوع کرے وہ اُس کو کسی نہ کسی

ف۱ اگلوں کے بعد بہترین پس ماندے ۱۲ ف۲ لائق باپوں کے لائق بیٹے ۱۲ ف۳ اُن جیسے دس اُن کے ساتھ ۱۲ ف۴ صاف بات ۱۲
ف۵ فسادہ ۱۲ ف۶ اُن کی بیٹیوں کو حلال کرتا اور عورتوں کو زندہ رکھتا ۱۲ ف۷ اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے ۱۲ ف۸ احسان کا بدلہ
احسان کے سوا نے کچھ اور بھی ہے ۱۲

و تائید کے لیے جہاں اَور بہت سے کارنمایاں کیے اُن میں تحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم یہ بھی تھا
کہ اسلام شروع ہوا غربا سے ۔ مساکین سے ۔ اگر غبار تعصب چشم دل کو تیرہ و تار نہ کردے فانھا لا تعمی الابصار
ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور ۔ تو اسلام کی ساری ہسٹری (تاریخ) شروع سے آخر تک اس کی صداقت
پر گواہی دے رہی ہے ۔ اس نے پہلے پہل جڑ پکڑی ایسے دلوں میں جو سچ کے قبول کرنے کے لیے تیار تھے دنیاوی
مال و دولت ۔ دنیاوی جاہ و حشمت ۔ دنیاوی نام و نمود ۔ دنیاوی فخر و عزت ۔ دنیاوی رشتہ و قرابت کوئی
چیز نہ تھی جو اُن کو صراط مستقیم کے اختیار کرنے میں سد راہ ہو سکے ۔ ان میں کچھ لونڈی غلام بھی تھے کافروں کے
غلام اور ہم مسلمانوں کے آقا اور سرتاج ۔ مشرکین جنکے یہ لوگ مملوک تھے ان کو صرف اسلام کی وجہ سے طرح طرح
کے عذاب دیتے وما نقموا منہم الا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید الذی لہ ملک السموات والارض
چنانچہ حضرت بلال رض کے قصے کی طرف میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں ۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک
غلام تھا نسطاس وہ بڑا سلیقہ مند آدمی تھا کہ اُسنے تجارت سے اپنی حالت یہاں تک درست کر لی تھی کہ دس ہزار
درہم تو اُسکے پاس نقد تھے اور باوجودیکہ خود غلام تھا ۔ آپ بھی لونڈی غلام رکھتا تھا ۔ حضرت ابو بکر رض نے چاہا
کہ وہ اسلام لے آئے ۔ اُس نے سختی کے ساتھ انکار کیا ۔ تو وہ حضرت ابو بکر رض کے دل سے اُتر گیا ۔ جب حضرت
بلال رض کو دیکھا مبتلاے عذاب ۔ تو حضرت ابو بکر رض نے بہ تقاضاے اخوتِ اسلامی اُمیہ سے سفارش کی کہ اے
شخص ڈر خدا کے غضب سے ۔ تو اُمیہ بولا ۔ اگر تمکو ایسا ہی ترس آتا ہے ۔ تم ہی نے اسکو بگاڑا ہے ۔ اپنی بلا کو لے
نہیں جاتے ۔ حضرت ابو بکر رض کو اگر ذرا بھی معلوم ہو کہ اس کا منشا حضرت بلال رض کے جدا کرنے کا ہے تو کبھی کی حضرت
بلال رض کی مخلصی ہو گئی ہوتی ۔ اب اشارہ پاتے ہی بول اُٹھے کہ بیچنے لیا ۔ اُمیہ نے کہا ۔ نسطاس کے بدلے ۔ حضرت
ابو بکر رض نے فرمایا ۔ ہاں جی ہاں ۔ نسطاس اور جو کچھ اُسکے پاس اثاثہ ہے وہ سب اسیطرح حضرت ابو بکر رض نے حضرت
بلال رض سمیت سات مسلمان لونڈی غلاموں کو اُن کے مالکوں سے منہ مانگے دام دے دے کر خریدا اور آزاد
کیا ۔ ان کے والد کو اس کی تو خبر نہ تھی کہ اس خریداری سے کچھ اَور ہی مطلب ہے ۔ سُن کر کہنے لگے کہ یہ مارے
تھکے کار رفتہ لونڈی غلام مول لیتے پھرتے ہو ۔ لینے ہیں تو ایسے غلام لو جو تمکو فائدہ بھی پہونچا سکیں ۔ تب

لے تم اُس کو ہلکا سمجھتے ہو اور اللہ کے نزدیک وہ بڑا ہے ۱۲ لے بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ دل جو
سینوں میں ہیں اندھے ہو جایا کرتے ہیں ۱۲ لے اُن کی یہی بات اُن کو بُری لگی کہ وہ ایمان لے آئے اللہ پر عزت والا قابل
حمد آسمانوں اور زمین کا مالک ۱۲

انگریز سے - بھک منگے علما او رمشائخ - بلکہ خدا پرست امپررز (شاہنشاہ) خدا پرست کنگز (بادشاہ) خدا پرست منسٹرز (وزیر) خدا پرست ایڈمنسٹریٹرز (مدبران ملک) خدا پرست کمانڈرز (سپہ سالار) خدا پرست جج (قاضی مفتی - حکام عدالت) خدا پرست آرٹسٹ (صناع) خدا پرست مرچنٹس (سوداگر) خدا پرست دنیا دار آف اوری کالنگ اینڈ پروفیشن (ہر ایک پیشہ اور ہر ایک شغلے کے) اولٰئک ہم المؤمنون حقا لهم درجات عند ربهم ومغفرة ورزق کریم - پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو تو مسلمانوں کی ظاہری شان و شوکت کا یہاں تک خیال تھا کہ کعبے کا طواف کرو تو جہاں تک ہو سکے اکڑو - صفا اور مروہ میں زور سے دوڑو - جمعہ اور عیدین پینے مجامع میں بہتر سے بہتر ہیئت بنا کر شامل ہو - نماز عید کو ایک رستے سے جاؤ - تو دوسرے رستے سے آؤ - اِن باتوں سے آخر ایک انگل تو مل سکتی ہی کہ پیغمبر صاحب کا دلی منشا کیا تھا - اب ہمنے ذلت اور خواری کو شعار اسلام بنالیا - گر گئے اِسلیے کہ گرنا گرنا مناہی تھے - پھسڈی ہو گئے - کیونکہ پھسڈی ہونے سے خوش تھے - مجھ کو تو غصہ اِس بات پر آتا ہے کہ ذلیل ہو تو خیر - غضب تو یہ ہے کہ بزرگان دین سے اِس ذلت کی سند پکڑتے ہیں - ع

بدنام کنندۂ نکو نامے چند

کبھی انسان عزت کے ایسے اعلے درجے پر پہونچ جاتا ہے کہ عزت اُس کو لازم ہو جاتی ہے - گویا اُس کا خاصہ غیر منفک[1] ہی تو ایسی حالت میں اُسکو ظاہری سامان تعزز درکار نہیں ہوتا - مثلاً گلیڈسٹن جسنے بیسیوں لارڈ اور سر (یہ سر نہیں) اپنے سر کی طرف اشارہ کیا) بلکہ وہ سر - سید احمد خاں کی طرف اشارہ کیا) اور کیا اور کیا بنا دیے کون سے خطاب تھے جو اپنے لیئے حاصل نہیں کر سکتا تھا - مگر اُس نے سمجھا اور ٹھیک سمجھا کہ گلیڈسٹن اور خطابی ناموں میں وہی نسبت ہوگی جو نیچرل بیوٹی (قدرتی خوبصورتی) اور بنائی ہوئی بیوٹی میں ہوتی ہے و[2] المتکحل فی العین کالکحل - سید احمد خاں کو چاہے بُرا لگے - میری نظر میں جو عزت سید احمد خاں ان دو لفظوں کی ہی - نہ ڈاکٹر کی ہے نہ سر کی ہی نہ اُن حروف کی ہے - جو انگریزی ابجد سے بے ترتیب لیکر اِن کے نام کے بعد لگائے جاتے ہیں +

یہی حال تھا صحابہ کا (رضوان اللہ علیہم) اُنکو وہ عزت حاصل تھی کہ دنیا میں اُس سے بڑھکر کوئی

[1] یہی ہیں سچے مسلمان انکیلیئے خدا کے یہاں درجے ہیں اور معافی ہے اور عزت کی روزی ۱۲ [1] یعنے جدا نہیں ہو سکتا
[2] کاجل لگی ہوئی آنکھ کہیں قدرتی سرمہ گیں آنکھ کو پہونچتی ہے ۱۲

اور عزت ہو نہیں سکتی۔ کہ جس طرف کو توجہ کی سلطنت اُن کے آگے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ یہ عزت سادگی اور بے تکلفی اور زہد کے ساتھ مل کر ایک حُسن خاص پیدا کرتی تھی۔ جس کے آگے دنیاوی حشمتیں اور طمطراق سب ہیچ ہیں۔ ہم نے حرمان اور تسلی عن الیاس[۱] کو زہد قرار دے رکھا ہے۔ اور وہ دنیا کے حاصل کرنے پر حریص تھے۔ مگر حاصل ہوئے پیچھے اُس کی ذرا بھی قدر نہیں کرتے تھے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے ہارون الرشید کی ایک حکایت لکھی ہے۔ کہ

"ہارون الرشید را چوں ملک مصر مسلم شد۔ گفت بر خلاف آں طاغی کہ بہ غرور ملک مصر دعوئے خدائی کردہ بود نہ بخشم ایں ملک را مگر بہ خسیس ترین بندگان"۔

قیصر روم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک سفیر بھیجا۔ سفیر سمجھا کہ ایسے زلزلے کا شخص ہے تو اُس کی کوئی بڑی بارگاہ ہوگی۔ یہاں مدینے میں آکر دیکھا تو رہنے تک کا جھونپڑا بھی ٹھیک نہیں۔ اور امیر المومنین صاحب ہیں کہ اُن کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ آخر ایک بڑھیا نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ فلاں نخلستان میں چھوڑے چلی آئی ہوں۔ سفیر نے جاکر دیکھا تو واقع میں اکیلے ایک درخت کے تلے پڑے سوتے ہیں۔ چاہا تو اپنا مطلب عرض کرنا چاہا۔ مگر مارے ہیبت کے نہ قدم آگے کو اُٹھتا تھا اور نہ بات مُنہ سے نکلتی تھی۔ سر سے پاؤں تک کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

وہ آسمان عزت کے آفتاب تھے۔ اگر پانی کی تہ میں بھی اُن کا عکس تھا تاہم چمک دمک اُس کے ساتھ تھی مگر اِن کی سی عزتیں صرف تمنا کرنے یا بیوہ عورتوں کی طرح منہ ڈھانک ڈھانک رونے یا دعائیں مانگنے سے تو نصیب نہیں ہوتیں۔ کیونکہ اُن کو بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے نہیں مل گئی تھیں انھوں نے اس عزت کے پیچھے مال اور جان اور خویش و اقارب کسی چیز کی کچھ پروا نہیں کی۔ ہم یہ کہنے کو تو موجود ہیں کہ مسکین ایں ندارد آں ندارد۔ مگر کرنے کے نام میرے دیکھنے میں تو اتنا ہی ہوا ہے کہ سید احمد خاں کے غل شور مچانے سے قومی مرثیہ خوانوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے۔ جب تک لکھنؤ میں نوابی رہی مرثیہ خوانی کا بڑا زور و شور رہا۔ اور اس طرز خاص کو انیس اور دبیر نے حقیقت میں معجز بیانی کی حد تک پہنچا دیا۔ نہ کسی نے اِن جیسا کہا اور نہ کوئی اِن جیسا کہہ سکیگا۔ اب جو نئی قسم کے مرثیہ خوان چلے تو اِس کے موجد ہوئے

[۱] تسلی مایوسانہ ۱۲

ہمارے مولوی الطاف حسین صاحب حالی۔ اُنھوں نے ایک بڑی دھوم کا مُسدّس لکھ کر کچھ ایسا بگل پھونکا
کہ جہاں جہاں موزون طبع تھے۔ سب لگے اِن ہی کی لے میں گانے اور گنگنانے۔ گنگنانے والوں میں یہ آپ کا
نیازمند بھی ہے کہ شعر تو نہیں کہہ سکتا۔ مگر تُک سے تُک ملایا کرتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ مولوی الطاف حسین نے
مسدّس اس غرض سے کہا تھا کہ ایشیائی شاعری میں ایک طرز جدید داخل کریں۔ بلکہ اُن کی غرض اصلی یہ تھی
کہ سوتی ہوئی قوم جاگے اور دیکھے کہ تباہی کا سیلاب ان کے سروں پر آپہونچا۔ مگر قوم نے جاگنا تو درکنار
کروٹ تک بھی تو نہ لی سا اور اُن کے مسدّس کا ایک کھیل بنا کھڑا کیا۔ کوئی اس کو اس لیے نہیں پڑھتا کہ
سمجھے اور عمل کرے۔ نظر پڑتی بھی ہے تو وہی محاسن شاعری پر۔ اور سید احمد خاں صاحب بُرا مانیں تو مانیں
قریب قریب یہی حال ہے اس کانگرس کا۔ اکثر تو تماشائی ہوں گے۔ بعض اس کو ایک طرح کی محفل مشاعرہ سمجھ کر
شریک ہوئے ہوں گے۔ کہ سر سید لکچر دیں گے۔ مولوی الطاف حسین حالی۔ مولوی شبلی۔ منشی احمد علی
شوق۔ اپنے اپنے افکار تازہ پڑھیں گے۔ ذرا چل کر سُنیں تو سہی کیا کہتے ہیں۔ بعض صرف سید احمد خاں
کے [illegible] ہوں گے۔ اور بعض شہدا ہوں گے۔ لڑ بھڑنے کے نہیں۔ لہو لگا [illegible] کے۔ جو چاہتے ہیں کہ محض
کانفرنس میں شریک ہونے کی وجہ سے ان کا نام دردمندان قوم کی فہرست پر چڑھ جائے۔ جتنے صاحب
شریک محفل ہیں سب سے بدتر میں ہوں۔ کہنے کو آندھی کرنے کو خاک۔ جب آدمی خود ایک بات کا عامل نہیں دوسرے
پر اُس کا اثر کیا ہو۔ غرض کیا مستمع کیا لکچرار۔ ہیں سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے۔ بلکہ پھر ایسے مجمعوں سے
کیا فلاح ہونی ہے۔ روتے آتے مرتے کی خبر لے چلے۔ قوم کا تو یہ حال ہے کہ ایک ایک منٹ اور ایک ایک
سکنڈ کی دیر میں برسوں نہیں عمروں کا نقصان ہو رہا ہے۔ اور یہاں ہنوز روز اوّل ہے۔ مجھ کو ایک بات
کا اور بھی ڈر ہے کہ انسان کی خلقت اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ جب وہ کوئی نئی بات سنتا یا غیر معمولی حالت
دیکھتا ہے تو اول بار سننے اور دیکھنے سے اُس کی طبیعت میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اگر بار بار
وہی بات سُنا اور وہی حالت دیکھا کرے تو اُس کا احساس مدھم پڑ جاتا ہے۔ ع

چو حلوا بیک بار خوردند و بس

کچھ سید احمد خاں ہی کو توقع ہوگی۔ خدا ہی ہے کہ اِن پتھروں میں جونک لگے۔ کہنے اور سننے کی تو کوئی حد
باقی نہیں رہی ضرورت سے بہت زیادہ کہا جا چکا۔ اور ضرورت سے بہت زیادہ سُن چکے۔ اب یا تو [illegible]

۱ ان کی طلب کے آ موجود ہونے والے ۱۲

قومی رفارمر- قومی ترقی کا تذکرہ موقوف کرو۔ کیوں بیٹھے بٹھائے مفت میں اپنی ہنسائی کرتے ہو۔ اگر فی الحقیقت تمہارے دل میں قوم کا درد ہے۔ تو کچھ کرکے دکھاؤ۔ بے شک کام بڑا اہم ہے۔ لیکن سچے دل سے ہمت کرو تو خدا کی قسم پانی سے زیادہ پتلا۔ روئی سے زیادہ ملائم۔ ریشم سے زیادہ نرم۔ آئینے سے زیادہ چکنا۔ ہمارے سامنے ہمارے ہی بزرگوں کی مثال موجود ہے۔ ہمکو ویسی مشکلیں درپیش نہیں اور نہ ہمکو ویسی مہم درپیش سمجھ چکے ہو تو خیر۔ اور نہیں سمجھے تو اب سمجھ لو۔ کہ بدون اعلے درجے کی انگریزی تعلیم کے مسلمانوں کی حالت حشر تک درست ہونے والی نہیں۔ اور کس کو چاہیئے قاروں کا خزانہ۔ وہ تو بڑے شکر کا مقام ہے کہ ہم میں ایک ایسا شخص موجود ہے کہ اس کو روپے کی مدد ملے تو تعلیم کے جہاز کو کھے کر پار لگا دے۔ وہ کون ہے؟ سمجھ تو گئے ہو گے۔ پھر کیوں مجھ سے کہلواتے ہو۔ خدانخواستہ یہ شخص نہ ہوتا تو روپیہ کوئے کرچا لاکر یہ نعمت خداداد ہے۔ دیکھو جتنا روپیہ تعلیم کے لئے فراہم کرتے اس سب کے بدلے بھی تو سید احمد کا سا ایک دماغ ڈھونڈا نہ پاتے۔ خیر تو غرض یہ ہے کہ ہمکو روپیہ چاہیئے۔ جتنا ہو سکے اور جس قدر ہو سکے۔ روپیہ آئے تو کہاں سے آئے۔ جن کو قوم کا درد ہے مقدور نہیں رکھتے۔ اور جن کو مقدور ہے اُن کو درد نہیں ؎

کریماں را بدست اندر درم نیست　　خداوندانِ نعمت را کرم نیست

اِس مشکل کے حل کرنے کی ایک تدبیر سے خیال میں آتی ہے۔ امیروں کو تو مارو گردن۔ ان سے تو کچھ ہونا ہوانا نہیں۔ جب کسی قوم پر وبال آنے کو ہوتا ہے تو سب سے پہلے امراء قوم ہی بگڑتے ہیں۔ حق تعالی جل شانہ فرماتا ہے وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً [1] اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا پس جن لوگوں کے فساد سے ہماری قوم کی خرابی کی ابتدا ہو اُن سے اصلاح کی توقع ایسی ہے جیسے زہر سے نوشدارو کی تاثیر کی امید ؎

پوچھ مت راہِ وفا اُس نگہِ پُر فن سے　　رہنمائی کی نہ رکھ چشم - دلا - رہزن سے

یوں کرو کہ جو جو قومی ہمدردی کا دم بھرتے ہیں سب ایک گروہ بن جاؤ۔ اور گروہ کو ضرور ہے۔ لیڈر یعنے سرگروہ اُسی فرومتعین کو دیکھے یا نہیں۔ ضرور دیکھے اور خوب سمجھے۔ لیڈر بنالو۔ صرف چندہ فراہم کرنے اور اُس کو اپنی رائے سے اعلے درجے کی انگریزی تعلیم میں صرف کر دینے کا اور بس امام کے ہاتھ پر فارملی (باقاعدہ)

[1] جب ہم کو منظور ہوتا ہے کہ کسی گانوں کو برباد کردیں تو ہم وہاں کے خوش حال لوگوں کو اُبھار دیتے ہیں وہ اس میں بدکاریاں کرنے لگتے ہیں اور ہمارا قول پورا ہو جاتا ہے۔ پھر ہم اُس کو مار کر بیڑا کر دیتے ہیں ۱۲ منہ

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ مے نگرم — کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

تاہم میں چند ایسی باتیں بیان کروں گا - جن کو میرے نزدیک اسلام کی ترقی میں بڑا دخل تھا - اور اب بھی مسلمانوں کی حالت کو درست کرنے کے لیے اُن کی سخت ضرورت ہے - ان میں ایک بڑی صفت نفس کُشی کی تھی اور یہی صفت ہی جڑ - ہمدردی کی - جود و سخا کی - ایثار کی +

جب انسان خود اپنی حاجتوں کا مغلوب ہے اس کے دل میں دوسرے کی امداد و اعانت کی تحریک پیدا ہو ہی نہیں سکتی - اب سب سے پہلے اپنے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حال سنو +

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تین دن متواتر شکم سیر نہیں ہوئے ولو شئنا لشبعنا ولکن کان یوثر علی نفسہ ولا یدخر شیئا لغد یعنے چاہتے تو پیٹ بھر کر کھاتے مگر حضرت کی عادت تھی بھوکوں کو کھلا دیتے - اور آپ بھوکے رہتے اور کل کا فکر تو کبھی کیا ہی نہیں ؎

ہر چہ آمد بدست بہ وادی تو پیش از آں — ایں جود آں کس است کہ از فقر عار نیست

ابو طلحہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب فقر و فاقے سے بہت تنگ آئے تو کئی آدمی مل کر حضرت کے پاس گئے اور اپنے اپنے پیٹ دکھائے - سب نے ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا - تاکہ بھوک کی ایذا محسوس نہ ہو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شکم مبارک دکھایا تو اکٹھے دو پتھر بندھے ہوئے تھے +

حضرت عمر رض سے منقول ہے کہ میں ایک دن پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ تہمد باندھے بوریے پر پڑے ہیں - بوریے کی تیلیاں جو جو بدن میں چبھی ہیں - تو نشان پڑ گئے ہیں - پھر جو میری نگاہ طاقوں پر جا پڑی تو دیکھتا کیا ہوں کہ ایک طاق میں کوئی آدھ سیر کے قریب جو ہیں - ذرا سا پنیر و مراہوا اور وہیں پاس کو پانی کا ایک مشکیزہ لٹک رہا ہے - حضرت عمر رض کہتے ہیں کہ یہ ایذا اور بے سامانی دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا - اور میں بے اختیار رو دیا +

حضرت عائشہ رض ذکر کرتی ہیں کہ ایک دن میرے ۔۔ سے بکری کی ران آئی - رات کا تھا وقت میں نے اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے مل کر مشکل سے اُس کو بنایا - جن کے سامنے یہ مذکور تھا - اُس نے پوچھا کیا چراغ نہ تھا ؟ تو حضرت عائشہ بولیں - "تیل ہوتا تو ہم اپنی ہنڈیا ہی نہ بگھارتے" +

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تمام عمر چپاتی کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا +

گئے اور رسول لے آئے۔ تم سے اپنے چچازاد بھائی اور پڑوسی کی خاطر بھوک کی سہار نہیں ہو سکتی۔ معلوم ہوتا
ہے کہ یہ آیت یاد سے اُتر گئی ہے اذہبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بہا [1]
منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانِ خلافت میں ایک غلام کو عبیدہ بن الجراح کے پاس چار سو دینار دے کے
بھیجا اور کہا یہ دینار اُن کو دے کر ذرا ٹھہرے رہنا۔ دیکھ تو کیا کرتے ہیں۔ غلام نے دینار پہونچا دیئے۔ اور حکم کے
مطابق ٹھہرا رہا۔ عبیدہ نے حضرت عمرؓ کا شکریہ ادا کیا اور لونڈی کو بلا کر کہا کہ سات وہاں اور پانچ وہاں دے آ۔
یہاں تک کہ اسی طرح کل چار سو کے چار سو تمام ہو گئے۔ غلام نے جو دیکھا جا کر عرض کر دیا۔ اتنے میں حضرت عمرؓ
نے چار سو کی ایک تھیلی اور بھر رکھی تھی۔ اسی طرح غلام کو معاذ بن جبل کے پاس بھیجا۔ وہاں بھی عبیدہ کا ماجرا پیش
آیا اتنی بات زیادہ ہوئی کہ جب معاذ دینار تقسیم کر رہے تھے۔ اُن کی بی بی نے آ کر کہا بخدا ہم بھی حاجتمند ہیں
کچھ تو ہم کو بھی دو۔ شعر

گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی — اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

اُس وقت صرف دو دینار باقی تھے۔ معاذ نے بی بی کے حوالے کیے۔ حضرت عمرؓ نے عبیدہ اور معاذ کا حال
سُنا تو بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ ہاں یہ ہیں المؤمنون اخوۃ بعضہم من بعض [2] حضرت عمرؓ کو اسی طرح کا
معاملہ سعید بن عامر کے ساتھ پیش آیا۔ سُنا کہ اُن کے ہاں آگ تک نہیں سُلگتی۔ اکٹھے دس ہزار بھیج دیے۔ اُنہوں
نے تھیلیاں اور پوٹلیاں باندھ باندھ کر بانٹنا شروع کیے۔ بی بی نے کہا یہ روپیہ جو خلیفہ نے ہمارے لیے
بھیجا ہے تم کس کس کو دیئے ڈالتے ہو۔ کہا اُن لوگوں کو جو اِس کے ہم سے زیادہ حاجتمند اور حقدار ہیں۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو اُن کی امارت یعنی خلافت کے زمانے میں دیکھا کہ
عین مونڈھوں کے بیچ میں اوپر تلے تین پیوند لگے ہوئے تھے۔

عبداللہ بن شداد کہتے ہیں میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا منبر پر کھڑے خطبہ پڑھ رہے ہیں اور
چار یا پانچ درم کی قیمت کا عدن کا بُنا ہوا موٹا تہمد باندھے ہوئے ہیں۔ یہ وہ عثمان تھے جن کا لقب تھا غنی
اور جنھوں نے پینتیس ہزار درم کا ایک بیر رومہ [3] خرید کر وقف کر دیا تھا۔ تجہیز جیوش اور دوسرے مواقع پر
جو خرچ کیا اُس کا مذکور نہیں۔

[1] تم دنیا میں مزے اُڑا چکے اور فائدہ اُٹھا چکے ۱۲ [2] مسلمان بھائی آپس میں ایک ہیں ۱۲ [3] یہ ایک کنوئیں کا نام ہے ۱۲

آیا۔ حضرتؐ نے پہلے ازواج طاہرات سے کہلا بھیجا کہ کچھ ہو تو دو۔ سب سے جواب صاف ملا۔ آخر پیغمبر صاحبؐ نے حاضرین سے فرمایا کیوں بھائی تم میں سے کسی کو ہمت ہے کہ اس غریب کو ایک رات مہمان رکھے۔ ابو طلحہ بولے حضرت! میرے ساتھ کر دیجئے۔ مہمان کو تو لے گئے۔ مگر پہونچ کر معلوم ہوا کہ وہاں بھی صفایا ہے اور کچھ ہے بھی تو اتنا کہ بچوں کا پوٹ پورا ہو۔ آخر اس کے سوا اور کچھ نہ کرتے بن پڑا کہ بی بی سے کہا کہ بچوں کو تو کسی طرح بہلا پھسلا کر سویرے سے سلا دو۔ کھانے کا وقت آئے تو کسی حیلے سے چراغ گل کر دینا۔ میں خالی مونہہ چلاتا رہوں گا۔ مہمان کا پیٹ بھر جائے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ اسی واقعے کو مفسرین نے آیت وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ کا شان نزول بتایا ہے۔ اب تک میں نے شخصی مثالیں بیان کی ہیں۔ یہی حال تھا گروہ کا گروہ سے اور قوم کا قوم سے۔ مثلاً جب مہاجرین مدینے میں آ رہے تو انصار نے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت ہمارے بھائی مہاجر محض بے سر و سامان ہیں۔ آپ ہمارے اموال میں ان کا برابر کا حصہ لگا دیجئے۔ حضرتؐ نے فرمایا تمہارا یہی احسان بہت ہے کہ تم ہم سے کام نہیں لیتے اور خرچ سے ہماری مدد کرتے ہو۔ پھر جب بنی نضیر کی غنیمت ہاتھ لگی تو پیغمبر صاحبؐ کو انصار کی وہ بات یاد تھی آپ نے انصار سے کہا کہ اب کہو تو غنیمت میں تمہارا حصہ لگا کر مہاجرین کو تمہارے اموال میں شریک کر دوں۔ یا غنیمت صرف مہاجرین کے لیے رہنے دوں کہ ان کو ضرورت ہے۔ تمام انصار نے ایک زبان ہو کر عرض کیا کہ غنیمت صرف مہاجرین کو دیجئے۔ ہم کو اس کی خواہش نہیں۔ اور اپنے مال میں مہاجرین کے شریک کرنے سے ہم پہلے بھی راضی تھے اب بھی راضی ہیں۔ پھر حنین کی لڑائی کے بعد جو فتح مکہ کے تھوڑے ہی دنوں پیچھے ہوئی جب ہوازن اور ثقیف کی لوٹ تقسیم ہونے لگی تو حضرتؐ نے قریش کو خوب جی کھول کر دیا۔ بعض انصار کے مونہہ سے یہ بات نکلی کہ ہنوز ہماری تلواروں سے قریش کے خون پڑے ٹپک رہے ہیں اور ان ہی کو بہت دیا جاتا ہے۔ حضرتؐ کو خبر پہونچی تو آپ نے انصار کو جمع کر کے فرمایا کہ میں نے ایسا ایسا سنا ہے۔ سو تم کو معلوم رہے کہ میں مصلحت وقت سمجھ کر بعض اوقات نا اہل کو بھی دیتا ہوں۔ کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ لوگوں کو مال ملے اور تم کو خدا اور خدا کا رسول۔ انصار نے عرض کیا کہ ہم میں سے بعض نوجوان آدمیوں کے مونہہ سے ایسی بے جا بات نکلی تو سہی مگر ہم میں سے جو صاحب الرائے ہیں ان کو مطلق شکایت نہیں۔ اور ہم خدا اور خدا کے رسول سے راضی ہیں

۵۱ اپنے تئیں حاجت ہی کیوں نہ ہو دوسروں کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں ۱۲ ۵۲ یہودیوں کے ایک قبیلے کا نام ہے ۱۲
۵۳ ہوازن اور ثقیف قبیلوں کے نام ہیں ۱۲

ہم کو مال و دولت کچھ درکار نہیں۔ ہم اسی کو بڑی دولت سمجھتے ہیں کہ آپ کے قدم ہمارے سروں پر رہیں۔ ان چند باتوں سے جو میں نے بیان کیں ظاہر ہو گیا ہو گا کہ قرون اولی کے مسلمان کس رنگ سے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کرتے تھے ہم بھی خیر خواہان دین ہیں۔ خیر خواہان قوم ہیں۔ سو یہ عمارت اور یہ کارخانہ جس میں ہم لوگ اس وقت موجود ہیں اس خیر خواہی کا ثبوت مرئی ہے۔ لیکن گفتگو اس میں ہے کہ آیا یہ خیر خواہی اور اس رنگ کی خیر خواہی مسلمانوں کی ضرورت کو کافی ہے یا نہیں۔ میرا کہنا یہی ہے کہ ہرگز کافی نہیں۔ اپنے جان جوکھوں کا کچھ بھی کام نہیں۔ صرف روپے کا خرچ۔ سو اس طرح پر سسک کر خرچ کرنے سے نہ اب تک کچھ ہوا اور نہ آیندہ کچھ ہو سکیگا۔ کرنا ہے تو پورا کام کرو۔ ادھورا کام ہوا نہ ہوا برابر۔ عربی فارسی میں تو کچھ اثر رہا نہیں اب تو چلتا ہوا عمل انگریزی کا ہے۔ سو انگریزی شاعر کہتا ہے۔

آل دیٹ یو ڈو۔ ڈو۔ وِتھ یور مائٹ تھنگز ڈن بائی ہاوز آر نور ڈن رائٹ

ذرا سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں مسلمانوں کو کوئی حکم دیا گیا۔ ہر زمانے کے مسلمان مکلف اور مخاطب ہیں یا صرف وہی لوگ جو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمعصر تھے۔ اگر احکام الٰہی اسی زمانے کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہوں تو سستے چھوٹے۔ مگر ہم نے تو کسی نیچری مسلمان کو بھی کہتے نہیں سنا۔ باتیں وہی ہیں کسی میں سر مو فرق نہیں اور ہونا ممکن بھی نہیں۔ وہی خدا ہے وہی قرآن ہے وہی احکام ہیں۔ ہم ہی ان کا عموم ہے۔ ہاں ایک بات کا فرق ضرور ہے کہ ویسے مسلمان نہیں انھوں نے اسلام کو دیکھا ضعیف۔ محتاج امداد۔ محتاج حمایت۔ اور جان و مال سے اس کی مدد کو پل پڑے آپ فاقے کیے اور دوسروں کے پیٹ بھرے۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ بھوکے بچوں کو تھپک تھپک کر سلایا۔ اور مہمان کو کھلایا۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ سلطان وقت ہو کر پیوند لگاتے۔ موٹا جھوٹا پہنا تاکہ جو کوڑی بچے دوسرے مسلمانوں کے کام آئے ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں۔ کبھی نہیں۔ کسی نے آدھا اور کسی نے سارا مال ایک دم سے خدا کی راہ میں دے دیا۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں۔ کبھی نہیں۔ بے سر و سامان بھائیوں کی مدد جو کی سو کی۔ ان کو آدھا مال بانٹ دینے کے لیے اصرار کرتے رہے۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں۔ کبھی نہیں۔

لے جو کچھ کرنا ہے ہر مقدور کرو۔ ادھورے کام کبھی ٹھیک نہیں ہوتے ۱۲

حضرتؐ کے چچا حمزہ بن مطلب اور مصعب بن عمیر کو پورا کفن تک نہ ملا۔ یہاں تک کہ چادر موزونہ پر ڈھانک کر پیروں پر گھاس ڈال دی گئی۔ اور یہ اُن مصعب کا مذکور ہے۔ جن کی نسبت پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ میں نے دو دو سو درہم کا حلہ پہنے اپنی آنکھ سے اُن کو دیکھا ہے۔ ہم میں سے بھی کبھی کسی نے کسی مسلمان کو ایسے بے سامانی کے ساتھ دفن ہوتے دیکھا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کی طرح تنکے اور کانٹے لگانا تو اُن ہی کا کام تھا۔ ہم میں سے کسی نے چینی کے بٹنوں پر بھی کبھی قناعت کی ہے؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہم میں سے بھی کبھی کسی نے عام مسلمانوں کو اپنے نفس اور اہل و عیال اور عزیزوں پر ترجیح دی ہے جس کا دوسرا نام ایثار ہے؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں **قطعہ**

خسرو سے خواستگاری شیریں ہیں کوہ کن　　بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس موہنہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز　　اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

شاعر نے تو کہا ہے۔ ع

"اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا"

اور میں کہتا ہوں۔ ع

"اے روسیاہ تجھ سے تو کچھ بھی نہ ہو سکا"

پس یا تو اپنا استثناد دکھاؤ یا اسلام اور خیر خواہیِ اسلام کے دعوے سے ہاتھ اُٹھاؤ۔ یا گزشتہ را صلوات خیر جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب اس کی تلافی کرو۔ سید احمد خاں تو میرے لکچر کے سننے والوں میں نہ ہوتے تو بہتر تھا۔ مجھ کو چار و ناچار اُن کا تذکرہ کرنا پڑتا ہے۔ اور اِن کے بر روان کی مدح کرنا خود مجھ کو ناگوار ہوتا ہے اِن کو مجھ سے بھی زیادہ ناگوار ہوتا ہوگا۔ مگر یہ میرے اختیار کی بات نہیں۔ ایک شخص کو دیکھتا ہوں اور نہ صرف میں دیکھتا ہوں۔ بلکہ سارا زمانہ دیکھ رہا ہے کہ مسلمانوں کے پیچھے اپنی جان کھپائے چلا جاتا ہے۔ کیونکر ممکن ہے کہ مسلمانوں پر لکچر دوں اور سید احمد خاں کا نام نہ لوں۔ بس ایک اس شخص کی دل سوزی تو لگلے لوگوں کی دل سوزی کے لگ بھگ معلوم ہوتی ہے۔ باقی یوں کہنے کو تو ہم سب مسلمان ہیں۔ سبھی اسلام کے خیر خواہ ہیں اور اپنے مقدور کے موافق سبھی کرتے ہونگے ؎

اے ذوق کس کو چشم حقارت سے دیکھیے　　سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں

سید احمد خاں کے ظاہر حال سے دھوکا ہو سکتا ہے کہ اونچے درجے کے انگریزوں کی طرح ماندو بود کرتے ہیں

میں جالے تو خبر صلحنامے پر دستخط ہو رہی ہے کہ اتنے میں سہیل کا بیٹا ابوجندل جس کو باپ نے مسلمان ہو جانے
کی وجہ سے زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا گرتا پڑتا پیغمبر صاحب پاس حاضر ہوا۔ اُس کو دیکھ کر صحابہؓ کے تیور بدلے۔ اور
پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ملال تو بہتیرا ہی ہوا مگر صلح کر چکے تھے صاف کہہ دیا کہ بھائی جا صبر کر میں تو
بدعہدی نہیں کروں گا +

اسی طرح ابوبصیر مکے سے بھاگ کر مدینے میں آئے۔ جوں ہی پیغمبر صاحبؐ نے اُن کو دیکھا فرمایا ویل
امہ مسعر حرب اور بے تامل اُن کو اُن دو آدمیوں کے حوالے کر دیا جو اُن کو پکڑنے آئے تھے۔ ایک بڑی ہی
عمدہ حدیث ہے کہ پیغمبر صاحبؐ نے اپنے وقت کے سلاطین کو دعوتِ اسلام کے خط لکھے۔ ایک خط ہرقل روم کے نام
بھی تھا۔ وہ جو اُس کو ملا تو اُس نے دریافت کیا کہ دیکھو مکے کے لوگ تجارت کے لیے اکثر آیا کرتے ہیں
اگر ہوں تو اُن کو حاضر کرو۔ چنانچہ سارے قافلے کو ہرقل پاس لے گئے۔ اُن میں ابوسفیان بھی تھے جو اُس وقت
تک پیغمبر صاحب کے بڑے مخالف تھے۔ ہرقل نے اُن لوگوں سے پیغمبر صاحبؐ کے جزو کل حالات پوچھے۔ اُن میں سے
ایک بات یہ بھی تھی کہ اُس شخص نے یعنی پیغمبر صاحب نے کبھی بدعہدی بھی کی ہے۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ پیغمبر
صاحب کی مخالفت کی وجہ سے کئی بار میرے دل میں آیا کہ جھوٹ کہہ دوں۔ مگر ساتھ والوں کے ڈر سے نہ کہہ
سکا۔ جب ہرقل نے پوچھا کہ کبھی بدعہدی بھی کی ہے تو آخر میں اتنی بات کہہ ہی گزرا کہ اب تک تو نہیں کی آگے
کی خبر نہیں۔ پیغمبر صاحبؐ کو عہد کے نباہ کا یہاں تک خیال تھا کہ ایک خطبے میں آپ نے فرمایا اوفوا بحلف
الجاہلیۃ فانہ یعنی الاسلام لا یزیدہ الا شدۃ۔ معاویہ نے اہل روم سے میعادی صلح کی۔ جب میعاد قریب
الانقضا ہوئی تو انہوں نے اس ارادے سے سرحد کی طرف کوچ کرنے شروع کر دیے کہ میعاد گزرتے ہی حملہ کر دیں
اتنے میں دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار چلا آ رہا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء لا غدر دیکھا تو عمرو بن عبسہ
صحابی تھے معاویہ نے حال پوچھا تو انہوں نے کہا سمعت رسول اللہ یقول من کان بینہ وبین قوم عہد
فلا یحلن عہدا ولا یشدنہ حتی یمضی امدہ او ینبذ الیہم علی سواء یہ سنتے ہی معاویہ اُلٹے لوٹ پڑے +

مہاجرین اولین نے جب نجاشی کے پاس جا کر پناہ لی تو وہاں نجاشی کو ایک لڑائی پیش آگئی مسلمان تو

۵۱ اس بُرا ہو لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ۱۲ ۵۲ زمانِ جاہلیت کے عہد و پیمان کو نباہو کیونکہ اسلام کی وجہ سے اس کو اور قوت
ہو گئی ہے ۱۲ ۵۳ اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے عہد کا نباہ چاہیے نہ بدعہدی ۱۲ ۵۴ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو
کہتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی کسی قوم کے ساتھ عہد و پیمان کرتا ہو تو نہیں تا انقضائے مدت کمی بیشی نہ کرے یا اُن کے ساتھ معاملہ مساوات کرے ۱۲

گھبراتے کہ یہاں بھی ہماری تقدیر سے تلے نے پیچھا نہ چھوڑا ع

بھر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست

کمریں باندہ باندہ نجاشی کے ساتھ ہوئیے اور اس کی فتح کے لیئے دعائیں مانگنے لگے سو اگلے ایسے احکام تو ایسی مثالوں کے ہوتے ہوئے ہولی[1] برٹش انڈیا میں کبھی کوئی مسلمان اُس جہاد کا خیال کر ہی نہیں سکتا جس کے معنے ہیں دشمنی اور مخالفت کی لڑائی۔ ایسی لڑائی اِس عملداری میں کسی بھلے آدمی کا شیوہ نہیں اور نہ اس کو عقل جائز رکھے اور نہ مذہب۔ مگر ہاں (کوئی پولیس کا آدمی تو اِدھر اُدھر نہیں لگا ہے) گورنمنٹ کے تو نہیں اہل یورپ کے ساتھ علمی مورچہ لینے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔ کمبخت مسلمان ہمت ہی نہیں کرتے۔

میں نے مضمون ایسا وسیع اختیار کیا کہ اگر میں وعظ کہتا ہوتا تو زیادہ نہیں تاہم ایک برس تو خاصہ گھسیٹ لے جاتا۔ میرا دماغ نہیں تھکا۔ آواز نہیں تھکی۔ مگر کھڑے کھڑے ٹانگیں تھک گئی ہیں۔ اور سامعین بھی ملول ہو گئے ہوں گے۔ میں مسلمانوں کے مارلز[2] پر کچھ ریمارکس کرنے کو تھا مگر وہ بھی دیر طلب کام ہے تو میں اپنے لکچر کو ختم کیے دیتا ہوں۔ مگر چلتے چلتے ایک آیت تو اور سنو۔ اس کا ایک ایک حرف ہم پر منطبق ہے۔ گویا ہم ہی اس کے شان نزول ہیں هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ[3]

آیت میں دو یا تین باتوں کا میں نے سرسری[4] نوٹس لیا ہے۔ ایک تو یہ ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ یعنے جو کوئی بخل کرے تو یہ نہ سمجھے کہ دوسرے محروم رہے نہیں وہ خود محروم رہا۔ کیونکہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرتا اُس کا فائدہ اُسی کو پہونچتا۔ اس سے ہماری عام غلطی کی اصلاح ہوتی ہے کہ لوگ خدا کی راہ میں دیتے اور لینے والے یا دلوانے والے پر احسان رکھتے اور نہیں سمجھتے کہ خدا کی راہ میں دینا عین اپنے تئیں دینا ہے۔

دوسری دھمکی ان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم خدا اور اس کی عظمت اور شان اور قدرت کو جاننے پہچاننے والے کے دل پر ویسا ہی اثر کرے گی جیسا کہ دوسری جگہ فرماتا ہے لو[5] انزلنا ھذا

[1] تمام ہندوستان ۱۲ [2] اخلاق ۱۲ [3] دیکھو تم ہی خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بلائے جاتے ہو تو کوئی کوئی تم میں بخل کرتا ہے۔ اور جو بخل کرتا ہے تو وہ اپنے حق میں بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم حاجتمند ہو اور اگر نہ مانوگے تو تمہارے بدلے دوسروں کو لے آئیگا وہ تم جیسے ہونے کے بھی نہیں ۱۲ [4] مطلب یہ ہے کہ دو یا تین باتوں کی طرف بڑے زور سے توجہ کی ہے ۱۲ [5] اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کیا ہوتا تو وہ خدا کے خوف سے جھک گیا ہوتا۔ پھٹ گیا ہوتا ۱۲

القرآن علیٰ جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ مگر نہ ویسے دل ہیں نہ ویسا ایمان ہے ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

ایک دل زرارہ بن اوفیٰ تابعی قاضی بصرہ کا تھا کہ نماز میں فاذا نقر فی الناقور پڑھا بے اختیار چیخ نکلی اور چیخ کے ساتھ روح پرواز کر گئی اب فاذا نقر فی الناقور کے معنے کون سمجھتا ہے اور سمجھتا تو اس کا یقین کون کرتا سمجھنے والے تو ان فکروں میں پڑے ہیں کہ عرصہ گاہ محشر نہ ہوا کوئی فوج کا پڑاؤ ہوا۔ پس ناقور سے اس کے اصلی معنے مراد ہو نہیں سکتے۔ اللہ میاں بھی کہتے ہوں گے کہ عجب کٹھ حجت بندوں سے معاملہ پڑا ہے کمبختوں نے قرآن کو ابن حاجب کا کافیہ بنا دیا ہے کہ لفظ منہ سے نکلا اور اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی۔ اس طرح کے شبہات کا دل میں خطور کرنا بڑے خطر کی بات ہے۔ یہ نشان ہے اس بات کا کہ طبیعت دین کی باتوں کے قبول کرنے سے ابا کرتی ہے فمن یرد اللہ ان یہدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء ؎ لکچرار نے کالج کے لڑکوں کی طرف نظر کی جو ہال کے دونوں طرف اونچی گیلری ؎ پر جمع تھے اور خوب قہقہہ اٹھا۔ بے شک انسان کو جتنی قوتیں جسمانی اور دماغی دی گئی ہیں کسی مصلحت سے دی گئی ہیں ان میں سے کسی قوت کا مہمل اور معطل رکھنا داخل رہبانیت ہے ولا رھبانیۃ فی الاسلام مگر اعتدال شرط ہے۔ غرض عقل بھی ایک قوت ہے اور بڑی بکار آمد قوت ہے۔ مگر اس کی رسائی کی بھی ایک حد ہے۔ اس کو اس کی حد سے باہر لے چلنا کج ؎ روی ہے اور یہی وہ عیب ہے جس سے فلسفی طبیعت کا آدمی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ جتنا علم اس وقت دنیا میں ہے ازمنۂ ماضیہ کے علوم سے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ پھر بھی قاصر و محدود ہے وما ؎ اوتیتم من العلم الا قلیلا تو جو شخص دین کی ہر ایک بات کو اپنی عقل کی گرفت میں لانے کی کوشش کرتا ہے وہ اس کھٹکے ٹٹ پونجیے پنساری سے زیادہ آنت ؎ نہیں ہو سکتا جو اپنی کوٹھی سے ساری قرابادین کی دوائیں مہیا کر دینے کا ادعا کرے

اگر عقل انسانی میں اتنی وسعت ہوتی کہ وہ تمام اسرار حکمت الٰہی پر احاطہ۔ اور ان باتوں میں جو بعد مرگ پیش آنے والی ہیں راسے زنی کر سکتی تو دین کا سارا سلسلہ ہی درہم برہم ہو جاتا۔ اور وہی عقل کو گل

؎ جب پھونکا جائے صور ۱۲ ؎ جس کو خدا ہدایت دینی چاہتا ہے اسلام کے لیے اس کے سینے کو کھول دیتا ہے اور جب گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو تنگ رکا ہوا کر دیتا ہے جیسے اس کو کوئی آسمان میں چڑھا جا رہا ہے ۱۲ ؎ غلام گردش ۱۲ ؎ سہارن پت ۱۲ ؎ علم تو تم کو دیا گیا ہے مگر یوں ہی سا ۱۲ ؎ دیانت دار ۱۲

کی ہدایت کو کفایت کرتی۔ تحقیقات کا جو طریقہ ہمارے نوجوان انگریزی خواں سا ان ملاؤں سے علیٰ ذالک پراسنے کالج کے طلبا کی طرف پھر سرا ٹھا کر دیکھا، پسند کرتے ہیں اس کا ایک پہلو بہت ہی زبون ہے کہ جب ہم ہر ایک مسئلہ کو عقل کی روشنی سے دیکھیں اور کسی بات میں قصور فہم کا اعتراف نہ کریں اور جو امر اپنی سمجھ سے بالاتر پائیں اُسے جھٹلائیں بلٰ کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ[1] یا اُس کی تاویل کے درپے ہوں تو حقیقت میں ہم مخبر صادق پر ایمان نہیں لاتے بلکہ ایمان لاتے ہیں اپنی عقل پر اور بس۔ یہ بیان منجر ہوتا ہے ایک بہت بڑی بحث کی طرف جس کے لیے وقت مساعد نہیں۔ بات یہ ہے کہ میری مت کسی سے نہیں ملتی۔ نہ اولڈ سکول (پرانے خیالات والوں) کی طرح میں ڈارک ویوز (کوتاہ نظر) رکھتا ہوں۔ نہ نیچریوں کی سی بلند پروازی۔ جب سر سید نے مجھ کو لکھا کہ مجھ کو مسلمانوں پر لیکچر دینا ہوگا۔ تو میں نے اپنے ان ہی خیالات کی وجہ سے فی اول الوہلہ چاہا تھا کہ عذر کر دوں پھر میں سمجھا کہ سر سید تو نہیں مگر شاید کسی کو ایسا گمان ہو کہ لاہور کی کانفرنس میں جو ذرا التعریف ہوگئی تھی تو شیخی میں آگیا ہے۔ بلاتے ہیں تو بوڑھے نخرے کرتا ہے اِس سوءِ ظن کے دفع کرنے کو میں بے عذر آموجود ہوا۔ اگر آج کے لیکچر نے کوئی خاص اثر پیدا کیا تو واہ رے میں۔ ورنہ مجھ کو تو اِس مضمون پر کوئی حرف مونہہ سے نکلتے ہوئے پھر سنوگے نہیں۔ یہ ظرف خدا نے سر سید ہی کو دیا ہے ع

کس نشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم

---

[1] جو سمجھ میں نہ آیا لگے اُس کو جھٹلانے ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈپٹی مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کی تقریر جو

جلسہ افتتاح مدرسہ طبیہ دہلی منعقدہ ۲۳ جون ۱۸۸۹ء پر بیان کی

تمہید

اس جلسے کی وقعت ہمارے گرامی صاحبان ذیل سے معلوم ہوگی کہ کس رتبے کے لوگ شریک تھے +
جناب مسٹر آر کلارک صاحب ڈپٹی کمشنر دہلی۔ جناب سر سید احمد خاں صاحب۔ جناب جلال الدولہ نواب محمد ممتاز علی خاں صاحب بہادر مستقل جنگ رئیس دوجانہ۔ جناب صاحب عالم مرزا سلیمان شاہ صاحب بہادر گورگانی۔ نواب محمد اسحاق خاں صاحب جنٹ مجسٹریٹ اٹاوہ۔ لالہ رام کشن داس صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ۔ لالہ سر کشن داس صاحب ساہوکار والہ رئیس و آنریری مجسٹریٹ۔ جناب ڈپٹی ہادی حسین خاں صاحب آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر و رئیس دہلی۔ جناب مولوی حشمت اللہ خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر میرٹھ جناب مولوی محمد لطف اللہ صاحب رئیس علی گڑھ۔ نواب ضیا علی خاں صاحب رئیس رامپور۔ نواب احمد علیخاں صاحب رئیس رامپور۔ میجر شمشیر سنگھ صاحب بہادر رئیس گوالیار۔ شاہزادہ والا گوہر صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر۔ ملا اسمٰعیل صاحب رئیس منڈالی ملک برما۔

باقی ہے۔ مگر حکیم عبد المجید خاں صاحب اور چند دوسرے صاحب اصرار کر رہے ہیں کہ میں بھی کچھ کہوں پس میں پہلے تھوڑی سی نظم پڑھوں گا اور پھر جو کچھ کہنا ہے کہوں گا

اشعار

بات سنتے ہیں تمہیں اک نئی — قوم کے مٹنے کے ہیں لچھن کئی
جب ہوئی قوم اپنی نظروں میں ذلیل — اس کو بھی مٹنے ہی کی سمجھو دلیل
چارہ کار اس کا کوئی کیا کرے — آپ وہ اپنے تئیں رسوا کرے
اپنی بد اندیش وہ خود ہو مگر — عیب نماید ہنرش در نظر
سمجھے وہ نقصان کمالات کو — آگ لگے ایسے خیالات کو
یاں بھی کم و بیش یہی حال ہے — عاقبت زشتی اعمال ہے
جن ہنروں پر تھا ہمیں افتخار — اب ہیں وہی موجب صد گونہ عار
علم ہمارا ہے بتر جہل سے — اور بھی کچھ ہونا ہے نا اہل سے
دوسرے لوگوں کی شکایت نہیں — ہمکو ہی خود اپنی رعایت نہیں
جب سے طبیعت کو رذالت سے ساز — اسکے لیے سم ہے دواخانہ ساز
ہم بھی کبھی باسر و سامان تھے — ہم بھی کسی وقت میں انسان تھے
ہمکو بھی آرام کا احساس تھا — سیم و غنا رکھتے تھے زر پاس تھا
ہمنے بھی کھایا ہے بہت شہد و شیر — ہمنے بھی پہنا ہے سمور و حریر
اوڑھتے تھے ہم بھی کبھی سر پہ تاج — ہمنے بھی لوگوں سے لیے ہیں خراج
ملک یہ سلطنتیں زیر نگیں — خیر سے کتنی صدیاں [illegible]
علم میں بھی ہمکو تھی وہ دستگاہ — ہم تھے مشاہیر فضیلت پناہ
لوگ تھے شاگرد ہم استاد تھے — سارے زمانے کے ہنر یاد تھے
سر میں ہمارے بھی کبھی عقل تھی — باقی اسی اصل کی سب نقل تھی
پر نہیں رہتا کوئی یکساں سدا — سب کو تغیر ہے بغیر از خدا
آ گئے ہم لوگ بھی اس پھیر میں — کوئی سویرے ہے کوئی دیر میں

ملے فساد ۱۱

ہمکو ذرا بھی نہیں اس کا ملال | سب کو تنزل ہی سبھی کو زوال
رنج تو اپنوں کی شماتت کا ہی | ظلم بھی ظلم اہل قرابت کا ہی
غیر تو کرتے ہیں فقط بدکلام | اپنے ہیں مصداق اَلَدُّ الخِصام
غیروں کی باتیں ہیں خواتُ اللسان | اپنوں کے طعنے ہیں جروحُ السنان
بھائی ہیں اور ربطِ باہم نہیں | اخوتِ یوسف سے یہ کچھ کم نہیں
لوٹنے کو گھوسے بغلی زور ہیں | گھر کے یہ بھیدی ہیں مگر چور ہیں
بنتے ہیں کہنے کے لیے خیرخواہ | ان کی شرارت سے خدا کی پناہ
ان کے جو دیکھے ہیں نمونے بُرے | پہلے سے ہم ہو گئے دونے بُرے
ایسا بھی ہوتا ہے کوئی بے وفا | ق | اپنے بزرگوں سے یہاں تک خفا
اُن کی ہر اک بات ہے سب سے خلاف | کیجئے توہین سلف صاف صاف
یاں وطن اہل وطن سے ہے ننگ | اپنے میں لیتے نہیں اہل فرنگ
اب بھی اگر عقل میں ہی کچھ صلاح | مان لو یہ بے غرضانہ صلاح
دستِ نگر غیروں کے ہر کار میں | کیسا کسادا گیا بازار میں
اپنی ہر اک چیز سے بیزاریاں | ملے وہ کیا ہو گئیں خود داریاں

میں آج صبح سے ہزلاً نہیں بلکہ جدّاً اس بات کی کوشش کر رہا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے تئیں بتکلف ہشاش بشاش بناؤں کیونکہ یہ جلسہ اسی قسم کا ہے کہ اس میں ہشاش بشاش ہو کر شریک ہونا چاہیئے۔ لیکن از بسکہ میں پولیٹیکل طور کا آدمی نہیں ہوں جن کو دل کو بشرے سے کسی طرح کا علاقہ نہیں ہوتا میں توقع نہیں کرتا کہ میرا دل تو ہشاش بشاش ہی نہیں میں نے اپنی صورت ہشاش بشاش بنالی ہو۔ میرے دل کے ہشاش بشاش نہ ہونے کا سبب یہ ہی کہ میں نے ہندوستانیوں میں اس قبیل کی بہت سی تحریکیں دیکھیں تو نہیں مگر سنی ہیں۔ اے کاش ان میں سے فی صدی پانچ کو اتنا ثبات ہوتا جتنا آج کل کے حشرات الارض کو ہوتا ہے کہ برسات بھر کودتے اچھلے رینگے چلے پھرے جاڑے کے آتے آتے فنا ہو گئے ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ یہ زمانہ علوم و فنون ایجاد

۱؎ سخت جھگڑالو۔ یہ اشارہ ہے طرف اس آیت کے وھو الد الخصام ۱۲ ۲؎ بیہودہ باتیں ۱۲ ۳؎ برچھے کا زخم ۱۲ ۴؎ [illegible] ۱۲

۵؎ یعنے امور ملک داری و ملک گیری سے مجھے کچھ تعلق نہیں ہے ۱۲

صنعت اور آزادی کی ترقی کا ہے۔ سو اُس ترقی کا ظہور علی وجہ الکمال تو یوروپ میں ہے۔ ہم نے اپنے حوصلہ اور ارادے سے نہیں بلکہ انگریزوں کے طفیل میں پایوں کہو کہ اُن کی دیکھا دیکھی الی یومنا ھذا اتنی ترقی تو ضرور کی ہے کہ ہم میں سے کل نہیں بلکہ بعض وقلیل ماھم زمانے کی رفتار اور اپنی درماندگی کو کسی قدر سمجھنے لگے ہیں جنہوں نے سمجھا وہ کچھ کرتے بھی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ خیال جن میں ہیں اُن میں بھی راسخ نہیں علی الاکثر اُن کے منصوبے ناتمام ہوتے ہیں۔ اُن کی کوششیں رائگاں اور اُن کی مساعی ناشکور۔ پس ترقی یا رفارم کے لحاظ سے ہمارا حال مبتدی کا سا ہے۔ اور مبتدی بھی کمبخت بدشوق۔ جیسا شوق ویسی محنت ویسا نتیجہ۔ میری نظر میں ہندوستانیوں کے جوش وخروش کی باسی دال کے اُبال سے ذرہ بھی زیادہ وقعت نہیں۔ ع

اے طبل بلند بانگ در آخر ہیچ

اُس نئے شوق کی طرح جو پہلے پہل کبھی میں جوتا جائے ہم اپنی ساری قوت فی اول الوہلہ صرف کر دیتے ہیں۔ اور منزل کی دوری پر مطلق نظر نہیں کرتے۔ انجام کیا ہوتا ہے۔ اور اسکے سوائے ہونا بھی کیا تھا۔ کہ اگر ہم کو مثلاً قطب صاحب تک جانا تھا تو ہم اجمیری دروازے پڑے ہیں یا پہاڑ گنج یا بڑا دھاوا مارا تو جنتر منتر۔ اے [illegible] بعد دیر آمدہ ز راہ دور آمدہ۔ اس طرح کے مجامع چاہے وہ اپنے تئیں مجلس پکاریں یا انجمن یا کمیٹی یا سوسائٹی یا ایسوسی ایشن یا کلب۔ ع

بہر رنگے کہ خواہی جلوہ گر باش

غرض اس طرح کے مجامع میں اُن کی کچھ کیفیت بیان کروں۔ ایک شخص کے دل میں دفعۃً ایک خیال پیدا ہوا اور پیدا ہوا بھی تو کس طرح جیسے بجلی چمک جاتی ہے کلما[۱] اضاء لھم مشوا فیہ واذا اظلم علیہم قاموا فوراً اس نے اپنے چند متعارفین سے کہا۔ کوئی پریزیڈنٹ[۲] بنا کوئی وائس[۳] پریزیڈنٹ کوئی سکرٹری۔ کوئی کیا کوئی کیا۔ نوٹس چھپا لوگ جمع ہوئے۔ سپیچیں سنائی گئیں۔ چیئر ہوئے۔ ایک نے کھڑے ہو کر پروپوز[۴] کیا دوسرا سکنڈ کیا وہ بھی کھڑا ہو کر۔ رزولیوشن پاس ہوئے۔ چیئرمین[۵] کو تھینکس[۶] دیئے گئے جلسہ ہمیشہ کے لیے برخاست۔ ع

آنچہ آدم مے کند بوزینہ ہم

اب آپ انصاف کیجئے کہ ہندوستانیوں کی انجمنوں کے حق میں جس شخص کے ایسے خیالات ہوں جس نے

---

۱ بجلی تو چلنے لگے اور جبکہ اندھیرا ہو گیا تو کھڑے رہ گئے ۱۲ ۲ میر مجلس ۱۲ ۳ نائب میر مجلس ۱۲ ۴ یعنی کوئی تجویز پیش کی ۱۲ ۵ جو خاص جلسے میں صدر نشین ہو ۱۲ ۶ شکریہ ادا کیا گیا ۱۲

سرسید ڈاکٹر ہیں تو عبدالمجید خاں حکیم ۔ اور ڈاکٹر اور حکیم مرادف یکدیگر۔ سرسید نے بھی عبدالمجید خاں کی طرح
ایک کالج کی مسلمانوں کے لیے ضرورت سمجھی ۔ اور جن کے فایدے کے لیے کالج بنانا چاہا اُنھوں ہی نے
مزاحمتیں کیں اڑنگے لگائے ۔ چلتی ہوئی گاڑی میں روڑے اٹکائے ۔ مگر واہ رے سید آدمی ا۔ اوسکا
اتنا تو پکا ہو لے تو کسی بڑے کام کا بیڑا اُٹھائے ۔ کالج کو چلا ہی کر چھوڑا ۔ حکیم عبدالمجید خاں کو ابھی سرسید سے
بہت کچھ سیکھنا اور اخذ کرنا ہوگا ۔ انگریزی لباس نہیں میز چھری کانٹا نہیں اور بھی چند باتیں نہیں بلکہ استقلال
مزاج اور وہ چیز جسکو ہم ٹھیٹ ہندی میں دُھن سے تعبیر کرتے ہیں اور محنت اور حلم اور خلوص ۔ اگر یہ مدرسہ
توقع کے مطابق جم گیا اور اتفاق میں خدا نے بڑی برکت دی ہے آپ اتنے صاحب کثرکم اللہ[1] جانا چاہینگے
تو کیوں نہ جمیگا ۔ غرض اگر یہ مدرسہ توقع کے مطابق جم گیا تو ہماری چودھویں صدی کے مخلات الامور
میں سے شمار کیا جائے گا +

[1] خدا کرے تمہارا شمار زیادہ ہو ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اثبات اصول اسلام

یعنے لکچر

جو جناب ممدوح نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے پانچویں سالانہ جلسے میں

۲۵- فروری سنہ ۱۸۹۰ء کی شام کو ہزارہا آدمیوں کے مجمع میں (جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شامل تھے) خدا کی ہستی - توحید - اور عبادت - رسالت اور ختم رسالت کے اثبات پر عقلی دلایل سے دیا

تمہید

یہ لکچر مہاراجہ دھیان سنگھ کی کوٹھی میں شب کے وقت ہوا جس سے وسیع زیادہ لاہور میں کوئی مکان نہیں - انجمن کے لوگوں نے پہلے سے کہہ رکھا تھا کہ شہر میں آریہ اور عیسائیوں کی بڑی شورش ہی ایسا لکچر دیا جائے کہ اِن پر اثر پڑے - چنانچہ انجمن نے بالخصوص اِن لوگوں کو بلایا اور حضار میں ان کا مجمع مسلمانوں سے کم نہ تھا اور اس لکچر کا غل تمام شہر لاہور میں ہو رہا تھا لکچر ۱۲ بجے شب کے قریب لکچر سے فارغ ہو کر اپنے مکان پر واپس آئی - رات کا وقت اور سب لوگ لکچر کے شوق میں سر شام ہی سے آگئے تھے مگر لاہور والوں کو لکچر سننے میں بڑی ہی دلچسپی ہے - نہ کوئی اونگھا اور نہ کوئی ملول ہوا - انجمن حمایت اسلام میں شاید اس سے زیادہ ہجوم اور کبھی نہیں ہوا +

میں اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ میں پنجاب کا رہنے والا نہیں ہوں۔ گو چند دلی
(رہا ہے دہلی) جو سینکڑوں برس تمام ہند کا دار السلطنت خلائق اور حاجات خلائق کا مرجع لیاقت اور کمالات
کا مرکز، حکومت اور دولت کا منبع رہی۔ اب مضافات لاہور میں ہے۔ مگر دلی والے تو کیوں اپنے تئیں پنجابی
سمجھنے لگے۔ پنجابی بھی اُن کو پنجابی نہیں سمجھتے اور وہ پنجابی ہیں بھی نہیں۔ اور ہو سکتے بھی نہیں۔

جغرافیے کی رو سے دہلی اور پنجاب کے مواقع مختلف۔ دونوں کے باشندوں کی زبان مختلف
وضع مختلف۔ خیر تو غرض یہ ہے کہ میں پنجاب کا رہنے والا نہیں ہوں۔ اور اس بات کو میں اس غرض سے
ظاہر نہیں کرتا کہ خدانخواستہ میں پنجاب کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ نہیں بلکہ ہر شخص کو اپنا وطن عزیز
ہوتا ہے۔

مجھ کو اس موقع پر میر تقی صاحب کی ایک حکایت یاد آئی کہ شاہ عالم کے زمانے میں
جب دربار دہلی اسقدر بے مقدرت ہو گیا کہ ارباب کمال جو وابستگان دامان دولت شاہی تھے روٹیوں
تک کو محتاج ہوئے تو رفتہ رفتہ سب لوگ لکھنؤ چلے گئے۔ میر تقی صاحب تنگ مزاج سے آدمی تھے جلے
تن۔ اور تنک مزاجی کی وجہ سے یوں بھی دربار شاہی میں اُن کی رسائی جیسی چاہیئے ویسی نہ تھی۔ اِن کی تنک
مزاجی اس حد کو پہونچی تھی کہ خود بادشاہ کے حضور میں بھی ان سے ضبط نہ ہو سکتا تھا۔ شاہ عالم خود شاعر تھے
اور آفتاب تخلص کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میر تقی صاحب شاہ عالم کے سلام کو گئے تو حضور والا نے پوچھا کہ
میر صاحب بعد مدت کے آپ کو دیکھا۔ کچھ افکار تازہ سنائیے۔ میر صاحب نے عرض کیا کہ مجھ کو فکر دہن سے ہی
فرصت نہیں۔ فکر سخن کیا کروں۔ بادشاہ نے اس بات کو تو ٹال دیا اور کہا تو یہ کہا کہ بھائی میں تو صحت خانے
(پاخانہ) میں جاتا ہوں تو ایک غزل کہہ لاتا ہوں۔ میر صاحب کو مطلب کی بات ٹالے جانے سے جلے بھنے
بیٹھے ہی تھے بے تامل بول اٹھے۔ پھر حضور ویسے ہی سڑے ہوئے اشعار بھی ہوتے ہیں۔ غرض میر صاحب
معاش کی طرف سے سخت مجبور ہو کر بادل ناخواستہ لکھنؤ پہونچے۔ سرائے میں فروکش ہوئے۔ سنا کہ
مشاعرہ ہے طرح دریافت کی اور عاجلانہ غزل لکھ کر اپنی وضع قدیم سے شریک محفل ہوئے۔ نئی تراش خراش
کے لکھنؤ کے لگے اِنکو گھورنے اور تاڑنے۔ میر صاحب نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے ؎

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو — ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

دلی جو ایک شہر تھا رشک بہار خلد — وال منتخب ہی رہتے تھے سب روزگار کے

فضل اللہ یوتیہ من یشاء جسکی وجہ سے میں پنجاب کو عزیز رکھتا ہوں۔ اور جب میں اس فضیلت کو بیان کرتا ہوں
تو میں یقین کرتا ہوں کہ ہر ایک ہندوستانی مسلمان چاہے وہ پنجاب سے کتنی ہی دور کا رہنے والا کیوں نہ ہو
ضرور پنجاب کو عزیز رکھیگا۔ وہ فضیلت یہ ہے کہ خدا کا سچا دین یعنی اسلام اسی پنجاب کی راہ سے ہوکر ہندوستان
میں داخل ہوا اور اسی راہ سے داخل ہوا تو اہل پنجاب قبول اسلام میں بھی اور ہندوستانیوں سے مقدم
ہوں گے وکفیٰ بہ فخراً[۱] اس سے بھی بڑھکر ایک بات اور ہے کہ ہم مسلمانوں کی شامت اعمال سے اسلام بہت ہی
ضعیف ہوگیا ہے۔ اب بعد مدت کچھ آثار ایسے دکھائی دینے لگے ہیں کہ یہ بیمار جس کی نفس شماری کی نوبت
پہونچ چکی ہے عجب نہیں کہ بچ جائے تو اگر بچا اور انشاء اللہ بچے گا۔ اور اگر اسکو کچھ بھی توانائی ہوئی اور انشاء اللہ
ہوگی تو اے اہل پنجاب لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ اسکا بچنا اور توانائی پانا تمہاری کوشش اور تدبیر سے
ہوگا۔ ابھی تک علیگڈھ ایجوکیشنل کانگرس کے وہ الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں جب سر سید احمد خاں
نے تم کو زندہ دل کہا۔ سر سید احمد خاں نے تمکو زندہ دلی کا خطاب کیا سمجھکر دیا اور لوگوں نے تمہارا کون سا
ایسا کارنمایاں دیکھا کہ تم سے بڑی بڑی توقعات پیدا کرلیں اسکو تم ہی خوب سمجھ سکتے ہو مگر تمہاری کوششوں
میں سے اگرچہ افسوس ہے کہ مجھ کو ان کی تفصیل اچھی طرح سے معلوم نہیں ایک اس کوشش یعنی انجمن حمایت
اسلام لاہور کو تو میں بھی بہت ہی پسند کرتا ہوں۔ جس چیز نے مجھ کو اس انجمن کا گرویدہ کیا یہ ہے کہ اس
انجمن کے بانی اور کارپرداز ایسے لوگ ہیں جن کو سچی اسلامی ہمدردی کے سوا اور کوئی داعیہ اور محرک ہو نہیں سکتا
یہ لوگ سوشیل پوزیشن[۲] کے اعتبار سے ایسے درجے میں ہیں کہ شہرت اور ناموری اور رشد اور تقرب حکام ان میں
سے کسی چیز کی ہوس کو ان کی طرف منسوب نہیں کرسکتے ۔

کوششیں ہی قابل قدر ہیں اور غالباً مشکور بھی وہی ہوتی ہیں اور خدائے تعالے برکت اور ثبات
بھی ان ہی کوششوں کو عطا فرماتا ہے جو بے شائبہ غرض دنیاوی ہوں۔ جیسے تمام امام انبیا علیہم السلام کی
کوشش تبلیغ رسالت میں کہ سب کے سب ہی ایک بات بولتے تھے مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ترجمہ میں تم سے اس (تبلیغ رسالت) پر کچھ مزدوری کا خواہاں نہیں۔ میری مزدوری تو پروردگار
عالم پر ہے مَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ ترجمہ میں نے تم سے کچھ مزدوری مانگی ہو
تو وہ تم کو مبارک رہے میری مزدوری تو صرف اللہ پر ہے اَمْ تَسْئَلُھُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّکَ خَیْرٌ وَّھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ

[۱] فخر کرنے کو یہ کافی ہے ۱۲ ۔ [۲] تمدنی حالت۔ یعنے سوسائٹی میں جو آدمی کی وقعت ہو ۱۲

ترجمہ کیا تم اِن سے کچھ چندہ مانگتے ہو تو وہ چندہ جو تم کو خدا سے ملنے والا ہے سب چندوں سے بہتر ہے اور خدا سارے روزی پہونچانے والوں سے بہتر ہے اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ترجمہ کیا تم ان سے کچھ مزدوری مانگتے ہو کہ وہ چٹی کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں۔

دوسری بڑی بہت بڑی نہایت بڑی عمدہ بات تمہاری انجمن حمایت اسلام میں یہ ہے کہ اُس نے مسلمانوں کی ضرورت وقتی کو ٹھیک سمجھا اور اسکو پیش نظر رکھا ہے۔ دنیا اور دین دو ہی چیزیں ہیں اور دونوں چیزیں نگرانی اور مدد کی محتاج۔ یہ زمانہ رفارم کا ہے اور میں خیال کرتا ہوں لفظ رفارم اس کثرت سے زبان زد خلایق ہو رہا ہے کہ گویا ان کا تکیہ کلام ہے۔ مدرسوں کے مبتدی لڑکے مڈل پاس نہیں کر چکتے کہ رفارم میں رائے زنی کرنے لگتے ہیں۔ یعنے رائے کے فارمیشن سے پہلے ان کو رفارمیشن سوجھتا ہے غرض ملک کے اطراف و جوانب میں بہت سے رفارمر پیدا ہو گئے ہیں اور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن اکثر رفارمر تو دین و مذہب سے کچھ سروکار ہی نہیں رکھتے۔ ہاتھ دھو کر صرف اصلاح دنیا کے پیچھے پڑے ہیں۔ اور جن معدودے چند نے مذہب کو اپنے پروگرام میں داخل کیا بھی ہے تو کچھ کرنے کے لیے نہیں۔ بلکہ صرف مونہہ سے کہہ دینے کے لیے ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ[1]۔ مگر ہاں انجمن حمایت اسلام لاہور۔ میں دیکھتا ہوں کہ کسی حال میں پاس مذہب کو فوت نہیں ہونے دیتی ان کی کارروائی پکارے کہتی ہے کہ جیسا اس انجمن کا نام ہے ویسا ہی اسکا کام ہے۔

میں اس بات کو نہایت افسوس کے ساتھ ظاہر کرتا ہوں کہ ابھی تک مسلمانوں کی رفارم کا ڈھنگ ٹھیک نہیں بیٹھا۔ پہلی غلطی تو یہ ہے کہ صرف تعلیم کو تمام مسلمانوں کے تمام فائدوں کا کفیل سمجھا گیا ہے یعنے جو شخص رفارم کا خواب دیکھتا ہے۔ اور ایسے بہت ہیں۔ اسکی تعبیر یہی ہوتی ہے کہ وہ کچھ لونڈے گھیر گھار کر ان کو ایک طرز پر پڑھا چلتا ہے یا پڑھوا چلتا ہے۔ بے شک تعلیم مفید ہے۔ مگر ان دو تعلیموں پر ذرا خیال کرنا تمام مسلمان اور ان کے تمام فائدے۔ محال عقل ہے کہ سب مسلمان پڑھ لکھ جائیں۔ گورنمنٹ اور مشنری اور رفارمر جتنے تعلیم کے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے ہیں۔ ان کی تو کیا اصل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ خود سب مسلمان بھی ملکر چاہیں تو سب لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ یوروپ جس کی گرد کو بھی عموم تعلیم میں ہم آج سے سو برس بعد تک بھی نہیں پاسکیں گے۔ وہاں بھی جہاں کہیں پڑھنے لکھنے کا بہت چرچا ہے پڑھے لکھوں کا

[1] یہ اُن کے مونہہ کے کہنے کی باتیں ہیں ۱۲

کے دوسرے بیاہ کو جائز ٹھہرائے۔ سرکار نے حامی ہی نہ بھری۔ سوسائٹی کا تیسرا ضابطہ رسم و رواج ہے لیکن جو آزاد خیال سنے تعلیم یافتہ مذہب کے قابو اور گورنمنٹ کے بس کے نہ ہوں رسم و رواج کے بچاسے کیوں سننے لگے تھے۔ غرض نیوٹرل تعلیم نے سارے دباؤ اُٹھا کر سوسائٹی کو بے سر کر دیا۔ اب نہ اگلے سے ادب قاعدے ہیں۔ نہ پاس لحاظ ہیں۔ نہ غیرتیں ہیں۔ نہ حمیتیں ہیں۔ نہ مروتیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا باوا آدم کچھ بدل سا گیا ہے ٭

اس سے زیادہ اور کوئی لغو خیال ہو نہیں سکتا کہ بے انضمام مذہب لوگوں کے اخلاق درست رکھے جا سکتے ہیں۔ یعنے سوسائٹی کی شائستگی کے لیے مذہب کی ضرورت نہیں۔ میرا معتقد تو یہ ہے کہ دنیا میں نیکی اور بدی کا تفرقہ مذہب سے پیدا ہوا لیکن فرض کرو کہ ایسا نہیں بھی ہو تاہم کسی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بدون مذہب کے نیکی ایسی ساقط الاعتبار ہے۔ جیسے بے رجسٹری کی دستاویز۔ مذہب نہیں تو نیکی میں قوت نہیں استحکام نہیں۔ ثبات نہیں۔ خلوص نہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر سچ پوچھو تو نیکی نیکی نہیں۔ ایک ظاہر بین آدمی شاید ایسا خیال کر سکتا ہے کہ دنیا میں جو امن قائم ہے۔ حاکموں کے قوانین کی وجہ سے ہے۔ مگر یہ بات فی نفسہ غلط ہے بہت سے جرائم ہیں جو قانون کی گرفت میں آ نہیں سکتے اور ان کا انسداد صرف مذہب کے خوف سے ہوتا ہے۔ ہے کوئی قانون جس نے ارادۂ جرم کو بدون صدور کسی فعل کے جرم قرار دیا ہو۔ قوانین کا سارا انڈکس چھان مارو کہیں ایسے قانون کا پتہ نہ پاؤ گے۔ اور عقل گواہی دیتی ہے کہ اول تو ایسا قانون ہو نہیں سکتا اور ہو تو اس کی تعمیل امکان سے خارج۔ یہیں سے قوانین دنیا کا نقص ظاہر ہوتا ہے وہ کبھی مذہبی قانون کے بغیر درجۂ تکمیل کو پہونچ نہیں سکتے۔ جو فرماتا ہے وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ ترجمہ اور اگر تم ظاہر کرو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے حساب لیگا تم سے اللہ

اب میں یہ بات کہتا ہوں کہ مذہب انسان کی کانسٹیٹیوشن یعنے اسکی بناوٹ میں داخل ہے۔ انسان ایک وجود ہے جسم و روح سے مرکب۔ جسم کثیف ہے اور روح لطیف۔ اور چونکہ روح کی حقیقت معلوم نہیں جیسا کہ فرمایا ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ترجمہ تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ جسم و روح میں تعلق کس قسم کا ہے۔ بہرکیف انسان کی ساخت جسمانی سب کو معلوم ہے خَلَقَکَ فَسَوّٰىکَ فَعَدَلَکَ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ○ ترجمہ تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر کیا۔ جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا۔ لیکن کبھی آدمی ناقص الخلقت بھی پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے تمہاری گجرات کے شاہ دولہ کے

پڑتی ہے۔ اور کبھی عوارض ۱؎ وجہ سے ساخت جسمانی میں انواع واقسام کے فتور واقع ہوجاتے ہیں اسی طرح
روح انسانی کی بھی ایک خاص ساخت ہے کہ اس میں کتنی قدرتیں ودیعت رکھی گئی ہیں۔ روحانی ساخت کے نقصانات
میں ایک نقصان لامذہبی بھی ہے۔ مگر خلقی نہیں کیونکہ مذہب داخل فطرت ہے فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا
لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ترجمہ تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو۔ بدلنا نہیں اللہ کے بنائے کو۔ بات یہی
کہ انسان کو ایک خاص طرح کی عقل دی گئی ہے۔ فوق سائر الحیوانات جس کو بصیرت کہتے ہیں بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى
نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ترجمہ بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ سوجھ ہے اور پڑا ڈالے اپنے بہانے۔ یہ
اس بصیرت کا نمونہ ہے۔ مگر اونے درجے کا۔ بصارت یعنی بینائی چشم سر۔ اگر انسان آنکھ کو کام میں لائے یعنی دیکھے
تو دیکھنا اسکو مثلاً رنگ کی شناخت پر مجبور کرے گا۔ اسی طرح اگر آدمی عقل کو کام میں لائے اور سوچے تو اعمال
فکر اسکو مجبور کرے گا اس بات کے یقین کرنے پر کہ اس عظیم الشان کارخانہ دنیا کا ضرور کوئی بنانے والا ہے
اور جو چیزیں مرئی اور محسوس ہیں ان میں کوئی نشان اس طرح کی قدرت کا پایا نہیں جاتا۔ قدرت اگر کسیقدر
یوں ہی سی برائے نام ہے بھی تو پھر انسان کو ہے کہ یہ مخلوقات عالم میں تصرفات کرتا ہے باایں ہمہ انسان
اپنی درماندگی کا خود معترف ہے اور بدون اعتراف کے اسکو چارہ نہیں۔ دوسرے مخلوقات بڑی سے بڑی
اور عمدہ سے عمدہ میں قدرت تو درکنار ارادے تک کا فقدان ہے۔ اور یہی ماحصل ہے ابراہیم علیہ السلام کے
استدلال کا فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ترجمہ پھر جب
اندھیرا کیا اُس پر رات نے۔ دیکھا ایک تارا۔ بولا یہ ہے رب میرا۔ پھر جب وہ غائب ہوا۔ بولا مجھ کو خوش نہیں
آتے چھپنے والے۔ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ
الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ترجمہ پھر جب دیکھا چاند چمکتا بولا یہ ہے رب میرا۔ پھر جب وہ غائب ہوا۔ بولا اگر راہ نہ دے
مجھ کو رب میرا تو بے شک میں ہوں بہکتے لوگوں میں فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ
اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ترجمہ پھر جب دیکھا سورج جھلکتا بولا یہ ہے رب میرا یہ سب سے
بڑا۔ پھر جب وہ غائب ہوا بولا اے قوم میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ
لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ترجمہ میں نے اپنا منہ کیا اسی کی طرف جس نے
بنائے آسمان و زمین ایک طرف کا ہو کر اور میں نہیں شریک کرنے والا ۔

۱؎ معدومیت ۱۲

ایک غریب خداپرست کاشتکار کا کھیت موقع پاکر رات کے وقت کچھ بیل چر گئے۔ کاشتکار کھیت کے کنارے شاید یہ کھڑا سوچ رہا تھا کہ کیا تدبیر کروں کہ پھر بیل کھیت میں نہ گھسیں۔ ادھر سے ہو کر گزرا اس کا کوئی جان پہچان لامذہب۔ اسکو کھڑا دیکھ کر وہ بھی کھڑا ہو گیا۔ اور لگا باتیں کرنے۔ باتوں باتوں میں اس لامذہب نے کہا۔ خدا ہوتا تو تمہارا کھیت ہرگز نہ کھایا جاتا۔ کاشتکار بولا کھیت کا کھایا جانا ہی خدا کے ہونے کی دلیل ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی چیز دنیا میں با اختیار خود متصرف نہیں اور قوت تصرف اس نے اپنے آپ نہیں پیدا کرلی۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ ترجمہ جسنے اپنے کو پہچانا تو جانو کہ اپنے پروردگار کو پہچانا بھی۔ یہی بات ہے گو طرز ادا سے مطلب دوسرا ہے۔ دوسروں سے استشہاد کی کیا ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ترجمہ اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کو اور خود تمہارے اندر کیا تم کو سوجھ نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ترجمہ اور ہم اس سے نزدیک ہیں دھڑکتی رگ سے زیادہ۔ اسی کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے منظوم کیا ہے

دوست نزدیک تر از من بمن ست ۔ ویں عجب تر کہ من از وے دورم
چکنم باکہ تواں گفت کہ او ۔ در کنار من و من مہجورم

ایک ریختہ گو کہتا ہے

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار ۔ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

الغرض انسان جب تک انسان ہے خدا کے ہونے سے انکار نہیں سکتا۔ یہ مذہب کا پہلا سبق ہوا۔ اب اور آگے بڑھو تو جس عقل کے زور سے ہم نے جانا کہ خدا ہے۔ اسی عقل کے زور سے ہم نے جانا کہ خدا تمام صفات کمالیہ کا جامع۔ تمام عیوب اور نقصانات سے پاک اور منزہ۔ اور اسی لیے ایک اکیلا ہے وحدہٗ لا شریک لہٗ۔ نہ اسکو اعوان و انصار کی حاجت نہ یار و مددگار کی ضرورت۔ سب کچھ جانتا ہے اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ترجمہ بھلا وہ نہ جانے جسنے بنایا۔ اور جو چاہے کر سکتا ہے اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ترجمہ وہ تو سب چیز کر سکتا ہے۔ دنیا کا کارخانہ جس انتظام سے چل رہا ہے یہ انتظام دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک صرف ایک ارادے کا

محکوم ہے۔ یہ عمارت کہہ رہی ہے کہ ڈیزائن سے ایکر ایک انجنیر کے سواے دوسرے کا اُس میں دخل نہیں۔ یہ ہیں معنے لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا کے ترجمہ (اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم سواے اللہ کے تو دونوں خراب ہوتے) پھر انسان کی جبلت یہ بھی ہے کہ اگر وہ طبیعت کا شریف ہو تو محسن کا احسان مانتا اور اُس کا شکرگزار ہوتا۔ یہ ہے ماخذ عبادت کا۔

عبادت سے ہم خدا کی کوئی خدمت نہیں کرتے اور نہ اُسکو ہماری خدمت کی کچھ پرواہ ہے۔ بلکہ عبادت سے صرف ہماری شرافت طبیعت ظاہر ہوتی ہے۔ اور اسی اعتبار سے وہ ہمارا فرض انسانیت ہے۔ دنیا میں انسان پر اس کے ابناے جنس کے بھی احسانات ہوتے ہیں۔ لیکن اگر خیال کرو تو خدا کے احسانات کا کچھ شمار نہیں۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ترجمہ اللہ وہ ہے جس نے بناے آسمان اور زمین اور اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے نکالی روزی تمہاری میوے اور کام میں دی تمہارے کشتی کہ چلے دریا میں اسکے حکم سے اور کام میں دیں تمہارے ندیاں اور کام میں لگائے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر اور کام میں لگائے تمہارے رات اور دن اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنو احسان اللہ کے نہ پورے کر سکو۔

اور یہی سبب ہے کہ خداے تعالےٰ ہماری سب سے بڑی شکرگزاری کا مستحق ہے جسکا دوسرا نام عبادت ہے تو جس طرح عقل گواہی دیتی ہے کہ ذات اور صفات میں خدا کا کوئی شریک نہیں اسی طرح عقل یہ بھی گواہی دیتی ہے کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک فی العبادت کرنا پرلے درجے کی احسان ناشناسی ہے۔ جس کو اصطلاح شرع میں کفر کہتے ہیں۔ یعنے کفرانِ نعمت۔ ذرا اس بات کو خیال کرتے جانا کہ ابھی تک میں عقل کی رہنمائی سے دین کے راستے کو چلا جا رہا ہوں۔ میں نے اس سے پہلے بصیرت اور بصارت دونوں میں ایک طرح کی مماثلت کا اظہار بیان کیا تھا۔ بصارت سے ہم چیزوں کے رنگ۔ اُن کی شکلیں اور اُن کے مواقع معلوم کرتے ہیں اور اسی سبب سے بینائی ایک بڑی بکارآمد قوت ہے۔ مگر اس میں نقص بھی ہے کہ کثیف چیزوں میں نفوذ نہیں کرتی یعنے مثلاً دیوار کے پیچھے نگاہ کام نہیں دیتی اور یوں بھی اس کی رسائی کی ایک حد ہے۔ مناظر میں قوت باصرہ کے اَور بھی نقصانات

ـــــــــــــــــــــــ
[1] ابتدائی نقشہ جو بطور منصوبے کے بنایا جاتا ہے ۱۲

کی صراحت ہی جیسے دور کی چیزوں کا چھوٹا دکھائی دینا۔ اگر دیکھنے والا خود متحرک ہے تو اس کا ساکن چیزوں کو متحرک دیکھنا اسکو ریل کے بیٹھنے والوں سے پوچھ دیکھو یا اُس سے جسکو کبھی تیز رو کشتی میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہو شفاف پانی کی تہ میں کسی چیز کا ابھرا ہوا نظر آنا۔ قوس قزح کی رنگ آمیزی اور انکے سولے اور بہت سی باتیں ہیں جنکا بیان کرنا بے محل سا ہے۔ غرض بینائی نقصان و فتور سے بری نہیں بعینہ یہی حال ہے عقل کا۔ بہت باتیں عقل کی گرفت سے باہر ہیں ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ جاہا سپر باید انداختن

معلوم ہے کہ مقناطیسی سوئی کا ایک سرا شمال کی طرف رہتا ہے۔ مگر نہیں معلوم کیوں۔ اور یہی حال ہی کل اسباب کا۔ مقناطیس چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بلکہ تمام مادیات میں کشش ثقل و اتصال کا ہونا معلوم ہے۔ مگر نہیں معلوم کیوں۔ روح و جسم کا مذکور میں شروع میں کر چکا ہوں معلوم ہے کہ روح نہ عین جسم ہے نہ جزو جسم ہے نہ اُس میں اس طور حلول کیے ہے جیسے ظرف میں مظروف نہ روح و جسم میں عرض و جوہر کا سا تعلق ہے۔ پھر روح کیا ہے اور اس کو جسم کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہے کسی کو خبر نہیں۔ میں اس دنیا کے سینکڑوں عقدے گنوا سکتا ہوں جن کو ناخن عقل نہیں حل کر سکتا۔ سچ پوچھو تو ساری دنیا ہی طلسم حیرت ہی۔ مٹی ایک جماد چیز ہے۔ اسکا نباتیت پھر حیوانیت پھر انسانیت کے مدارج پر ترقی کرنا نہ انسان کے فہم میں آیا ہے اور نہ کبھی آ سکتا ہے۔ تو کیا دین میں کسی بات کا خلاف عقل نہیں بلکہ عقل سے خارج یعنی اس کی رسائی سے بالاتر فروں تر ہونا کچھ تعجب ہی ہرگز نہیں۔ بلکہ دین میں بدرجہ اولیٰ ایسی باتیں ہونی چاہئیں جن میں مساغ[1] عقل نہ ہو۔ کیونکہ دین کا مدار ہی اس پر کہ انسان موت سے معدوم نہیں ہوتا موت سوا اسکے اَور کچھ نہیں کہ روح و جسم کا تعلق چھوٹ جاتا ہی۔ اجزائے جسمانی متلاشی و متفرق ہو کر اپنے ٹھکانے لگ جاتے ہیں وَمِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۔ ترجمہ اسی زمین سے پہلے تمکو بنایا اور اسی میں تمکو پھر ڈالتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تمکو دوسری بار۔ انگریزی سننے کا شوق ہو تو ڈسٹ ٹو ڈسٹ اینڈ ڈسٹ ٹو ڈسٹ۔ رہی روح وہ جب جسم میں تھی اور اُسکے تصرفات ظاہر ہوتے تھے تب بھی اس کی حقیقت ہمکو معلوم نہ تھی بعد مرگ تو رہی سہی اَور بھی روپوش ہو گئی، کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے۔ بایں ہمہ چند در چند قرائن ہیں جن سے یقین کیا جا سکتا ہے کہ روح کو فنا نہیں ٭

اوّل جب ہم سرے سے روح کی حقیقت سے بے خبر ٹھہرے تو ہمکو اُس پر فنا کا حکم لگانے کا کوئی حق نہیں

[1] رسائی ۵۳ رکھیں رلکھ اور مٹی میں مٹی ۱۲

ثانیاً اگرچہ روح جسمانی رنجوں اور تکلیفوں سے بحالتِ حیات متاذی تو ہوتی تھی۔ موت بڑی سے بڑی
جسمانی تکلیف سہی اور روح کا اس سے متاذی ہونا قرین قیاس ہی مگر موت کا اصلی اثر جسم پر تھا اسکا تو منتشر
کر دینے کے سوا اور کچھ نہ کر سکی۔ روح جسپر موت کا اثر ثانوی ہے کیوں معدوم ہو جانے لگی تھی عجب نہیں موت
نے روح پر اتنا ہی اثر کیا ہو اور بس کہ اسکو جسم سے بے تعلق اور بے دخل کر دیا +

ثالثاً دانشمند سے دانشمند اور احمق سے احمق۔ عالم سے عالم اور جاہل سے جاہل۔ مہذب و نامہذب۔
سولائزڈ اور وحشی ہر ملک اور ہر زمانے کے لوگ یعنی دنیا کے آدمی قریب کل کے بقاے روح کو تسلیم کرتے
چلے آتے ہیں۔ ہمکو اس سے بحث نہیں کہ یہ خیال دنیا میں کہاں سے آیا اور کیونکر اتنے لوگوں نے اس کو
قبول کر لیا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ عموماً لوگ اسکے قائل ہیں اور جن کو انکار ہے اگر سچے دل سے ہی ہی تو اس
عقیدے کے لوگ اس قدر کم ہیں کہ اس جم غفیر عالم کے مقابل میں گویا کہ نہیں۔ دین تو خیر ہے ہی میں کہتا ہوں کہ انتظام
دنیا بھی اسی خیال پر مبنی ہے۔ میں نے شروع میں کہا تھا کہ بہت سے جرائم کا انسداد صرف مذہب کے سبب ہوتا ہے۔ سو مذہب
سے اُس محل پر میری مراد تھی یہی عقیدہ بقاے روح یعنے لوگ اس وجہ سے مرتکب جرائم نہیں ہوتے کہ جانتے ہیں
مرے پیچھے کئے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ ایک انگریزی کتاب میں بہت سے نامی مجرموں کے حالات لکھے ہیں جنھوں
نے مرتے وقت خوف عاقبت سے اپنے جرموں کا اقرار کیا اور ہر جگہ اور ہر زمانے میں ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں پس یا تو
ساری دنیا کو سر بسر غلط مانو۔ یا دوسروں کی طرح بقاے روح کے قائل ہو۔ ہو نہ ہو یہ عقیدہ داخل فطرت انسانی ہی
کہ ملہم غیب نے ہر ایک کے دل میں ڈال رکھا ہے۔ کون ہے جسکو اولاد سے خیر جاری سے یا کسی دوسرے پیرائے سے
دنیا میں اپنی یادگار چھوڑ جانے کی خواہش نہیں۔ اس خواہش میں بھی مضمر ہے وہی بقاے روح کا خیال کیونکہ
اگر آدمی مرنے سے معدوم محض ہو جاتا تو دنیا میں یادگار رہنے سے اسکو کیا مفاد تھا +

رابعاً انتظام دنیا اگرچہ فی نفسہ نہایت مکمل ہے۔ اور کیوں نہ ہو ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ترجمہ
یہ اندازہ ہے اُس زبردست باخبر کا۔ مگر پھر بھی ناتمام سا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے جملہ اسمیہ کہ مبتدا
ہے تو خبر نہیں۔ یا جملہ شرطیہ کہ شرط ہے تو جزا نہیں۔ یا جیسے دامن کوہ میں ایک سڑک جو ایک گھاٹی تک
منتہی ہوتی ہے اور اسکو دیکھ کر خود بخود خیال ہوتا ہے کہ ضرور یہ سڑک پہاڑ کی دوسری طرف جانے کے
لیئے بنائی گئی ہے۔ اسی طرح انسان کو اتنی ساری عقل کا دیا جانا جو اس چند روزہ دنیاوی زندگی کی ضرورت سے

سلہ تربیت یافتہ۔ شائستہ۔ مہذب ۱۲ سلہ غیب کی بات کا الہام کرنے والا یعنے خدا ۱۲

یقینی بہت زیادہ ہے ضرور کوئی اور بڑا مطلب رکھتا ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا
لَا تُرْجَعُوْنَ ترجمہ سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہمنے تمکو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر نہ آؤگے وَمَا خَلَقْنَا
السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ترجمہ اور ہمنے نہیں بنایا آسمان اور زمین اور جو اُنکے بیچ ہے کھیلتے
لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ترجمہ اگر ہم چاہتے کہ بنالیں کچھ کھلونا تو بنالیتے
ہم اپنے پاس سے اگر ہمکو کرنا ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک فعل ایک لازمی نتیجہ رکھتا ہے فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ
تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ترجمہ سو تو نہ پاوے گا اللہ کا دستور بدلتا اور نہ پاوے گا اللہ کا
دستور ٹلتا۔ جیسے شراب خوری کا ضروری نتیجہ ہے خواری۔ بدکرداری۔ افلاس۔ جسمانی امراض اور آخر کار ہلاکت
قبل الموت۔ نااتفاقی کا ضروری نتیجہ ہے ضعف۔ جھوٹ کا ضروری نتیجہ ہے بے اعتباری۔ وقس علی ہذا۔ تو جب
کبھی ہم کسی فعل پر اسکے نتیجے کو دنیا میں مترتب ہوتا نہ پائیں اسی سے ہم سمجھ لیں گے کہ حیات دنیا پر ہماری ہستی
کا خاتمہ نہیں ہوگیا۔ یہ ہیں چند باتیں یا اُسی طرح کی اور چند باتیں جو بعد مرگ کی حالت کی نسبت ہم عقل سے
سمجھ سکتے ہیں۔ مگر منظر پھر بھی دھندلا ہی رہتا ہے خوب تسلی نہیں ہوتی کہ کیا ہوگا اور کیونکر ہو ۵

حالِ عدم نہ کچھ کھلا گزرے ہے رفتگاں پہ کیا   کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بُری بھلی

یہاں سے ثابت ہوئی ضرورت رسالت کی۔ بڑے تعجب کی بات ہوگی کہ چند سال کی زندگانی کے لیئے تو
خدا ہماری چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لیئے سامان کرے۔ سر کھجانے کے لیئے ہمکو ناخن دے۔ غذا چبانے کے لیئے
دانت۔ اور اُن میں بھی یہ تفریق کہ پیسنے کے لیئے ڈاڑھیں اور کاٹنے کے لیئے دانت۔ نوچنے کو کچلیاں ۵

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند   تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

اور حیات ابدی جیسی بڑی ضرورت میں جو ابد الآباد کے لیئے ہمارے سر پر لادی جائے گی ہمکو اتنا بھی سہارا
نہ لگائے کہ ایک ذرا جھلکی تو دیکھ لینے دے۔ جہاں تک خدا کے کارخانے سے ہمنے خدا کو جانا اور جان سکتے
ہیں ایسی بے رحمی انسان کو ایسے دُبدھے کی حالت میں چھوڑ دینا اسکو ترسانا پریشان رکھنا۔ خدا کی شان
رحیمی سے بالکل بعید ہے تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۔

پس خدائے کریم و رحیم نے انسان کو اسی کی عقل نارسا اور فہم قاصر کے بھروسے پر نہ چھوڑ کر پیغمبروں
کے ذریعے سے صلوات اللہ علیہم اجمعین، جہاں تک ۵ اس ہستی میں سمجھ سکتا تھا بتایا اور سمجھایا کہ اسکو مرنے

۵ خدا کی شان اس سے بہت بڑی ہے ۱۲

پیچھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کس حالت میں رہنا ہے اور اس ابدی زندگی کے لیے اُسکو دنیا میں کیا تیاری کرنی چاہیے

پیغمبروں ہی کے کہنے سے جانا کہ ہماری اس ہستی موجودہ کو آگے آنے والی ہستی میں بہت بڑا دخل ہے۔ یہ خواب ہے

اور وہ اسکی تعبیر۔ یہ جوتنے بونے کا وقت ہے اور وہ کاٹنے اور گاہنے کا اَلدُّنیَا مَزرَعَۃُ الاٰخِرَۃ ترجمہ دنیا آخرت

کی کھیتی ہے۔ میرے اس بیان سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ مذہب میں عقل کی رسائی کہاں تک ہے اور کہاں پہونچکر عقل

جبرئیل کی ہم زبان ہو جاتی ہے ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم فروغِ تجلی بسوزد پرم

افراط و تفریط کے دونوں پہلو ہر بات میں مذموم ہوتے ہیں۔ جس طرح یہ کہنا غلط ہے کہ مذہب نقل یعنی خدا

و رسول کا فرمودہ ہے اور نقل کو عقل سے کچھ سروکار نہیں۔ اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ہمکو نقل کی حاجت نہیں

اور بزورِ عقل ہم سب کچھ دریافت کرسکتے ہیں۔ یہاں تک کہ حالاتِ بعد مرگ بھی۔ جتنی قوتیں انسان کو عطا ہوئی

ہیں جسمانی اور دماغی سب بمنزلۂ آلات ہیں۔ جیسے مثلاً تیشہ نجار۔ ممکن ہے کہ نجار کبھی اس تیشے سے ہاتھ پاؤں

زخمی کرے۔ لیکن اسی کا قصور ہوگا نہ تیشے کا۔ انسان بھی اپنی قوتوں کو بُری اور بھلی دونوں طرح استعمال

میں لاسکتا۔ اِن کو معطل رکھ سکتا۔ اِن سے فوق الطاقت کام لے سکتا۔ لیکن اگر وہ کسی قوت کو بُری طرح استعمال

کرے تو خود وہی ملزم ہے نہ قوت اور جس نے قوت دی وہ۔ پس ہر ایک قوت کے استعمال میں انسان کو اعتدال

ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ خاصکر معاملات مذہبی میں عقل کو کام میں لاتے وقت۔ مذہب کے اعتبار سے بھی اسکو عقل کا دیا

جانا تو ضرور تھا۔ وہ عقل ہی کی وجہ سے مکلف ہوا۔ دنیا اور دین دونوں میں جتنی خوبیاں ہیں متفرع ہیں عقل پر

اور جتنی خرابیاں ہیں وہ بھی متفرع ہیں اسی عقل پر۔ یوں سمجھو کہ انسان فی حد ذاتہ ایک کمانڈر ہے اور قوائے مختلفہ

افواج ہیں اسکے ماتحت زیر فرمان۔ یہ فوجیں ایک طرح کی نہیں۔ جیسے انگریزی فوج میں پوربیئے۔ مدراسی یا تلنگے

مرہٹے۔ گورکھیئے۔ سکھ۔ بلوچ سا اطراف کابل کے پٹھان۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ سب قسم کے سپاہی ایک ہی لکڑی

سے ہانکے جاتے ہیں۔ نہیں نہیں شاید ایک پوربیہ یا مدراسی بید کی چھڑی سے تو بلوچ اور افغان آہنی راڈ سے

غرض جو قوی تر وہی عنیدالانقیاد تر تمام قوائے انسانی میں عقل ہی سب سے زیادہ زبردست ہے اور اسپر گورنمنٹ کرنا

بہت ہی احتیاط کا کام ہے۔ یہ جو اختلاف مذاہب دیکھتے ہو یہ آگ بھی اِن ہی حضرت عقل کی لگائی ہوئی۔ بعض میں

چنگاری ڈال چھالو دور کھڑی۔ میں دیکھتا ہوں تو ہمارے وقت کے نوجوان تعلیم یافتہ استعمال عقل کے بارے

ملہ لوہے کی سلاخ ۱۲ ملہ مشکل سے فرمانبردار ہونے والا ۱۲

ہیں صلاح اور اصلاح دونوں کے سخت محتاج ہیں۔ ان کو امور مذہبی میں غور وخوض کرنے کی نہ فرصت ہے نہ
مہلت نہ لیاقت نہ معلومات اور طرہ یہ ہے کہ طلب بھی نہیں اور طلب ہو تو کہاں سے ہو۔ گھر میں چرچا نہیں
بزرگوں کی تاکید نہیں۔ یار دوستوں میں ترغیب نہیں۔ رہا اپنے دل کا تقاضا۔ ایسی عمر نہیں۔ گیند بلا کرکٹ
وغیرہ جہاں اور کھیل ہیں وہاں بارش یا باہم بازی ایک مذہب بھی سہی۔ اپنی قوم کی حالت پر نظر کرتے ہیں تو
خستہ خراب غافل کاہل جاہل مفلس محتاج گویا ذلت وخواری لوازم اسلام سے ہی۔ کیا عرب کیا عجم کیا روم
کیا مصر کیا افریقہ سب کے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے جدھر دیکھو تنزل و انحطاط۔ جہاں سنو نکبت و ادبار
ان میں سے فرادی فرادی ایک ایک کیفیت تو عمر آدمی کے عقیدے کے متزلزل کر دینے کو کافی ہے۔ نہ کہ
مجموعہ۔ دنیا اور دین میں نقد و نسیہ کی نسبت ہے۔ ہم لوگ ایسے کماؤ نقد کو تو کھو بیٹھے نسیہ کی جو ہم سے امید
رکھے وہ سو احمقوں کا ایک احمق۔ لیکن کیا کیا جائے دل نہیں مانتا چار و ناچار کہنا ہی پڑتا ہے۔ افسوس
تو دنیا کا بھی کیوں نہیں۔ لیکن دنیا فانی چند روزہ آنی جانی چیز ہے۔ بری طرح بھی گزر جاتی ہے اور بھلی طرح
بھی گزر جاتی ہے۔ اور آخر گزر ہی جاتی ہے۔ بڑا خیال تو دین کا ہے ؎

غم دیں خور کہ غم غم دین است　　ہمہ غمہا فرو تر از این است

خدانخواستہ یہ نعمت جاتی رہے تو پھر کہیں کے نہ رہے خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ
ترجمہ گنوائی دنیا اور آخرت یہی ہے ٹوٹا صریح۔ اور اسکے جانے کو کون سے جھگڑے چاہئیں۔ دین کا تو ایسا نازک
معاملہ ہے کہ ایک خیال سے اور ایک مقال سے آدمی راندہ جاتا ہے۔ سو تو بڑے شکر کا مقام ہے کہ گورنمنٹ
اگرچہ مذہباً عیسائی ہے۔ مگر عملاً اس کا کوئی مذہب نہیں یا یوں کہو کہ اسکا مذہب صلح کل ہی عیسے بدین خود موسی بدین
خود۔ پس اسلام کو جو کچھ خطر ہے نزدیکان بے بصر سے ہے۔ جو مسلمان کہلاتے اور اسلام کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔
یہی وہ لوگ ہیں جو مخالفین کی گیدڑ بھبکیوں سے ڈر کر صراط مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں۔ ورنہ اسلام کے اصول
ایسے سیدھے اور صاف اور سچے اور سلیس اور عام فہم ہیں کہ ان پر کامیابی کے ساتھ کوئی حملہ ہو نہیں سکتا۔ مجھ کو
اس بات کا فخر حاصل ہے کہ اباً عن جدٍ موروثی مسلمان ہوں۔ اور اپنے نسب نامے میں انقراض سلطنت دہلی تک
بلافصل مشائخ اور مفتی اور علما کے نام پاتا ہوں۔ میں نے بزرگوں میں سے اوائل عمر میں صرف اپنے والد کو دیکھا اور جہاں تک
میرا حافظہ مساعدت کرتا ہے میں جانتا ہوں کہ وہ نہ صرف نام کے مولوی تھے۔ بلکہ بڑے پکے دین دار۔ یہ روئیداد

چاہتی ہے کہ میرا اسلام تقلیدی ہو۔ مگر خدا کے فضل سے ایسا نہیں ہے۔ مجھ کو اتفاق سے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس
مدتوں مجھ کو مذہبی چھان بین میں غلطاں پیچاں رکھا۔ یہاں تک کہ آخر کار اسلام کی حقانیت کامل طور پر میرے
ذہن میں ایسی بیٹھ گئی جیسے پتھر کی لکیر۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ
لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ترجمہ اے رب ہمارے دل نہ پھیر ہمارے جب ہمکو ہدایت دے
چکا اور دے ہمکو اپنے ہاں سے مہربانی بیشک تو ہی ہے بہت دینے والا +

مجھ کو ٹھیک سنہ یاد نہیں مگر سنہ ۱۸۵۲ء کے لگ بھگ کا مذکور ہے کہ ہمارے دہلی کالج اورنیٹل کلاسز کی
ریاضی کے اُستاد ماسٹر رام چندر صاحب اصطباغ[1] لینے کے لیے آمادہ ہوئے۔ ماسٹر صاحب [illegible]
سٹوڈنٹ سب کے ساتھ مذہبی چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ مذہبی مناظرے کی وہ پہلی بھنک تھی جو میرے کان میں پڑی
اگرچہ میں عربی کی جماعت اوّل میں تھا۔ اور فقہ کی مشہور کتاب فتاوےٰ درمختار ہمارے کورس میں تھی۔ لیکن
میں دیکھتا تھا کہ ماسٹر ہم لوگوں کو بند کر دیتے تھے۔ مجھ کو ماسٹر صاحب کے ساتھ ایک خصوصیت بھی تھی۔ اور اکثر انکے
مکان پر بھی جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ماسٹر نے تو مجھ کو گمراہ کر دیا ہوتا جیسا کہ قرآن میں ہے اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ
وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ترجمہ تو تو لگا تھا کہ مجھ کو گڑھے میں ڈالے اور اگر نہ ہوتا میرے رب کا
فضل تو میں بھی ہوتا اُن میں جو پکڑے آئے۔ مگر مجھ کو ادب عربی کا تھا شوق بہت۔ میں قرآن کی عبارت پر لٹو
تھا۔ اِس تریاق نے مجھ کو اُس زہر سے بچایا۔ یہاں تک کہ کالج سے میں اپنا ایمان سلامت لے کر نکل گیا۔ مگر
کیسا ایمان متزلزل متشکک ضعیف مضمحل۔ پھر میں نے علم کلام کی کتابیں دیکھنی شروع کیں۔ موافق و مخالف دونوں
ماسٹر نے مجھ کو عیسائی بنانا چاہا۔ اور علم کلام نے سرے سے لامذہب۔ مناظرے کا ایک اکثری اور مشہور قاعدہ
ہے معارضہ بالمثل جسکے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص دوسرے سے کہے تمہاری آنکھ میں ناخنہ ہے اور دوسرا اسکے تمہاری
میں ٹینٹ۔ اس طریقے سے ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں معترض بند ہو جائے۔ لیکن غیر آدمی جو تحقیق حق چاہتا
ہے دونوں سے بدظن ہو جاتا ہے کہ دونوں میں کوئی بھی نقصان سے خالی نہیں۔ اِس سے کہ معترض کی
آنکھ میں ٹینٹ ہے۔ ہماری آنکھ کے ناخنے کا عیب زائل نہیں ہو سکتا غایۃ ما فی الباب ناخنہ اخف[2] واہون ہے
بمقابلہ ٹینٹ کے۔ لیکن جس کی آنکھ صحیح و سالم ہے وہ دونوں کو عیب دار سمجھے گا۔ ناخنے والے کو کم ٹینٹ والے

[1] پادری جب کسی کو عیسائی کرتے ہیں تو اُسپر پانی چھڑک دیتے ہیں یا حوض میں غوطہ دلواتے ہیں اسی کو اصطباغ کہتے ہیں ۱۲
[2] یعنے سب سے خفیف تر اور سب سے آسان تر ہے ۱۲ +

کو زیادہ ۔ اس طرح پر برسوں میرے شکوک کا یہ حال رہا ۔ ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔
بااین ہمہ جب میں قرآن کے سمجھنے پر قادر ہوا ۔ اس کے استحسان میں کبھی ایک لمحے کے لیئے بھی کمی نہیں ہوئی اور اُسنے
مجھے وہ کام دیا جو عصا کام دیتی ہے ایک بڈھے مرتعش کو ۔ میں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر خیال کیا کہ میں بڑے
بڑے نامی گرامی آدمیوں کی نظم و نثر دونوں طرح کے کلام پڑھتا ہوں ۔ زمانۂ جاہلیت کے مخضرمین کے اسلام
بعد کے اور خود اُس شخص کے جس کے مُنہ سے الفاظ قرآنی نکلے اور اسکے دوسرے مقالات مجلدات احادیث
میں منضبط ہیں ۔ مولفط ہیں خطبات ہیں قصص و حکایات ہیں مراسلات ہیں یہ بات کیا ہے کہ قرآن کی عبارت کو
کوئی نہیں پاتا ۔ دوسرے آدمی اُس طرز پر قادر نہوں تو خیر ۔ مگر ایک ہی قائل کیونکر دو مختلف طرزوں میں اور
مختلف بھی اس درجے کے کہ زمین و آسمان کا تفاوت ۔ کلام کرنے کی قدرت پا سکتا ہے ۔ یہ تو عادتاً محال ہے تمہارے
سمجھانے کے لیئے کہتا ہوں کہ مثلاً ہندی شعرا میں سے زیادہ نہیں میر تقی ۔ انشاء اللہ خاں ۔ سودا تین شاعروں
کو لو ہر ایک کا طرز جداگانہ ہے ۔ اور جو سخن فہم ہیں مضمون اور بندش سے پہچان لیتے ہیں کہ ان تین میں سے کس کا
شعر ہے ۔ میں شاعر نہیں ہوں ۔ مگر اتنی اٹکل مجھ کو بھی ہے کہ اگر کوئی شعر میرے روبرو پڑھا جاسے تو غالب ہے کہ
اسکے قائل کی تعیین میں غلطی نکروں ۔ میں جانتا ہوں کہ میر صاحب کے مضامین حسرت آلود ہوتے ہیں اور زبان
نہایت درجہ شستہ اور سلیس ۔ یہ بات خاص میر صاحب ہی میں دیکھی گئی کہ ضرورت شعری کی وجہ سے لفظ
کا دب کر نکلنا بھی جائز نہیں رکھتے ۔ انشاء اللہ خاں پھکڑ ہیں ۔ بیان میں شوخی ۔ سودا ہر قسم کے مضامین پر
قادر ہیں ۔ بندش بھی اسکی مضبوط ہوتی ہے ۔ متاخرین میں مثلاً غالب اور ذوق میں تمیز کرنا کیا مشکل ہے
بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ترجمہ ان میں ہے ایک پردہ زیادتی نہیں کرتے ۔ غرض ہر ایک کی اپنی اپنی طرز ہے ۔ جب
دوسرے کی طرز اختیار کرتا ہے گرتا ہے ۔ مجھ کو خود ایسا اتفاق ہوا ہے کہ بہ ضرورت کسی اخبار میں کوئی مضمون
دیا اپنے نام سے نہیں ۔ مگر تاڑنے والے تاڑ گئے تو مجھ کو بڑی حیرت ہی پیش آئی کہ پیغمبر صاحب نے دو طرح کے کلام
پر کیونکر قدرت پائی ۔ آخر یہ عقدہ میں نے اس طرح پر حل کیا کہ پیغمبر صاحب کا اپنا طرز تو وہی تھا جو احادیث سے ظاہر
ہوتا ہے ۔ رہا قرآن ۔ اِن کا کلام ضرور تھا کیونکہ انکے مُنہ سے ادا ہوتا تھا ۔ مگر نزول وحی کے اوقات خاص میں
جبکہ وہ اپنے اختیار میں نہیں ہوتے تھے ۔ وحی بھی ایک اسرار الٰہی میں سے ہے لیکن اس قدر معلوم ہے کہ کبھی
جبرئیل حامل وحی انسان کی شکل میں متشکل ہو کر پیامِ خدا پہنچا جاتے تھے ۔ کبھی خواب کے پیرائے میں وحی آتی تھی

۵۱ جس کے بدن میں رعشہ ہو ۱۲ ۔ ۵۲ وہ لوگ جن کی کچھ زندگی جاہلیت اور کچھ اسلام میں ہوئی ہو ۱۲ ۔ ۵۳ مصنف ۱۲

مگر اکثر گھنٹے کی سی جھنکار سن پڑتی تھی اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اس طرح کی وحی مجھ پر بہت سخت ہوتی
آپکا رنگ فق اور جسم ایسا بوجھل ہوجاتا تھا کہ ایک بار آپ اپنی اونٹنی عضبا پر سوار تھے کہ وحی آئی۔ اونٹنی مارے بوجھ کے
بیٹھ گئی۔ کڑکڑاتے جاڑے میں نزول وحی کے وقت آپ پسینے پسینے ہوجاتے۔ اس سے شاید کسی عیسائی مصنف
نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ان کو صرع کی بیماری تھی۔ اس تشخیص سے غرض یہ ہو کہ اُن کا دماغ صحیح نہ تھا اور اسی
وجہ سے دعوے نبوت کر بیٹھے۔ مگر یہ کوئی نیا اعتراض نہیں۔ کافروں کے ترکش میں کوئی تیر نہ تھا جو پیغمبر صاحب
صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ چلا ہو۔ جھوٹا مفتری کہنا تو غیر معمولی بات تھی۔ کہتے تھے اِنَّمَا یُعَلِّمُہٗ بَشَرٌ ترجمہ اس کو
تو سکھاتا ہے آدمی۔ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَہَا فَھِیَ تُمْلٰی عَلَیْہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ترجمہ نقلیں ہیں اگلوں کی
جن کو اُسنے لکھ لیا ہے سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اُس پاس صبح و شام اَئِنَّا لَتَارِکُوْا اٰلِھَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ترجمہ کیا
ہم چھوڑ دینگے اپنے ٹھاکروں کو ایک شاعر دیوانے کے کہنے سے اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَمْ بِہٖ جِنَّۃٌ ترجمہ کیا
بنا لایا ہے اللہ پر جھوٹ یا اسکو سودا ہے۔

ان اعتراضوں میں سے کوئی اعتراض پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چسپاں نہ تھا اور چونکہ نری
بے تک بونگی بے جوڑ ہانکتے تھے پیغمبر صاحب صلعم کو ایسے بودے پھسپھسے اعتراضات سے اور تقویت پہنچتی
تھی۔ پیغمبر صاحب صلعم کا حال یہ تھا کہ دعوے نبوت سے پہلے یہاں تک اُن کی صداقت مسلم تھی کہ امین آپکا لقب تھا
ایک بار آپنے نفیر پکار کر سب کو جمع کیا اور کہا کہ بھلا سنو تو اگر میں تم سے کہوں کہ دشمن اس پہاڑ کی آڑ میں گھات
لگائے پڑے ہیں کہ موقع پاکر تم پر حملہ کریں تو تم میرے کہے کو سچ مانو یا نہ مانو۔ سب بولے ضرور۔ بھلا تم اور جھوٹ
بولو گے۔ تب آپنے فرمایا اِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ترجمہ میں تو ایک ڈرانے والا ہوں تم کو
ایک بڑی آفت کے آگے آنے سے۔ اس پر ابولہب بولا تَبًّا لَّکَ اَلِھٰذَا دَعَوْتَنَا ترجمہ تجھ کو خدا کی مار کیا اسی
لیے تونے ہمکو بلایا۔ اسی کے جواب میں سورہ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی۔ اس بات کے لیئے تاریخی شہادت
موجود ہے۔ کہ سفر اور حضر رنج اور خوشی۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ چلتے پھرتے ہر حالت میں آپ کو خدا کی یاد گاری تھی اور
ہر وقت عظمت الٰہی نصب العین ہوتی سے موٹی اور بھدی سے بھدی سمجھ بھی تجویز کر نہیں سکتی کہ ایسا شخص جسے
راست گوئی کا سکہ بٹھا کر امین کا خطاب حاصل کیا ہو سب باتوں میں تو سچ بولے اور ایک بات میں جھوٹ بولے
اور جھوٹ بھی بولے تو خدا پر اور اُسکے ساتھ یہ بھی کہتا جائے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ قَالَ

جو نہ دھری جائے اور نہ اُٹھائی جائے ◆

اب دیکھنا چاہیئے کہ اِنَّمَا یُعَلِّمُہٗ بَشَرٌ کا تیر تیر تھا یا وہ بھی تکا اور تکا بھی اٹکل پچو۔ عرب میں جو فصیح
و بلیغ تھے تمام ملک میں مشہور تھے اِن کے قصائد میلوں اور موسم حج اور بازاروں میں پڑھے اور دروازہ خانہ کعبہ پر
لٹکائے جاتے تھے۔ اور اسی غرض سے وہ لوگ قصیدے کہتے ہی تھے اور اُن کی کیا تخصیص ہے کوئی زمانے میں کبھی
فصیح بلیغ ایسا نہیں گزرا جس نے شہرت کی نہ صرف تمنا بلکہ اسکے حاصل کرنے کی کوشش نہ کی ہو تو غرض یہ ہے
کہ جو لوگ قرآن کی سی عبارت کے کہنے پر قادر تھے ضرور ہے کہ مشاہیر میں سے ہوں اور معلوم ہے کہ جتنے مشاہیر تھے
کھلم کھلا مخالف اسلام تھے۔ پیغمبر صاحب کی ہجویں کہتے اور لوگوں میں مشتہر اور منتشر کرتے۔ ان میں سے کسی کو کیا
پڑی تھی کہ در پردہ پیغمبر صاحب کی مدد کرتا۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب مشاہیر میں کسی کی نسبت ایسا شبہ ہو نہیں سکتا
تھا تو معترضین غیر ملک والوں پر گمان کرتے تھے اَعَانَہٗ عَلَیْہِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ترجمہ ساتھ دیا ہے اسکا اس میں اور
لوگوں نے۔ اس کا کیا معقول جواب خدا تعالےٰ نے دیا لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْہِ اَعْجَمِیٌّ وَّھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ
مُّبِیْنٌ ترجمہ جس پر تعریض کرتے ہیں اُن کی زبان ہے اوپری اور یہ زبان عربی ہے
صاف۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ غیر ملک والوں کی طرف ایسا شبہ کرنا لغو صریح
ہے۔ کیونکہ غیر ملک والا کیسا ہی عربی زبان کا ماہر کیوں نہو ممکن نہیں کہ قرآن کی سی عبارت لکھ سکے علاوہ
بریں تھوڑی دیر کے لیئے فرض کرو کہ پیغمبر صاحب کو قرآن کوئی دوسرا ہی شخص سکھاتا سہی تو معترض کا کام ہے اس شخص
کو نامزد کرے اور ہمکو سمجھائے کہ ایسے کلام فصیح و بلیغ کا کریڈٹ خود اسی شخص نے کیوں نہ لیا یعنی آپ پیغمبری کا دعوےٰ
کیوں نہ کیا۔ اس سے بڑھکر تعجب کی بات اَور کیا ہوگی کہ ایسے زمانے میں جب لونڈیاں باندیاں تک شعر کہتی تھیں
اور فصاحت بلاغت کو بڑا کمال سمجھا جاتا تھا اور اہل عرب اپنی زبان کی عمدگی پر یہاں تک نازاں تھے کہ ماسوائے عرب
کو عجمی کہتے تھے جسکے معنی یہ ہیں کہ ادائے مطلب اور گویائی پر قادر نہیں۔ لوگ قوت بیان سے اس قدر متاثر ہوتے
ہوں کہ شعرا جب چاہیں قبیلوں کو قبیلوں سے لڑا ماریں غرض فصاحت بجائے خود ایک پاور (قوت) ہو ایسے وقت
میں ایک شخص اُمّی جس نے ساری عمر شعر کہنا کیسا شعر کو موزون پڑھنا بھی نہ جانا ہو وہ پکار پکار کر تحدّی[۱] کرے۔ فَاْتُوْا
بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ وَادْعُوْا شُہَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا
ترجمہ تو لے آؤ ایک سورۃ اس قسم کی اور بلاؤ جن کو حاضر کرتے ہو اللہ کے سوائے اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر نہ کرو اور ہرگز نہ کرسکو

[۱] یعنے لوگوں سے کہے کہ میرے کلام کے مقابلے میں کلام لاؤ ۱۲

فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ ترجمہ تم لے آؤ ایک دس سورتیں
ایسی باندھکر اور پکارو جس کو پکار سکو اللہ کے سوا۔ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ
لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ترجمہ اگر جمع ہوویں آدمی اور جن اس پر کہ لاویں ایسا قرآن
نہ لاویں گے ایسا قرآن اور پڑے مدد کریں ایک کی ایک ۞

فصحائے عرب اپنا اور اپنے عزیزوں کا قید ہونا جلا وطن کیا جانا مارا جانا گوارا کریں اور کسی سے اتنا
نہ ہو سکے کہ انکا بھرسی زبان ہلاکر تحدی سے بمقابلہ پیش آئے ع اینک بشہادت طلسم لوح وقلم را۔

بخدا میں سچے دل سے کہتا ہوں کہ جس کسی کو اتنی عربی بھی آتی ہو جتنی کہ مجھ کو اگرچہ جتنی آنی چاہیئے
اُس کا عشر عشیر بھی مجھ کو نہیں آتا۔ بہرکیف مجھ جیسا کم استعداد آدمی بھی اتنا جان لے سکتا ہے کہ قرآن کی عبارت سے
کسی آدمی کا کلام اور آدمیوں میں خود پیغمبر صاحب بھی داخل ہیں لگا نہیں کھاتا۔ فصاحت بلاغت کے اکثر مسائل
بھی منضبط ہیں مگر زیادہ تر میں اسکو وجدانی خیال کرتا ہوں یعنی اگر کوئی خاص آیت لیکر مجھ سے پوچھو کہ اس میں
کیا فصاحت ہے تو میں نہیں بیان کر سکوں گا۔ اور آیت تو آیت میں تو نہیں سمجھتا کہ کوئی اردو کے ایک شعر یا ایک
مصرعہ کی نسبت بھی ایسا دعوے کر سکے۔ لیکن میں نے سینکڑوں دفعہ قرآن کو اول سے آخر تک پڑھا ہے
اور دوسروں کے کلام پر میری نظر بہت تو نہیں تو خیر ایسی بہت کم بھی نہیں بس میرا ایک استدلالی عقیدہ ہے
کہ قرآن کلام بشر تو نہیں اور دوسرے بشر تو گنتی میں ہیں اُن کا بھی کلام نہیں جن کی زبان سے نکلا یعنی پیغمبر
صاحب۔ اور ہمکو مخبر صادق نے جس کی صداقت اور راستی اور دیانت کے سینکڑوں نہیں ہزاروں شواہد موجود
ہیں ہم سے کہا کہ میں قرآن اپنے دل سے بناکر نہیں کہتا بلکہ مجھ سے خدا کہلواتا ہے۔ پس ہمنے یقین کر لیا اور میں
نہیں جانتا کہ یقین کرنے میں اب کون سی حالت منتظرہ باقی رہ گئی کہ قرآن ضرور خدا کا کلام ہے۔ جتنے قسم کے
معجزات پیغمبروں سے سرزد ہوئے بعد الوقوع واقعات تاریخی ہوتے گئے۔ یعنی مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے
ابرائے اکمہ و ابرص اور احیائے موتے کیا تو اب یہ واقعہ تاریخی ہے۔ ہم نے تو انکو بیماروں کو چنگا کرتے مردوں کو
جلاتے دیکھا نہیں۔ ہمکو تحقیق کرنا پڑے گا کس نے دیکھا اور کس نے روایت کی اور روایت کہاں تک قابل
تسلیم ہے۔ شہادت کا یہ حال ہے کہ لوگوں کی شہادت کی زمان اور مکان دونوں کے اعتبار سے ایک حد ہوتی ہے
کیا تم خیال کرتے ہو کہ چین کی عملداری میں سچ بولنے والے نہیں تھے یا اب نہیں ہیں۔ تھے اور ہیں۔ لیکن چونکہ ہم

ف کور مادرزاد ۱۲ ابرص کوڑھی ۱۲

خدا نے پیغمبر صاحب صلعم کو یہ جواب [illegible] کیا ؟ اِنَّمَا اَعِظُکُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ط ترجمہ - توکہہ بس تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ اٹھ کھڑے ہو اکیلے کام پر دو دو ایک ایک پھر دھیان کرو اس تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں ۔

واقع میں عجیب طرح کی از خود رفتگی تھی آپ کی اس حالت از خود رفتگی میں ایسا کلام سرزد ہوتا تھا متین مہذب ۔ معقول ۔ مدلل ۔ جامع فصیح و بلیغ ۔ موثر ۔ جس نے ایک عالم کے ہوش درست کر دیئے ۔

ایک حکایت مشہور ہے کہ ایک مرزا نے کسی جاٹ سے ہنسی کی کہ جاٹ بے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ ۔ جاٹ یہ کلام سنتے ہی [illegible] بہت جھنجھلایا ۔ اور آپ کو جواب سوجھا تو یہ کہ مغل بے مغل تیرے سر پہ کولہو ۔ مرزا نے کہا کہ بھئی تک [illegible] سے تک نہ ملی ۔ تو جاٹ کیا کہتا ہے بلا سے بوجھ سے تو مرو گے ۔ یہی حال تھا کفار کے اعتراضات کا جناب پیغمبر صاحب کی نسبت ایذا دہی کے لیئے جو جی میں آیا آئیں بائیں شائیں بک دیا اس وقت کے لوگ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جزو کل حالات سے آگاہ تھے ۔ بیہودہ اعتراضات سن کر ان کی عقیدتیں زیادہ تر راسخ ہوتی جاتی تھیں ۔

اب ہمارے زمانے میں وہی پرانے [illegible] فیانوسی اعتراضات ہیں یا شاید کسی کا پیرایہ بدلا ہوا ہو [illegible] لوگوں کو پیغمبر صاحب صلعم کے حالات اسلام کی [illegible] اور ہسٹری سے پوری پوری آگہی نہیں ہو دے سے بودا اعتراض سنا اور لڑکھڑانے [illegible] شکل یہ آ کر پڑی ہے کہ نہ تو لوگوں کے مونہہ بند کیئے جا سکتے ہیں کہ اعتراض [illegible] اور نہ اعتراضات کے سننے سے تحرز ممکن ہے ۔ [illegible] دنیاوی ضرورتیں دوسرے مذہب والوں کے ساتھ اختلاط [illegible] پر مجبور کرتی ہیں لوگ واقف نہیں کہ صحبت [illegible] افق دین پر کیسا برا اثر کرتی ہے ۔ کم سے کم اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ انسان میں جو ایک صفت تسلیم کی ہے [illegible] کا ہونا خصوصاً دین کے لیئے ناگزیر ہے اگر زائل نہیں ہو جاتی تو ضعیف ہو جانے میں شک بھی نہیں ۔ [illegible] ہر بات کے لیئے دلیل مانگنے لگتا ہے ۔ حضرت ابو بکر صدیق [illegible] ایک حکایت منقول ہے کہ جب پیغمبر صاحب نے اپنا معراج پر جانا بیان کیا تو سب سے پہلے حضرت ابو بکر نے تصدیق [illegible] کسی نے پوچھا کہ تم نے ایسے عجیب معاملے کو جلدی سے کیونکر باور کر لیا تو حضرت ابو بکر نے جواب دیا اس واسطے [illegible] پیغمبر صاحب [illegible] نے فرمایا [illegible] ثابت [illegible] حضرت ابو بکر کو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمانے کا ایسا یقین [illegible] دوسری دلیل کا انتظار نہیں ہوتا تھا ۔ حضرت علی رض فرماتے ہیں لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّاْيِ لَكَانَ اَسْفَلُ الْخُفِّ اَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ اَعْلَاهُ وَلٰكِنْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ اَعْلَاهُ فَاَمْسَحُ كَذٰلِكَ ترجمہ اگر

تن آسانی کے لئے غرور و حشمت کے لئے تو ایسا مال جی کا جنجال ہی اور عاقبت کا وبال۔ اور اگر کوئی مال کا خواستگار ہی اس غرض سے کہ بوجہ مشروع خود بھی اس سے متمتع ہو اور دوسروں کو بھی اُس سے فائدہ پہونچائے تو ایسے ہی مال کے حق میں مولانا ے روم فرماتے ہیں ؎

مال را گر بہر دیں باشی حمول　　نعم مالٌ صالحٌ گفتش رسول

غرض مدار کار نیت پر ہی اور نیت کا فاعل مختار ہے بندہ مگر دنیا کے موجبات ترغیب اسکو دین کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتے ورنہ دنیا اور ما فیہا سب دین ہی اگر نیت درست ہو۔ تو جن لوگوں نے انسان کے ضعف پر نظر کی اُنھوں نے مشکل کو محال سمجھکر حکم لگا دیا کہ دنیا اور دین ضد یکدیگر ہیں۔ دنیا کو چاہو عدو دشمن دین ٹھہرا لو مگر دنیا اگر دین کی دشمن ہی بھی تو ایسی دشمن کہ بدون دنیا کی مدد کے نہ دین کی رونق ہو سکتی ہی نہ ترقی نہ وقعت ؎

دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو	اعلاے شان قادر مطلق کہاں سے ہو
ایثار و بذل و جود و محقق کہاں سے ہو	مصدر ہی جب نہیں ہی تو مشتق کہاں سے ہو
دنیا کو جب کسی نے عموماً برا کہا	میں اُسکے مُنہ کو دیکھنے لگتا ہوں کیا کہا

ہندوستان میں اسلام کے سوا جتنے دین ہیں سب میں اگر کچھ لحاظ کے قابل ہی تو عیسائیت ہی کچھ آج سے نہیں بلکہ شروع سے اسلام نے عیسائیوں کا اہل کتاب ہونا تسلیم کیا اور جو باتیں اُن میں قابل مدح تھیں اُن کی داد دی ۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ترجمہ تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمنی میں مسلمانوں سے یہود کو اور شریک کرنے والوں کو۔ اور تو پاوے گا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس واسطے کہ اُن میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے اور جب سُنیں جو اُترا رسول پر تو دیکھے اُن کی آنکھیں اُبلتی ہیں آنسوؤں سے اس پر جو پہچانے بات

کہتے ہیں اے رب ہمنے یقین کیا سو تو لکھ ہمکو ماننے والوں کے ساتھ۔ اور ہمکو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ
پر اور جو پہونچا ہم پاس حق۔ اور ہمکو توقع ہی کہ داخل کرے ہمکو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے۔ پھر اُن کو بدلا
دیا اُنکے ربنے اُس کہنے پر باغ۔ نیچے اُن کے بہتی نہریں۔ رہا کریں اُن میں اور یہ ہی بدلا نیکی کرنے والوں کا +

اسلام نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ جناب مسیح علیہ السلام کو یہود کے نالائق حملوں سے بچایا۔ انہی
حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی امت ہی احسان فراموش کر ہاتھ دھو کر اسلام کے پیچھے پڑی ہے۔ انہی کی سنی سنائی
اور دوسرے لوگ بھی دہرا دیتے ہیں۔ جن کے پاس گھر کی جمع پونجی خاک پتھر نہیں۔ ہمکو عیسائیوں کے مقابلے میں
چند در چند مشکلیں واقع ہیں سب سے بڑی مشکل تو یہ ہی کہ عیسائی ہمارے پیغمبر صاحب صلعم کو جو اُن کا جی چاہے کہیں
ہم جناب مسیح علیہ السلام یا اُن کی والدہ یا انجیل کی مذمت کا کوئی کلمہ مُنہ سے نکالیں سیدھے جہنم میں چلے جائیں
ہاں بخشش کے ڈر سے اپنی ناک کٹائے اور تھوڑی دیر کے لیئے یہودی بن جائے تب کہیں جا کر عیسائیوں
سے برسر آئے۔ دوسری مشکل جو ہمکو عیسائیوں کے مقابلے میں اس وقت درپیش ہی یہ ہے کہ زمانہ اس وقت
عیسائیوں کا مساعد ہے۔ لیاقت دولت۔ حکومت یعنی دنیا بحذافیرہا خدا نے ان لوگوں کو دے رکھی ہے

ہر کہ را پنج روز نوبت اوست

تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ترجمہ ان دنوں کو ہم لوگوں میں پھیرتے رہتے ہیں +

یہ ایک بڑی دلیل اُن کے فیورٹیں ہی ہر شخص جان نہیں سکتا کہ دنیا سے دین کو کہاں تک تائید
پہونچتی ہے النَّاسُ عَلَىٰ دِينِ مُلُوكِهِمْ ترجمہ لوگ اپنے بادشاہ کے طریق پر ہوتے ہیں۔ لوگ منہ سے نہیں
کہتے اور کہہ نہیں سکتے۔ مگر انسان کا دل ہی خدا نے ایسا بنایا ہے کہ جس کو اپنے سے برتر اور بہتر حالت میں
دیکھتا ہے اس کی ساری اداؤں کو پسند کرنے لگتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ انگریز مذہب میں حکومت سے کسی طرح
کا فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتے۔ لیکن بے چاہے جو ایک مطلب حاصل ہو تو چاہنے کی کیا ضرورت ہی جیسے
ایک کاشتکار کا کھیت نہر کے کنارے نشیب میں واقع ہے وہ اگر نہر سے پانی نہ بھی لے تاہم نہر اُسکو فائدہ
پہونچا رہی ہی مادہ شاید اسی اصول کے مطابق ایک فاصلۂ خاص تک اُن لوگوں کو پانی کا محصول دینا پڑتا ہی
جن کی زمین اطراف نہر میں واقع ہی پانی لیں یا نہ لیں۔ لیکن یہ ساری خارجی قوتیں ایک طرف اور نفس مذہب
کا ضعف داخلی ایک طرف مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا

لہ تمام پہلوؤں سے ۱۲ [illegible] حق میں ۱۲

وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ ۔ ترجمہ کہاوت اُن لوگوں کی جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو
حمایتی بنایا مکڑی کی کہاوت جیسی ہے کہ بنا لیا اُس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بودا سو مکڑی کا گھر۔ کسی
مذہب کا پابند ہو کر اسلام پر اعتراض کر بیٹھنا بچوں کا کھیل نہیں ہے جو شخص شیشے کا گھر رکھتا ہو اوسکو دوسرے
گھروں پر ڈھیلے پھینکنے کیا مناسب ہیں۔ ع

کلوخ انداز را پاداش سنگ ست

اگر کسی نے پتھر کھینچ مارا تو سارا ڈھوڈا چکنا چور ہو کر رہ جائے گا۔ مگر یوں کہو کہ جن پر ڈھیلے پھینکے جاتی ہیں
انکو معلوم نہیں کہ ڈھیلے پھینکنے والوں کا گھر کانچ کا ہے۔ یا جب گھر پر ڈھیلا آتا ہے تو جواب دینے کے لیے
پتھر ہاتھ نہیں آتا۔ احمقوں کو تدبیر بھی سوجھتی ہے تو یہ کہ چلو بھائی گھر چھوڑ چھاڑ کر کلوخ اندازوں کے محلے میں
چل بسیں۔ میں نہیں کھڑا ہوا فی مقامی ہذا اس غرض سے کہ اسلام پر جو جو اعتراض لوگ کرتے آئے اور کرتے
ہیں ان سب کے جواب دوں یہ کام نہ ایک دن کا ہے نہ ایک ہفتے کا نہ ایک مہینے کا نہ ایک برس کا۔ بلکہ برسوں
کا۔ اور اسکے لیئے ایک علم جداگانہ مدون ہے علم کلام۔ اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں اس علم سے کسی قدر بدعقیدہ
ہوں کسی ایک مذہب کا نشان دو جس کو مباحثے اور مناظرے نے معدوم کر دیا ہو۔ اگر ساری عمر ڈھونڈا کرو
ایسا مذہب نہیں پاؤ گے۔ جب بت پرستی جیسی چیز کسی کے کیئے معدوم نہ ہو سکی تو کسی مذہب کے درپے
ہونا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ لوگوں کو تبدیل مذہب کرتے ہوئے سُن کر میرے دل پر اس سے زیادہ
اثر نہیں ہوتا کہ جیسے سنوں کسی شخص نے فرض کرو چند لوٹے پانی مثلاً دریائے راوی سے لیکر چناب میں
ڈال دیا اس سے نہ راوی پایاب ہو گیا اور نہ چناب میں کچھ غیر معمولی طغیانی آگئی۔ بات یہ ہے کہ مذہب فی نفسہ
چیز ہی ایسی ہے جس میں من سمجھوتی کو بہت بڑا دخل ہے اور اختلاف رائے کا حال یہ ہے کہ ایک چیز کو ایک شخص
نہایت سچے دل سے اچھا سمجھتا ہے اور دوسرا اُسی چیز کو اسی طرح نہایت سچے دل سے بُرا۔ سعدی نے
اس مطلب کو کیسی اچھی طرح ادا کیا ہے ؎

یکے جہود و مسلماں مناظرہ کردند — چناں کہ خندہ گرفت از نزاع ایشانم
یہود گفت بتوریت مے خورم سوگند — وگر دروغ بود ہمچو تو مسلمانم
بطیرہ گفت مسلماں کہ گر مقالت من — صحیح نیست خدایا جہود میرانم
گر از بسیط زمیں عقل منعدم گردد — بخود گماں نبرد ہیچکس کہ نادانم

میں اس اختلاف رائے کو بھی آیات اللہ میں سے خیال کرتا ہوں جیسے وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اختلافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ
ترجمہ تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا مختلف ہونا بھی اللہ کے آیات میں سے ہے۔ اور جب اختلاف رائے
آیت اللہ ٹھہرا تو اسکے مٹنے کا کبھی خیال بھی نہ کرنا۔ چنانچہ خدائے تعالی خود فرماتا ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَ النَّاسَ
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ترجمہ اگر چاہتا اللہ لوگوں کو ایک
طریق (دین) پر بناتا۔ (لیکن ایسا نہیں بنایا) وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے اور اسی واسطے اِن کو پیدا کیا ہے مگر
جن پر تیرا رب رحم کرے لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ صاف بتا رہا ہے کہ اختلاف مذاہب خلق انسان کی علت غائی ہے
اور منظور یہ ہے کہ لوگ اختلاف کریں اور خدا کو اُن لوگوں پر رحمت نازل کرنے کا موقع ملے جو صراط مستقیم
سے متزلزل نہوں۔ اگر عقل کو اسکی حد سے متجاوز ہونے دو اور اسکو وہیں تک مذہب میں دخل دو جہاں تک
اس کی رسائی ہو تو تم خدا کے بندے ہو۔ یقین کرکے مانناکہ جملہ مذاہب میں اسلام سب سے زیادہ محفوظ ہے بیشک
اسلام میں لوگوں کی غلط فہمی یا افراط تفریط یا تعصب کی وجہ سے بعض اوپری باتیں بھی داخل ہوگئی ہیں اور
کوئی مذہب ایسے تصرفات سے بچا ہوا نہیں۔ اور بہت سی باتیں ظاہر ہیں تو خلاف عقل معلوم ہوتی ہیں۔ مگر فی
الحقیقت ان میں مساغ عقل نہیں۔ لیکن تاہم اسلام کے اصول ایسے عمدہ اور معقول اور سلیس ہیں کہ کوئی دوسرا
مذہب اُن سے لگا نہیں کھاتا۔ دین کی ساری عمارت اس ایک ستون پر کھڑی ہے کہ خدا ایک ہے۔ جہاں کہیں اِس
ستون کو ڈگمگایا ہوا پاؤ۔ پس سمجھ لو کہ تمام عمارت بے بنیاد ہے عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ
ترجمہ ڈھینے والی کھائی کے کنارے پر پھر اسی کو لیکر گر پڑا دوزخ کی آگ میں۔ یہی ستون لڑکھڑا اُٹھا تھا۔
مشرک تو مشرک جن کو موحد ہونے کا دعوے تھا۔ جیسے یہود و نصاریٰ۔ انہوں نے بھی توحید کی مٹی پلید
کر رکھی تھی۔ اسی ستون کو محکم اور مضبوط اور استوار اور پائدار کرنے کے لئے پیغمبر آخر الزمان مبعوث ہوئے خدا
اور بندے میں باپ بیٹے کا رشتہ بھان متی کا تماشا ایک تین اور تین ایک جو از روے اصول ہندسہ بداہتہً
باطل وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ
قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ترجمہ اور یہود نے
کہا عزیر بیٹا اللہ کا اور نصاریٰ نے کہا مسیح بیٹا اللہ کا یہ باتیں کہتے ہیں اپنے مُنہ سے ریس کرنے لگے اگلے منکروں
کی بات کی مار ڈالے اِن کو اللہ کہاں سے پھیرے جاتے ہیں ٹھہرالتے ہیں اپنے عالم اور درویشوں کو خدا،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مضمون

جو مولانا مولوی حافظ محمد نذیر احمد خان صاحب نے مدرسہ طبیہ دہلی کے پہلے سالانہ جلسے میں پڑھا

تمہید

یہ پہلی سالگرہ مدرسہ طبیہ دہلی کی تھی اور ہندوستانیوں کے ابتدائی جوش شہور ہیں اُسکی مناسبت سے مجمع بھی تھا۔ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے اس مدرسے کی طرف شروع سے التفات فرمایا ہے اور حسب دستور میر مجلس تھے

میں بھی عجیب آدمی ہوں۔ جب مدرسہ طبیہ کی تجویز در پیش تھی تو بڑے زور سے اُس کا مؤید تھا۔ مدرسہ کھلا تو آیندہ کی کامیابی سے مایوس۔ اور آج جو مدرسے کی پہلی سالگرہ ہی حکیم محمد عبد المجید خان صاحب کو مبارکباد دینے کے لیئے موجود۔ بلا سے لوگ مجھ کو زود فربہ و زود لاغر اور میری رائے کو متزلزل سمجھیں مگر مدرسے کو ایسے ایسے اور اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر دھوم دھڑکے کے سینکڑوں ہزاروں سال گرہ میں نصیب ع این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد یہ تو ممکن ہی نہیں کہ مقلدوں کو عذر ہو۔ سب کے سب پکار کے آمین کہو۔ اگرچہ یہ مدرسہ بجالتہا الموجودہ ہمارے درد کی دوا نہیں اور ابھی برسوں ہمارے درد کی دوا نہیں ہو سکتا۔ خدا کرے یہ پیشین گوئی بھی ایسی ہی غلط ثابت ہو جیسی سالگرہ کی، مگر حکیم عبد المجید خان صاحب نے جو رپورٹ پڑھ کر سنائی میں اُسکو مدرسے کے حق میں فال نیک سمجھتا ہوں ع سال کہ نکوست از بہارش پیداست۔ الا پ یہ ہی تو راگ آپ سے آپ اچھا ہو گا۔ ایک برس اور ابھی پہلا کیا بٹھا رہتا ہی۔ کوئی مجھ جیسا بیچارہ ہمت ہارا ایسے اہم کام کا بیڑا اُٹھاتا تو ابھی تک منصوبے ہی باندھا کرتا۔ حکیم عبد المجید خاں

انگریزوں نے ہمکو بزور سیف زیر کیا۔ زوال سلطنت کی وجہ سے ہم لوگ مفلس و محتاج ہو گئے۔ لیکن یہ خیال محض غلط ہے انگریز ہم سے بزور شمشیر خراج لیتے نہ ہمکو مجبور کرتے ہیں کہ ان کی بنائی ہوئی چیزیں خواہی نخواہی استعمال کریں مگر یوں کہو کہ انگریز بزور ہنرمندی ہماری روزی چھینے چلے جاتے ہیں اسکا نتیجہ ہے کہ ہندوستانی سبھی چیزوں کو نقصان پہنچا یا اور شاید سب سے زیادہ طب کو۔ اگر اس مدرسے کی اغراض کامل طور پر پوری نہیں کی جائیں گی تو آیندہ عیسوی صدی کا پہلا ثلث یا غایت درجہ نصف نہ گزرنے پائے گا کہ طب یونانی کی وہی گت ہوگی۔ جو اسکی آپا وید کی کی ہوئی۔ نام معلوم مسمّٰی معدوم۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جن مصیبتوں سے ہم ہیں کہ اور اسی شہر کے سر سید احمد خاں نے علیگڈہ کالج کھڑا کیا اور کھڑا کیا کیا۔ بڑے میاں کے خیالات کے مطابق تو ابھی بالاخانے کا زینہ تک بھی درست نہیں بہرکیف ان مصیبتوں کو سر سید ہی کا جی جانتا ہوگا ہم ان مصیبتوں میں شریک نہیں ہوئے تو دیکھتے تو رہے ہیں۔ ان مصیبتوں کی وجہ سے میرا دل دھکڑ پکڑ کرتا تھا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ آج ساری ہندوستان میں حکیم عبدالمجید خاں صاحب کی طبابت کا طوطی بول رہا ہے۔ اور ضرورت بھی انھوں نے ایسی جنت پیدا کی ہے کہ دنیا کی دوسری تمام ضرورتیں اسی پر متفرع ہیں حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے اشارہ کرنے کی دیر ہے۔ روپے کے انبار لگ جائیں تو تعجب نہیں لیکن میں دیکھتا ہوں حکیم عبدالمجید خاں صاحب کو وہی سر سید کا سا رونا روتے ہوئے ھل من مزید ہائے چندہ ہائے روپیہ۔ لیکن برا ماننے کی بات نہیں فراہمی چندہ میں حکیم صاحب نے سرگرمی تو کی مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی ✤ اسی سے کہ سالانہ رپورٹ میں دکھڑا رو دیا۔ اکمل الاخبار میں کبھی کبھار چند سطریں لکھ ماریں یا کسی تقریب سے کہیں جانے کا اتفاق ہوا اور ضمناً مدرسے کا مذکور کر دیا۔ چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔ ان بوسیدہ پیام تدبیروں سے تو نہ چندہ ملا ہے نہ ملے گا۔ صاحب۔ سر سید احمد خاں کی طرح گلے میں فقیروں کی سی جھولی لٹکاؤ کوڑی کوڑی کو کان مانگو امیروں کی ڈیوڑھیوں پر دھرنا دو تھیٹروں میں کھڑے ہو کر ناچو گاؤ۔ سوانگ بھرو لوگوں سے مکار طماع اور بہت سی بے نقط سنو اور خبر نہو۔ اپنی ساری طاقت ساری فرصت ساری عافیت ساری دولت ساری عزت غرض ساری دنیا کو وقف مدرسہ کر دو تب بانی مدرسہ ہونے کا نام لو۔ پھر حکیم عبدالمجید خاں صاحب کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں مسلمان ہنوز قوم کے شریک ہوئے اور نہ ہوں۔ یہ ایک فیصل شدہ بات ہے پس تمام کوشش محدود ہوگی مسلمانوں میں جو من حیث القوم خود فاقہ مست ہیں ۔ چاہیئے ہیں نقد وافر طب کے فن کے واسطے ✤ ہم قلندریاں نہیں کوڑی کفن کے واسطے ✤ ذری شعر کے فلسفے کو ملاحظہ فرمائیگا اصل میں تو شیخ ابراہیم ذوق کا مطلع ہے ۔ چاہیئے زر ان بتانِ سیم تن کے واسطے ✤ ہم قلندریاں نہیں کوڑی کفن کے واسطے ✤ بندے نے ستر کیا ہے اقراری مجرم ہوں مگر کوئی سزا نہیں دے سکتا۔ غرض مسلمان مفلسی سے زرد لینا ہے پھول والوں کی سیر کے لیئے نہیں۔ سلطان جی[1] کی سترھویں کے لیئے نہیں۔ میلہ باغ بہاری کے لیئے نہیں۔

[1] سلطان جی یعنی سلطان المشائخ نظام الدین اولیا [illegible] دہلی میں ہے ان کے مزار پر ہر سال سترھویں رجب کو عرس ہوتا ہے اس وجہ سے سترھویں مشہور ہے ۱۲

کشتیوں کے اٹھانے کے لیے نہیں کہ ایسی صورتوں کے لیے ہماری قوم کے بے فکرے مسرف ناعاقبت اندیش مفت
عوام کر کے کچھ پچھوڑے بھی گذرتے۔ بلکہ عامۂ خلائق کی جان اور تندرستی کی حفاظت کے لیے مسلمانوں میں سر بکف تو بہتیرے نکلینگے
خاص کر گروہ غیر مقلدین میں مگر زر بکف کوئی ایسا ہی اللہ کا ولی ہو تو ہو۔ گر جان طلبی مضایقہ نیست + زر می طلبی سخن درین
نیست۔ مدرسے کے پراسپکٹس کو دیکھو کہ کیسے مدرسے کی ضرورت ہی اور کس قسم کا مدرسہ ہر زمانے میں چل سکتا ہی طبیبوں کو دواشناس دوا
ساز بنانا ہی۔ تشریح سکھانی ہی وید کی ڈاکٹری طب یونانی کو ملا جلا کر نئی طب بنا کر اسکو رواج دینا ہی۔ یہ باتیں منہ سے کہہ دینی
آسان ہیں کر دکھانا تو خیر میں کہتا ہوں ایسا حوصلہ کرنا بھی حکیم عبد المجید خان صاحب ہی کا کام تھا ابھی تک تمہارا مدرسہ مثل تیسا
نیست کہ وہی پرانے ڈھرے پر چلنے والا طب یونانی کا سکول منشی لیکچرآف سکول ہی۔ وہ تو حسن اتفاق سے چند باتیں جمع ہو گئیں
حکیم عبد المجید خان صاحب پہلی درس طب دیتے تھے۔ شاگردوں کی حیثیت بدل دی تینوں بھائی بے تنخواہ کے نوکر مدرس ہیں نواب
صاحب وہ جانا تاہم رسی سامانِ کافی متکفل مصارف ہے بعض بزرگانِ قوم نے خدا اُن کو جزائے خیر دے ماہوار وظیفے مقرر کر دیے اتنی
باتیں جمع ہو جانے سے تو آج یہ چند صورتیں جلسۂ سالانہ کی تقریب سے فراہم ہو گئیں ورنہ جو ہم کرنا چاہتے ہیں اور جو ہمکو کرنا چاہیے
اس کا تو ابھی شمہ بھی نہیں خیر یہ تو ناامیدی کی سی باتیں ہیں مگر۔ بلبلا مژدۂ بہار بیار + خبر بد بوم باز گذار + ہمت
بڑھانے والی جرأت دلانے والی رودادیہ ہی کہ ریاست رامپور نے جسکی فیاضی خیرات و مبرات میں معروف مشہور ہی پچھتر روپے ماہانہ
مقرر کر دیا ہے۔ اسی طرح خان بہادر حافظ عبد الکریم صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ رئیس میرٹھ نے تین سو روپیہ سالانہ اور ڈونیشن یعنی
یکمشت چندہ ایک ہزار وصول ہو چکا ہی۔ یہ تو موجود ہی اور اسی کے قریب وہ ہی جو موعود ہی۔ مدرسے کی بڑی بہت بڑی
خوش قسمتی یہ ہی کہ اسکی ولادت اپرس کوئین وکٹوریا کی ولادت باسعادت کے روز ہمایوں سے اتنی تھوڑی فصل کے بعد واقع
ہوئی ہی کہ اثر یمن و برکت کا اس تک پہنچنا یقینی ہی۔ ہمارے ضلع کے حاکم اکبر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اس مدرسے کی طرف اس قدر ملتفت
ہیں کہ دوسرا جلسہ اس مدرسے کا ہوا اور دونوں جلسوں کو اُنہوں نے تشریف آوری سے مشرف فرمایا ہی غالباً صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اس
مدرسے کو کار خیر اور مفید عامۂ خلائق سمجھ کر شریک ہوتے ہوں گے۔ مگر میں اِن پر ظاہر کیے دیتا ہوں کہ ایسا کرنے سے نہ صرف مدرسے کو بے
انتہا فائدہ پہنچا اور پہنچنے کی امید ہی بلکہ مسلمانوں کے دل اِن کے اخلاق کے گرویدہ ہو گئے ہیں اور یہی وہ بڑا اصلاح ہی جو ان جیسا نیک
دل حاکم حاصل کر سکتا ہی۔ اب میں اپنی گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ بات یہ ہی کہ جبتک مدرسے کی حالت میری خیال کے مطابق اور نہ صرف میرے
خیال کے بلکہ اُس توقع کے مطابق جو پراسپکٹس میں دلائی گئی درست نہو۔ مجھ سے خوب جی کھول کر بات نہیں کی جاتی مدرسے کو حد
موضوع لہ تک پہنچانے کی آپ کوشش کرو اور اوروں کو توجہ دلاؤ پھر لکچر تو گھر کی کھیتی ہی کتنے لکچر سنو گے یار۔ باقی صحبت باقی +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سپیچ جناب مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب

جو جناب ممدوح نے مدرسہ طبیہ دھلی کے

دوسرے سالانہ جلسے میں دی

سپیچ

اب کے سال ارادہ تھا کہ کوئی شگفتہ سا لکچر دوں گا لیکن ع خوئے بد را بہانہ ہا بسیار۔ جوں ہی لکچر کا قصد کیا کہ یاد آگئی جنرل اعظم الدین خاں صاحب کی افسوسناک خوفناک اور بے ہنگام موت۔ میں نے رسم دنیا کے مطابق جنرل اعظم الدین خاں کی موت کو بے ہنگام موت کہا۔ ورنہ کوئی موت بے ہنگام یعنے قبل الوقت یا بعد الوقت ہو ہی نہیں سکتی اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۔ وعدے سے دم زیادہ نہ کم۔ اور اگر کسی موت کو بے ہنگام کہا جا سکتا ہے۔ تو بڑی کثرت سے قبل الوقت کی موتیں وہ ہیں جو شاید طب یونانی نہیں بلکہ یونانی طبیبوں کے ہاتھوں سے ہوتی ہیں اور جن کی تعداد کے گھٹانے بلکہ ہو سکے تو بالکل روک دینے کے لئے حکیم عبد المجید خاں صاحب نے اس مدرسے کا ڈول ڈالا ہے۔ بے مشقی بھی کیا بری چیز ہے۔ دو منٹ بات کرتے نہیں گزرے کہ میں لین سے باہر ہو گیا۔ اور تسلسل سخن کے لیئے پھر اعادہ کرنا پڑا کہ میں نے امسال کوئی شگفتہ سا لکچر دینے کا ارادہ کیا۔ یاد آگئی جنرل اعظم الدین خاں کی موت۔ نہیں ہو سکتا کہ مدرسہ طبیہ کے جلسہ سالانہ میں لکچر

دعاں اور اُنکے بڑے حامی اور مددگار اور سرپرست اور کیا اور کیا کے انہیں سال مرنے اور ہاے جانے کا نہ
سنکر میں اوسنہ کور کروں تو نہیں ہو سکتا کہ بیان میں شوخی اور شگفتگی کو نباہوں - میرے اور جنرل اعظم الدین خاں کے
درمیان کبھی کوئی غرض مشترک نہیں رہی - میں نے اُن کو اسی جگہ دیکھا اور وہ دیکھنا ہو الاول والآخر تھا یعنے
فی عمری[۱] وعمرہ ایک بار - تاہم میں اُن کی وفات پر اظہار افسوس کرتا ہوں - اولاً بلحاظ ہمدردی انسانی - ثانیاً بلحاظ
اخوۃ اسلامی ثالثاً بتقاضاے سرپرستی مدرسہ - ہم لوگوں نے جنرل صاحب کو اپنی کمیٹی کا پیٹرن[۲] بنانا چاہا جب کہ
اُنھوں نے غالباً ہضماً للنفس[۳] منظور نکیا - ورنہ آج ہمکو دوسرے پیٹرن کی تلاش ہوتی - اور وہ کون ہوتا؟ یہی فقیر
کیونکہ جب کچھ کرنا نہیں اور کہنے کا سلیقہ نہیں اور حوصلہ بھی نہیں تو جیسا پیٹرن ویسا ممبر ویسا سکرٹری ویسا
اوری تھنگ (سب کچھ) ویسا نتھنگ (کچھ نہیں) - جو کچھ ریاست رام پور سے ملتا ہے اور میں اپنے مونہ سے
کیوں کہوں کہ کیا ملتا ہے کیونکہ شعر فہمی عالم بالا معلوم ابھی مقدار بتا دوں تو کوئی چودھویں صدی کا سخی کچھ
دیتا بھی تو دیتے دیتے دست کش ہو جائے کہ او ہو ایک جگہ سے اسقدر بندھا ہوا آمدنی ہے اور چاہئیے کیا - اس میں
تو نہ صرف مدرسہ چل سکتا ہے بلکہ عبدالمجید خاں اور اُنکے خاندان کو مطبخ کی ضرورت نہیں اسلیئے کہ عبدالمجید خاں
سکرٹری ہیں - سید ہادی حسین خاں صاحب کو پنشن کی حاجت نہیں کیونکہ پریزیڈنٹ ہیں - بہر کیف ریاست
رام پور سے جو کچھ ملتا ہے عطیۂ ریاست ہی اور سچ تو یہ ہے کہ مجھکو ٹھیک یاد بھی نہیں کہ کس قدر ملتا ہی - یہ میری
معلومات ہیں اور میں ممبر ہوں - میں نہ صرف مدرسۂ طبیۂ کی طرف سے غافل ہوں بلکہ شامت اعمال سے علی گڈہ کالج
کا بھی ٹرسٹی[۴] ہوں اور وہاں بھی میری یہی بلکہ اس سے بدتر کیفیت ہی جس کی پاداش میں سید احمد خاں حنا
میری جان کو کوستے تو بجا تھا اور اُنھوں نے کوسا ہوتا تو اب تک میں کبھی کا مر گیا ہوتا مگر اُنہیں اسلیئے کہ لا
نے کوسا نہیں اسلیئے کہ کسی مسلمان کو کوسنا گو وہ نیچری نہ ہو اُن کی شان سے نہایت بعید ہی - غرض ریاست
رام پور سے جو کچھ ملتا ہے عطیۂ ریاست ہی مگر من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ[۵] ہم اسکو احسان مندی کے ساتھ
مرحوم جنرل کی مہربانی کی طرف منسوب اور ان کی وفات کا ماتم کرتے ہیں - اگر خدا کو مدرسے کا چلانا منظور
ہی تو ہماری تقدیر کا کوئی دوسرا جنرل اعظم الدین خاں بلکہ شاید مارشل[۶] اعظم الدین خاں پیدا ہو جائے گا ۔
نخواہد ایں چمن از سرو و لالہ خالی ماند * یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید * لیکن ہمارے مدرسے کی امداد و اعانت

۱؎ اپنی زندگی میں اور ان کی زندگی میں ۱۲ ۲؎ سرپرست ۱۲ ۳؎ بوجہ نفس ۱۲ ۴؎ امانت دار ۱۲ ۵؎ جو آدمیوں کا شکر گزار نہیں
ہوتا وہ خدا کا کب شکر گزار ہوگا ۱۲ ۶؎ یہ وہ عہدہ ہے جو جنرل سے بھی بڑا ہوتا ہے ۱۲

سکے اعتبار سے السابقون الاولون میں تھے قطعہ فلو قبل مبکاھا بکیت صبابۃ + لسعدی شفیت النفس
قبل التندم + ولکن بکت قبلی فھیج لی البکا + بکاھا فقلت الفضل للمتقدم + غرض انکی فضیلت ان ہی کے ساتھ
خاص تھی اور وہ ہماری شکرگزاری کا لائنز شیر لے گئے جسکے وہ مستحق تھے۔ کیا مشکل ہی اُن لوگوں سے بات
کرنا جو اتنی انگریزی بھی نہیں جانتے جتنی کہ میں۔ اب تمکو لائنز شیر کے معنے سمجھاتا پھروں۔ لائنز شیر کے معنی ہیں
شیر کا شیر یعنے حصہ۔ مبتدی بچوں کے پڑھنے کی انگریزی کتابیں ریڈر کہلاتی ہیں اُن میں یہ مشہور حکایت چلی
آتی ہی کہ ایک بار چار جانوروں نے شکار میں ساجھا کیا۔ چار جانوروں میں دو تو مشہوری شکاری ہیں۔ شیر اور بھیڑیا
لومڑی اگرچہ شکاری نہیں ہی لیکن چونکہ شکار کی پس خوردہ خوار ہی۔ عجب نہیں اسنے بھی ساجھا کیا ہو۔ چوتھا
جانور۔ چوں بار ہے بردِ عزیز ست + ہرگز شکاری نہیں اور مجھکو صاف طور پر اُسکا نام لینے میں تامل ہی کیونکہ
حسن ظن بزرگان معلوم۔ اُسکا نام لیتے وقت جس سے آنکھیں چار ہوں گی وُہی بُرا مانے گا کہ مجھ پر آوازہ کسا
لیکن حکایت کو تو پورا کرنا ہی۔ چوتھے شریک کا نام لیئے بدون بن نہیں پڑتی۔ تو میں اپنی آنکھیں ڈھانک کر
کہتا ہوں کہ وہ چوتھا شریک خا گدھا۔ شرط شرکت یہ تھی کہ چاروں ملکر شکار کریں اور برابر بانٹ لیں۔ کسی
جانور کو مارا اور بھیڑیے نے برابر کے چار حصے لگائے۔ سب شرکا نے شیر کو اختیار دیا کہ جو حصہ چاہے لے۔ شیر
نے کہا کہ ایک حصہ تو میں اس دعوی سے لیتا ہوں کہ جنگل کا بادشاہ ہوں اور زیادہ نہیں تو جنگل کے محاصل سے
ایک ربع خراج مجھکو ملنا چاہیئے۔ دوسرا حصہ ازروے عہد و پیمان شرکت میرا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کر سکتا
تیسرا حصہ میں چھوڑ نہیں سکتا کیونکہ اس میں دل اور جگر ہی جو خاص میری غذا ہی۔ رہا چوتھا حصہ تو حصہ ایک اور حق دار
تین تو یہ بڑی مشکل تقسیم ہو۔ سب سے زیادہ آسان بات یہ ہی کہ وہ بھی میں ہی لوں۔ غرض شیر چاروں حصے چٹ
کر گیا۔ اور تینوں ساجھی مونہہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ تو میں نے جو کہا تھا کہ جنرل اعظم الدین خاں ہماری شکرگزاری
کا لائنز شیر لے گئے۔ اشارہ تھا اسی حکایت کی طرف۔ خدا نے دنیا ایسی جگہہ بنائی ہی کہ یہاں ملائم اور نا ملائم سبھی
طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ مگر یہ چرخہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ بازار میں لڑکے ایک غزل گاتے پھرتے
ہیں اُسکا مطلع تو پھوہڑسا ہی مگر اُسکا مطلب وہی ہی جو میں کہنا چاہتا ہوں ۵ دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز نہ کم

۵ شاعر فاختہ کو ایک عاشق قرار دے کر کہتا ہے کہ جس طرح وہ عشق سرو میں روتی ہے۔ اگر میں اپنے معشوق سعدی کے
عشق میں روتا تو میرے دل کو تسلی ہوتی لیکن اب مجھ کو ندامت ہے کہ وہ مجھ سے پہلے سے روتی ہے اور اسکے رونے سے
مجھکو بھی تحریک رونے کی ہوتی ہی تو مجھ کو اُس کی فضیلت ماننی پڑتی ہے کیونکہ وہ موجد ہی اور میں مقلد ۔

ہوں گے + جلسے ہی ہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے + اسی قبیل سے ہے یہ جلسہ۔ پس اس جلسے کے ہونے کی
خوشی ہے تو اسیقدر کہ افتتاح مدرسے پر ایک برس اندر گزر گیا۔ لوگوں کے تعلقات مدرسے کے ساتھ مختلف طور کے
ہیں جیسا جیسا تعلق ویسے اسکی خوشی۔ ایک تعلق تو تماشائیوں کا ہے کہ حکیم عبد المجید خاں نے بلاوے کا رقعہ بھیجا
بعض مفت کرم داشتن کے طور پر۔ بعض حکیم صاحب کی مروت سے اور بعض تفریح کی غرض سے آموجود ہوئے۔ دیکھا کہ
چند بھلے آدمی جمع ہیں۔ مکان کی آراستگی۔ مہمانوں کی آؤ بھگت اور محفل کی ترتیب۔ سب باتیں ویسی ہی ہیں
بلکہ اُس سے کہیں بہتر جیسے خوشی کے جلسوں میں ہوا کرتی ہیں۔ سوائے اسکے کہ ایک بوڑھا کھڑا لکچر دے رہا
ہو۔ نہ ناچنا نہ اسکو ناچنا آتا۔ نہ گانا نہ اسکو گانا آتا نہ بتانا نہ اسکو بتانا آتا۔ مگر خدا نے اُسکو گویائی دی ہے جسکے
ذریعے سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا۔ آپ یہ نہ خیال کیجیے گا کہ میں اپنی مدح کرتا ہوں۔ زمان حال کی شائستگی
کی رو سے ناچنا۔ گانا۔ بتانا۔ داخل ہنر و آداب تمدن ہے۔ کہتے ہیں کہ رونا اور گانا کس کو
نہیں آتا۔ یہاں گانے سے وہ گانا مراد ہے جو اصول کے ساتھ ہو۔ ورنہ یوں تنہائی
میں کبھی مزے میں ہوتا ہوں تو میں بھی گنگنایا کرتا ہوں۔ غرض جلسے کی پوری خوشی تو اُن لوگوں کا حصہ ہے جو
صرف تماشا دیکھنے کے لیئے تشریف لائے ہیں۔ اب رہی ادھوری خوشی اُس میں کئی حصے دار ہیں سب سے اول
ہمارے سکرٹری صاحب حکیم عبد المجید خاں فن طب کی خیر خواہی اور ذاتی شوق کے جوش میں آکر مدرسے کا بیڑا تو اُٹھا بیٹھے۔ اب
لگیں دقتیں پیش آنے کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا۔ مدرسے کے خبط سے پہلے (حکیم صاحب مجھکو معاف
کریں کیونکہ میں خبط کو بُرے معنوں میں استعمال نہیں کرتا بلکہ میری مراد ہے عشق والعشق نوع من الجنون و الجنون
انواع) عبد المجید خاں کیا من حیث الفن اور کیا من حیث التعزز مرجع خلائق تھے اور اب بھی ہیں۔ مگر ظاہر بین لوگوں
کی نظر میں اُس میں ذرا سا دھبہ آگیا ہے کہ چندے کے لیئے کرنال۔ میرٹھ۔ علی گڈھ پٹنہ تک کے دھاوے مارتے ہیں اور
ابھی کیا معلوم یہ مدرسہ اُن کو کہاں کہاں کا آب و دانہ کھلاتے گا کس کس کی خوشامد کرائے گا۔ اور کس کس سے کیا کیا
سنوائے گا۔ میں نے اپنے کانوں ایک شخص کو کہتے سُنا کہ طبابت کی کچھ عزت تو فلاں مرحوم نے آنریری مجسٹریٹی
کر کے کھوئی تھی رہی سہی مدرسہ کھول کر عبد المجید خاں نے ڈبوئی۔ اللہ اللہ آدمی آدمی ہا ایک اور خیالات کا اسقدر
اختلاف شعر بر خیالے صلح شان و جنگ شان + بر خیالے نام شان و ننگ شان + ایک تو یہ ہیں کہ گرتی ہوئی
دیوار کو تھونی لگانے ڈوبتی ہوئی ناو کو سنبھالتی۔ قوم سے اس کا ڈیوٹی ادا کرلینے یعنی مدرسہ طبیہ کے قائم کرنے
کو وہن طبابت خیال کرتے ہیں اور ایک وہ ہیں کہ سر جان سٹریچی لفٹننٹ گورنر ممالک شمالی و مغربی نے علیگڈھ کالج

اعین لا یبصرون بہا و لہم اذان لا یسمعون بہا اولئک کالانعام بل ہم اضل اولئک ہم الغافلون - قوم کو اپنی مجموعی قوت مجموعی طاقت مجموعی استطاعت تک کی خبر نہیں - اس واسطے کہ مجموعیت ہی باقی نہیں - قوم نہیں جانتی کہ وہی سب کچھ اور اسی میں سب کچھ ہے - ہیچ دل خدا اور خدا دل ہیچ - قطعہ دوست نزدیک تر از من بمن است وین عجب تر کہ من از وے دورم * چکنم باکہ تواں گفت کہ او * در کنار من و من مہجورم * دلوں میں یہ بات بیٹھتی ہی نہیں کہ وہ زمانہ آگیا ہے کہ کوئی چیز ناممکن اور محال نہیں ہے مگر کرنے والوں کو - نہ ہم جیسے کاہلوں اور خود غرضوں کو کہ جس کو دیکھو اپنی ہی ہنڈیا کی خیر منا رہا ہے - فکر ہر کس بقدر ہمت اوست - اُسکے نزدیک تو دنیا عبارت ہے اُسی کی ذاتِ خاص اور اُس کے معدودے چند لواحق سے - وہ اس تعلق ہی سے آگاہ نہیں جو خدائے تعالیٰ نے افرادِ قوم میں رکھا ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہنچانا عین اپنے تئیں فائدہ پہنچانا ہے - کتنے ہیں جنھوں نے مدرسۂ طبیہ کی ضرورت کو صمیم قلب سے تسلیم کیا - مونہہ سے کہنے کو سب اور واقع میں میرے نزدیک ہزار میں ایک نہیں آدھا نہیں - تہائی نہیں چوتھائی نہیں - کسور عام نہیں - اعشاری نہیں - اگر کسور عام اور اعشاری کا فرق معلوم ہے تو خیر ورنہ ایک شخص کا نشان دیتا ہوں - جن سے بہتر ہمارے شہر میں اس مسئلہ کو کوئی نہیں جانتا - وہ میرے اُس زمانے کے دوست ہیں جیسا سعدی نے کہا ہے "در ایام جوانی چناں کہ افتد و دانی" - وہ کون ہیں شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب - خیر تو مطلب یہ ہے کہ سرے سے مدرسۂ طبیہ کی ضرورت ہی تسلیم نہیں - جلسوں میں شریک ہو جانے اور ممبروں کی فہرست میں نام لکھوا لینے کا بندہ قائل نہیں - قومی خیالات کو ہم سے بہتر کوئی کیا سمجھے گا - مدرسے کے بارے میں عام خیالات تو یہ ہیں کہ عبد المجید خاں نے اپنی ناموری کے لیئے سارا منصوبہ سوچا ہے - بعض بعض بدنفس یہ بھی کہتے ہیں کہ اس حیلے سے لوگوں کو لوٹنا مقصود ہے کیا عبد المجید خاں نہیں جانتے کہ یہ اور اس سے بھی بُری بُری بدگمانیاں اس شہر میں اُن کی نسبت ہو رہی ہیں اور بڑی شناخت ان خیالات کی یہ ہے کہ اسوقت تک کوئی متنفس کمر باندھ کر اُن کی امداد کے لیئے کھڑا نہیں ہوا - جس نے جو کچھ کیا وہ متفرع ہے عبد المجید خاں کی وجاہت پر اور بس - عبد المجید خاں کے بھائیوں کے علاوہ [1] کار برادر زبرادر نکوست * بہ زبرادر بتواں یافت دوست * - شہر کا کوئی طبیب ان کے ساتھ ہے؟ نہیں - ایک پیسہ چندے کا ایسا آیا - الا ماشاء اللہ جس میں عبد المجید خاں کی ذاتی انفلوئنس کو دخل نہو؟ نہیں - اس کام کی اہمیت کی نظر سے جو سرگرمی پبلک

[1] خلوص عمل ۱۲ [2] اقتدار ۱۲ [3] عزت ۱۲

میں ہونی چاہیئے اُس کا عشر عشیر بھی وقوع میں آیا ؟ نہیں۔ تو ایسی تعداد پر عبدالمجید خاں کو کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ
اور اسی جلسے میں نے اُن کو باوجودیکہ مدرسے کی ہمدرد دوست اور بہی خواہ دوست ہیں ادھوری خوشی کرنے والوں میں گنا
طالب العلموں میں جنھوں نے انعام پائے بلکہ جنھوں نے نری شاباش پائی وہ بھی اس جلسے کی خوشی
کرنے والوں میں سے ہیں۔ لیکن اے طالب العلمو ! تم کو سمجھنا چاہیئے کہ اگر تم مدرسے سے سند فراغ لیکر نکلے بھی
اور خدا کرے کہ کہیں جلد نکلو (کیا تم ڈرے کہ میں تمکو بددعا دیتا ہوں ؟ نہیں نہیں حاشا و کلا۔ نکلو اور کامیابی کے
ساتھ نکلو) تاہم اس سے زیادہ سخت مرحلہ تمکو درپیش آنے والا ہے۔ وہ کیا اُن لوگوں کے دلوں میں اعتماد اور اعتبار
پیدا کرنا جن کو تم یہاں سے نکلکر اپنی معلومات طبیہ کا تختۂ مشق بناؤ گے۔ سو وہ اعتماد اور اعتبار اِس سے تو
نہیں پیدا ہوگا کہ تم اپنے تئیں سمجھو کہ ہم منزل علم طے کر چکے ہیں اور ہمکو صرف عمل کرنا باقی ہے۔ میں کہتا ہوں اور
میری اِس نصیحت کو یاد رکھنا یہ نصیحت کسی طبیب کی نہیں ہے۔ مگر ایک زمانہ دیدہ تجربہ کار کی ہے اور تم نے سُنا
ہوگا پیش طبیب مرو پیش تجربہ کار برو۔ کہ تمہاری طالب العلمی اُس وقت سے شروع ہوگی جب تم مستقل مطب لیکر بیٹھیگے
اُس وقت تک تم میں اور واقعی طبیب میں ایسا فرق رہیگا۔ جیسا ایک شاطر اور جنرل میں۔ شاطر کے پاس بادشاہ اور
وزیر اور اسپ و فیل اور پیادے سب فرضی لشکر ہے۔ اور جنرل کے پاس سچ مچ کے سپاہی۔ تم خیال کرسکتے ہو کہ شاطر
کی ہار جیت کو جنرل کی ہار جیت سے کیا مناسبت ہے؟ یوں سمجھو کہ اب تمہارے سامنے ایک کتابی بیمار ہے مفروض
جس کا تم علاج کر رہے ہو اور مطب سے تمکو ایک واقعی بیمار سے کام پڑے گا۔ جس کی تکلیف تم سے دیکھی نہیں جائیگی
بیمار اور بیمار دار تم کو چین لینے نہیں دینگے۔ وہ وقت ہوگا اصلی غور کرنے اور طبیعت پر بوجھ دینے اور معلومات
مدرسہ سے مدد لینے کا۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ جس زمانے میں یونانی طب کی تدوین ہوئی تھی تب سے اب تک کیسے کیسے
انقلاب واقع ہوئے ہیں آب و ہوا میں۔ لوگوں کی غذا میں طرز و عادات میں۔ دواؤں کی تاثیرات میں نباتات
میں حیوانات میں۔ ہر چیز کے مزاج میں۔ انقلابات کے علاوہ ہزاروں نئی دوائیں قرابادین میں بڑھ گئی ہیں تشریح
کی تحقیقات نے بے مبالغہ بال کی کھال نکالکر رکھ دی اور کیمیا نے اس قدر ترقی کی ہے کہ اُسکے فائدوں کے آگے کیمیائے
متعارف بے قدر محض ہوگئی ہے۔ وہ وہ آلات ایجاد ہوئے ہیں کہ اُنکے ذریعے سے جو تصرف چاہیں کرسکتے ہیں آبا و اجداد
کے سے طبعی خیالات کے بمقابلہ تم کو طبابت کرنی پڑے گی ان اختلافات اور انقلابات کے لحاظ سے اور وہ
کچھ آسان کام نہیں۔ اگر تم سلیقے سے طبابت کروگے اور تحقیقات اور تجربات کا سلسلہ جاری رکھوگے اور نتیجہ
تحقیقات کو اپنے ساتھ قبر میں نہیں لیجانا چاہوگے تو تم طب کو اس قابل کروگے کہ وہ کچھ دن سنبھلی رہے اور وقعت

میں یہی اصول ہے اس مدرسے کے قائم کرنے کا اور اگر تم وہی پرانی لکیر پیٹتے رہے تو سمجھا جائے گا کہ نہ تو مدرسے
کی تعلیم سے مستفید ہوئے اور نہ تم نے مدرسے کا حق ادا کیا۔ ازبرائے خدا زمانے کا رنگ دیکھو کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا ہے
اور کیا ہوتا چلا جاتا ہے۔ تم نے وہ فن اختیار کیا ہے جو پہلے نہایت مشکل تھا اور اب تمہارے لیے اور زیادہ مشکل ہو گیا ہے
طب حضیض ظنیت سے اوج یقینیت کی طرف ترقی کرتی چلی جا رہی ہے۔ اب اپنے منہ میاں مٹھو بننے سے کام نہیں چلے گا
والذی نفسی بیدہٖ نہیں چلے گا۔ ہمارے سارے دنیاوی علوم وفنون اور حرفت و صنعت انگریزی تفتیش و تلاش
کے مقابلے میں ع ہیچ پیش آفتاب تموز ہو گئے۔ کوئی کام باریک سے باریک اور موٹے سے موٹا اور نازک سے
نازک اور بھدے سے بھدا اور مشکل سے مشکل اور آسان سے آسان اہل یورپ کا دیسی کام سے ملا کر دیکھو دونوں میں
فرق پاؤگے۔ رکاب دار اور بھٹیاری کا کلاونت اور عطائی کا حکیم عبد المجید خاں کے نسخے اور میرے نسخے کا (مگر خدا
نخواستہ کہ میں ان کی طرح کسی بندۂ خدا کی جان پر ہاتھ ڈالوں) طب کا پڑھ لینا آسان ہے لیکن طب انگریزی کے مقابلے
میں سنبھالنا اسکو رونق دینا لوگوں کے دلوں سے اسکے اعتبار کو گھٹنے نہ دینا جب کرکے دکھاؤگے تو حقیقت کھلے گی
میرا دل جولونی کی دیوار کی طرح بیٹھا چلا جاتا ہے اسکا سبب یہی ہے کہ صرف تمہارے کرنے کا کام نہیں تم کرنے پر
آمادہ اور قوم مدد دینے پر طیار ہو تب کہیں جا کر کوئی صورت نکلے تو نکلے۔ تو صاحبان نہ نو من تیل ہوگا
نہ رادھا ناچے گی۔ میں نے اس جلسے کی پوری ادھوری خوشی کرنے والوں کو گنوایا تو میں اپنے تئیں کیوں
خارج رکھوں۔ میں اسکی ضرور قدر کرتا ہوں اور اسی قدر خوش بھی ہوں کہ یہی طب یونانی کی تعلیم جو محض بے
قاعدے اور بے سلسلے تھی اور اب بھی جا بجا ہے اس مدرسے کے جاری ہونے سے باقاعدہ اور منتظم طور پر ہونے
لگی ہے جس کا نتیجہ رفتہ رفتہ یہ ہوگا کہ کوئی شخص دعوائے طبابت نہ کر سکے گا صرف اس بنیاد پر کہ وہ طبیب زادہ ہے
اس نے اپنے طور پر کتابیں پڑھی ہیں وہ کسی کے مطب میں نسخہ نویسی کرتا رہا ہے یا اس نے عطاری کی ہے
یا اس کو فقیروں سے مجرب نسخے پہونچے ہیں یا کسی طبیب کی بیاض اسکے ہاتھ آگئی ہے۔ درس کو باقاعدہ
اور منتظم کر دینا یہ بھی طب یونانی کی تاریخ میں پہلی بات اور حکیم عبد المجید خاں کی ایجاد ہے جسکے لیئے وہ ہمارے
اعلےٰ درجے کی مدح اور شکر گزاری اور ملکی امداد کے مستحق ہیں۔ حکیم صاحب نے جو پرانے فیشن کا سکول جاری
کر دیا ہے (اور پرانے فیشن کے سکول کے سوا ہم میں اسکو کچھ اور کہہ بھی نہیں سکتا) اس سے یہ خیال کرنا
غلطی ہے کہ جو کچھ کر سکتے تھے کر چکے اگر کالج کے قدر چندہ جمع کرنے کا انتظار کرتے تو جس قدر چندہ اب فراہم ہوا
ہے۔ اتنا بھی نہ ہوتا۔ پس یہ واقعی سکول خیالی کالج کے حق میں چڑیمار کے ملا کا کام دے رہا ہے لیکن میرے

کانوں میں ۔ بج رہے ہیں وہ لفظ جو عبد المجید خاں نے مدرسے کے جاری کرتے وقت علی رؤس الاشہاد
سن جمہور العباد کہے تھے کہ یہاں دواسازی اور تشریح بھی سکھائی جائے گی اور یونانی اور انگریزی لوروید کی
طبابتوں سے بقاعدہ خذ ما صفا ع دع ما کدر کہ باشد اختیار کرلی جائے گی۔ سوابھی تک ان چیزوں
کا کہیں پتا نہیں۔ مجھ کو ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ ہنوز دلی دور خیالی کالج کو واقعی کر دکھانے کے لیئے عمریں
چاہئیں۔ ابھی تک دواسازی کی جگہ زمانہ سازی ہو رہی ہے کیا کریں زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز۔ مردہ دل
تو دکھائی بھی دیتے ہیں۔ لیکن تشریح کے لیئے کوئی مردہ نظر نہیں آتا۔ خدا جانے کن وقتوں کی ہڈیوں کا ایک
ڈھانچ رکھا ہے اگر سامنے لایا جائے تو سب سے پہلا شخص جس کی مارے ڈر کے گھگی بندھ جائے میں ہوں۔ غدر
دنوں میں فصیل قلعہ پر توپیں چڑھائی گئیں تو شاہزادے جمع ہو کر حضور میں گئے اور عرض کیا اگر توپیں چھوڑی
جائیں گی تو خانہ زاد دہل کر مر جائیں گے۔ چنانچہ حضور نے ممانعت کردی۔ یہ اُن لوگوں کی بہادری تھی جنہوں نے انگریزوں کے
مقابلے میں علم بغاوت بلند کیا تھا تو اگر ڈھانچ دیکھ کر میری گھگی بندھ جائے تو ہمیں تعجب کیا ہے۔ لیکن اس سے مجھ کو
ڈرپوک مت سمجھ لینا۔ میں اس زمانے کے بہادروں میں نہیں تو بزدلوں میں بھی نہیں۔ بہادری کا سٹینڈرڈ ہی
گھٹ گیا ہو تو میں کیا کروں۔ بہادری ایک صفت اکتسابی ہے۔ آدمی خطرات میں ہی اُسکو حملہ و مدافعت کی ضرورت
واقع ہو بہادر ہو سکتا ہے۔ ہم کیا خاک بہادر ہونگے۔ امن میں پیدا ہوئے امن میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور انشاء اللہ
امن میں رہیں گے ساری عمر کبھی بندوق نہیں چھوڑی تلوار نہیں چلائی۔ حربہ کہو ہتھیار کہو۔ لے دے کر
ایک قلم۔ سو بھی نوکری تک کام دیتا تھا اب تو ہفتوں اسکے ہاتھ میں لینے کی بھی نوبت نہیں آتی۔ نبرد آزمائی کو
پوچھیئے تو یہی آپس کی تو تو میں میں۔ اس سے بڑھ کر کسی کو دعوی ہو تو سامنے آئے اور اپنے کارنامے سنائے
تشریح تو جب ہوگی تب ہوگی۔ عبد المجید خاں اتنا تو کریں کہ ڈھانچ کو نکلوا کر باہر تو رکھ دیں تاکہ بیچارے
مدرسوں اور طالب علموں کی وحشت دور ہو۔ عبد المجید خاں صاحب! میں نے بہت سی باتیں ناامیدی کی
کہی ہیں جو شاید آپ کی دل شکنی کا باعث ہوئی ہوں گی اگرچہ امید نہیں کہ آپ دل کے ایسے بودے ہوں اور
دل کے ایسے بودے ہوتے تو مڈل کالج کے قائم کرنے کا خیال ہی نہیں آ سکتا تھا۔ یہ خیال ہی آپکے قوی دل
ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن میں آپ کو اخیر میں ایک خوشخبری دینی چاہتا ہوں۔ چندے کی نہیں۔ بندے کے
پاس ایسی خوشخبری کہاں۔ مگر ایک خوشخبری اور ہے۔ کہ اب سے آٹھ نو برس پہلے کا مذکور ہے میں اُن دنوں
حیدرآباد میں تھا اور آنریبل جسٹس سید محمود بھی وہیں تھے۔ میں نہیں جانتا کہ سید احمد خاں کیا بیمار پڑے

۴۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لکچر جناب مولانا و بالفضل اولنا جناب مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب

متعلق اجلاس ششم

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

منعقدہ ۲۷-و ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء بمقام علیگڈھ

لکچرار نے کھڑے ہوتے ہی عربی کا یہ شعر پڑھا۔

ایا اھل النھی لا تنکرونی ۔ متی اضع العمامۃ تعرفونی[1]

اور سردی کی وجہ سے جو گلوبند لپیٹ رکھا تھا کھول کر کہنا شروع کیا کہ۔

امسال کانفرنس کا کچھ اور ہی رنگ نظر آتا ہے۔ میں اسکو داہنی آنکھ سے دیکھتا ہوں تو منی ایچر آف محمڈنزم یعنی نمونۂ اسلام دکھائی دیتا ہے اور بائیں آنکھ سے دیکھتا ہوں تو منی ایچر آف ہندوازم یعنی نمونۂ مذہب ہنود سوجھ پڑتا ہی۔ اور منی ایچر آف محمڈنزم ہی اسلئے کہ ممبروں کی اکثر کرسیاں خالی ہیں۔ جیسے مسلمانوں کی مسجدیں۔ اور وہ منی ایچر آف ہندوازم ہی اسواسطے کہ اتنے بندے نہیں جتنے خدا ہیں۔ یعنی اتنے سننے والے نہیں جتنے اسپیکرز (گفتگو کرنے والے) ہیں۔

میں لکچر سے پہلے تبرکاً اپنی[2] پڑھ لیا کرتا ہوں اگرچہ وہ نظم بودی پھسپھسی اور نامربوط سی ہوتی ہے

[1] اصحاب خرد مجھ کو اجنبی مت سمجھو جب میں عمامہ اتاروں گا تو مجھے پہچان لو ۔۔۱۲

اسواسطے کہ میں کچھ شاعر تو ہوں نہیں مگر نظم سے طبیعت میں جولانی اور گویائی میں روانی آجاتی ہے علاوہ بریں جس طرح یحیی پیغمبر حضرت عیسی علیہ السلام کے لیئے منادی کرتے تھے کہ میرے بعد مجھ سے ایک بہت بڑا پیغمبر آنے والا ہے اسی طرح نظم پڑھنے سے میں منادی کرتا ہوں کہ میرے بعد مولوی الطاف حسین حالی اپنی نظم پڑھیں گے اور میں اپنی پنداریں انکی نظم کی رونق کا باعث ہوتا ہوں ع وبضدها تتبين الاشياء وہ نظم یہ ہے +

مجمع تعلیم کا یہ چھٹا اجلاس ہے — ہم مسلماں اور وہی نکبت وہی افلاس ہے
منزل مقصود تک اپنی رسائی ہو چکی — یاں تو پہلے ہی قدم پر پانوں میں آماس ہے
لالہ بھائی کوئی ڈپٹی ہوں کوئی صدر الصدور — اُن کو کیا جن کے مقدر میں لکھی چپراس ہے
امتحانوں میں ہیں انگریزی کے جتنے کامیاب — یا کوئی پرشاد ہے یا چند ہے یا داس ہے
شاذ اگر کوئی مسلماں ہے تو اسکا کیا حساب — جوں ہمالہ میں کہیں اک ریزۂ الماس ہے
کیا چمن کا حکم رکھیگا وہ میدان فراخ — جس میں اک غنچہ ہے باقی گھاس تنکا گھاس ہے
گر کسی کو ہو مسلمانوں سے امید فلاح — ہم پکارے کہتے ہیں ہمکو تو کلی یاس ہے
جب تلک مذہب ہی ہر اک بات میں انکے دخیل — جب تلک اسلام یہ ہی جو کہ عند الناس ہے
جب تلک ان پر مسلط ہی بلائے رسم و راہ — جب تلک اِن پر موثر وہم اور وسواس ہے
جب تلک ہی حاکمان وقت سے انکو گریز[1] — گویا یہ ہندو ہیں انگریزی گؤ کا ماس ہے
جب تلک اسلاف پر ہے ان کو اپنے فخر و ناز — جب تلک اِن کے دماغوں میں بھرا انفاس ہے
جب تلک نفسی و ہذالی ہی ہر اک کا شعار — جب تلک ہر اک کو اپنی ہی غرض کا پاس ہے
زید کو پروا ہے درد و محنت خالد نہیں — اور نہ خالد کو کسی کے رنج کا احساس ہے
جب تلک یہ لوگ ہیں جف القلم[2] کے معتقد — یعنی جو ہونا ہے سب مکتوب فی القرطاس ہے
جب تلک ہیں بزرگوں کی لکیروں کے فقیر — اُنکا فرمانا علی العینین فوق الراس ہے
ختم اِن پر ہو چکے جتنے تھے سب فضل و کمال — اُن کے آگے بولنا ہذیان ہے بکواس ہے
اُن سے بڑھکر کیا کوئی سمجھے گا کس کو اتنی عقل؟ — وہ جو کہہ گزرے وہی اصل اور وہی مقیاس ہے

[1] ہنود کا حال مقابلے سے ظاہر ہوتا ہی ۱۲ [2] اشارہ ہی جف القلم بما ہو کائن کی طرف یعنی جو کچھ ہونیوالا ہے سب قلم تقدیر لکھ چکا ہے ۱۲

مجھ کو کسی کا عربی شعر یاد آیا ۔

فانی اری فی عینك الجذع معرضا ۔ وتعجب ان ابصرت فی عینی القذی

بات یہ ہے کہ میری زبان اردو ہے اور میں اردو ہی بولتا ہوں مگر اس میں یا تو عربی الفاظ ہوتے ہیں اس واسطے
کہ میں مسلمان ہوں اور چاہتا ہوں کہ سب میری طرح کے مسلمان ہوں اور کم سے کم اتنی عربی جانیں جتنی مجھکو آتی
ہے ۔ اور یا میرے بولنے میں انگریزی الفاظ ہوتے ہیں اسلئے کہ گو سرکار انگریزی کا نمکخوار نہیں ۔ کسی خصوصیت
کا امیدوار نہیں تقرب حکام کا خواستگار نہیں ۔

نہ بر اشترے سوارم نہ چو اشتر زیر بارم ۔ نے خواجۂ رعیت نہ غلام شہریارم

مگر ہے کیا کہ امپرس وکٹوریہ کا رضامند ۔ خوشدل اور شکرگزار رعیت ہوں ۔ اور چاہتا ہوں کہ سب مسلمان میری
طرح کی رعیت ہوں اور کم سے کم اتنی انگریزی جانیں جتنی مجھکو آتی ہے ۔ یوں تو میری انگریزی لعنت ہے ہیچ کچھ
بھی نہیں اور کچھ ہوتی تو کہاں سے ہوتی ۔ جن دنوں طالب علمی کا اتفاق ہوا ۔ آج کل کا سا زمانہ نہ تھا کہ در و دیوار سے
انگریزی کی تاکید ہے زمین و آسمان سے انگریزی کا تقاضا ہے دنیا نے جان کھا رکھی ہے کہ میری طلب ہے تو انگریزی
پڑھو دین آنکھیں دکھا رہا ہے کہ مجھکو سنبھالنا چاہتے ہو تو انگریزی پڑھو ۔ وہ تو ایسے وقت تھے کہ خود سید احمد خاں
سے بھی پوچھا جاتا تو انگریزی پڑھنے کو کفر نہ بتلاتے تو اسکے گناہ کبیرہ ہونے کے فتوے پر ضرور مُہر کر دیتے ۔ کالج
میں تو بعض انگریزی پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا ۔ کالج کے ٹرم پورے ہونے نہیں پائے تھے کہ نوکری کی سوجھی
اور سوجھی کیا حاجت نے مجبور کیا ۔ بارے اُس وقت تک نوکری میں انگریزی کی قید نہ تھی ۔ ورنہ آج یہاں
لکچر دینے کے عوض کالج کی مسجد میں نہیں بلکہ مسلمانوں کی کسی اور مسجد میں مجھکو وعظ کہتے ہوئے دیکھتے اور
دیکھتے نہیں تو سنتے ۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ایجوکیشنل لائن میں الہ آباد کا ڈپٹی انسپکٹر تھا کہ میں نے از خود
انگریزی کا شوق کیا ۔ وہ عکی نوکری آج یہاں کل وہاں ۔ ہر روز نیا دانہ نیا پانی ۔

ای عیش عیشی اذا کنت منہ ۔ بین حل و بین وشك رحیل

لکچر لکھ کرنے کا مقدور نہیں ۔ سرکاری کام کی وجہ سے وقت پر اپنا اختیار نہیں ۔ کوئی دوسرا ہوتا تو کبھی اس
درد سر کو اپنے پیچھے نہ لگاتا ۔ مگر میں کچھ نہ کچھ کئے ہی گیا ۔ اور اب بھی کچھ نہ کچھ کیا ہی کرتا ہوں زیادہ نہیں

۱ مجھ کو تیری آنکھ میں شہتیر اٹا پڑا ہوا دکھائی دے رہا ہے ۱۲ ۲ اور تو میری آنکھ میں تنکا پڑا ہوا دیکھکر تعجب کرتا ہے ۱۲ ۳ مدت طالب علمی
۴ میری زندگی بھی کیا زندگی ہے جب میرا یہ حال ہے ۱۲ ۵ کہ مقام اور کوچ میں جھولتا رہتا ہوں ۱۲ ۶ استاد کے نوکر رکھنے کا ۱۲

ہو سکتا تو بالالتزام انگریزی اخبار پڑھتا ہوں - غرض میں نے انگریزی تو ٹوٹی پھوٹی کر لی - مگر از بس کہ انگریزی[1] کارروائی کرنے کا موقع نہ ملا میں اُسکو امپرو[2] نہ کر سکا - انگریزی کے امپرو کرنے کا ایک طریقہ اور تھا انگلش لائف[3] یا انگلش وائف سو اسکے لیئے خدا نے مجھکو پیدا نہیں کیا نہ مزاج شیخی باز نہ صورت اچھی - میں نے اپنی انگریزی کو هضما للنفس لغت بر ہیچ کہا ورنہ اس لغت بر ہیچ پر میں بی اے والوں کے ساتھ پالا لینے کو موجود ہوں - مگر بی اے بھی سلمان بی اے کیونکہ معلوم ہے کہ انہوں نے میتھمیٹکس[4] نہ لی ہوگی اور بندہ بھی ہار اہی تو ہیں ہارا ہی - انگریزی پڑھنے سے ایک گُر تو معلوم ہوا کہ آدمی ایک زبان کو سلیقے سے حاصل کر لے تو دوسری زبان کے سیکھنے میں اُسکو بڑی سہولت ہوتی ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ لنگوسٹ[5] ہونا کچھ بات نہیں مجھکو انگریزی گرامر[6] کی ٹکنکیلیٹیز (مصطلحات) تک معلوم نہیں مگر میں نے عربی کسی زمانے میں اچھی طرح پڑھی تھی اب تو ایسا ذہول ہو گیا ہے کہ مولوی شبلی ایک صیغہ پوچھ بیٹھیں تو بغلیں جھانکنی پڑیں - مگر زمان طالب علمی میں ایک ایک لغت اور ایک ایک محاورے کے لیئے کئی کئی سندیں زبان کی نوک پر تھیں ؎

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم ہو گئے خاک انتہا ہے یہ

تو گو مجھکو انگلش گرامر کی ٹکنکیلیٹیز تک معلوم نہیں مگر میں نے عربی پر قیاس کر کے اپنے ذہن میں انگریزی کی گرامر بنا رکھی ہے اور وہ مجھکو کام دیتی ہے - بہرکیف انگریزی جانتا ہوں تو چار و ناچار اُسکے الفاظ زبان پر آہی جاتے ہیں - دہلی کے متاخرین شاعروں میں اسد اللہ خاں غالب سب میں سر برآوردہ تھے اپنا اپنا مذاق ہی تو ہے میں ان ہی دو شاعروں کا معتقد ہوں - متقدمین میں مرزا رفیع السودا اور متاخرین میں اسد اللہ خاں غالب کے - مضامین انوکھے اور خیالات بلند ہوتے تھے - بندش مضبوط مگر شوخی کے ساتھ ان میں اگر عیب تھا تو یہ کہ مشکل گو تھے - میں نے عیب کو اُس معنی میں استعمال کیا جیسا کہ علم بیان کی کتابوں میں ہے شعر

ولا عیب فیهم غیر ان سیوفهم بهن فلول من قراع الکتائب

چنانچہ غالب اپنی مشکل گوئی کے عذر میں خود فرماتے ہیں قطعہ

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل سُن سُن کے اُسے سخنوران کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

---

[1] ترقی نہ دے سکا [2] الگریزی زندگی یا انگریزی بیوی [3] بطور تواضع و کسر نفس [4] ریاضی [5] زبان دان [6] صرف و نحو [7] اُن میں سوائے اسکے کوئی عیب نہیں کہ لشکروں کے مارنے سے اُن کی تلواریں جھڑ گئیں

لیکن اس عیب پر بھی وہ فارسی اور اردو دونوں اُستاد مستند مانے جاتے ہیں۔ باستحقاق۔ میں اُن کی ایک غزل کے چند اشعار نمونے کے طور پر پڑھتا ہوں ؎

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا — کہ اندازِ بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا

ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریِ قاتل — تماشائے بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا

جراحت تحفہ الماس ارمغاں داغِ جگر ہدیہ — مبارکباد اسدؔ غمخوارِ جانِ دردمند آیا

میں نے طبیعت پر زور دے کر اِن اشعار کا مطلب ایک بار سمجھ لیا تھا اور اب بھی طبیعت پر زور دوں تو سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن اس وقت تو میں نے بے سمجھے ہی پڑھ دیئے ہیں۔ اِن اشعار میں اگر آیا کی جگہ آمد ہو تو عبارت بتوالی اضافت پنجرقعے کی عبارت سے ملی جلی معلوم ہوگی۔ اگر یہ ایسے بڑے مستند اُستاد کی اردو ہی تو میرا کلام صرف چند انگریزی الفاظ کے آجانے سے کیوں اردو نہ ہو۔ اسد اللہ خان غالب کے دیوان ریختہ سے معلوم ہوتا ہی کہ اِن کو نظم میں ایک طرزِ جدید کا رواج دینا منظور تھا۔ مگر چونکہ کورس آف ٹائم[1] اسکے خلاف پڑتا رواج دینا تو درکنار آخر آخر میں خود غالب کو اسے چھوڑ دینا پڑا۔ اب ایک طرز ہمارے حالی صاحب نے اختیار کی ہی اور وہ مقبول ہوگئی اسواسطے کہ وہ زمانے کے رنگ کے مطابق تھی۔ اسکی مقبولیت اس درجے کی تو ہی نہیں کہ حالی کے اشعار ظفر کی غزلوں کی طرح ہر ایک گانے والے کے موںہ میں ہوں مگر نیچری مسلمان تو شاید ہی کوئی ایسا ہوگا۔ جس کو مسدس حالی کے دو چار بند یاد نہ ہوں۔ میں مسلمان ہوں مگر الحمد للہ نیچری نہیں تاہم آزادیِ رائے کی کچھ یوں ہی سی ہوا لگ گئی ہی یتخبطه الشیطان[2] من المس مجھکو بھی بند نہیں تو شعر یاد ہیں۔ میں کسی طرز کی ایجاد کا دعویٰ نہیں کرتا۔ مگر آج کون دن ہی دوشنبہ اور دسمبر ١٨٩١ء کی ۲۸۔ تاریخ یہ کون مقام ہی؟ علی گڈہ کالج کا اسٹریچی ہال۔ یہ کیسا مجمع ہی؟ ایجوکیشنل کانفرنس۔ انگریزی الفاظ سُن کر جنکے جی میں آئے کان کھڑے کرے۔ میری آج اور اس جگہ کی پیشین گوئی کو لکھ رکھنا کہ ایک دن آنے والا ہی کہ جس طرح پارسی ناآمیختہ[3] بتازی بلکہ ریختہ ناآمیختہ بتازی کا لکھنا نہایت دشوار ہی۔ اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ پیور[4] اردو کا بے انگلش[5] الیمنٹ کے بولنا متعذر ہو جائے گا۔ اور اگرچہ انگریزی کا اتنا رواج دیر طلب ہی مگر جیسی اُردو سے میں نے لکچر دینا شروع کیا ہے۔ میرا خیال یہ ہی کہ اگر ہم ایسی دھیمی ترقی بھی کرتے رہے جیسی اب تک کی ہی تو خدا نے چاہا پچاس[6] برس کے اندر اندر ہم ہی میں کے رودار لوگ ایسی اردو سمجھنے لگیں گے اُردو یہ

[1] رفتار زمانہ ۱۲ [2] شیطان چھو کر اُسکو مخبوط الحواس کر دے ۱۲ [3] خالص ۱۲ [4] الفاظ ۱۲ نثری ۱۲

کالج یا عیسائیوں کے مشن اسکول میں مدد دی ہے لیکن ہم کیا دوسری قوموں کی مدد کر سکیں گے جبکہ اپنے ہی
چھپر پر پھوس نہیں ڈال سکتے - خیر گزشتہ راصلوات - اے مسلمانو جو موجود ہو اور سنتے ہو اور اے مسلمانو
جو ہماری منی و مسمع نہیں ہو اور بواسطہ یا بوسائط ان تک پہنچے اب بھی غیرت اور حمیت کو کام میں لاؤ
اور اس ان کو مت آنے دو کہ یہ گدا پیشہ اور بوڑھا سید ہمارے اور ہمارے بچوں کے لئے غیروں کے آگے
جا کر ہاتھ پھیلائے ؎ خاکہ باعقوبت دوزخ برابرست + رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت +
اکثر ایسا ہوتا ہی کہ از خود یا کسی کے کہنے سے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی تحریک دل میں پیدا ہوتی ہے
اور چونکہ شیطان کے بہکانے کے ہزاروں رستے ہیں یہاں تو سید احمد خاں بھی وجود شیطان کے ضرور قائل
ہوں گے - غرض شیطان کے بہکانے کے ہزاروں رستے ہیں خاصکر ایسے موقع پر خیال ہوتا ہی کہ ایسا نہ ہو کہ مقدار
کو کم سمجھکر لوگ دون ہمتی پر محمول کریں اس سے بہتر ہی کہ چپکے سادھ جاؤ - اگر ایسا وسوسہ کسی کے دل میں آیا ہو
اور میں خیال کرتا ہوں ضرور آیا ہوگا تو لاحول پڑھکر اسکو دفع کرو - جو چیز خدا کی راہ میں دیجاتی ہی وہ شاید کسی شیخی باز
دنیادار کی نظر میں حقیر ہو بھی لیکن اگر خدا کے یہاں مقبول ہو جائے تو ایک دن بچشم سر دیکھ لوگے کہ وہی چیز
دنیا و مافیہا سے زیادہ قدر و قیمت کی ہی تحسبونہ ھیّنا وھو عند اللہ عظیم ہاں اگر کالج میں دینا خدا کی راہ میں
دینا نہیں ہی تو دوسری بات ہی - اور یہ سید احمد خاں کا منصب ہی کہ اس خیال کی تردید کریں یا کسی دوسرے باہمت
آدمی کا جو کفر کی ہچاسے نہ ڈرتا ہو - میں تو ڈرتا ہوں کیونکہ جینا تو ایک دن کا ہی مرنا بھی ان ہی لوگوں
میں ہی اگر میرے جنازے کی نماز نہ پڑھیں تو میں کدھر کا ہوا - رہا حشر وہ تو بھائی میں تم سے صاف کہوں کہ
برے ہیں تو اور بھلے ہیں تو میری تمنا تو یہی ہی کہ ان ہی مولویوں کے زمرے میں ہو اللھم احینی مسکینا و
امتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ یاد ہی کیا تو انکی ابتدا تمہی کہ
باپ تو دموں پر پولتے تھے مگر سوتیلے بھائی مارے حسد کے چین نہیں لینے دیتے تھے یہاں تک کہ شکار کے
بہانے سے لیجا کر اندھے کوئے میں دھکیل دیا - اور اپنی پندار میں ان کا قصہ ہی چکا دیا لیکن واللہ غالب علی
امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون خدا کو جو منظور تھا سو ہوا - کیوں عین وقت پر کوئے کے نزدیک قافلہ آن کر ٹھہرے
کیوں قافلے کا کوئی آدمی اسی کوئے میں ڈول لٹکائے کیوں حضرت یوسف ڈول میں بیٹھ اوپر آ موجود ہوں

ؔ میرے دیکھنے اور سننے میں نہیں ۱۲ ؔ تم اسکو آسان سمجھتے ہو اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی چیز ہے ۱۲ ؔ اے خدا مجھے
مسکین زندہ رکھ اور مسکین مار اور مساکین میں میرا حشر کر ۱۲ ؔ اللہ اپنے حکم کے نافذ کرنے پر غالب ہے ولیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ہے ۱۲

کافی نہیں ہوسکتا۔ سخت افسوس ہوگا اگر عطیۂ حیدرآباد لوگوں کو اُنکے فرضِ اسلام۔ فرضِ قومی بلکہ فرضِ
انسانیت سے فارغ اور بے فکر کردے مسلمان برٹش گورنمنٹ سے اپنی کاہلی اور نادانی کے انعام کے خواہشگار
ہوتے تھے اور چاہتے تھے کہ اُنکے ساتھ اسکالرشپ[1] میں یا لیاقت کے سٹینڈرڈ[2] میں یا گورنمنٹ سروس[3] میں
کچھ رعایت کیجائے۔ کیوں۔ اسواسطے کہ اُنکی قوم دوسری اقوام معاصر کے مقابلے میں ہیٹی اور پھسڈی ہے
گورنمنٹ سے کیا جواب ملا۔ فیر پلے اینڈ نو فیور[4]۔ بیشک یہ نہ صرف منصفانہ جواب تھا بلکہ نہایت متانت
اور دانشمندانہ۔ اگر کہیں گورنمنٹ مسلمانوں کے ساتھ کسی طرح کی رعایت کرگزرتی تو یقین جانو کہ جس جگہ آج
مسلمانوں کو دیکھتے ہو اس سے بھی ضرور دس قدم پیچھے ہٹے ہوتے ہوتے۔ میں کبھی مسلمانوں کی خستہ حالی
دیکھکر خوش بھی ہوتا ہوں اور اسکو اُن کی فلاح آیندہ کے حق میں فالِ نیک سمجھتا ہوں۔ ایک مدت ہوئی
کہ میں حیدرآباد کی گورنمنٹ سے علیحدہ ہوں۔ مگر تاہم استاد وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ گورنمنٹ حیدرآباد
نے جو امداد کی اُس سے اُن کا مقصود مسلمانوں کو صرف نمونہ دکھادینا تھا کہ ہمنے ایک اخوت اسلامی کا
پاس کرکے اتنا کچھ کیا تم کو بھی اخوت اسلامی ہموطنی اور دوسرے چند در چند تعلقات کے لحاظ سے جتنا
جسکا مقدور ہو کرنا چاہیئے۔ دو قسم کے مسلمان ہیں ایک با مقدور جو اپنے بچوں کی تعلیم کا خرچ اُٹھا سکتے ہیں
میں ایسے لوگوں کی طرف سے سخت بدگمان ہوں۔ یہ سمجھ رہو کہ ہر ایک کُلیے میں مستثنیات بھی ہوتے ہیں
اسیطرح سب با مقدور مسلمان ایک طرح کے نہیں۔ تاہم اکثر اس خیال کے ہیں کہ ادنیٰ اور اعلیٰ اور عربی اور انگریزی
سے کیا بحث وہ سرے سے کسی طرح کی تعلیم کو اپنے لیئے ضروری نہیں سمجھتے۔ اُنکی پندار میں دنیاوی تعلیم
معاش پیدا کرنے کے واسطے ہے۔ جس کی اُنکو حاجت نہیں اور دینی مسجد کا مُلّا بننے کی غرض سے جو اُنکے
لیئے موجب عار ہے سا ہے کاش خدا اُنکے دل میں ڈالے کہ اُنکی اولاد بدون تعلیم کے اپنی پوزیشن[5] اور رسپکٹ[6]
اور متمول کسی چیز کو بھی زیادہ دن تک نہیں سنبھال سکے گی۔ بہرکیف میرے نزدیک ان لوگوں کے خیالات
کی اصلاح دیر طلب ہے۔ اور یہ تو ایثر فار ایز ایجوکیشن از کنسرنڈ[7] اتنے ہی مصرف کے ہیں کہ ان کو دم جھانسا دیکر
جو کچھ ان سے وصول ہو غربا کی تعلیم میں صرف کردیا جائے۔ یؤخذ من اغنیاءھم[8] ویرد علی فقراءھم
رہی یہ بات کہ ان سے ابیض منقوش کس طرح اُگلوائے جائیں اس کی تدبیر ان بڑے میاں سے پوچھی

[1] وظیفۂ طالب العلمی ۱۲ [2] درجہ ۱۲ [3] ملازمت سرکاری ۱۲ [4] صاف صاف معاملہ اور کچھ رو رعایت نہیں ۱۲
[5] حالت ۱۲ [6] وقعت ۱۲ [7] جہاں تک تعلیم کو تعلق ہے ۱۲ [8] مالداروں سے لیکر ناداروں پر بانٹ دیا جائے ۱۲

جاے جنہوں نے لاٹری س۔ تھیئیٹر میں سوانگ بھرے۔ گلے میں جھولی لٹکا کر بھیک مانگی۔ یہی مغرب سے کوئی بات اُتاریں تو ہماری قوم کے امیر سیجیں۔ دوسری قسم کے مسلمان جنکی تعلیم پر زور دیا جاسکتا ہی اور نعمت بنانا مناسب ہی وہ لوگ ہیں جو پڑھنا چاہتے ہیں اور پڑھائے جانے کے قابل ہیں لیکن مصارف تعلیم کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ مجھکو معلوم ہی کہ ہمارے رفارمر ایسے ہی لوگوں کی تعلیم کی طرف متوجہ ہیں بھی مگر میں آپ صاحبوں سے معافی مانگ کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تعلیم کے لیئے لوگوں کے انتخاب میں کسی قدر بے احتیاطی ہوتی ہی اور ابتدائی جوش میں بے احتیاطی کا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں۔ میں اس پالیسی کا نہایت سختی کے ساتھ مخالف ہوں کہ لوگوں کو دوسرے پیشوں سے بہکا کر پھسلا کر تعلیم کے دڑبے میں ٹھونسا جاے۔ تھوڑے پورے تعلیم یافتہ بہت زیادہ مفید ہوں گے اپنے حق میں۔ قوم کے حق میں۔ ملک کے حق میں گورنمنٹ کے حق میں۔ بہ نسبت بہت سے ادھورے جیک آف آل ٹریڈز اینڈ ماسٹر آف نن کے۔ جس بے احتیاطی کا میں شاکی ہوں وہ اتنی امداد کے دینے میں نہیں ہوتی جتنی امداد کے لینے میں۔ لوگوں کو دیکھنا چاہیے کہ ہماری تعلیمی فنڈ کیسی غریب اور غیر یقینی حالت میں ہیں۔ ہم اسکالرشپ دے سکتے ہیں وہ بھی بڑی مشکل سے نہ تنخواہ۔ ہم طالب علموں کے تعلیم کے ضروری مصارف کا تکفل کر سکتے ہیں۔ وہ بھی بدقت نہ اُنکے کُنبے کے خرچ کا۔ ہم لوگوں میں یہ عام غلط فہمی ہی کہ سکالرشپ کو تنخواہ سمجھ لیا جاتا ہی گویا تعلیم پانا خدمت ہی۔ اور سکالرشپ اُسکا معاوضہ۔ مجھکو مرحوم دہلی کالج میں اپنا وظیفہ پانا یاد ہی۔ جس دن سے وظیفہ شروع ہوا میں نے اور نہ صرف میں نے بلکہ ہمارے خاندان نے اسکو سلسلہ ملازمت کا آغاز سمجھا۔ عربی جماعتوں میں تو کچھ ایسے بڑے بھاری وظیفے تھے نہیں مگر انگریزی کلاسوں میں بعض سکالرشپ ایسے محاصل کی تھی کہ شروع میں اتنے کی نوکری بھی نہیں ملتی ہم لوگوں میں طالب علمی کا ایک طریق یہ تھا۔ اور اب بھی ہی مگر کم۔ اس واسطے کہ اُن علوم ہی کا رواج کم ہی کہ بڑے بڑے شہروں میں جہاں پڑھنے پڑھانے کا چرچا ہوتا تھا۔ باہر کے لوگ طالب علمی کے لیئے بکثرت آ بھرتے تھے یہ لوگ اکثر مسجدوں میں رہتے۔ اور صدقات پر گذران کرتے۔ کسی کو عار کا موجب ہو تو ہو مگر میں اسکو فخراً بیان کرتا ہوں کہ میری طالب علمی کا ابتدائی حصہ اسی طرح پر بسر ہوا ہے۔ ان طالب علموں کا حال یہ تھا کہ بہتیروں کو دو وقت کی روٹی کا بھی سہارا نہ تھا۔ چھاپے خانوں کی افراط تو اب حال میں ہوئی ہی کتاب مشکل سے مانگی ملتی تھی۔ دس دس بیس بیس اور اس سے بھی زیادہ ایک سبق میں شریک ہوتے۔ سب کے سب سامع اور اُن میں سب سے زیادہ

سلہ راسے ۱۲ سلہ ذو فنون کامل ایک میں بھی نہیں ۱۲

جسکو خدا نے دردمند دل اور آنکھیں بصیرت دی ہو کہ ہم میں اور اہل یورپ میں صرف ایک ہی وجہ فارق ہے
تعلیم۔ کہ وہ عالم ہیں اور ہم جاہل۔ چنانچہ جس رستے سے اہل یورپ معراج الکمال کو پہونچے تھے اُسی ڈھرّے
کو لگا دیا۔ صاف دل سے متوکلاً علی اللہ آنکھیں بند کیئے چلے جاؤ منزل مقصود کو پہونچوگے اور ضرور پہونچوگے
اور اگر یہ صلاح سمجھ میں نہیں آتی تو تم خود کوئی تدبیر سوچو چشم ما روشن دل ما شاد۔ غرض تو تمہاری صلاح حالت
سے ہے سید احمد خاں اسمیں عذر کیں یا برا مانیں تو میرا ذمہ۔ اور اگر انگریزی تعلیم دنیا یا دین میں مضر ہو تو کودن
اور کندۂ ناتراش ہے کہ بہت کچھ دیکھ چکے ہو کچھ کسر باقی ہے تو اور دیکھ لو مَن کَانَ یَظُنُّ اَن لَّن یَّنصُرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنیَا
وَالاٰخِرَۃِ فَلیَمدُد بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَاۗءِ ثُمَّ لیَقطَع فَلیَنظُر ھَل یُذھِبَنَّ کَیدُہٗ مَا یَغِیظُ[1]۔ تمہارے آگرے میں ایک صاحب
سن وجہ بندے کے ہمنام ہو گزرے ہیں نظیر اکبرآبادی۔ سن وجہ میں نے اسلیئے کہا کہ نظیر اُنکا تخلص تھا
اور میرا نام ہے۔ اُنکا تخلص ظ سے تھا۔ اور میرا نام ذ سے ہے۔ ایک صلاح وہ بھی بتا گئے ہیں۔ نہیں معلوم ہنسی سے
یا واقعی۔ دیکھو شاید وہی مفید ہو۔ اُن کی تو یہ صلاح ہے ؎

کونڈے کھنکے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل ۔ چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

وہ تعلیم جسکی ضرورت ہے اور جو یقیناً مفید ہوگی اور جسکے ہوتے ناکامیابی ہو ہی نہیں سکتی وہ سمیٹرنگ آف انگلش[2]
نہیں ہے بلکہ وہ ساؤنڈ سائینٹفک نالج[3] ہے۔ لیکن ذرا انصاف سے دل میں سوچو کہ ہم لوگوں نے ابھی تک سمیٹرنگ[4]
کے سوا کچھ اور بھی سیکھا ہے اور بڑبڑانا یہ ہے کہ ہائے ہمکو راتھس چائلڈ[5] کی سی دولت کیوں نہیں ملتی ؎

عمل این و انگشت لب نغمہ پرداز ۔ کہ سکین این ندارد آں ندارد

ارادے بڑے ہمتیں قاصر۔ کام بنے تو کیونکر بنے۔ قومی تعلیم مونہہ سے کہدینے کو تو دو لفظ ہیں مگر ہندوستان
میں قوم عبارت ہے چھ کروڑ آدمیوں سے اور تعلیم سے مقصود ہے اس چیز کا سکھانا جس سے ان کے کان آشنا
نہیں اور کان آشنا نہونے کے علاوہ طلب صحیح پر دیر طلب۔ اور لوگ کارہ اور متنفر۔ یہ سب باتیں پیش نظر
ہوں تو یاس و ناامیدی کا کوئی محل نہیں۔ بڑے کام اسی طرح تدریج کے ساتھ ہوتے ہیں اور اسی طرح تدریج کے

۱؎ جس کو یہ گمان ہو کہ دنیا اور آخرت میں خدا اسکی مدد نہیں کرے گا تو چاہیئے کہ آسمان میں ایک رسی لٹکائے
پھر پھانسی لے کر مر رہے اور دیکھے کہ اُس کی تدبیر سے اُس کی شکایت رفع ہوئی ۱۲ ۲؎ انگریزی کی ٹوں ٹاں کرنا ۱۲
۳؎ کامل استعداد علمی ۱۲ ۴؎ ٹوٹی پھوٹی بولی بولنا ۱۲
۵؎ ولایت کا ایک مشہور دولت مند تھا ۱۲

کے ساتھ ہونگے۔ بجنسہٖ ولاہی اتنی شعاس بھی ہی لوگ کامیابی کی مثالوں سے تو قطع نظر کر لیتے ہیں اور نا
کامیابی کے شواہد نصب العین رکھتے ہیں جس سے اُنکے دل شروع سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور یہی شکستہ دلی
آخرکار اُنکی ناکامیابی کا سبب ہوتی ہی۔ افسوس ہی کہ مسلمانوں میں نام و نمود کے سلف میڈ لوگ کم ہیں مگر الحمدللہ
ہیں۔ اور میں جانتا ہوں کوئی پراونس بلکہ ڈسٹرکٹ ایسے متعدد مسلمانوں سے خالی نہیں تو جو شخص پڑھتا ہے
وہ اس اِذعان کے ساتھ پڑھے کہ اِن ناموروں میں سے ایک میں بھی ہونگا اگر اُسکا اذعان پکا ہی تو اسکا میں
یقین دلاتا ہوں کہ وہ اس فہرست کے فرسٹ ڈویژن نہ ہوگا تو سیکنڈ میں ضرور ضرور ہوگا۔ اور میں کیا یقین
دلاؤنگا خدا یقین دلاتا ہی اِنّی لا اُضیع عمل عامل منکم اذعان رکھوگے تو محنت بھی کروگے۔ اور محنت کروگے
تو کامیاب بھی ہوگے۔ خدا کی قسم ہوگے۔ ایک تو میں قدر وجہ سے زیادہ لیاقت کی قیمت لگانے سے منع
کرتا ہوں اور ایک اہل یوروپ کے ساتھ ہمسری کے خیال سے کہ اِن دونوں کا انجام ہی ناامیدی اور ناامیدی کا
بیدلی۔ اور بیدلی کا حرمان۔ اسکو خدا کی طرف سے فیصل شدہ سمجھ لو کہ ہم کتنا ہی دوڑیں اہل یوروپ کی گرد کو
بھی نہیں پا سکتے۔ ہم میں اُنمیں اُن دو کاشتکاروں کی سی نسبت ہی کہ ایکنے ابھی زمین میں ہل چلانا شروع
کیا ہی اور ایک کاٹ گاہ کر غلہ کھتوں میں بھر رہا ہی شتان بینہما مگر ہاں دنیا کا روٹیشن اسی طرح پر چلا آیا ہے
کہ ایک قوم کی مفلسی اور تباہی حدِ غایت کو پہونچتی ہی۔ خدا اُنکے دلوں میں ارلوے پیدا کرتا۔ اور وہ قوم دولت کے
کمانے پر کمر بستہ ہوتی۔ جب وہ دولت پر پورا قبضہ پا لیتی ہی۔ تو عیش و آرام طلبی میں پڑکر غافل اور کاہل ہو جاتی
اور ترقی کے عوض رجعت قہقری کرنے لگتی اور چکر کھا کر پھر مفلسی پر آگرتی ہی۔ کوئی نہیں جانتا کہ اِس روٹیشن میں
ہم کس جگہ ہیں اور اہل یوروپ کس جگہ۔ موجودہ حالت تو یہ ہی کہ اہل یوروپ فل سپیڈ سے ترقی کی طرف چلے
جارہے ہیں اور ہم نہیں معلوم گر کر تہ نشین ہو چکے یا ابھی اور گرنا تقدیر میں ہی۔ یا سید احمد خاں اور اِن ہی جیسے
دردمندانِ قوم کے سہارا لگانے سے اگر کوئی ہوں کچھ اُبھرنے لگے ہیں۔ مفلسی اور محکومی بھی کیا بُری چیز ہے
انسان میں جو عیب واقعی ہیں اُنکے ظاہر ہوجانے تک کا تو مضایقہ نہیں جو عیب نہیں ہیں وہ بھی تو ناحق اور ناحق
مڑھے اور تھوپے جاتے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہی کہ اسوقت تک انگریزی تعلیم کا ماحصل نوکری ہی اور اس میں بھی
پوری کامیابی نہیں۔ اور یہی نہیں کہ نہیں بلکہ کبھی ہوگی بھی نہیں کیونکہ ڈیمانڈ سے زیادہ سٹاک بھرتا چلا جاتا ہی

سلف ۔ جنہوں نے اپنی کوشش سے اپنی حالت کو بہتر کیا ہو ۱۲ [illegible] صوبہ ۱۲ [illegible] ضلع ۱۲ [illegible] اول درجہ ۱۲ [illegible] دوسرا درجہ ۱۲
[illegible] میں کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا ۱۲ [illegible] دونوں میں بڑا فرق ہی ۱۲ [illegible] دورہ ۱۲ [illegible] تیز رفتار ۱۲ [illegible] طلب ۱۲ [illegible] ذخیرہ ۱۲

اب سوائے اسکے کہ ہمارے نئے تعلیم یافتہ نوکری کے علاوہ معاش کے دوسرے دروازے کھٹکھٹائیں
اور کوئی تدبیر نہیں۔ اور کیا ایسی موٹی بات ان طالب علموں کو نہ سوجھتی ہوگی۔ ضرور سوجھتی ہوگی مگر سب سے
بڑی مشکل آن کر پڑی ہی کامپٹیشن کی۔ لوگ کہتے ہیں کہ نیٹو سکالرز خلقۃً ڈل اور ٹھس اور کاہل ہوتے ہیں انکے
دماغ ہی غور کے لائق نہیں بنائے گئے۔ ایجاد و اختراع سے انکو مناسبت ہی نہیں بعض کی رائے ہی کہ انکی
تربیت ان کو نکما کر دیتی ہی۔ بعض یہانتک بھی کہہ گزرتے ہیں کہ انکا مذہب ہی مانع ترقی ہی۔ میں انمیں سے
کسی بات کو تسلیم نہیں کرتا سب زبردستی کے الزام ہیں۔ مگر کامپٹیشن کی لاعلاج مشکل ہی۔ اہل یوروپ سے
مقابلہ کرنا ہاتھیوں کے ساتھ گنے کھانا ہی۔ اور یہ کچھ آسان کام نہیں۔ ایجاد و اختراع اہل یوروپ کی گھٹی میں
داخل ہی اور وہ اس فن کے منتہی ہیں اور ہم بالکل مبتدی اور نومشق۔ مارکٹ میں اہل یوروپ کے آگے سٹینڈ
کر نہیں سکتے۔ اور چونکہ کوئی فائدہ نہیں دکھائی دیتا لوگ اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ لیکن آخر کار ہونگے
اور نہ ہونگے تو کیا کرکے کھائینگے۔ میں تعلیم کے متعلق اتنا کچھ کہہ چکا ہوں اور ابھی کچھ اور بھی کہونگا۔ اس سے
ہرگز یہ غرض نہیں کہ میں آپ صاحبوں پر اپنا صاحب الرائے ہونا ظاہر کروں۔ بات یہ ہی کہ میں تو ان معاملات
میں غور بھی کم کرتا ہوں بلکہ نہیں کرتا۔ لیکن سید احمد خاں کے اصرار سے آکھڑا ہوا ہوں تو اپنے خیالات
ظاہر کیئے ہوئے بدوں رہ نہیں سکتا۔ سرے سے ابھی تمہارے اس کانفرنس کے اصول ہی ٹھیک نہیں سمجھے
میں تو پار سال حاضر نہیں ہوا مگر یہ بات خیال میں ہی اور خیال میں ہی تو ضرور کانفرنس کی تحریرات میں نظر
سے گزری ہوگی کہ فرامین شاہان سلف کے جمع کرنے کی تجویز پیش ہوکر منظور ہوئی۔ میں اسوقت ہوتا تو کہتا جو کچھ
زبان یاری دیتی۔ مگر اب تو مجھکو اتنا ہی کہنا منظور ہی کہ کانفرنس کے دائرے کو وسیع کرکے لوگوں کی توجہ کو
منقسم کرنا ہماری حالت کے مناسب نہیں۔ بیشک شاہان سلف کے فرمان جو کہیں نظر پڑ جاتے ہیں تو انکے
دیکھنے سے آنکھیں ٹھنڈی اور روح تازہ ہو جاتی ہی۔ سبحان اللہ انکے خط اور تعالی اللہ انکی عبارت۔ پھر کسی میں
سرفرازی خدمت ہی اور کسی میں عطائے جاگیر اور کسی میں نوازش خطاب اور کسی میں تقرر منصب اور ظاہر
ہی کہ یہ سب مضامین دل کو خوش کرنے والے ہیں۔ مگر بعض مجھ جیسی رعنی صورتوں کو کبھی یہ بھی خیال آجاتا ہی
کہ وہ وقت وہ سمے وہ زمانے کدھر گئے لیکن ہر کیف یہ تحقیقاتیں ہیں پیٹ بھرے کی باتیں۔ ہمکو تو اپنی تمام توجہ
صرف ایک ہی امر میں محصور رکھنی چاہیئے کہ جہاں تک ہوسکے لوگ انگریزی پڑھیں انگریزی پڑھنے میں خدا ہی

سلہ مقابلہ ۱۲ سلہ ہندوستانی طالب علم ۱۲ سلہ بازار ۱۲ سلہ مقاومت ۱۲

نہ خواہی انگریزوں کا سا مذاق پیدا ہوگا اور اس شرح کی تحقیقات میں ضرور مزہ ہے کہ آدم [illegible] میں بند تھے
اور بمرور زمانہ دُم ندارد ہو کر بیباۃ کنڈائی کے [illegible] اینڈ اریننز ابھی تک یہ عقدہ [illegible]
کیا ہو گئی۔ مگر جب ہمارے انگریزی خواں اس تحقیقات [illegible] تو انکو [illegible] ڈھونڈنے سے بھی
کچھ نہ کچھ مدد ملیگی اسکا تو مجھکو عقیدہ ہی کہ بڑے میاں سید احمد خاں کو بڑی دور کی سوجھتی ہی اور جو کچھ کرتے
ہیں آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ایک نہ ایک دن مسلمانوں کے حق میں اسکا فائدہ مترتب ہوگا پر ہو
مگر کیا کروں میں کچھ ایسا دل تہوں کہ مجھ سے کچھ ہو نہیں سکتا شعر

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد — پر طبیعت ادھر نہیں آتی

لیکن خدا کا فضل ہی کہ اتنے سارے خیر خواہان اسلام جمع ہیں جو اس سردی میں دور دور سے اسی لئے تشریف
لائے ہیں کہ اپنی بدنصیب قوم کی تعلیم کا انتظام کریں۔ افسوس ہی کہ اس جم غفیر کی سعی مشکور نہو مگر ہوا یہ
کہ ابھی تک سعی کا اسلوب ٹھیک نہیں بیٹھا ایک بات تو میری سمجھ میں آتی ہی کہ لکچر ٹنگ اور سپیچفائنگ اور [illegible]
ان سب کو تو رکھا جائے بالائے طاق اور کانفرنس کا ماٹو ہو ڈیڈز اینڈ نو ورڈز کانفرنس کے اجلاس کی
ترتیب اس طور پر ہو کہ پراونس اور ضلع ایک دوسرے سے متمیز ہو سکے۔ ہر ضلع کے ریپریزنٹیٹو ایک تحریری فہر[ست]
داخل کریں کہ آئندہ سال کے لئے کون کام وہ اپنے واسطے تجویز کرتے ہیں اور کون کون اس کام کا بیڑا اُٹھاتا ہے
پھر دوسرے برس جب کانفرنس جمع ہو تو پچھلے برس کی کارروائی کا نتیجہ دکھائیں کہ کیا کہہ گئے تھے اور کیا کرکے
لائے۔ اسی کی رپورٹ ہو اسی کی کیفیت اسی پر غور ہو اسی پر بحث۔ اسی طرح ہر کانفرنس میں کارروائی ہوتی
رہی تب تو کچھ کام چلیگا ورنہ گستاخی معاف اس ایجوکیشنل کانفرنس سے نہ ابتک کچھ ہوا اور نہ کچھ ہونے کی
اُمید۔ بڑی شرم کی بات ہی کہ ہول برٹش انڈیا میں برٹش انڈیا سے باہر دور دراز ملکوں میں شہرت ہے کہ
اتنے مسلمان ہر برس مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں اور حقیقت یہ کہ سید احمد خاں کی
ذاتی کوششوں کے نتائج سے قطع نظر کرو تو [illegible]۔ فول اب شاید کوئی ایسا ہی قسی القلب نا احسان شناس
احمق دشمن اسلام مسلمان ہوگا جو سید احمد خاں کو [illegible] نا چاہتا ہو مگر سید احمد خاں مسلمانوں کے رفارمر [illegible]
مجھکو تھوڑا سا کلام بھی ہی مسلمانوں کے خیر خواہ ہونے سے انکار تو نہیں ہو گئے۔ جتنے ان کے جیتے جی

[illegible] حالات زمانہ سابق کے تحقیق کرنے والے [illegible] [illegible] فصاحت۔ [illegible]
[illegible] نہ فول [illegible] کانفرنس کی ہنسی [illegible] تمام ہندوستان [illegible] کچھ نہیں [illegible]

کون سے قلعے فتح کر لیئے کہ انکے مرنے سے اس کھیل کے ٹھنڈ ہو جانیکا خوف کیا جاوے۔ جیسا حال کانفرنس
کا ہی اس سے بدتر بہت بدتر نہایت بدتر علی گڈھ کالج کا تھا جس وقت سید احمد خاں نے کالج کا چندہ شروع کیا ہی
سید احمد خاں کے بوزم فرینڈز یعنی حواریین کا تو حال معلوم نہیں مگر میں خیال کرتا ہوں کہ جسنے سُنا یہی کہا کہ دماغ
بیہودہ پخت و خیال محال بست + اب بھی کالج ہی کہ ماشاءاللہ اسکا ایک عظیم الشان کارخانہ ہی۔ کالج پر قیاس
کرکے میں کہتا ہوں کہ اس کانفرنس میں بھی کچھ بعید ہی امید بھی کسی نہ کسی وقت اپنا رنگ لاتے گا پر لائے گا
اور تعلیم کی دنیا میں ایک نور[1] ہو گا۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اُس وقت تک سید احمد خاں کا ہاتھ بھی اُسکے سر پر ہوگا
یا نہیں سکل یہ تو ایک بکی پکائی رسوئی تھی سید محمود جنٹ سکرٹری بنکر پروسنے میں باوا کا ہاتھ بٹولنے کو آلھڑے
ہوتے۔ کانفرنس میں رسوئی کے پکنے اور پروسنے اور چکھنے کا کیا مذکور ہی۔ ابھی چولہے کی گوبری تک بھی نہیں
دی گئی۔ پس سید احمد خاں کو مدد کی بڑی ضرورت تو کانفرنس میں ہی۔ کانفرنس تو ایسی چیز ہی کہ اگر اسکی کارروائی
ٹھیک طور پر ہو تو کالج درکنار یونیورسٹیوں کو بلکہ گورنمنٹ کے ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹ[2] کو ڈکٹیٹ[3] کرے مگر لوگوں نے
ابھی کانفرنس کی ماہیت کو نہیں سمجھا حقیقۃ الحال تو نہیں ہی مگر کہنے میں اسی طرح آتا ہی کہ خداے تعالی آدمی کو
پیدا کر کے فارغ ہو جاتا ہی یعنی اُس پروردگار نے آدمی کو اس طور کا بنایا۔ کہ اُس میں چند قوتیں ودیعت رکھدیں
اور اُسکو پورا اختیار دیا کہ ان قوتوں کو کام میں لاکر ترقی کرے۔ اب وقت تک کسی پر منکشف نہیں ہوا کہ آدمی
کس حد تک ترقی کر سکتا ہے قطعہ

آدمی زادہ طرفہ معجونیست   از ملائک سرشتہ وز حیوان
گر کند میل این شود کم ازین   ور رود سوے آن شود بہ ازاں

بہر کیف ترقی و تنزل دنیا کے اعتبار سے ہو یا دین کے۔ انسان کی اپنی ہی کوشش یا غفلت کا نتیجہ ہی۔ اور یہ
بات مسلمات بلکہ یقینیات سے ہی کہ جن قوتوں کے ذریعے سے انسان ترقی کر سکتا ہی انکو صرف تعلیم ڈویلپ[4]
کر سکتی ہی پس خدا میں اور تعلیم میں وہ نسبت ہو گی جیسے ایک مصور نے خاکہ بنا دیا اور دوسرے نے اُس میں
خال و خط پیدا کیا۔ نوک پلک نکالی۔ رنگ و روغن بھرا۔ لباس پہنایا۔ آئینہ چوکھٹا لگایا۔ تو جو لوگ اپنے ابنائے جنس
کو تعلیم دینا چاہتے ہیں گویا ان اغراض کی تکمیل کرتے ہیں جنکے لیئے انسان پیدا کیا گیا ہی۔ کانفرنس کو اس کی
شڈولائیٹ[5] میں دیکھنے کا یہ طریقہ ہی جو میں نے عرض کیا۔ اب غور فرماؤ کہ اتنے بڑے کام کے سرانجام کے لیئے کیا اہتمام

[1] طاقت ۱۲ [2] سر رشتہ تعلیم کا محکمہ ۱۲ [3] راہ بتلائے ۱۲ [4] ترقی ۱۲ [5] حالت اصلی ۱۲

کرنا چاہیئے۔ اِس بحث سے اسکا بھی حل پچ رہا ہی کہ ٹکنیکل ایجوکیشن کو عام تعلیم کے پروگرام میں شامل کرنا ضرور ہی اور ٹکنیکل ایجوکیشن عام تعلیم کے پروگرام میں شامل ہوتی تو خواہی نخواہی کانفرنس کے پروگرام میں بھی اسکو لینا ہوگا لیکن میں بوجوہ چند در چند اِسکا سخت مخالف ہوں۔ میں تو سرے سے کانفرنس کی حدود کی توسیع ہی کو پسند نہیں کرتا طلبُ الکل فوت الکل دوسرے ٹکنیکل ایجوکیشن ہی کیا چیز۔ عمل بالید۔ جسکو فلسفہ اور اخلاق کی کتابوں میں حکمت عملی سے تعبیر کیا ہے سو ظاہر بات ہی کہ بدون علم کے عمل ہو نہیں سکتا یہ جو لوگ مثلاً کلیں ایجاد کرتے ہیں اولاً اُنکے اصول کے مطابق جو اُن کو پہلے سے معلوم ہیں ایک منصوبہ سوچتے ہیں پھر اُسکو بنا کر چلا کر دیکھتے ہیں اور جو کور کسر رہجاتی ہی غور کر کے اُسکی اصلاح اور تکمیل کرتے ہیں تب کہیں جا کر کام بنتا ہی۔ یہاں سرے سے علم ہی ندارد ہی ع وہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غائب ہی گریباں سے ✤ منصوبہ سوچیں کیا خاک اور عمل میں لائیں کیا اپنا سر بدون علم کے ٹکنیکل لائن میں صرف نقالی ہو سکتی ہی۔ اور اِس سے کوئی ایسا بڑا فائدہ نہیں۔ ورنہ ہر ایک کل میں جتنے لوہار بڑھئی قلی مزدور کام کرتے ہیں سب انجنیر ہو جایا کریں اور ایسا نہ ہوا ہے نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہی بدون سائنس کے ٹکنیکل انسٹرکشن کچھ کام نہیں آسکتی۔ اور سائنس ہی وہ چیز ہے جس سے ہماری قوم کے کیا جوان کیا بوڑھے کوسوں بھاگتے ہیں مسلمانوں کی دنیوی مشکلات دیکھکر بعض وقت بڑا ہی ترس آتا ہی کہ یا الٰہی یہ کیا تھے اور کیا ہو گئے اور پھر بھی کبھی کچھ پنپینگے زمانے کا رنگ اِن کی نادانی اور بے سامانی یہ سب خیالات ہجوم کرتے ہیں تو اندر سے جی بیٹھا چلا جاتا ہے اور ہر چند دفع کرو چار طرف سے یہی آواز آتی ہی ع ایسے ڈوبے کہیں اُچھلتے ہیں ✤ یہ نہیں کہ اُنکی درستی کی تدبیریں نہیں ہیں اور یہ ٹکنیکل بھی ہیں مگر چونکہ اِن کے کرنے کی ہیں قریب قریب اِمپاسبل کے ہیں۔ جنکے سنبھالے دنیا نہ سنبھالی جائے۔ اُن کو دین و مذہب کی ذمہ داریاں یاد دلانا وہی مثل ہی کہ مرتے کو مارے شاہ مدار شعر

مفلس کہ اُس غریب کی دنیا نہیں درست — مشکل کہ اُسکے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

لیکن اِس سے کہ ہم ذمہ داری کا خیال نہ کریں وہ ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی۔ اِسکے نتیجے ہمکو بھگتنے ہونگے سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ سوچیں یا نہ سوچیں۔ اس کارخانۂ دنیا میں یہ نہیں کہ ہمکو اختیار نہیں ہی مگر گویا کہ نہیں ہے تو جو باتیں ہمارے اختیار سے خارج ہیں یا انتظام الٰہی کے مطابق اپنے وقت پر ہو کر رہیں گی ہم چاہیں یا نہ چاہیں مثلاً یہ تو بیشک ہمارے اختیار میں ہی کہ موت کا خیال دل میں نہ آنے دیں اور نہیں آنے دیتے اور آنے

۱ے تعلیم علمی ہو ۱۲ ۲ے کل کے در پے ہونے کا نتیجہ ہی کہ کل فوت ہو ۱۲ ۳ے تعلیم حرفت و صنعت ۱۲ ۴ے عملی ۱۲ ۵ے ناممکن ۱۲

کیا ابتدا اور کیا انجام

ہمارے راسخ نہیں ہوسکتے کمثل العنکبوت اتخذت بیتا وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت الر

دین و مذہب سے الگ رہ کر لوگوں کو تعلیم دیجائے تو میرے نزدیک اسکی ایسی مثال ہوگی کہ چلبلے اور شریر لڑکے

کو راجرز کا چاقو کھیلنے کے لیئے پکڑا دیا جائے وہ ضرور اپنا ہاتھ کاٹ رہیگا۔ اگرچہ تعلیم کا یورپ تھوڑا ہی مگر

اب بھی ایسی مثالیں بہت ہیں کہ کالج یا اسکول سے نکلکر لوگ آفٹر لائف میں تعلیم سے راحت کی جگہ طرح طرح

کی ایذائیں پاتے ہیں اور اسکا یہی سبب ہوتا ہی کہ ماریل کی خبرگیری نہیں کی گئی۔ بیشک مذہب میں ایسی بھی

بہت سی باتیں ہیں۔ جنکو تمدن سے کچھ علاقہ نہیں۔ لیکن واقع میں مذہب اور خاصکر مذہب اسلام ایسا جامع

دستور العمل ہی کہ کسی حالت کا آدمی ہو مرد اور عورت عالم اور جاہل تونگر اور مفلس تندرست اور بیمار مقیم اور مسافر

حاکم اور محکوم لاولد اور صاحب اولاد مجرد اور متاہل اسکو تمام زندگی میں جو کچھ کرنا ہی اس دستور العمل میں اس کے

لیے ہدایت موجود ہی۔ خدا کو جب بنی نوع انسان کی اصلاح منظور ہوئی تو اُسنے ایسی خراب سوسائٹی میں جس سے

بدتر اُسوقت روئے زمین پر کوئی قوم نہ تھی اپنے سچے اور سادہ اور بے تکلف اور غیر متصنع پیغمبر یعنی فطرت کے

کامل ترین نمونے کو بھیجا اُنکے اقوال اور افعال سب قرآن اور حدیث میں مدون اور منضبط ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا

ہی کہ جس طرح کوئی شفیق باپ ہمہ وقت اپنے اکلوتے بیٹے کی حرکات و سکنات پر نظر رکھتا اور وقتاً فوقتاً بات

بات میں اُسکو روکتا ٹوکتا رہتا ہی۔ تم نے سلام نہیں کیا۔ انھوں نے مزاج پوچھا تھا تو تمکو کہنا چاہیے تھا کہ الحمد للہ

جب کھانسی یا جمائی لو تو موٗنھ پر ہاتھ رکھ لیا کرو۔ بعینہٖ یہی بلکہ اس سے بہت بڑھکر حال تھا پیغمبر خدا صلعم کا

اپنی امت کے ساتھ۔ چنانچہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ہماری تعلیم و اصلاح کا کوئی دقیقہ فروگذاشت

نہیں کیا حتّٰی علمنا الخراءۃ۔ پس مذہب خون کی طرح ہماری سوسائٹی کے رگ و پے میں پیٹھا ہوا ہی۔ اور اگر ہم

تعلیم کو مذہب سے مجرد کرنا چاہیں تو پھر نہ اسلام ہی نہ نیشنیلٹی ہی اور نہ سوسائٹی کچھ بھی نہیں۔ مسلمانوں کی قومیت

اگر کوئی مجھسے پوچھے تو میں سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ایک گروہ مذہبی ہی ان میں ذات اور جماعت

کا بھی امتیاز ہی مگر عند اللہ معتبر نہیں یاایہا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل

لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم سکنڈری اسباب جو کچھ ہوئے ہوں اسمیں شک نہیں کہ مسلمانوں

کی ہستی اور ترقی و عروج کا پرائمری کاز جوش مذہبی تھا لیکن کس قسم کا جوش مذہبی کیا اس قسم کا کہ دنیا سے بھاگ

---

١ اس کی مثال مکڑی کی سی ہی جسنے ایک گھر بنایا اور گھروں میں سب سے زیادہ بودا گھر مکڑی کا ہی ١٢ ٢ اوسط ١٢ ٣ زندگی مابعد ١٢ ٤ یہاں تکہ کہ ہمکو استنجا کرنا تک سکھا دیا ١٢ ٥ قومیت ١٢ ٦ تعریف ١٢ ٧ لوگو ہمنے تمکو نر و مادہ سے پیدا کیا اور تمہارے گروہ اور جتھے بنائے تاکہ

[illegible]

اسکو فضول [illegible] [illegible] تھے [illegible] شاید کوئی [illegible] بڑا ہوا ہو نماز میں [illegible] آتا ہو یا شاید
[illegible] پڑھتا ہو یا کوئی بک صاحب [illegible] قرآن پڑھتا ہوا اور غڑپے لگاتا ہو۔ یہ باتیں بیشک نا [illegible]
مگر میرے لیئے شاید اور سرسید کے لیئے یقینا۔ لیکن کوئی سرسید سے پوچھے کہ کیا آپنے [illegible] باتیں
نہیں کیں۔ ضرور کیں اور انہوں نے بہت زیادہ کیں۔ لیکن اسی قسم کی باتوں سے انگریزی بدنام ہی اور کہا جاتا ہی
کہ انگریزی لڑکوں کو کرستان یا لامذہب بنا دیتی ہی۔ مگر ان ہی کے ہم عمر جو لڑکے نہیں پڑھتے یا پڑھتے ہیں
مگر انگریزی نہیں پڑھتے۔ ہمنے تو کسی کو اشراق و تہجد پڑھتے یا پاس انفاس کرتے نہ دیکھا نہ سنا۔ اگر شاذ و نادر
کوئی انگریزی خواں حد عمر سے زیادہ بگڑا ہے تو یہ اسکی ہی طبیعت کا کھوٹ ہی جو انگریزی نہ پڑھنے کی صورت میں
کسی دوسری قبیح ترین شکل سے ظاہر ہوتا **شعر**

تنگی دل کا گلہ کیا اے وہ کافر دل ہی ۔۔۔ کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

اس شخص نے اگر کالج میں رہکر کوٹ پتلون پہنا جو تمہارے نزدیک داخل بدوضعی ہی تو تمہارے ہاں رہکر
کلی دار پاجامہ پہنتا اور چھیلا بنتا۔ اسنے اگر کالج میں رہکر کرکٹ کھیلنا سیکھا تو تمہارے ہاں رہکر گولیاں
کھیلتا پتنگ اڑاتا بٹیریں لڑاتا۔ اگر کالج میں رہکر اسکے مزاج میں یہ آزادی سمائی کہ جب کسی بات میں اشتباہ
ہوا گو وہ مذہبی ہی کیوں نہو بے تامل لوگوں پر ظاہر کر دیا تو تمہارے ہاں رہکر وہ نفاق سیکھتا اور اپنے تئیں
معصوم اور ولی مادرزاد ظاہر کرتا۔ مگر شبہہ جو تمہارے نزدیک اصل الزام کی چیز ہے۔ اسکا دل میں نہ آنے دینا
تو اسکے اختیار میں نہ تھا۔ ما و شما کس شمار میں ہیں اللہ تعالی پیغمبر صاحب سے فرماتا ہی فان کنت فی شک مما انزلنا الیک
فسئل الذین یقرؤن الکتاب من قبلک غرض یہ محض وہمہ بے اصل ہی کہ انگریزی تعلیم لامذہبی سکھاتی ہی۔ اگر
واقع میں انگریزی تعلیم لامذہبی سکھاتی ہی تو ایسی لامذہبی سکھاتی ہی جسکا دوسرا نام اسلام ہی یضع عنہم اصرہم
والاغلال التی کانت علیہم ہم تو ایسا اسلام رکھتے ہیں یقتلون ویقتلون۔ یقتلون ہی تو ہم غازی ہیں اور
یقتلون ہی تو ہم شہید۔ لیکن جنکا اسلام صرف یقتلون ہی اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھیں وہ دن گئے کہ خلیل خاں
فاختہ اڑایا کرتے تھے۔ اب تو ہندوستان میں بلکہ مجھے تو ایسا سامان نظر آتا ہی کہ مکے مدینے کی تو کہی نہیں جاتی
شاید روے زمین پر بدون انگریزی تعلیم کے اسلام رہ نہیں سکتا۔ رہنے سے مراد عزت اور آبرو کے ساتھ

[1] یعنے جو تمہارے طرف کتاب اتاری ہی اگر تمکو اسمیں کچھ شک ہی تو جو کتابیں تم سے پہلے اتاری ہیں ان کے پڑھنے والوں سے پوچھو ۱۲
[2] ان کے بوجھ اور قیدیں جو ان پر تھیں ہلکی کرتا ہے ۱۲ [3] لوگوں کو مارتے ہیں اور آپ بھی مارے جاتے ہیں ۱۲

رہنا ہو ورنہ محتاج اور ذلیل و خوار ہوکر رہنا ہی ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ وباؤ بغضب من اللہ[1] تو خدا اُس دن کے لیئے سب مسلمانوں کو موت دے۔ میں اگر بدعقیدہ ہوں تو مجھکو عقیدہ بد کا وبال بھگتنے دو۔ مگر سمجھو تو سہی تمکو بدعقیدہ کرنے میں مجھکو کئے رکعت کا ثواب ملیگا۔ بجز اسکے صرف اخوت اسلامی اور ہمدردی قومی کے خیال سے جو سید احمد خاں کے مونہہ دیکھے سے تھوڑی دیر کے لیئے دل میں آجاتا ہی۔ ایک صلاح کی بات بتاتا ہوں اور میری نزدیک اسمیں کسیطرح کی قباحت نہیں اور فرض کیا کہ ہی بھی تو الضرورات تبیح المحظورات[2] انگریزی تعلیم کے لیئے روپیہ خرچ کرو اور یہ سمجھو کہ مسلمانوں کی دنیوی حالت درست کرتے ہیں تاکہ خدا کا بول بالا اور اسلام کی عزت ہو میں قرآن اور حدیث کی سند سے کہتا ہوں کہ مرابط فی سبیل اللہ کا سا اجر ملیگا کیونکہ انما الاعمال بالنیات لیکن ایمان ٹھکانے ہو تو نیت بھی درست ہو۔ یہاں نفس ایمان ہی میں کلام ہی اگرچہ کسی دوسرے کے ایمان پر اطلاع نہیں ہوسکتی مگر اپنے اوپر قیاس کر کے یا لوگوں کے اعمال ظاہری سے پتہ چل سکتا ہی ٥

ومہما تکن عند امرء من خلیقۃ وان خالہا تخفی علی الناس تعلم

تو میں اپنے اوپر قیاس کر کے کہہ سکتا ہوں کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اسواسطے کہ مسلمانوں کے یہاں پیدا ہوئے مسلمانوں کا سا نام رکھا گیا۔ لیکن اسے کاش اسقدر مسلمان ہونے کے لیئے کفایت کرتا خدا نے اپنے کلام پاک میں کئی جگہ مسلمان کی شناخت بتائی ہی انمیں سے ایک مختصر سی آیت پڑھتا ہوں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ[3] اس آیت میں صرف دو ہی باتیں ہیں اللہ اور رسول پر ایمان لانا اور اللہ کے رستے میں جان و مال سے کوشش کرنا۔ آؤ تھوڑی دیر کے لیئے دیکھیں کہ ہم ان دونوں شرطوں کو کہاں تک پورا کرتے ہیں اٰمنوا باللہ ورسولہ کے نہ لفظ مشکل ہیں اور نہ کچھ معنی دقیق ہیں سب جانتے ہیں کہ اللہ اور رسول پر ایمان لانا یعنی خدا کا بجمیع صفات یقین کرنا اور رسول کو سمجھنا کہ واقع میں اُن کو خدا نے بندوں کی ہدایت کے لیئے پیغمبر بنا کر بھیجا تھا لیکن یقین ہی کی تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہی۔ بیشک ہمکو آگ کے جلانے کا یقین ہی۔ ہمکو اسکا یقین ہی کہ جس کو تیرنا نہیں آتا وہ ڈوباؤ پانی میں ڈوب جائے گا۔ ہم کو اس کا یقین ہے کہ مثلاً دلی میں جو قطب صاحب کی لاٹ ہی اُس کی چوٹی سے آدمی نیچے فرش پر گرے تو ہلاک ہو جائے گا۔ یہ باتیں ہمارے مونہہ سے اقرار کرنے کی محتاج نہیں ہمارا برتاؤ ہمارا عملدرآمد ہماری یقین کا ثبوت ہے کتنے ہیں جو قصداً آگ میں

[1] ذلت اور محتاجی اُنپر لازم کردی گئی اور اللہ کے غصے کے مستوجب ہوئے ۱۲ [2] ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں ۱۲ [3] مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر اس میں کچھ شک نہ کیا اور اپنے مال اور جان سے خدا کی راہ میں کوشش کی یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں ۱۲

جا کر جان دیتے ۔ پانی میں ڈوب کر مرتے کتنے اوپر سے گر کر ہلاک ہوتے۔ اب اس یقین کا مقابلہ
اُس صرفِ زبانی یقین کے ساتھ کہ خدا ہے اور اُس سے ہمارا کوئی فعل کوئی قول کوئی خیال مخفی نہیں یعلم
خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور وہ نیکی کو پسند اور بدی کو ناپسند کرتا ہے۔ اُسکی رضامندی فوز و فلاح ہے
اور اُسکی نارضامندی ابدی عذاب و ہلاکت ذرا انصاف سے کہو کہ دونوں یقینوں میں کچھ بھی مناسبت
ہے شیطان نے ایک نافرمانی کی تھی ابد الآباد تک راندہ گیا۔ ہم ہیں کہ صبح سے اگلی صبح تک نافرمانیوں ہی
میں گزرتی ہے اور ایمان ہے کہ مصرع چوں وضوء حضرتِ بی بی تمیز ۔ اسمیں کسی طرح کا ضعف
یا خلل نہیں آتا۔ بہت ہی ٹھیک فرمایا ہے ولو یؤاخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علی ظہرھا من دابۃ و
لکن یؤخرھم الی اجل مسمی فاذا جاء اجلھم فان اللہ کان بعبادہ بصیرا پھر جس آیت کا میں ذکر کر رہا ہوں یعنی
اٰمنوا باللہ و رسولہ اسمیں ایک غضب کی قید ثم لم یرتابوا کی لگی ہے یعنی اللہ اور رسولؐ پر ایمان لائے اور پھر
کسی طرح کا شک نہ کیا اِس نے تو اور بھی رہی سہی آس توڑ دی۔ یہی مضمون دوسری جگہ دوسرے لفظوں
میں بھی آیا ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا یہ استقامت کا مرحلہ بڑا مشکل مرحلہ ہے۔ لیکن جیسی مدت
مشکل ہے ویسا ہی بڑا بھاری صلہ بھی ہے تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی
کنتم توعدون نحن اولیاؤکم فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم
فیھا ما تدعون نزلا من غفور رحیم مجھے بڑا خوف ہے کہ ثم لم یرتابوا ہم لوگوں کے حق میں جو اٹلائیٹنڈ ہونے کا دعویٰ
رکھتے ہیں بڑا کڑا تازیانہ ہے کیونکہ ہم ہی لوگ مذہب میں عقل کو بہت دخل دیتے ہیں جسکا دوسرا نام ہے
ارتیاب۔ اللہ میاں کے پسند ہے دینِ العجائز نہ دینِ فلاسفہ

گر باستدلال کار دیں بُدے — فخر رازی رازدارِ دیں بُدے
پائے استدلالیاں چوبیں بود — پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

لہ آنکھوں کی چوریاں اور دلوں کے اسرار کو جانتا ہے ۱۲ ؎ لوگ جو برائی کماتے ہیں اگر اُسپر پکڑ کرے تو روئے زمین پر کسی جاندار کو جیتا نہ
چھوڑے لیکن ایک وقت مقرر تک اُنکو ڈھیل دیتا ہے جب وہ وقت آ جائے گا تو خدا ہی اپنے بندوں کے حال کا دانا اور بینا ہے ۱۲ ؎
اُن پر فرشتے اُترتے ہیں کہ ڈرو مت اور دل کو اداس مت رکھو اور جس جنت کا تم سے وعدہ تھا تمکو مبارک ہم دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے
کارساز ہیں اور جنت میں تم کو سب کچھ ملے گا جو تمہارا دل چاہے اور ملیگا جو مانگو گے خدائے بخشندہ و مہربان کی طرف سے تمہاری ضیافت
ہے ۱۲ ؎ روشن خیال ۱۲ ؎ بڑھیوں کا دین ۱۲

کو ٹٹول پڑا۔ اندھوں نے سنا انکو بھی شوق ہوا۔ مگر مشکل یہ آکر پڑی کہ آنکھیں نہیں۔ گئے اور کسی نے سونڈ ٹٹولی کسی نے دُم کسی نے کان کسی نے پاؤں کسی نے پیٹ اور پھر لگے اُسکے بیان میں اختلاف کرنے۔ وہ سب سچے تھے اپنی اپنی پندار کے مطابق مگر سب جھوٹے واقع کے اعتبار سے۔ غرض خدا عجیب اور باوجودیکہ ہم ظاہری اور باطنی حواس کے ذریعے سے کیہی ہماری کائنات ہی اسکو سمجھ نہیں سکتے اُسکا ماننا عجیب اور پھر خدا جیسے اعجب العجائب کو مانکر کسی بات پر تعجب کرنا سب سے زیادہ عجیب ہے۔ یہ بحث بڑی دلچسپ ہے اور میں اسپر کچھ کہتا مگر سامعین کو دیکھتا ہوں کہ ملول ہو چلے ہیں اور مجھکو وہ آیت انما المؤمنون الخ پوری کرنی ہی۔ ہان تو میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے ثابت کردیا ہی کہ مومن ہونے کی پہلی شرط آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا کو ہم پورا نہیں کر سکتے اب ہی دوسری شرط جاھدوا باموالہم وانفسہم فی سبیل اللہ اگر جاھدوا سے مراد جہاد متعارف یعنی کفار سے اپنے دین کی حفاظت اور حمایت کے لئے لڑنا یہ کتابی لڑائی نہیں [1] من ترا کافر بخوانم تو مرا مرتد بخواں + من ترا ملعون دانم تو مرا ناری بیں + بلکہ وہ لڑائی جسمیں گیند کی جگہ سر اور بلّے کے عوض تلوار ہوتی ہی اگر جہاد سے اس قسم کی لڑائی مراد ہوتی تو ستے چھوٹے تو الدہ بزرگوار کو ایسی بد تہذیبی کا اتفاق ہوا اور نہ جد امجد کو اور کتنوں کو خدا کے فضل سے ہوا بھی نہیں اور انشاء اللہ تعالی ہونے کا بھی نہیں۔ لیکن آیت میں کچھ لڑائی کی تخصیص نہیں مطلق جاہدوا ہی۔ جسکا مادہ جہد ہی اور اسکے معنی ہیں کوشش۔ بیشک زمانۂ نزول قرآن میں بلکہ اُسکے بعد اور دوسرے دوسرے ملکوں میں اب بھی جہاد فی سبیل اللہ کی شق متعین یہی لڑائی ہی۔ لیکن بحث اسمیں ہی کہ ہماری حالت کے مناسب جہاد کا کونسا پیرایہ ہی۔ میں نے اسی مجمع میں اسی جگہ تیورس سال بھی کہا تھا اور مولوی لوگ کچھ پی سے گئے کیونکہ اپنی نسبت کفر کا کوئی فتوے میری نظر سے نہیں گزرا اور اب پھر کہتا ہوں کہ اس زمانے کا جہاد یہی ہی کہ تعلیم میں جس سے جو کرتے بن پڑے کرے اور جاھدوا باموالہم وانفسہم کا مصداق بنکر مومن اور صادق کے دوہرے دوہرے خطاب شاہنشاہ دوجہان کی سرکار سے لے۔ وفی ذلک [1] فلیتنافس المتنافسون لیکن کون ہی جو سچے دل سے مومن کو خان پر اور صادق کو بہادر پر ترجیح دے۔ اور خان اور بہادر بھی سکۂ انگریزی کا نہیں کہ خیر اسمیں دنیوی وقعت تو ہی بلکہ کیٹی [2] نیٹیو ٹیری سٹیٹس کا جسکے خزانے میں ان امپٹی [3] ٹائٹلز کے سوا کچھ بھی نہیں واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین +

[1] رشک کرنے والوں کو چاہیئے کہ اس میں رشک کریں ۱۲ [2] چھوٹی چھوٹی خراج گزار ریاستیں ۱۲ [3] خالی خطاب ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب مولانا مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب کا لکچر جو اُنہوں نے

انجمن حمایت اسلام لاہور

کے ساتویں سالانہ جلسے پر بمقام لاہور دیا

جن لوگوں نے منطق کے ابتدائی رسالے دیکھے ہونگے شکل اول کی یہ معمولی بلکہ موروثی و قیانوسی مثال ضرور اُن کی نظر سے گزری ہوگی العالم متغیر وکل متغیر حادث فالعالم حادث۔ عالم متغیر ہی اور ہر متغیر حادث ہی پس عالم بھی حادث ہی۔ منطقی تو اسمیں اس اعتبار سے نظر کرتے ہیں کہ شکل اول کے انتاج کے لیئے ایجاب صغرے[ل] اور کلیت کبرے شرط ہی مجھ کو اس سے کچھ بحث نہیں[ل] کیا جانیں ہم زمانے کو حادث ہی یا قدیم۔ کچھ ہو بلا سے اپنی کہ میں تو ان معنوں میں صرف عالم کے تغیرات پر کچھ کہنا چاہتا ہوں اور تغیرات میں بھی صرف وہ تغیرات جو عملداری کے بدلنے کی وجہ سے برٹش انڈیا میں واقع ہوئے ہیں پچھلی عملداریوں کو عموماً نظر حقارت سے دیکھنا پرلے درجے کی بے انصافی اور ہٹ دھرمی ہی۔ ان میں ایسے زمانے بھی ہو گزرے ہیں جنکے حالات ہنوز صفحات تاریخ پر آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں اور آخر الدہر تک آب زر سے لکھنے کے لائق رہینگے پچھلی عملداریوں کی نسبت راے قائم کرنے میں ایک عام غلطی یہ ہوتی ہی کہ اُس زمانے کے حالات کو موجودہ زمانے سے مقابلہ کیا جاتا ہی چنانچہ اسی طرح کی غلطی کا پردہ اُن لوگوں کی آنکھوں پر بھی پڑا ہی جو اسلام کو اُس عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جسکا وہ انصافاً مستحق ہی۔ مثلاً کہتے ہیں اسلام

[ل] یہ اصطلاحات منطق ہیں ۱۲ [ل] سلطنت ہندوستان ۱۲

سے پیش پیش ہی یا نہیں۔ میں خیال کرتا ہوں نہیں ہوگا کیونکہ سیٹ آف گورنمنٹ یعنی صدر مقام نہیں ہے مشتمل
نے دہلی کالج سے جس کا ان دنوں تعلیم کی دنیا میں فخر تھا کالج رہا تھا چھ مولوی طلب کئے۔ بلائے تو تھے چھ مولوی آئے پانچ مولوی اور
ایک کثیر المطالعتی ہیں جب اسحالت میں کہ میں تازہ ولایت تھا ابھی کالج سے اٹھا ہو چلا آتا تھا اور جو کچھ پڑھا تھا سب مستحضر تھا میں کہ طلا
تھا تو اب سوائے حرف شناسی کے میں اپنے تئیں کیا خیال کر سکتا ہوں لکیلا یعلم بعد علم شیئا جاننے بوجھنے کے بعد کچھ بھی نہ جانے
میں اسوقت کا لکھا پڑھا بیشک بہت کچھ بھول گیا ہوں مگر پنجاب کے سفر کو نہیں بھولا اور وہ بھولنے کی چیز بھی نہ تھی
عملداری کو بدلے ہوئے کچھ ایسی زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی۔ بھری برسات تھی۔ ندی نالے اور نالے دریا
ہو رہے تھے۔ اور دریا سمندر۔ ٹرنک روڈ (شاہ راہ) جاری تھی مگر چونکہ پل نہیں بننے پائے تھے گویا کہ بند تھی اور ان
پر مزید اپنی ناتجربہ کاری ناداری اور بے سامانی غرض وہ جو کتابوں میں سفر کی مذمتیں پڑھی تھیں انکی تصدیق ہوگئی
اور ۲۳ دن میں بمشکل دلی سے گجرات پہونچا۔ یہی نہیں کہ مجھکو اُس سفر کی صرف صعوبتیں یاد ہیں۔ نہیں۔ چونکہ منزل
بمنزل کا سفر تھا میں نے آتے جاتے راہ کے سارے شہروں کو بھی دیکھا تھا۔ اور سب کی نہیں تو اکثر کی وہ اگلی حالتیں
میری نظر میں ہیں۔ اُن میں سے ایک تمہارا لاہور بھی ہے۔ ہرچند وہ دیکھنا اجمالی دیکھنا تھا۔ مگر پارلیمنٹ کے اُن
ممبروں کے مقابلے میں تو میں اسکو تفصیلی ہی سمجھتا ہوں جنکو کسی مرض کی شکایت کی وجہ سے ڈاکٹر نے موسم سرما
کے چند ہفتوں کے لئے سفر بحری کی رائے دی اور وہ ہندوستان کو دھر لیکے۔ چند ہفتوں میں آئے بھی اور گئے بھی
اور ولایت پہونچکر لگے ہندوستان کے پیچیدہ معاملات میں رائے زنی کرنے۔ جیسے بڑے بوجھ بوجھکر [illegible]
کا دیکھا دیکھا میں نے لاہور کو اب یہ چوتھا برس ہے۔ سر سید احمد خاں صاحب کے ایجوکیشنل کانفرنس کی تقریب سے دیکھا
یعں اگر کوئی مجھ کو لا کر لاہور کے سواد میں لاعلمی کی حالت میں چھوڑ دیتا تو میں ہرگز نہ پہچانتا کہ دنیا میں کہاں ہوں
کیا صرف لاہور میں اور لاہور کے بھی صرف مکانات میں یہ عظیم تغیر واقع ہوا ہے۔ نہیں بلکہ انگریزی گورنمنٹ کے
حسن انتظام سے کل ہندوستان کی ہر بات میں حیثیت بدلی ہوئی ہے۔ میں انگریزی عملداری میں ہندوستان کو
ایسا خیال کرتا ہوں جیسے ایک بچہ جو ایک ہندوستانی پھوہڑ دایہ کی گود میں نہیں جسے بچے کو روتا دیکھکر بے تمیزی
کے ساتھ دودھ پلا دینے کے سوا بچے کے ضائع کر دینے کے بہت اور اُسکے پلنے کا کوئی قاعدہ معلوم نہیں بلکہ
وہ ایک زیرک ہوشیار بتجربہ کار ہنر مند دایہ کی کنار عاطفت میں ہے مسز گرٹ کے اڈیٹر منشی سراج الدین کے رسالہ تعلیم
کے اصول کے مطابق پرورش پا رہا ہے۔ اور آنًا فآنًا اُس کے جملہ اعضا اور قوے اپنی اپنی جگہ متناسب ترقی کر رہے ہیں
ہندوستان کے حالات ماضیہ اور موجودہ پر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو ہر چیز بدلی ہوئی نظر آتی ہے سالا اسلمان کہ یہ اگر

بدلے بھی تو اسی قدر کہ بد سے بدتر ہو گئے مسلمانوں کی موجودہ حالت اگر[۱] سابقہ حالت کے مقابلے میں سوچی تی تو کہتے کہ زوال سلطنت کی وجہ سے ہی اور اسکی شکایت کی کوئی وجہ نہ تھی۔ لیکن جس بات کی شکایت ہی وہ یہ ہی کہ جیسی رعایا یہ ویسی رعایا دوسری قومیں جو حقوق انکے سو ہی دوسروں کے پھر کیا وجہ ہی کہ یہ انکے مقابلے میں ہیٹے ہیں تعلیم میں۔ عزت میں۔ تقرب حکام میں۔ غرض ہر طرح کی دنیاوی رفاہ و خوشحالی میں ✦

مجھ کو اپنے عنفوان شباب کی بات اب تک یاد ہی کہ از بسکہ عموماً اُس وقت تک مسلمان ہی صدر الصدور ہوتے تھے ہماری طرف تو صدر الصدور کہتے ہیں پنجاب میں نہیں جانتا انہیں کیا کہتے ہیں (شیخ خدا بخش صاحب صدر جلسہ کی طرف اشارہ کر کے) آپکا کیا عہدہ ہی؟ سب جج۔ تو ہاں صدر الصدور ایسے تھے جیسے تمہارے ہاں سب جج مگر مجھکو تو کچھ صدر الصدوری کا لفظ پسند ہی کیونکہ بولنے اور سننے میں بھلا معلوم ہوتا ہی اور سب جج ہو بھی نہیں سکتے غرض میں اُن ملنے میں ایسا خیال کرتا تھا کہ صدر الصدوری کے لئے مسلمان ہونا شرط ہی میں نے اول اول منشی کانجی سہائے کا صدر الصدور ہونا سُنا تو تعجب کیا کہ ہندو اور صدر الصدور۔ میں کیا جانتا تھا کہ ایک دن ایسا بھی مجھ کو دیکھنا ہی کہ جیسی ہندو کے صدر الصدور ہونے پر تعجب کر رہا ہوں ویسا ہی مسلمان کے صدر الصدور ہونے پر تعجب کرونگا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ دن آگیا اور نہیں آیا تو اور دس بیس برس بعد سہی ✦

یوں تو رعیت اور غلام دونوں میں ایک صفت مشترکہ ضرور ہی یعنی پرائی تابعداری مگر رعیت رعیت میں فرق ہی میں انگریزی رعایا ہونے کو آزادی کا مترادف سمجھتا ہوں لیکن فرض کرو رعیت ہونا مشقت کی بات ہی تو یہ جُوا مسلمانوں کی گردن پر اب کم و بیش سو سوا سو برس سے رکھا گیا ہی جب کہ یہی اور اس سے بھی زیادہ بھاری جُوا کھینچتے کھینچتے دوسری اقوام معاصر کی پشتیں کی پشتیں فنا ہو گئیں تو اس رو سے کس کو زیادہ خستہ حال اور مضمحل و ناتوان ہونا چاہئے اسکا جواب ہی دوسری قوموں کو۔ مگر قضیہ منعکس ہی انگریزی عملداری میں مسلمانوں سے زیادہ کوئی خستہ حال قوم نہیں جب قوم کا نام آیا تو قوم عبارت ہی چھ کروڑ مسلمانوں سے جو برٹش انڈیا میں بود و باش رکھتے ہیں بیشک ہم میں بھی کوئی کوئی بڑے بڑے مالدار ہیں۔ کوئی کوئی بڑی سی بڑی خدمت رکھتے ہیں۔ کوئی کوئی صاحب خطاب ہیں لیکن قوم یہ کوئی کوئی ہیں کتنے؟ فی صدی بتاؤ تو آسانی سے سب کی سمجھ میں آئے۔ سو میں ایک نہیں۔ آدھا نہیں۔ تہائی نہیں۔ چوتھائی نہیں۔ ایک پانچواں نہیں۔ غرض تم اسیطرح ایک چھوٹی سی چھوٹی کسر بولتے جاؤ اور میں برابر نہیں کہتا رہوں یہانتک کہ تم کسور اعشاریہ پر اُتر پڑو اور ہیں اِن میں بھی ایک بڑا لمبا

[۱] اُلٹی بات ہی ۱۲ ۔ حکومت ۱۲ نیری ۱۲

لکچر را چلتا ہوا دیکھ کر کہوں کہ شاید +

قوم کا پھیلاؤ اور عموم خستہ حالی دیکھکر کبھی جی چاہنے لگتا ہی کہ یہ کہاں کے معدودے چند مستثنیات کلیے کے بنانے میں خلل انداز ہو رہی ہیں یہ بھی نہ رہیں تو اچھا تاکہ کہہ سکیں کہ مسلمان سب کچھ تھے اور اب کچھ نہیں - تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ تو ہم ہی کو کوسنی لگ گیا - میں پانی پی پی کر نہیں کوستا کہ تمہیں ڈر ہو بلکہ گرم چاے پی پی کر (لکچرار صاحب گلو تر کرنے کو [illegible] بار بار چاے پیتے جاتے تھے) +

مسلمانوں کی سلطنت جاکر اگر کوئی ظالم اور وحشی گورنمنٹ ان پر مسلط ہوتی اور انکے مٹانے کے درپے رہتی اور مسلمان اس نوبت کو پہونچ گئے ہوتے تو ہم سمجھتے کہ خدا ہی کو ان کا نیست و نابود کرنا منظور ہی اور اس صورت میں نہ کوئی کسی کو سمجھاتا اور نہ کوئی کسی کو الاہنا دیتا - مگر بڑا جھینکنا تو اسی کا ہی کہ انگریزی گورنمنٹ اسقدر مہربان اور اپنی رعایا کی اسقدر پرداخت اسکو منظور کہ نہ صرف روے زمین کی موجودہ گورنمنٹوں میں بلکہ تاریخوں میں اسکی نظیر نہیں اور اسپر مسلمان تباہ اور خستہ حال +

انگریزی عملداری میں مسلمانوں کی ایسی مثال ہی کہ ایک دریاے مواج پڑا بہ رہا ہی اور مردم و مرغ و مور سب اپنے اپنے حوصلے کے موافق اُس سے سیراب ہوتے چلے جاتے ہیں اور مسلمان ہیں کہ موسم تابستان ہیں دریا کی ریتی پر پیاسے پڑے تڑپ رہے ہیں ؎ تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل + کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را +

غرض یہ ایک واقعہ ہی جس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمان انگریزی عملداری کی برکتوں سے کُل سے نہیں تو اکثر سے محروم ہیں - اور چونکہ دنیا عالم اسباب ہی اس حرمان کا کچھ نہ کچھ سبب ہونا چاہیئے - وہ سبب انگریزی عملداری کے اصول تو نہیں ہو سکتے کیونکہ اصول عملداری عام ہیں سب پر یکساں مؤثر - اور اسباب عام ہوتے ہیں تو اُن کے نتائج بھی عام ہوتے ہیں (اذ لیس فلیس) (اور چونکہ نتائج عام نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ عملداری انکا سبب نہیں) پس ہو نہ ہو ہم آپ ہی اپنی تباہی کے موجب ہیں ؎ عالم ہمہ اسکے تو الطاف شہیدی سب پ + تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا +

تو کیا سلطنت کے زائل ہونے سے مسلمانوں کی عقل بھی زائل ہو گئی کہ اپنے پاؤں میں لگے آپ کلہاڑی مارنے - میں اسکا جواب دونگا - ہاں بیشک ضرور - کیونکہ دوسرا جواب بن نہیں پڑتا - ہر چند یہ جواب سُن کر لوگ مجھی کو سڑی اور پاگل بتائیں گے اور کہیں گے کہ منکر چاہتہ عقل ہی - مگر میں اپنی اس جگہ سے ٹلنے والا نہیں جبتک مسلمانوں پر ان ہی کی بدعقلی ثابت نہ کر دوں +

عقل جسکو میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے سلب ہوگئی۔ اس سے مراد ہی عقل معاش۔ عقل مصلحت اندیش۔ عقل مزاج شناس زمانہ۔ عقل سلیم۔ میں نے ابھی تھوڑی دیر ہوئی ان تغیرات کا مجملاً ذکر کیا جو انگریزی عملداری کی وجہ سے ہندوستان میں واقع ہوتے ہیں اور واقع ہوتے چلے جاتے ہیں اور واقع ہوتے چلے جائینگے۔ پس مسلمانوں کی تمام بدعقلی محصور ہی اس ایک بات میں کہ انھوں نے اپنے تئیں زمانے کے ساتھ نہیں بدلا اور بدلنا چاہتے بھی نہیں۔ پس انکو ضد ہی اور مخالفت عملداری سے زمانے سے۔ یا سیدھی طرح یہی کیوں نہ کہا جائے خدا سے۔ اور اس بیہودہ ضد اور مخالفت کا نتیجہ ضروری نتیجہ اب تک جو ہوا دیکھا اور جو آئندہ ہونے والا ہی۔ اور ضرور ہونے والا ہی جو جیتا رہیگا دیکھیگا اور ضرور دیکھے گا۔ ✦

دنیا جو دار الاسباب ہی اسکے یہی معنی نہیں ہیں کہ ہر ایک واقعہ کا ایک سبب ہوتا ہی۔ بلکہ وہ سبب پھر بجائے خود ایک واقعہ سمجھا جاتا ہی۔ اور کوئی اور واقعہ اسکا سبب ہوتا ہی۔ اسی طرح دنیا میں اسباب کا ایک سلسلہ قائم ہی الف کا تے ہی اور تے کا سبب جیم۔ جیم کا دال وھلم جرا (یعنی علیٰ ہٰذا القیاس) مسلمانوں کی خستہ حالی کا سبب ہی زمانے کے ساتھ ساتھ ان کا نہ بدلنا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ نہ بدلنے کا سبب کیا ہی؟ واقع میں تو نہ بدلنے کا سبب ہی کوتاہ اندیشی مگر عذر بدتر از گناہ کے طور پر چھدار کھا جاتا ہی مذہب پر۔ سبحانک ھذا بہتان عظیم (سبحان اللہ یہ تو بڑے ہی بہتان کی بات ہی)

میرے نزدیک مذہب اسلام کی حقانیت کی سب سے بڑی۔ سب سے عمدہ۔ سب سے قوی دلیل یہی ہی کہ وہ کسی دنیاوی ترقی۔ دنیاوی بہبود۔ دنیاوی فلاح کا مانع ہونا کیسا حارج اور مزاحم بھی تو نہیں۔ یہانتک کہ سلطنت کا جو اعلیٰ درجے کی دنیا ہی۔ کیا قرون اولیٰ کے مسلمان جن میں خود جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے اصحاب بھی تھے رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور جو دین کے اعتبار سے ہم عار اسلام سے بدنام کنندہ نکو نامے چند۔ مسلمانوں سے ہزاروں لاکھوں کروروں درجے بہتر تھے۔ وہ دین کو ہم سے بہتر سمجھتے تھے۔ اور ہم سے بہتر اس پر عمل کرتے تھے کیا ان بزرگوں نے دنیا کی سلطنت کے لیئے زحمتیں نہیں اٹھائیں۔ جانیں نہیں دیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کو صوم و صلوٰۃ پر مقدم نہیں رکھا۔ تم کہوگے کہ انکو سلطنت دنیا مقصود بالذات نہیں تھی۔ بالکل غلط۔ سوائے تمہارے کوئی اسکو تسلیم نہیں کرے گا اور تمہاری بھی زبان تسلیم کریگی نہ دل۔ ہاں یوں کہو تو ایک بات ہی کہ انکو سلطنت سے شیخی۔ تن آسانی اور مردم آزاری۔ واشالہا یہ باتیں منظور نہ تھیں تو تم سے کون مسخرہ کہتا ہی کہ دنیا کو ان ذلیلوں کے لیئے حاصل کرو ع خود راز عملہائے نکوہیدہ بری دار ✦

دین ہی کیا چیز۔ شارع علیہ السلام نے جو قاعدے ٹھہرا دیئے ہیں اُن کے مطابق دنیا کو برتنا اسی کا نام دین ہی

یکساں ہی یا نہیں۔ اگر دین کوئی اور چیز ہو تو ازبرائے خدا بولو کہ اس بڑھاپے میں تم ہی سے ایک بات حاصل ہو اور میں سمجھوں کہ اس کڑاکے کے جاڑے میں دلی سے لاہور آیا تھا تو خیر ایک نکتہ ہی معلوم ہوا ہی۔ جب دنیا کو شارع علیہ السلام کے قواعد کے مطابق برتنے کا نام دین ٹھہرا تو دنیا اور دین میں وہ نسبت ہوگی جو ہیولیٰ اور صورت میں۔ جوہر اور عرض میں۔ اصل اور فرع میں ہوتی ہی یعنی دنیا کے بدون دین متحقق ہو نہیں سکتا۔

دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو ۔۔۔ اعلائے شان قادر مطلق کہاں سے ہو
ایثار و بذل وجود محقق کہاں سے ہو ۔۔۔ مصدر ہی جب نہیں ہو تو مشتق کہاں سے ہو
مفلس کہ اس غریب کی دنیا نہیں درست ۔۔۔ مشکل کہ اس کے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

امیری ہو یا غریبی۔ حاکمی ہو یا محکومی۔ عزت ہو یا ذلت دنیا سے تو کسی حالت میں نجات نہیں۔ امیر و غریب حاکم و محکوم۔ عزیز و ذلیل سبھی دنیا دار ہیں۔ مگر شانیں مختلف۔ نحن قسمنا بینہم معیشتہم فی الحیوۃ الدنیا و رفعنا بعضہم فوق بعض درجات لیتخذ بعضہم بعضا سخریا (ہم نے ہی انکی دنیاوی معاش ان میں بانٹ دی ہے اور درجے کے اعتبار سے بعض کو بعض پر ترجیح دی ہی تاکہ ایک سے دوسرا کام لے) +

اور جس طرح لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں انکے دنیاوی برتاؤ کے قاعدے یعنی احکام شرعی بھی مختلف ہیں امیر کو جود و بذل ایثار و ہمدردی کا حکم دیا جاتا ہی تو غریب کو صبر و قناعت۔ تسلیم و رضا کا لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا (اللہ تعالیٰ کسی کو اُسکے مقدور سے بڑھکر تکلیف نہیں دیتا) لا یکلف اللہ نفسا الا ما آتاھا (اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسیقدر جسکی اُسکو طاقت دی ہی) لیکن خدا نے مسلمانوں کے خدا نے۔ خدا کے رسول نے کب کہا کس سے۔ یہ سب جھوٹ۔ افترا۔ بے جا۔ غلط۔ کہ دنیا کے اعتبار سے ذلیل محتاج اور خستہ و خوار رہو۔ اِس سے کہ ایسی حالتوں کے لیئے شرع میں احکام پائے جاتے ہیں۔ یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ خدا ہمکو ان مکروہ اور قابل افسوس حالتوں میں رہنے کا حکم دیتا ہی۔ طب کی کتابوں میں امراض کے علاج لکھے ہوتے ہیں تو کیا ان کتابوں سے یہ غرض سمجھی جاتی ہی کہ مریض رہو۔ اسی طرح دین بھی طب روحانی ہی۔ اس میں کبر و نخوت۔ عجب و غرور۔ حرص و ہوا وغیرہ امراض کا علاج نفس کشی سے بتایا گیا ہو تو اس سے کیوں مفہوم ہوگا کہ خدا ہمکو مصیبت زدہ اور غریب رکھنا چاہتا ہی۔ خدا نخواستہ اگر خدا ایسا حکم دے تو لازم آئے ابطال[1] مصالح خلق عالم۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلا (اے پروردگار تو نے اس جہان کو لغو و باطل تو نہیں پیدا کیا) خدا نے دنیا میں بے شمار طرح کی نعمتیں پیدا کیں وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا

[1] یعنے دنیا کے پیدا کرنے میں جو مصلحتیں مضمر ہیں وہ باطل ہو جائیں ۱۲

(اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان پر احاطہ نہ کر سکو گے) اور ہم کو ان نعمتوں سے متمتع ہونے کی قابلیت بھی
عطا فرمائی۔ کیا ترسانے اور دھانے کے لیئے کہ دیکھیں اور للچائیں اور ان سے مطلق فائدہ نہ اٹھائیں؟ یہ تو بندوں
کے ساتھ ایک طرح کی چھیڑ خانی ٹھہری تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا (اس سے خدا کی شان بہت ارفع و اعلی ہے) سنو
بھائیو! خدا تو یہ چاہتا ہے کہ جس حال میں چاہو رہو۔ جس طرح چاہو زندگی بسر کرو۔ مگر ایک بات کا خیال رکھو کہ تم عباد
اللہ (یعنی بندگی کی شان سے) لیئے رہو۔ پس پھر تم دیندار ہو۔ پکے مسلمان ہو اور انشاء اللہ تعالی جنتی ہو۔ قرآن
کو دیکھو۔ جگہ جگہ سے یہی بات مترشح ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ کرتے تھے تو کہتے تھے
استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا و یمددکم باموال و بنین و یجعل لکم جنات و یجعل لکم انہارا
حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو دیندار ہونے کے صلے میں جن انعام کا لالچ دکھاتے تھے وہ یہی دنیاوی نعمتیں
تھیں۔ پانی کا برسنا۔ تم اسکی قدر کیا جانو گے۔ اس نعمت کی قدر کرتے ہونگے حق قدرہ پریزیڈنسی مدراس اور
بمبئی کے ان اضلاع کے باشندے جنہیں ان دنوں پینے کو پانی میسر نہیں۔ جانوروں کو چارہ نصیب نہیں۔ غرض
حضرت نوح علیہ السلام جن انعام کا طمع دلاتے تھے وہ یہی ہے پانی کا برسنا۔ مال عیال کی کثرت۔ باغات اور نہریں
وذلک متاع الحیوۃ الدنیا۔ جیسے جو وعدہ ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت
لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من بعد
خوفہم امنا ۰ (تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیئے اللہ نے انکے ساتھ وعدہ کر لیا ہے کہ
انکو روئے زمین کا خلیفہ یعنی حاکم بنائے گا جیسے اگلے لوگوں کو بنایا اور جو دین انکے لیئے پسند کر لیا ہے اسپر انکو ثابت
قدم رکھیگا اور انکے خوف کو امن سے بدل دیگا) ذرا خیال رکھنا کہ میں کس مطلب پر گفتگو کر رہا ہوں۔ میں دکھانا چاہتا
ہوں وہ رابطہ اتحاد جو دین و دنیا میں ہے اگر اسکے شواہد قرآن سے پیش کرنے بیٹھوں تو ایک مجلس کیا شاید کئی دن میں
بھی تمام نہ ہوں مگر خیر ایک چھوٹی سی آیت تو اور بھی لو فرماتے ہیں۔ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ
والطیبات من الرزق ۰ (اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ زینت کی چیزیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیئے پیدا
کی ہیں۔ اور روزی کی پاک چیزوں کو کس نے حرام کیا) اس سے بڑھکر اور کیا صراحت چاہتے ہو کہ خدا خود اس
خیال کے لوگوں پر معترض ہے جو دنیا و دین میں مباینت قائم کرتے ہیں۔ میں نے اس مسئلے پر کچھ زیادہ گفتگو کی

لہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو۔ بے شک وہ سب سے زیادہ معافی دینے والا ہے۔ تم پر پانی برسانے کا زور کا اور مال
سے اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا اور باغ اور نہریں تم کو دے گا ۱۲ ؎ قدر کرنے کا حق ہے ۱۲

عزت سب عزتوں سے بڑھکر ہی اور اسکا سبب یہ ہی کہ لوگ اس کی تعظیم کو ایک طرح کی عبادت سمجھتے ہیں اور اسکی
عزت کی آڑ میں خدا کی عزت کرتے ہیں - یہ بات دوسری ہی کہ پیغمبر صاحب کی بعثت کے زمانے میں عرب کے لوگ
شرک اور بت پرستی کے بُرے عقائد رکھتے تھے - مگر ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے خانۂ خدا کے آگے سارا
عرب بلا اختلاف سر جھکاتا تھا - حج ارکان معلومہ کے ساتھ بیشک اسلام سے شروع ہوا مگر اسلام سے پہلے بھی لوگ
ہر برس خانۂ کعبہ کی زیارت کو عبادت کے طور پر آتے - بڑا بھاری ازدحام رہتا اور عرب کے میلوں میں وہی موسم حج کا
میلا اول نمبر تھا - علاوہ ازیں کہ خانۂ کعبہ کی کل خدمات قریش سے متعلق تھیں - لوگ یہانتک انکا ادب ملحوظ رکھتے کہ
ذی الحج - محرم - صفر - اور رجب اس عام کے چار مہینے چھوڑکر باقی آٹھ مہینوں میں کسی کی مجال نہ تھی کہ ایک جگہ سے
دوسری جگہ کو جان و مال سلامت لیجائے - مگر قریش سے کوئی شخص کسی وقت معترض نہیں ہوتا تھا اسلئے اگر کوئی
شخص کہیں جا نکلتا تو لوگ سعادت سمجھکر اُسکی مہمانداری کرتے - اور قریش سے اہل عرب کے دبنے کی ایک بڑی
وجہ یہ بھی تھی کہ اُنکا معبد اُنکے قبضے میں تھا جہاں انکو جانا ضرور تھا - اور موسم حج میں تمام عرب گویا قریش کا [illegible]
اور مہمان ہوتا تھا - غرض پیغمبر صاحب اُس قوم کے ایک فرد تھے جسکا ادب مذہبی تمام عرب میں مسلم تھا اور قریش
میں بھی بنی ہاشم اور بنی ہاشم میں بھی عبدالمطلب اور بنی عبدالمطلب میں سے خود آں حضرتؐ کہ اپنی جبلی راستی اور
نیکوکاری کی وجہ سے عنفوان شباب میں محمدؐ امین پکارے جاتے تھے - ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات - اسوقت
بھی لوگ اپنے جھگڑے آپکے پاس فیصلے کو لاتے اور اگر کوئی پیچیدہ معاملہ پیش آتا اور بحث کی ضرورت ہوتی تو لوگ
آپ کو آگے کرتے - ابتدا ہی سے آپ کی طبیعت ایسی تھی کہ لوگ آپ کو راستبازی و نیکی کا نمونہ سمجھتے اور آپ کی دیانت
اور امانت پر بھروسا کرکے آپکے پاس امانتیں رکھ جاتے ہیں اسکی بھی ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے میرے
بیان کی اچھی طرح صداقت ظاہر ہوگی +

ابھی آپنے نبوت کا اعلان نہیں کیا تھا کہ خانۂ کعبہ کو ازسرِنو بنانے کی ضرورت واقع ہوئی خانۂ کعبہ بن گیا
مگر اس امر میں اختلاف ہوا کہ ایسا کون ہی جو اُس مقدس پتھر گناہوں کے مقناطیس حجر اسود کو دیوارِ کعبہ میں اپنے ہاتھ سے
نصب کرنے کی بزرگی حاصل کرے - عرب میں اختلاف کے یہ معنی نہ تھے جو ہمارے یہاں ہیں تو تو میں میں - یا کوئی
ایسا ہی بے باک آبرو باختہ ہوا تو ہاتھا پائی - بلکہ عرب میں اختلاف اور اختلاف بھی ایسی فضیلت کے بارے
میں کہ کوئی دنیاوی شرف اسکو نہیں پاسکتا - اس اختلاف کے یہ معنی تھے کہ کشتوں کے پشتے لگ جائیں بارے
وہ شرف اسی کو ملا جو اسکا اہل تھا اور جسکے ہاتھ سے چندروز بعد دین حق کی بنیاد رکھی جانے کو تھی یعنی لوگوں نے

اتفاق کرکے محمد امین کے ہاتھ سے وہ پتھر اپنے محل پر نصب کرایا ۔ +

جو شخص تمام عرب میں عزت و آبرو ، وقار و ادب ، تعظیم و تکریم کا مرکز ہو ۔ یکایک اتنے آسکا اپنا ایک خاص کام سونپا گیا
اسکی الوہیت کو دنیا میں قائم کرے ۔ اس کام کا بیڑا اٹھانا بھڑوں کے چھتے کا چھیڑ دینا تھا ایک دم سے سارے ہنود لپٹ
پڑے اور جان کے لاگو ہو گئے ۔ جو مدارات پیغمبر کے ساتھ ہوئی اسکا ایک لوٹنے نمونہ یہ ہی کہ ان نابکاروں نے بے حرمتی کا
کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا منہ پر تھوکا گلا گھونٹا ۔ گالیاں دیں جسطرح اب کمینوں میں حقہ پانی بند کر دیتے ہیں اسی
طرح برادری سے نکال باہر کیا ۔ لین دین کھانا پینا ۔ بول چال سب موقوف ۔ شادی بیاہ رشتہ ناطہ سب الگ
پھر اسی پر اکتفا نہیں ۔ نماز پڑھ رہے ہیں سجدے میں گئے ۔ اونٹ کا اوجھ لاکر گردن پر ڈال دیا جس رستے سے سویرے
منہ کے نماز کو جاتے تھے اس میں کانٹے بچھا دیتے کہ چبھیں ۔ خانہ خدا میں آنے کی مناہی ۔ بیٹھنے کی بندی
یہ فسادات صرف ایک اتنی بات پر کہ لوگوں کو ایک خدا کی طرف بلاتے تھے وما نقموا منهم الا ان يؤمنوا بالله العزيز
الحميد الذي له ملك السموت والارض مدان میں عیب یہی پکڑا تو یہ کہ خدائے غالب قابل حمد پر ایمان لائے جو آسمان و زمین کا مالک ہی
ایک بار آپ کو بیٹھے بیٹھے ابتدائے بعثت کی مصیبتوں کا خیال آگیا اور آپنے غالباً بعض صحابہؓ کی تسکین کے لئے
اس سفر کا مذکور کیا جو آپ کو ہجرت مدینہ سے پہلے طائف کی طرف کرنا پڑا تھا ۔ جب آپ کو اہل مکہ کی طرف سے ناامیدی
ہو گئی اور انکی ایذائیں کسی تدبیر سے کم نہیں ہوتی تھیں تو آپ نے بمقتضائے الغریق یتشبث بالحشیش (ڈوبتا
ہوا تنکے کا سہارا ڈھونڈھتا ہی) اطراف و اکناف پر نظر دوڑائی اور آپنے خدا جانے کیوں رئیس طائف کی طرف سے یہ
توقع کی کہ عجب نہیں میں جا کھڑا ہوں تو وہ مجھ کو دھکے نہ دے ۔ اور میں اسکی پناہ میں چند روز بسر کر سکوں ۔ اس
خیال سے آپ محض بے سروسامان اور باسروسامان جانا چاہتے تو جانے بھی کون دیتا ۔ غرض جیسے بیٹھے تھے اُٹھ کھڑے
ہوئے باوجودیکہ مستامن کی حمایت اور مہمانداری عرب کا عام دستور تھا مگر خدائے واحد کی طرف بلانے والے مجرم کو
امن کہاں ؟ اس نالائق رئیس طائف نے پناہ دینا تو درکنار سامدیں کر چند آوارہ نوجوان لڑکوں کو سنکار دیا ۔ ان اوباشوں
نے مہمان پر بے دریغ پتھر برسائے ۔ پیغمبر صاحب کا بدن مبارک زخموں سے چور ۔ اور دل ناامیدی سے شکستہ ۔ سوا
کے ایک باغ میں جا بیٹھے ۔ رنج و حسرت کے کیسے کیسے خیالات آپ کے دل میں آتے ہونگے ۔ جس پر وہ مصیبت
گزری ہو وہی جانے ۔ کہتے ہونگے کہ اب کیا منہ لیکر مکے واپس جاؤں ۔ مکے میں پھر ٹھکانا ہوتا تو میں طائف کا ارادہ
ہی کیوں کرتا ۔ کیا آپکے اعوان و انصار نہ تھے ؟ تھے ۔ مگر مذہبی پیچ ایسا آ کر پڑا تھا کہ جو زیادہ قریب تھا وہی سب سے بڑھ کر
دشمن تھا ○ مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا + موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا +

آپ اس درعایت کو بھی اسقدر ترس گئے تھے کہ پکارے کہتے تھے لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ
بھائیو میں تم سے اس بات کے صلے میں کچھ معاوضہ تو نہیں چاہتا۔ مجھ کو پاس قرابت کا معاوضہ بھی بس کرتا ہے +

باوجودیکہ کوئی اتفاق مساعد نہ تھا آپ اس اعلےٰ درجے کے صبر و استقلال کے ساتھ جو پیغمبر کے سوا کسی فرد بشر
سے ہو نہیں سکتا۔ عموم مزاحمت میں اپنی رسالت کی تبلیغ اور خدائے واحد کی منادی کرتے ہی رہے۔ یہ وصف خدائی حقانیت
ہی میں ودیعت ہے۔ کہ زمین قابل نہ ہو۔ نہ ہو آب و ہوا سازگار نہ ہو۔ نہ ہو۔ کہیں بھی حقانیت کے بیج کو ڈال دو۔ وہ جمے گا
پر جمے گا۔ آخر کہتے کہتے جن دلوں میں قبول حق کی استعداد تھی گرویدہ ہونے لگے۔ کچھ بوڑھے ایک آدھ نوجوان
کچھ عورتیں۔ کچھ غلام۔ کچھ اطفال۔ کچھ مفالیس۔ اسلام جسطرح پر بتدریج پھیلا۔ اسکا پھیلنا ہی اُس کی صداقت کی
بڑی دلیل ہے۔ وہ بالکل طبعی طور پر پھیلا۔ اسکے جھنڈے کے تلے سب سے پہلے وہ لوگ آئے۔ جن کو دین حق کے
اختیار کرنے سے ثروت۔ حکومت۔ شہرت۔ نام و نمود۔ اس قسم کے دنیاوی تعلقات مانع نہ تھے۔ اسنے سچی اور مستحکم
رفارم کی طرح پیغمبر صاحب کے گھر میں نمو پکڑا۔ اور الاقرب فالاقرب کے قاعدے کے مطابق پھیلتے پھیلتے آخرکار
مشارق الارض و مغاربها کو جا دبایا +

اسلام کی رفارم نیشنل کانگرس کی سی رفارم نہ تھی کہ معترض کہتے پہلے اپنے گھر والوں کو سمجھاؤ۔ نیشنل کانگرس کا کئی برس
بڑا شور و غل رہا۔ اور اب بھی ہے مگر مدھم اور روز بروز اسکو مدھم ہو کر آخرکار بند ہونا چاہیئے۔ اور وہ بند ہوتا نظر آرہا
ہے۔ مسٹر ہیوم کو جو اسکے بانی مبانی ہیں۔ گو برائے نام روک لیا گیا ہے مگر وہ دست برداری کر چکے ہیں۔ پنڈت اجودھیا ناتھ
بیچارے مر ہی گئے۔ اور یہی دو اسکے کار رندے تھے۔ غرض نیشنل کانگرس کے مخالف جہاں اسپر اور بہت سے اعتراض
وارد کرتے تھے۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ لاجواب اعتراض یہ تھا کہ اگر کانگرس والوں کو حقیقت میں سچے دل سے
رفارم کی دھن ہے تو پہلے اپنے گھر والوں کی رفارم کریں۔ اس کے بعد گورنمنٹ کو رفارم کی صلاحیں بتائیں۔ فزشن
ہیل وائی سلف۔ اے طبیب پہلے تو اپنے تئیں تو اچھا کرلے پھر بیمار کے اچھا کرنے کا قصد کیجیو +

ہندو اپنے بچوں کو بہت ہی چھوٹی سی عمر میں بیاہ دیتے ہیں۔ جس سے بیوہ عورتوں کا شمار بڑھتا جاتا اور
نسلیں کمزور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بیوہ عورت کو دوسرا بیاہ نہیں کرنے دیتے۔ جس سے اِنکو ساری عمر مصیبت مند
زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ جبراً بیوہ کا سر مُنڈوا کر اسکو بدصورت بنا دیتے ہیں۔ کیسی ہی ضرورت سے کوئی سفر
بحری کرے۔ برادری سے خارج۔ کھانے پینے میں حد سے زیادہ چھوت مانتے ہیں۔ بت پرستی جو تمام بداخلاقیوں

۵ جمع مفلس ۱۲ ۵ قریب تر پھر قریب تر ۱۲

کی جڑ ہی بڑے اصرار کے ساتھ اسپر جمے ہوئے ہیں ۔ غرض کانگرس کے مخالفین نے اس قسم کے اعتراضات کی ایک
بڑی لمبی فہرست بناکر پیش کر دی ۔ اور کہا کہ تمہارے گھر ہیں یا چیونٹی بھرے کباب ۔ پہلے انکو صاف کر دیجیے گورنمنٹ کی
رفارم کا نام لو ۔ بے شک اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا تھا ۔

سو الحمد للہ کہ اسلام کی رفارم نیشنل کانگرس کی سی رفارم نہیں تھی کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ پہلے اپنے گھر والوں
کو سمجھاؤ ۔ میں نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضہ کے اسلام کی اُسوقت تک پوری پوری قدر نہیں کی جب تک ایک مولوی
اور مولون کو اپنے کانوں لڑتے نہیں سُن لیا ۔ نہیں معلوم کس بات پر میاں بی بی میں تکرار ہو پڑی ۔ اور گوشت ترکاری
کے سوا وہ بات ہی کیا ہوگی ۔ مولویصاحب بی بی سے اُس ادب کے خواستگار تھے جسکو وہ از روی مولویت اپنا حق
سمجھتے تھے ۔ مولون بگڑی ہوئی آپے سے باہر کہہ رہی تھی ۔ سوتے تیری مولویت کو لگاؤں جھلسا چولہا ہی مجھی پہ مولویت
جتانے ۔ میں تیرے رگ ریشے سے واقف ہوں ۔ اب کے وعظ کہہ تو مقامات کے اندر سے تیرا سارا پردہ فاش کروں
تو سہی ۔ آدمی کتنا ہی ضابط کیوں نہ ہو ۔ اسکے اصلی حالات گھر والوں سے مخفی نہیں رہ سکتے اھل البیت ادریٰ
بما فی البیت (گھر والے گھر کے حال سے خوب واقف ہوتے ہیں) اس پہلو سے دیکھا جائے تو آدمی وہی بڑا سچا ہے
جسکو اسکے گھر والے سچا مانیں ۔ پیغمبر صاحب کی اسوقت کی حالت ۔ اہل عرب کا طرز تمدن ۔ جس میں زناشوئی کے تعلق
کی کچھ وقعت ہی نہ تھی ۔ اور پھر مذہبی معاملہ یہ سب باتیں پیش نظر ہوں ۔ تو خدیجۃ الکبریٰ کا ایمان لانا سب پر فوقیت[1]
رکھتا ہے ۔ خدیجۃ الکبریٰ بڑی مالدار بی بی تھیں ۔ اور پیغمبر صاحب کی دنیاوی وجاہت متفرع تھی اُن ہی کے تمول پر ۔
انہوں نے پیغمبر صاحب کو اپنا معتمد بناکر تجارت کے لیئے شام کی طرف روانہ کیا تھا ۔ خدیجۃ الکبریٰ کا میکا دیندار
گھرانا تھا ۔ اور اُنکے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کتب عہد عتیق[2] و جدید یعنی توریت و انجیل کے بڑے عالم تھے ۔ خدیجہ
عمر میں پیغمبر صاحب سے ۱۵ برس بڑی بھی تھیں ۔ ایسی عورت کا اپنے تئیں پیغمبر صاحب کی زوجیت میں دینا اور
اُنکے مذہبی خیالات کی نگرانی رکھنا اور آخر کار انکی نبوت کو تسلیم کرنا کیا کم وقعت رکھتا ہے ۔ مجھے تعجب ہے کہ مسلمان
پیغمبر صاحب کی صداقت جتانے کو نصاریٰ کے اقوال سے استشہاد کرتے ہیں ۔ کون گبن؟ کیسا ڈیون پورٹ
مترجم قرآن سیل کیا چیز ہے ۔ کیا ان میں سے کسی ایک کی شہادت بھی خدیجۃ الکبریٰ کی شہادت کے مقابلے میں کچھ
وزن رکھتی ہے ۔ ہرگز نہیں ۔ میں صاحب تصنیف ہوں ۔ اگرچہ میں اسے قابل فخر نہیں سمجھتا ۔ میری کتابوں کے ساتھ
سر ولیم میور کی رائے لکھی ہوئی ہے ۔ مجھے اُس سے کچھ خوشی نہیں ۔ اگر کوئی ادنے زباں داں مسلمان بھی میری کتابوں کو

[1] فوقیت ۱۲ [2] مراد ہے انجیل سے پہلے کی کتب آسمانی توریت زبور و صحف انبیاء وغیرہ ۱۲

پسند کرے تو میں اس سے زیادہ خوش ہوتا ہوں۔ کیا لور پول کے چند مسلمانوں کی شہادت سے بھی خدیجۃ الکبریٰ
اور صحابہ کبار کی شہادت گئی گذری ہوئی۔ ایسے استشہاد تو کچھ مسٹر شاہ دین بیرسٹر ایٹ لا ہی کو بھاتے ہونگے میری
نظر میں تو انکی وہ قدر و وقعت ہرگز نہیں جو خدیجۃ الکبریٰ کی شہادت کی ہے اور جو درحقیقت بڑی قدر و وقعت کے قابل ہے
غرض اس طور پر طبعی رفتار کے مطابق مسلمانوں کا گروہ چپکے چپکے دو دو چار چار کرکے روز بروز زیادہ ہوتا گیا قاعدہ
ہے کہ ابتدا میں بڑا جوش ہوتا ہے۔ جس نے حال ہی نماز شروع کی ہے۔ وہ فرائض سے بڑھکر نوافل کا اہتمام کرتا ہے
جسنے پڑھنے کا نیا شوق کیا ہے۔ دن بھر سبق پڑھتا رہتا ہے اسی طرح اُس زمانے میں بھی بعض ایسے جلدباز اور زود رنج و زود
لاغر مزاج کے لوگ داخل اسلام ہوئے تھے کہ خروج کے لیئے بیقرار تھے۔ مگر پیغمبر صاحب ان کو روکتے کہ ابھی وقت
نہیں آیا گھر میں بیٹھے بیٹھے چپکے چپکے اللہ اللہ کیا کرو۔ اتنا ہی بس ہے پیغمبر صاحب کے مکے رہتے رہتے اسلام
نے ترقی تو کی۔ مگر وہی ترقی مغلوبانہ کہ جو جہاں تھا اپنی جگہ چھپا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جس میں
پیغمبر صاحب کے چچا بیٹی۔ داماد بھی تھے۔ اپنا دیس چھوڑ حبشے کو ہجرت کر گیا۔ مخالفین اس ترقی کو بھی نہ دیکھ سکے
انھوں نے سمجھا اور ٹھیک سمجھا کہ جب ان کا شمار بڑھتا جاتا ہے تو انکا ضعف عارضی ہے ع اگر ماند شبی ماند شبی دیگر نمی ماند
جب سب طرح سے ہارے تو آخر الامر انکی چاہا کہ پیغمبر صاحب ہی کا کام تمام کریں و اذ یمکر بک الذین کفروا
لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین (اور وہ وقت یاد کرو جب کافر تمہارے
ساتھ مکر کرنا چاہتے تھے کہ تمکو قید میں ڈالدیں یا مار ڈالیں یا جلاوطن کر دیں وہ لوگ بھی مکر کرتے تھے اور خدا اپنی تدبیریں
لگا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے) یہ منصوبے ہی کرتے رہے۔ اور پیغمبر صاحب ایک دن [illegible] رات پاس کے
پاس غار ثور میں چھپے رہکر اپنے انصار میں مدینے جا داخل ہوئے ہجرتیں ایک چھوڑ دو دو پہلے بھی ہو چکی تھیں مگر
یہی وہ بڑی ہجرت ہے جس سے مسلمانوں کا سنہ چلا۔ اور واقع میں وہ واقعہ اسی یادگار کے قابل تھا اب اسلام میں ذرا
جان سی آچلی۔ اور وہ یا تو ٹھٹھرا ہوا بے حس و حرکت پڑا تھا یا اب لگا کلبلانے اور پھر تو رفتہ رفتہ اسنے وہ جولانیاں
کیں کہ تمام روے زمین کو ہلا مارا۔

اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں نے بزور شمشیر اپنی سلطنت قائم کی تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہمیشہ سلطنتیں
بزور شمشیر قائم ہوا کی ہیں۔ کیا اوروں کی سلطنتیں سلطنتیں تھیں اور انکو زور شمشیر درکار تھا۔ اور ان کی سلطنت ٹھیک
کا ٹکڑا تھا کہ کہیں سے مانگ کر لے آتے یا کنکر پتھر تھے کہ پہاڑوں سے جا کر اٹھا لاتے۔ سدا سے سلطنت کا یہی قاعدہ
رہا ہے اور سدا کو یہی رہیگا۔ جسکی لاٹھی اُسکی بھینس۔ مسلمانوں کی سلطنت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں مگر ہاں یہ کہنا

کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا واقعات تاریخی کو جھٹلاتا ہے۔ اسلام کو مسلمانوں کی سلطنت سے بیشک بڑی ترقی پہنچی
لیکن کونسا مذہب سلطنت کی مدد سے نہیں بڑھا۔ ہمکو تاریخ سے استشہاد کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ ہم اپنی آنکھوں
سے دیکھ رہے ہیں کہ ہر چند برٹش گورنمنٹ مذہبی نیوٹرلیٹی کا دعویٰ کرتی ہے اور وہ نیوٹرل ہے بھی۔ مگر جو نفعنا امداد
عیسائیت کو صرف اتنی بات سے پہنچ رہی ہے کہ وہ حکام وقت اور قوم باقبال کا مذہب ہے۔ ہر منصف آدمی اپنے دل
میں اسکا اندازہ کر سکتا ہے۔ آج دیکھئے عیسائیت کو اگر ابتدا میں روم کے بادشاہ کنسٹنٹائن نے متعصبانہ اس کی
امداد نہ کی ہوتی۔ آج دیکھئے عیسائیت کو اگر اہل یورپ اسکے معتقد نہ ہوتے۔ یا ہوتے اور برسر ترقی نہ ہوتے
آج دیکھئے پنجاب میں سکھوں کے مذہب کو اگر ان کی سلطنت نہ ہوئی ہوتی۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ دنیا اور
دین دو سوکنیں ہیں۔ اگر دنیا دین کی سوکن ہے تو ایسی سوکن ہے کہ بے اسکی مدد کے دین بی بی کے سر کو کبھی اوڑھنی
بھی نصیب نہیں ہوتی اور ساری عمر دین بی بی کو دنیا بی بی کا اتارن ہی پہنتے گزری۔ تو محفل میں منہ دکھانے قابل بھی ہوئے
کسی ایک مذہب کا نشان دو جس نے کسی زمانے میں کسی ملک میں بدون دنیا کی شارکت کے ترقی پائی ہو۔
تو اسلام بیچارے نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ اسکو بے وجہ مجرم قرار دیا جائے۔ لیکن سمجھے رہو کہ تمکن اور ترقی دو چیزیں
ہیں جیسے درخت کی دو حالتیں۔ ایک جڑ پکڑنا اور ایک پھیلنا پھولنا پھلنا کزرع اخرج شطأہ فآزرہ
فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع (جیسے روئیدگی کہ پہلے اسکی کونپل نکلتی ہے۔ پھر اسکو تائید پہنچی تو نپ
موٹی ہوئی اور اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہو گئی کہ کاشتکار لگے دیکھ کر تعجب کرنے) سو اگر سچ پوچھتے ہو تو اسلام
نے جڑ تو اسی وقت پکڑی تھی جب مسلمانوں کو نہ زور کا بل تھا نہ زر کا۔ یہ اعتراض ناحق کا اعتراض کہ اسلام بزور
شمشیر پھیلایا گیا۔ اگر تامل کیا جائے تو خود اسی اعتراض میں اسکا جواب بھی موجود ہے۔ تم کہتے ہو بزور شمشیر اسلام
پھیلایا گیا۔ بہت خوب۔ تلوار نے تو لوگوں کو مسلمان کیا۔ لیکن تلوار کو کس نے مسلمان کیا۔ یعنی تلوار فی نفسہا کوئی
چیز نہیں۔ بزور شمشیر اسلام کے پھیلانے کے یہ معنی ہوئے کہ تلوار چلانے والے اسلام کے حامی ہوئے۔ مگر میں پوچھتا
ہوں تلوار چلانے والوں کو اسلام کی حمایت پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ تم اسکا کیا جواب دے سکتے ہو۔ مجھ سے
سنو۔ آمادہ کیا اسکو ایک اور تلوار نے۔ جو گوشت و پوست پر نہیں۔ رگ و پے پر نہیں۔ مغز و استخوان پر نہیں بلکہ
سویدائے قلب پر کاٹ کرتی ہے۔ یعنی وہ نفس انسانی جس میں خدا تعالےٰ نے قبول حق کی استعداد کو ودیعت رکھا
ہے۔ یہ تلوار شروع سے اسلام کی حامی ہوئی اور مجھکو اسکے کہنے میں ذرا بھی باک نہیں اب بھی ہے اور ہمیشہ رہیگی
اسلام کو اگر صرف تلوار نے پھیلایا ہوتا۔ تو مسلمانوں کے ہاتھ سے تلوار چھوٹے ہوئے مدتیں ہوئیں تلوار

کے چھوٹنے سے سلطنت گئی۔ حکومت گئی۔ عزت گئی۔ خوشحالی گئی۔ فارغ البالی گئی۔ اسلام کی رونق گئی۔ شان گئی۔ مگر اسلام کا ایک بار دل میں اترنا شرط ہی۔ پھر جائے جان رہے ایمان +

جناب پیغمبر صاحب نے اپنے عہد کے تمام ملوک و سلاطین کے نام دعوت اسلام کے خطوط جاری کیے تھے ان میں سے ایک خط ہرقل روم کے نام کا بھی تھا۔ اسنے خط پاکر حکم دیا کہ دیکھو عرب کے لوگ اس شہر میں تجارت کے لیے اکثر آتے رہتے ہیں۔ اگر ہوں تو انکو حاضر کرو۔ چنانچہ جتنے عرب نظر پڑے۔ سب کو ہرقل کے حضور میں لے گئے ان میں سے رئیس قریش ابوسفیان بھی تھے۔ جو اسوقت تک اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ ہرقل نے پیغمبر صاحب کی نسبت ان لوگوں سے بہت سے سوالات کیے۔ اہل عرب نے ابوسفیان کو جواب کے لیے اپنا پیشوا بنایا۔ ابوسفیان کا بیان ہی کہ اسوقت تک میرے دل میں پیغمبر صاحب کی طرف سے کبیدگی تو تھی ہی۔ بار بار میرے دل میں آتا تھا کہ پیغمبر صاحب کی نسبت خلاف واقع کچھ کا کچھ کہہ دوں۔ مگر ساتھیوں کے ڈر سے اور اپنی ذاتی وقعت کے لحاظ سے جھوٹ تو نہ کہہ سکا۔ تاہم ایک آدھ بات چبا ہی گیا۔ ہرقل کے سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ جو لوگ جدید مذہب میں آجاتے ہیں اُن میں سے کوئی مرتد بھی ہوا ہی۔ ابوسفیان نے کہا نہیں تو ہرقل نے ابوسفیان کے ہر ہر جواب سے پیغمبر صاحب کی صداقت استنباط کی۔ چنانچہ اس عدم ارتداد[۱] کے بارے میں کہا "حق کا قاعدہ ہی جب ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ پھر جی سے نہیں نکلتا"+

یہ حدیث جس میں سے میں نے ایک ذرہ سی بات بیان کی۔ بڑے مزے کی حدیث ہی۔ ہرقل کے سوالات اور ابوسفیان کے جواب اور پھر ہرقل کا استنباط قابل دید ہی۔ مگر حدیث اتنی بڑی ہی کہ سالم کو بیان کرنا چاہوں تو بہت سا وقت وہی لے لے اور میں سمجھتا ہوں کہ منشی شمس الدین ابھی گھسر پسر کر رہے ہیں اور کہتے ہونگے کہ کہیں یہ ختم کرے تو چندے کی کارروائی شروع ہو (جواب دیا گیا کہ آپ جو چاہیں فرماتے چلے جائیں) لہذا میں نے اس کی اسی ایک بات پر اقتصار کیا کہ اگر اسلام کو صرف تلوار نے پھیلایا ہوتا تو مسلمانوں کے ہاتھ سے تلوار چھوٹتے ہوئے مدتیں ہوئیں۔ کتنے مسلمان مرتد ہوئے۔ مسلمانوں کی مردم شماری کے سامنے اس کا جواب سکوت یا انکار کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ پس اسلام کو نہ زور نے پھیلایا نہ زر نے۔ بلکہ اسکی صداقت نے۔ اسکی حقانیت نے اس کی سہولت نے۔ اسکے عام فہم اور ٹھیک انسانی طبیعت کے ساتھ اسکے موافق اور مطابق ہونے نے فطرۃ الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (زندگی [illegible]

۱ یعنے مسلمان ہو کر پھر اسلام سے پھر جانا ۱۲ [illegible]

اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی خلقت کو کون بدلے۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن بہت سے آدمی نہیں جانتے)
کیا اسلام کی حالت ایک دم سے بدل گئی تھی۔ ایسا ہوتا نہیں اور ہوا بھی نہیں۔ یوں کہنے کو تو ہجرت سے اسلام
کا دوسرا زمانہ یعنی اسکے غلبے کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔ مگر واقع میں اسلام کا پورا تسلط عرب میں فتح مکہ سے ہوا اور
قرآن پاک سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ
افواجا (جب خدا کی مدد آپہونچی اور فتح اور لوگوں کو دیکھو کہ اللہ کے دین میں جوق جوق چلے آتے ہیں) ورنہ اس سے
پہلے صلح حدیبیہ تک تو یہ حال تھا کہ پیغمبر صاحب نے خانہ خدا کی زیارت کے ارادے سے مکے جانا چاہا۔ کفار
نے روکا۔ کیا خدا کی شان ہے۔ خدا کا گھر اور جو شخص صاحب خانہ کا سب سے زیادہ معتقد اسی کو اس گھر جانے کی
مناہی۔ آخر کار صلح ٹھہری۔ صلحنامہ لکھے جانے کو ہوا۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو اسکے کاتب تھے لکھا
ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ (یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی) دوسرا فریق بولا۔ رسول اللہ
کیسا؟ اگر ہم تمکو رسول اللہ سمجھتے تو خانہ خدا سے روکتے ہی کیوں؟ اس پر اصحاب بہت ہی برافروختہ ہوئے اور سب
نے تلواریں سونت لیں اور قریب تھا کہ صلح بھنڈ ہو جائے۔ مگر اللہ رے ضبط وہی الم نشرح لک صدرک
آپنے فرمایا اچھا رسول اللہ کے لفظ کو مٹا دو۔ اُدھر وہ ضبط دیکھنے کے قابل تھا اور ادھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کی مذہبی حمیت۔ اور جناب رسول اللہ کے ساتھ ارادت و محبت۔ عرض کیا واللہ میں تو اپنے ہاتھ سے نہیں مٹاؤنگا
چنانچہ آپنے خود اپنے دہن مبارک کے لعاب سے اس لفظ کو مٹا دیا۔ ظاہر میں تو مٹا دیا۔ مگر سچ پوچھو تو اس میں لب
جاں بخش سے جان ڈالدی۔ اور اسکو اور تازہ کر دیا۔ نہ جانو اور نہ جاننے کا قصد کرو۔ اس کا تو کچھ علاج نہیں
کیسے معجزے اور کہاں کی کرامت۔ خود پیغمبر صاحب کی لائف ان کی نبوت کا کافی ثبوت ہے۔ آخر کار جب مکہ فتح ہوا اور
پیغمبر صاحب افواج ظفر امواج کے ساتھ اس میں داخل ہوئے۔ وہ داخل ہونا بھی عجیب طرح کا داخل ہونا تھا۔ کوئی
نرم دل سے نرم دل۔ رحیم سے رحیم۔ اور حلیم سے حلیم دنیا کا بادشاہ ہوتا۔ اور اسکے ساتھ مکے والوں نے وہ سلوک
یا اس کا عشر عشیر بھی کیا ہوتا جو پیغمبر صاحب کے ساتھ کیا تھا تو سب کو بے امتیاز تہ تیغ بے دریغ کرتا۔ گدھوں
کا ہل پھرواتا۔ تمام شہر کو ڈھاتا۔ اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ
اھلھا اذلۃ وکذلک یفعلون (جب بادشاہ کسی قصبے میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے اجاڑ دیتے ہیں اس کے
معززین کو ذلیل بنا دیتے ہیں اور وہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں) *

یہ نبی ہی کی شان تھی کہ آپنے مکے میں قدم رکھتے ہی چاروں طرف منادی کرادی۔ من دخل الکعبۃ فھو امن [illegible]

میں داخل ہوگیا اُسے امن ہے) ومن دخل دار ابی سفیان فھو امن (جو ابوسفیان کے گھر میں چلاگیا اُسے امن ہے) ومن دخل دار فلان فھو امن (اور جو فلاں شخص کے گھر میں داخل ہوگیا اُسے امن ہے) یعنی قدرت پاکر پھر سب کو امن دیدیا۔ کسی سے انتقام نہیں لیا۔ اس صورت میں آپ پر یہ تہمت کہ اسلام کو بزور شمشیر پھیلایا نہ دھری جائے نہ اٹھائی جاسکے +

میں نے پیغمبر صاحب کے چند حالات اس غرض سے بیان کیئے تا معلوم ہو کہ زمان مغلوبیت اور ہجوم مخالفت میں اسلام کس رنگ سے رہا۔ اور اُسوقت کے مسلمانوں کا کیا برتاؤ تھا۔ یارو شکر کرو کہ نہ ویسی مغلوبیت ہے نہ اُس طرح کی مخالفت۔ ورنہ ہم تو اپنے پندار میں مسلمان رہ ہی نہیں سکتے تھے +

میں نے بیان کیا تھا کہ پیغمبر صاحب کی ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد کے حالات اس قدر ایک دوسرے سے مختلف ہیں کہ گویا دو مختلف شخصوں کی دو مختلف زندگیاں ہیں۔ اس اختلاف سے میری مراد اس قسم کے اختلافات ہیں کہ مفلس تھے بلا مبالغہ اس درجے کے کہ نہ پیٹ کو روٹی اور نہ تن کو کپڑا۔ کیا اصحاب صفہ کا حال معلوم نہیں مارے بھوک کے نمازیں کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا۔ ہمہ وقت پیٹ پر پتھر باندھے رہتے تھے کہ بھوک کی ایذا کم محسوس ہو اور لوگ ایک ایک پیغمبر صاحب دو دو تین تین۔ لباس کی یہ بری حالت کہ لے دیکر ایک بوسیدہ کمبلی وہ بھی اس قدر مختصر کہ سجدے میں جاتے وقت ہاتھ سے پکڑے رہیں تاکہ بے پردگی نہ ہو۔ سارے دن رات میں کھانے کو ملا کیا؟ ایک کھجور۔ کہاں تک آدمی ایک کھجور کے سہارے سنبھلا رہ سکتا ہے۔ جہاد کو چلے ہیں نہ سواری نہ ہتھیار۔ پیروں میں چیتھڑے بندھے ہوئے اور اس مشقت پر کھانے کو درختوں کے پتے۔ غرض مفلسی ایسی کہ ہم لوگ اسکا اندازہ نہیں کر سکتے کیونکہ ایسی حالت ہم میں سے کسی پر گزری نہیں۔ ایک وقت وہ تھے۔ اور پھر خدا نے اپنا فضل کیا تو بحرین[۱] سے محاصل آیا۔ پیغمبر صاحب صبح سے بانٹنے کو بیٹھے اور لپیں اور جھولیاں بھر بھر کر لوگوں کو دینا شروع کیا۔ جوار۔ باجرا نہیں۔ سونا چاندی۔ تو بانٹتے بانٹتے شام ہوگئی۔ ایک حضرت عباس رض کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ انھوں نے انبار کثیر دیکھ کر اپنے لیئے اتنا سمیٹا کہ اکیلے اٹھا نہ سکے پیغمبر صاحب سے کہا کہ اُٹھوا دو۔ آپ نے انکار کیا۔ ناچار کئی بار اسمیں تھوڑا تھوڑا کم کر کے آخر جتنا لیجا سکے لیگئے +

جیسے ہم ان مسلمانوں کی ابتدائی مفلسی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ انکا تمول مابعد بھی قیاس میں نہیں آتا۔ آخر آخر مدینے میں یہ حال ہوگیا تھا کہ لوگ خیرات کے روپے لیئے لیئے پھرتے تھے اور کوئی لینے والا نظر نہیں آتا تھا

(۱) ایک مقام کا نام ہے ۱۲

غرض ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد اسلام کی حالت میں جو اختلاف واقع ہوا ایک تو فقر وغنے کا
تھا۔ دوسرا خوف وامن کا۔ تیسرا ذلت اور عزت کا۔ چوتھا محکومیت اور حکومت کا۔ اسی طرح اختلافات اور بھی
تجویز کرلیے جاسکتے ہیں۔ مگر جسکو اصلی نیکی کہتے ہیں اور جو اسلام کا اصل اصول ہے اس میں عسر ویسر[1] صلح و
جنگ کسی حالت میں کبھی رتی برابر فرق نہیں آیا۔ دشمنوں سے لڑتے تھے تو کیونکر۔ اگرچہ مشہور ہے کہ الحرب[2]
خدعۃ اور جیسے دیکھو لڑائی کے موقع پر جھوٹ۔ فریب۔ مکر و دغا سے نہیں چوکتا۔ پر جناب پیغمبر صاحب نے
نہ کبھی دغا کی۔ نہ کبھی جھوٹ بولے۔ نہ کبھی عہد توڑا۔ نہ کبھی ناحق کسی کے سر ہوئے۔ نہ ظلم کیا۔ نہ بیجا سختی کی۔ پھر
سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان ایسے پیغمبر کی امت۔ ایسے اسلام کے معتقد۔ پھر ان میں یہ خشونت۔ یہ سختی کہاں سے
آگئی۔ ہو نہ ہو یہ اُسی خبیث سلطنت کا اثر ہے جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک عضوض[3] فرمایا کرتے تھے
گندگی تو خدا نے دور کی۔ اُسکی عفونت باقی چلی جاتی ہے +

عیسائیوں میں تو باوجودیکہ ہم پر حکمرانی کر رہی ہیں عام شکایت ہے کہ مسلمانوں میں ٹالریشن (تحمل) بالکل نہیں
یعنی دوسرے مذہب والوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ ہندو بھی ہم سے مطمئن نہیں۔ اور جب کبھی ہنگامے اور خانہ
جنگیاں واقع ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کی اگر زیادتی نہیں ہوتی تو مسلمان کچھ اُٹھا بھی نہیں رکھتے۔ غرض دوسری
قوموں کا یہ عام خیال ہے اور بے وجہ۔ بے سبب نہیں کہ مسلمانوں کا اگر سر کچلا ہوا نہ ہو تو یہ نچلے بیٹھنے والے نہیں
اپنے گھروں میں بیٹھ کر اپنے مُنہ میاں مٹھو بننے سے کیا ہوتا ہے۔ ذرا گورنمنٹ سے پوچھو وہ کیا خیال کرتی ہے
وہ فوج اور پولیس اور فوجداری کے انتظام میں مسلمانوں کی آبادی پر نظر کرلیتی ہے۔ اگر مسلمان زیادہ ہوتے ہیں تو
اُسکو یہ قہرمانی انتظام قوت اور سختی کے ساتھ کرنے پڑتے ہیں ورنہ کسے تو کام بھی نہ چلے۔ فوجداری اور
جیلخانوں کی رپورٹیں پڑھو۔ تو معلوم ہو کہ مسلمان کس قدر جلد لاٹھی پونگے پر اُتر پڑنے والے لوگ ہیں۔ شروع
شروع میں مجھ کو کبھی ایسا خیال آیا کرتا تھا کہ اب دوسری قوم ہندوستان پر مسلط ہے اور تعلیم بھی عام ہوتی جاتی
ہے۔ عجب نہیں رفتہ رفتہ ہندو مسلمانوں میں التیام[4] ہو جائے۔ مگر میں دیکھتا ہوں۔ پہلے سے بہت زیادہ پھوٹ
بہت زیادہ بدگمانی۔ بہت زیادہ نفرت۔ بیشک تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ دونوں قصوروار ہیں اور دونوں
کو قصوروار ہونا چاہیے مگر مجھ کو ہندوؤں سے کہنے کا کوئی منصب نہیں۔ کوئی حق نہیں اور کہوں تو وہ پذیرا بھی
کیوں کرنے لگے۔ پس میں تو اے مسلمانو! تم ہی کو سمجھا سکتا ہوں۔ اور تم ہی کو سمجھاتا ہوں کہ از برائے خدا

۱ے تکلیف و راحت ۲ے لڑائی ایک مکر ہے ۳ے اصل معنے گزندہ مگر مراد ہیں ایذا دہ ۴ے ملاپ ۱۲

لوگوں میں باہمی بگاڑ کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں اور میں جانتا ہوں ان میں ایسا قوی سبب جسقدر [illegible] نہیں رکھتا
دین کا اختلاف ہے۔ یہ میل جول چھڑاتے۔ یہ آپسمیں شادی بیاہ نہ ہونے دے۔ یہ ایک جگہ مل کر بسنے نہ دے
اور حد سے بڑھ جائے تو ایک کو دوسرے کی جان کا دشمن بنا دے۔ بیشک انسان کی نالائق خواہشوں نے بھی دنیا میں
بہت خونریزی کرائی ہے۔ مگر مذہب سب سے زیادہ سفاک[1] ہے۔ اور یہ ایک واقعہ ہے تاریخی جس سے انکار نہیں ہو سکتا کتنے
نفوس قدسی ہیں دل اپنے دیکھنے میں تو آیا نہیں، جو دین کے اختلاف کو اُسی کے دائرے میں محدود رکھیں اور معاملات
دنیا میں اسکو متجاوز نہ ہونے دیں۔ وہ تو پیر شیوخ ملا اور مختار ہی ہیں۔ کہ دو مخالف فریقوں کے ریپیر زنٹیٹیو بنکر ایسی
بُری طرح لڑتے ہیں کہ بھٹیاریاں کیا لڑتی ہونگی۔ اسوقت تو ایسا خیال ہوتا ہے کہ ان میں آپسمیں صاحب سلامت بھی
ہوتی ہوگی۔ مگر انکی لڑائی اسی کمرے کے اندر تک ہے۔ جسمیں تمام فسادات کی جڑ وہ حاکم بیٹھا ہے۔ پھر جوں ہی کمرے سے
باہر نکلے وہ ایک دوسرے کے ویسے ہی دوست ہیں جیسے کہ ہونے چاہئیں مگر مذہبی لڑائی کا یہ حال نہیں ہے۔ وہ ابدی
نفرت اور عداوت قائم کر دیتی ہے۔ نہ صرف دو مخالفوں میں۔ بلکہ ان کی نسلوں میں۔ تو بھائیو اگر تمکو غیروں میں
رہنا ہے اور ضرور رہنا ہے۔ اور اگر تمکو غیر قوموں سے کچھ فائدے پہونچنے ممکن ہیں اور ضرور ممکن ہیں اور تم ان فائدوں
کے محتاج ہو اور ضرور محتاج ہو تو لڑائی کی بات کا بھولکر بھی مذکور نہ کرو۔ خاصکر مذہبی لڑائی۔ یہ آگ سلگانے سے بھڑک اُٹھیگی
اور بھڑک اُٹھیگی تو تم بیچارے غریب جھونپڑوں کے رہنے والے ٹھہرے۔ تمہیں کو پہلے جلائے گی بھی ☀

تمہارے دل میں جو خدشے گزر رہے ہیں میں سمجھتا ہوں اور میں تمکو موقع نہیں دینا چاہتا کہ میرے پیچھے
وہ خدشے مذکور ہوں۔ اور میری طرف سے کوئی استانہ ہو کہ تمہاری تسلی کرے۔ تمہارا خدشہ بجا ہے اور تم کہہ سکتے ہو کہ ؎

کرتے جس کو وہ نہیں ہم تو سخن میں سبقت — پر وہ کچھ ہے سے سنیگا جو کہے گا ہم کو

تم کہہ سکتے ہو کہ اول تو ہماری طرف سے ابتدا ہوئی نہیں اور خیر ہوئی تو تمہارے کہنے سے آیندہ احتیاط کریں گے
لیکن لوگ جو بیٹھے بٹھائے حملے کریں اور چھیڑیں تو کیا اسکے جواب سے بھی گئے گزرے ہوئے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ
کھلم کھلا ہمارے سچے اور پاک مذہب کی توہین کریں اور ہم بیٹھے سنیں۔ بزرگانِ دین کو برا کہیں اور ہمکو برا نہ لگے تو کیا
تمہاری یہ مرضی ہے کہ ہماری طرح کافر ہو جائیں۔ گرم مت ہو۔ گرم مت ہو۔ کوئی مشکل نہیں جسکے حل کرنے کی تدبیر خدا
نے ہمکو نہ بتائی ہو۔ ہمارے سامنے پیغمبر صاحب کا نمونہ موجود ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ
(رسول خدا میں تمکو پیروی کرنے کے لیئے اچھا نمونہ موجود تھا) منکر لوگ رو در رو پیغمبر صاحب کو پیغمبر صاحب کے خدا کی

[1] ظالم ۱۲ اسکا دین ۱۲

توہین کرتے تھے۔ واذا قیل لھم اسجدوا للرحمٰن قالوا وما الرحمٰن انسجد لما تامرنا (اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن
کو سجدہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے۔ کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ جس کے آگے سر جھکانے کو تم کہو اُسی کے آگے
سر جھکاویں) علاوہ بریں شرک سے بڑھکر بھی کوئی اور طریقہ خدا کی توہین کا ہے ان الشرک لظلم عظیم (تحقیق شرک بڑی بے
انصافی کی بات ہے) یا یہ کہنا کہ خدا کے جورو بچے ہیں۔ اسی میں خدا کی کون سی شان بڑھی جاتی ہے قرآن کے سمجھنے کے
پر نظر ہو تو کلیہ کو کسی کے بتانے سمجھانے کی ضرورت پڑے۔ عین وقت پر آپ سے آپ یاد آجایا کرے +

بھلا پیغمبر صاحب کی ذاتی توہین کو تو رہنے دو۔ خدا کی توہین تو خود خدا کو اور پیغمبر صاحب کو اور نہ صرف پیغمبر
صاحب بلکہ کل انبیا علیہم السلام کو کسقدر شاق گزرتی ہوگی۔ سو خدا کا برتاؤ تو ان بندوں کے ساتھ جو اسکی اہانت
کرتے ہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ جس کسی مذہب کو حقانیت کا بڑا لمبا چوڑا دعویٰ ہو وہ اپنی کوئی دنیاوی
خصوصیت خدا کے ساتھ دکھائے۔ رزق۔ تمول۔ توالد۔ تناسل۔ تندرستی۔ کوئی ایک چیز بتاؤ جو کسی ایک مذہب والوں
کے ساتھ خاص ہو۔ قرآن کی وہی ایک آیت یاد کرو واذ قال ابراہیم رب اجعل ھذا بلدا امنا وارزق اھلہ من الثمرات
من امن منھم باللہ والیوم الاخر قال ومن کفر فامتعہ قلیلا ثم اضطرہ الی عذاب النار وبئس المصیر (ابراہیم علیہ
السلام نے بتقاضائے بشریت خدا کی رحمتوں کو دنیا میں اپنے گروہ کے ساتھ خاص کرنا چاہا اور من امن منھم کی
قید لگائی۔ خدا نے کہا یوں نہیں بلکہ ومن کفر فامتعہ قلیلا جو کفر کریگا اسکو بھی دنیا کے چند روزہ فائدے یکساں پہنچینگے
اور کفر و ایمان کا فرق آخرت میں ظاہر ہوگا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی مضمون سے اقتباس کیا ہے ؎

اگر با پدر جنگ جوید کسے — پدر بیگماں خشم گیرد بسے
اگر خویش راضی نباشد ز خویش — چو بیگانگانش براند ز پیش
اگر بندہ چابک نیاید بکار — عزیزش ندارد خداوندگار
وگر ترک خدمت کند لشکری — شود شاہ لشکر کش از وے بری
ولیکن خداوند بالا و پست — بعصیاں در رزق بر کس نہ بست

ہمکو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف حکم دیا ہے اور جملہ مذاہب کا مآل کار بھی یہی ہے تخلقوا باخلاق اللہ
اسکی سی عادتیں اختیار کرو۔ ہم کب متخلق باخلاق اللہ ہو سکتے ہیں اگر وہ درگزر کرے اور ہم درپے انتقام رہیں وہ
ستارگاری رکھے اور ہم لڑیں۔ وہ برداشت کرے اور ہم ناک پر مکھی بھی نہ بیٹھنے دیں۔ دیکھو پیغمبر صاحب اُن کو جا بجا
اور بار بار یہی حکم ہوتا تھا۔ فاصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (صبر کرو خدا احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا)

فاصبر ان وعد اللہ حق (صبر کرو بیشک خدا کا وعدہ سچا ہی) فاصبر و ما صبرک الا باللہ (صبر و۔ اور نہیں ہی صبر تمہارا مگر اسکی توفیق سے) فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل (صبر کرو جسطرح صبر کیا ہمت والوں نے) یا تو یوں کہو کہ یہ احکام پیغمبر صاحب کے ساتھ خاص تھے۔ مگر سوائے تمہارے سلف سے لیکر خلف تک کوئی امام۔ کوئی مفسر اسکا قائل نہیں یا کہو کہ احکام عام ہیں۔ اور ہم بھی ان کے مخاطب ہیں۔ مگر ہم انکی تعمیل نہیں کرتے تو سب سے زیادہ مذہبی غیظ و غضب تم کو پہلے اپنے اوپر کرنا چاہیے۔ نہ کہ خود را فضیحت و دیگرے را نصیحت۔ مذہب کو تم نے سمجھا کیا ہے؟ مذہب نام ہو حسن سمجھوتی کا کل حزب بما لدیہم فرحون سے یہ توہم کا کارخانہ ہے یا ن ہی ہے جو عشق سمجھا رکیا۔ +

جس عقیدت سے ایک مسلمان آب زمزم نوش کرتا ہے اسی ارادت سے ایک ہندو گنگا جل پیتا ہی یعنی دونوں کی مذہبی تسلی میں کچھ فرق نہیں۔ اور کیا تم سمجھتے ہو کہ لوگ جان بوجھکر سمجھ کر حق بات کو نہیں مانتے۔ یہ بات میری سمجھ میں تو آتی نہیں کہ آدمی خدا کو جانے۔ اُسکی قدرت کو جانے۔ اُسکے احسانات کو جانے اور یہ بھی جانے کہ وہ کیا چاہتا ہی۔ اور پھر اس سے مخالفت کرے۔ خدا اور خدا کی قدرتیں تو بجاے خود مجھ کو اتنی ہی طاقت ہونے دو کہ اس کتاب کو کہوں کھل اور یہ کھل جائے اور کہوں کہ بند ہو اور یہ بند ہو جائے۔ اور اسمیں کسی قسم کی نظر بندی اور چالاکی کا دخل نہو تو اتنی ہی طاقت پر اگر سارے ہندوستان کو اپنی طرف نہ کرلوں تو پھر میرا لکچر سننے کو نہ آنا۔ مگر یوں کہو کہ جہاں انسان کی دوسری حالتوں کا اختلاف منجانب اللہ ہی و من آیاتہ اختلاف السنتکم و الوانکم (اُسکی نشانیوں میں سے ہی تمہاری بولیوں کا اختلاف اور تمہارے رنگوں کا اختلاف) اسیطرح اختلاف مذاہب بھی من جانب اللہ ہی ولو شاء اللہ لجعل الناس امۃ واحدۃ ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک و لذلک خلقہم (اگر خدا چاہتا سارے آدمیوں کا ایک ہی مذہبی گروہ بنا دیتا اور لوگ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر جسپر تمہارا پروردگار رحم کرے اور اسی لیئے انکو پیدا کیا ہی) اگر ذلک کا مشار الیہ مختلفین ہی اور یقیناً مختلفین ہی ہی تو یہ اختلاف قیامت تک مٹنے والا نہیں خدا نے انسان کی ایسی ہی بناوٹ رکھی ہو تو اسکی خلقت کو کون بدلے ع گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را۔ +

فرض کرو کہ ہم ایک مذہبی راے رکھتے ہیں۔ اور دوسرا آدمی اس سے اتفاق نہیں کرتا اور معلوم ہی کہ ناحق کی ضد سے اسنے ایسا نہیں کیا تو اسکا اختلاف قابل رحم ہے نہ مستوجب ملامت۔ چاہیئے کہ جب ہمکو جوش ہمدردی بیچین کرے ہم اسکے حق میں دعا کریں۔ رفق و لینت سے اسکو سمجھائیں مدد کریں کہ وہ راہ راست پر آجائے۔ یا فرض کرو کہ وہ ناحق کی ضد کرتا ہے تو وہ اور زیادہ قابل رحم ہی۔ اگر راہ راست پر آجاتا تو اپنا ہی فائدہ کرتا نہ یہ کہ ہمکو بخشوا تا نہیں مانتا اپنا سر کھائے پڑے چولھے میں۔ ہمکو اسکے ساتھ عداوت پیدا کرنے کی تو کوئی وجہ نہیں۔ +

جولوگ مذہبی مناظرات کرتے ہیں۔ وہ ضمن عقل اتنا نہیں سمجھتے کہ ان مناظرات سے دوسری قوموں کے ساتھ مخالفت اور عداوت پیدا یا تازہ یا راسخ ہوتی ہے اور مسلمانوں میں اب اتنا دم نہیں رہا کہ اس مخالفت کی مقاومت کرسکیں بعض کو یہ خیال بھی ہوتا ہوگا کہ مناظرہ بھی دین کی حمایت کا ایک پیرایہ ہے اور عجب نہیں کہ وہ اسکے اجر کے بھی متوقع ہوں۔ میں سرے سے اسی بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ تقاضاے دینداری ہی لوگوں کو مناظرات کا باعث ہوتا ہے اور وہ احتساباً اور خالصۃً لوجہ اللہ اس کام کو کرتے ہیں۔ اگرچہ دوسرے کے مافی الضمیر پر آگہی حاصل کرنا مشکل ہے مگر مناظرے ہی میں تو دینداری کا انحصار نہیں۔ دینداری اور بھی بہت سے کام چاہتی ہے۔ دینداری چاہتی ہے مثلاً یہ کہ آدمی یہ جان کر کہ میں دین حق پر ہوں۔ پھر ہمہ وقت خدا سے ڈرتا رہے کہ دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے اگر خطر عاقبت پیش نظر ہو اور یہ ایسا خطرہ ہے کہ ہر فرد بشر کے پیش نظر ہونا چاہیئے تو میں سمجھتا ہوں اسی ایک خیال میں اسقدر کافی مصروفیت ہے کہ آدمی کو اپنی ہی نفس کی پرداخت سے فرصت مل نہیں سکتی۔ دوسروں کے دین مذہب کی وہ کیا خبر رکھے غم نداری بز بخر +

آدمی کو دنیا میں آپ ہی اپنا جج ہونے دو۔ لیکن ایک وقت آنے والا ہے کہ اس کا گناہ اور اسکی برات اس کی نیکی اور اسکی بدی ایسا جج تجویز کریگا۔ جسکو اُسکے دل کے بھید اس کی آنکھوں کی چوریاں ذرا ذرا معلوم ہیں یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور (آنکھوں کی چوریاں اور سینوں کے راز جانتا ہے) +

کیا وہ بڑی خوفناک حدیث نہیں سُنی کہ قیامت کے دن ایک شخص نیکیوں کا انبار اپنے ساتھ لیئے ہوگا اور حکم ہوگا کہ اسکو جہنم میں لیجاؤ۔ یہ حکم سن کر اسکو سخت حیرت ہوگی اور عرض کریگا کہ اے پروردگار کیا میں نے تیرے حکم کے مطابق نمازیں نہیں پڑھیں۔ روزے نہیں رکھے۔ زکوۃ نہیں دی۔ حج نہیں کیا۔ یہ نہیں کیا۔ وہ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ آخر کار کہیگا کہ میں نے تیری راہ میں جان نہیں دی۔ غرض وہ اپنی نیکیاں اور کارگزاریاں ایک ایک کر کے گنوائیگا۔ اور بارگاہ رب العزت بے نیاز سے ارشاد ہوگا کہ بے شک یہ سب کام تو نے کیئے۔ مگر یہ سب کام تو نے دکھاوے کے لیئے کیئے تھے۔ اور تو دنیا میں ان کا صلہ پاچکا ہے۔ تو نے چاہا لوگ تجھ کو سخی کہیں۔ اور لوگوں نے کہا۔ تو نے چاہا تو بہادر مشہور ہو اور تو بہادر مشہور ہوا۔ پھر اب تو کیا چاہتا ہے۔ تو نے کوئی کام ہماری رضامندی اور خوشنودی کے لیئے نہیں کیا۔ اور نہ تو اس کا مستحق ہو سکتا ہے +

یہ سمعہ اور ریا جنے اس بدنصیب شخص کے سارے اعمال حسنہ حبط کر دیئے۔ مذہبی مناظرات میں بڑی آسانی اور عجلت کے ساتھ دخل کر سکتی ہے مناظرے کو اظہار حق کی حد سے متجاوز نکرنے دینا بڑا مشکل کام ہے بحث میں

..پروری اور ضد آہی جاتی ہی۔ کون شاعر ہی جو داد نہیں چاہتا۔ اسیطرح کونسا مناظر ہے جو اپنے فریق سے
مدح وتحسین کی امید نہیں رکھتا ہی اور اسی کا نام ہی ریا۔ انسان کو خدا نے ایسا مخلوق خود غرض پیدا کیا ہے
کہ جب تک جلب منفعت یا دفع مضرت محرک نہ ہو وہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں کرنا چاہتا۔ وہ اگر خدا کے نام
ایک پیسہ دیتا ہی تو اس امید سے کہ اسکو عاقبت میں اس ایک پیسے کے بدلے دس روپے پندرہ آنے ملینگے
مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف
لمن یشاء واللہ واسع علیم (جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں انکی مثال اس دانے کی سی ہی جس سے سات
بالیں پیدا ہوئیں۔ ہر بال میں سو دانے اور اللہ جسکو چاہتا ہی دو چند سہ چند کردیتا ہے) تو ہم کیونکر سمجھیں کہ بحث مذہبی
میں بھی اسکی کوئی ذاتی غرض ضرور ہی اور وہ غرض ناموری اور اظہار لیاقت ہی کیوں نہ ہو۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں
مذہب من سمجھوتی کا نام ہی اور یہ مناظرے کا نہیں بلکہ نفس مذہب کا قصور ہی کہ اسکا مباحثہ کبھی ختم۔ اسکا جھگڑا کبھی
فیصل نہیں ہوتا۔ اسے کاش مذہب اقلیدس کا کوئی دعوی ہوتا۔ یا حساب کا سوال یا جبر و مقابلے کی مساوات۔ مذہب
کی بنیاد ہی عقیدے پر اور عقیدہ موقوف ہی قبول طبیعت پر اور طبائع اس بارے میں اس قدر مختلف واقع ہوئی
ہیں کہ جس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔*

یہ ظاہر بات ہی کہ ہم پیغمبر صاحب سے بہتر مناظرہ نہیں کر سکتے۔ اول تو خود ان کا عقیدہ اسقدر راسخ تھا
کہ ہمکو اسکا پاسنگ بھی نصیب نہیں۔ دوسرے خدا نے ان کی بات میں اثر دیا تھا اور جو بات خلوص سے کہی
جاتی ہی موثر ہوتی ہی۔ ہماری بات میں اثر کیا خاک ہو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں کہتے سب کچھ ہیں کرتے کچھ
بھی نہیں ع اے طبل بلند بانگ در باطن ہیچ *
یا ایہا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون (لوگو جو ایمان لائے ہو کیوں کہتے ہو جو آپ نہیں کرتے) مگر باوجودیکہ پیغمبر
صاحب کا عقیدہ راسخ۔ ان کی بات میں بھی اثر تھا۔ اور ان کا اہتمام بھی بلا کا اہتمام تھا۔ پھر بھی جن کی طبیعتوں میں قبول
حق کی استعداد نہ تھی ان پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اور پیغمبر صاحب اس سے کچھ شکستہ خاطر سے ہوتے تو اللہ تعالی نے
انکو سمجھا دیا۔ انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء (جسکو تم چاہو ہدایت نہیں کر سکتے۔ لیکن اللہ جسکو
چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) اگر تمکو مناظرے کی کامیابی کا یقین ہی تو کسی ایک صرف ایک مذہبی فرقے کا نام لو جو
مغلوب مناظرہ ہو کر معدوم ہو گیا ہو۔ سچ پوچھو تو لوگوں کو حق کی طلب اور تلاش ہی نہیں کہ مناظرے سے فائدہ
اٹھائیں۔ بحث ومناظرے کا نام آیا اور ان کو خدا واسطے کی کاوش ہوئی۔ بلکہ میری رائے پوچھتے ہو تو جسکو اپنے مذہب

[illegible] حاصل کرنا ۱۲

مسلمانوں کی توحید بھی خامی نقصان اور کدورت سے خالی نہیں۔ ذرا توحید کا پیچ کسا جاتا ہے تو اپنے ہی بھائی وہابی وہابی کہکر بہتو پیٹنی شروع کر دیتے ہیں۔ اور اس عالم اسباب میں اسباب سے قطع نظر کرنا ہے بھی ذرا ٹیڑھی کھیر اپنی چھاچھ کو کون کھٹا کہا کرتا ہے۔ جن عقائد اور جن افعال کی وجہ سے ہم دوسرے لوگوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں وہی عقائد اور وہی افعال ہمارے یا ہم میں سے اکثروں کے بھی ہیں۔ فرق اگر ہے تو اسی قدر کہ اوروں نے اپنے بزرگوں کے حق میں افراط کی ہے۔ ہمنے اپنے بزرگوں کی شان میں۔ لیکن سلسلۂ سخن کشاں کشاں مجھکو اسی گڑھے میں لیجانا چاہتا ہے جس میں گرنے سے میں تمکو ڈراتا تھا۔ پس اس تذکرے کو چھوڑو اور اصل مطلب کو لو۔ +

ہاں تو میرا خیال یہ ہے کہ مذہب کا عام رجحان توحید کی طرف پایا جاتا ہے۔ اور میں اسکو اسلام کی فتح نمایاں خیال کرتا ہوں۔ اور اگر مسلمان لینت و استمالت (نرمی دلجوئی ۱۲) اختیار کریں۔ اور لوگوں کو سختی اور درشتی سے نفرت و وحشت نہ دلائیں تو میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ کیوں اسلام مذہب عام پسند نہ ہو۔ اور کیوں سب لوگ مسلمان نہ ہوں۔ آخر ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے ایسی باتیں جن سے تزلزل توحید ظاہر ہوتا ہے۔ سرزد ہوتی ہوئیں دیکھتے ہیں۔ اور انکی تاویلات کو گو فی نفسہا سخیف اور ضعیف ہوں پذیرا رکھتے ہیں۔ اور ان سے مفارقت اور متارکت نہیں کرتے۔ تو ایسی کونسی بڑی قباحت لازم آجائے گی اگر غیر قوموں کے ساتھ ہم دلداری سے پیش آئیں اور مذہبی جنبیت کو کم کریں۔ کچھ مولفۃ القلوب کی بھی خبر ہے کہ وہ کون لوگ تھے۔ وہ تھے وہ ولے تزلزل العقیدہ مذبذبین بین ذلک لا الی ھٰؤلاء ولا الی ھٰؤلاء (نہ ادھر نہ ادھر یہ بلا کدھر) اگر پیغمبر صاحب انکو حکمت عملی سے ہلائے ملائے نہ رہیں تو وہ کھلم کھلا فریق مخالف میں جا ملیں فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک (یہی خدا کی ایک رحمت ہے کہ تم انکے لیئے نرم ہو گئے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو تمہارے پاس سے کبھی کے سٹک گئے ہوتے) لیکن پیغمبر صاحب نے کبھی ان کی نسبت بدگمانی ظاہر نہیں کی اور نہ ان پر شبہ کیا اور انکے ساتھ بالکل دوستانہ برتاؤ رکھا فاعف عنھم و استغفر لھم وشاورھم فی الامر (ان کو معاف کرو اور خدا سے ان کے گناہوں کی معافی چاہو اور معاملات میں انسے مشورہ لو۔) نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ وہ ایسے سچے اور پکے مسلمان ہوتے جیسے اور۔ اور انہوں نے ایسے ایسے کارنمایاں کیئے جیسے دوسروں نے +

مسلمان ادنےٰ ادنےٰ بات میں پیغمبر صاحب کی نقل و تقلید کرتے ہیں یہاں تک کہ وضع شکل و صورت بھی ویسی ہی بنانا چاہتے ہیں اور یہ بڑی عمدہ بات ہے۔ مگر افسوس ہے کہ پیغمبر صاحب کا سا باطن بنانے میں مطلق اہتمام نہیں جو سرتاپا حلم۔ سرتاپا رحمت۔ سرتاپا سہولت تھی انکو سینکڑوں مولفۃ القلوب گھیرے رہتے تھے۔ امت نے استمالت اور تالیف قلوب کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ اور میری آج کی بات کو میں تو چاہتا ہوں دل پر نگر دل پر تو تم کیا لکھو گے کسی کتاب کے پٹھے پر یادداشت

کے طور پر لکھ رکھنا کہ جب تک مسلمان برداشت اور درگزر اور سازگاری کا شیوہ اختیار نکرینگے نہ انکو دنیا میں فلاح ہوگی اور نہ کچھ دین ہی کو فائدہ پہونچا سکینگے ۔

جسطرح فطرت نے لا الہ الا اللہ کے قبول کرنے کا رجحان طبیعتوں میں پیدا کیا ہے۔ اسیطرح وہی فطرت محمد رسول اللہ کے قبول کرنے کی طرف بھی طبیعتوں کو رغبت کریگی بشرطیکہ پیغمبر صاحب کو ان کی اصلی حالت میں دکھایا جائے سر پیٹ لینے اور منہ کھسوٹ ڈالنے کی جگہ ہے پیغمبر صاحب کی ایسی بھونڈی تصویر دوسری قوموں کے پیش نظر ہو کہ معاذ اللہ وہ ایک شخص ہیں۔ ترشرو۔ بدخو۔ جنگجو۔ ظالم۔ سفاک۔ کینہ توز۔ حکومت پسند۔ ان کے داہنے ہاتھ میں سیف مسلول ہے یا ریوالور یا سلائی کا بنڈل یا ڈائنامائٹ۔ اور بائیں میں مارشل لا (قانون جنگ) جب کہ واقع میں از روے حق الامر وہ ایک شخص ہیں ہنس مکھ۔ خوش خلق۔ بردبار۔ منکسر۔ متواضع۔ نرم مزاج۔ نیک دل۔ انک لعلی خلق عظیم ان کے ہاتھ میں گلدستہ یا دستنبو یا آب حیات اور دوسرے میں فوز و فلاح دارین کا فرمان یعنی قرآن۔ مسلمان کہیں یا نہ کہیں۔ مانیں یا نہ مانیں۔ مگر میں اس بات کے کہنے پر مجبور ہوں کہ ابھی تک مسلمانوں نے پیغمبر صاحب کو ان کی اصلی حالت میں دکھلانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ پیغمبر صاحب کو ٹھہرایا ہیچا اور آپ بنے ہوّا اور لوگوں کو چاہتے ہیں کہ گرویدہ اسلام ہوں

این خیال ست و محال ست و جنوں

اب یہ زمانہ کامپٹیشن (مقابلہ) کا ہے۔ جہاں اور سب باتوں میں کامپٹیشن چلتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص نوکری کا طلبگار ہے۔ تو کامپٹیشن کی جنتری میں سے نکلے بدون اسکو نوکری نہیں ملے گی۔ کوئی شخص تجارت کرنا چاہتا ہے کامپٹیشن کی کشمکش کے بغیر اسکو بھی کامیابی نہیں ہوگی۔ اسیطرح مذاہب میں بھی کامپٹیشن قائم ہے۔ ہر مذہب والے چاہتے ہیں کہ ہمکو پبلک کی نظر میں قبولیت ہو۔ جتنے مذہب ہیں گویا اتنے ایک خاص چیز کے دوکاندار ہیں۔ ہر دوکاندار اس کوشش میں لگا ہے کہ سب سے زیادہ اسکی دوکان چلے۔ لوگ کثرت سے استعمال لیں۔ جو تدبیر ایک دوکاندار کو اپنی دوکان چلانے کے لیئے کرنی پڑتی ہے۔ وہی تدبیر اسکو کرنی پڑیگی۔ جو چاہتا ہے کہ اسکا مذہب زیادہ تر مقبول عام ہو اور وہ با تدبیر ہے؟ ملنساری۔ راستی۔ خوش معاملگی۔ آسانی۔ منجملہ ان تدبیروں کی ایک تدبیر یہ ہے کہ ہم اپنے تئیں اچھا دیندار بنا کر لوگوں کو اپنا اچھا نمونہ دکھائیں۔ سو افسوس ہے کہ ہمنے ابھی تک اس طرف توجہ نہیں کی ۔

جہاں تک دینداری کو تمدن میں دخل ہے۔ ہمکو بناچاری ماننا پڑتا ہے کہ مسلمان اگر سوسائٹی کے بہت برے ممبر نہیں تو بہت اچھے بھی نہیں۔ حالانکہ ہمکو اس نبی کی امت ہونے کا فخر حاصل ہے مگر کردار سے نہیں بلکہ گفتار سے

۹۱ کینہ کش ۱۲ ۔ ۹۲ بیشک تم بڑے ہی خلیق ہو ۱۲ ۔ ۹۳ خامہ خلائق ۱۲ ۔ ۹۴ دونوں جہان کی کامیابی ۔ و بہبودی ۱۲

جو مکارم اخلاق۔ متمم اور "بقے علیہ من الصلوٰۃ اتمہا و اکملہا" ان پر خدا کی رحمت پوری اور کامل تر ہو
اسلام کی بے وقعتی کے جہاں اور اسباب ہیں ان میں سب سے بڑا سبب مسلمانوں کی شکستہ حالی بھی ہے۔ مسلمانوں
کی دنیاوی حالت درست ہو۔ تو بہت سی باتیں جو لوگوں کی نظر میں مورد اعتراض ہیں۔ وہی مورد تحسین ہو جائیں
لیکن خرابی یہ آ کر پڑی ہے کہ اس شکستہ حالی پر مسلمانوں کو زہد تعلیم کیا جاتا ہے جس کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی شکستہ
حالی پر صبر کرکے بیٹھ رہے ہیں۔ اور اس کی درستی کی مطلق فکر نہیں کرتے۔ یا کرنا چاہتے۔ مثلاً من بھر تو یہ کرتے
ہیں چھٹانک۔ وہ بھی بادل ناخواستہ کہ ایسا کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔ اگر ایک چھپر مثلاً سو آدمی کی مجموعی پوری طاقت
سے اٹھائے جانے کا ہے اگر دو چار آدمی اسکو انگلیوں کے سہارے سے اٹھانا چاہیں تو بھلا وہ چھپر اپنی جگہ سے کب کھسکا
میں اس شکایت کی سند میں پیش کرتا ہوں انجمن حمایت اسلام لاہور کی حالت کہ اس نے اٹھاتے تو ایسے بڑے
کام کا بیڑا اٹھا لیا جو قوم کے کرنے کا ہے۔ اور قوم کے کرنے کا بھی اس صورت میں ہے کہ قوم کشادہ دلی سے اس کی
معین و مددگار ہو۔ لیکن قوم اور کشادہ دلی کا کیا مذکور ہے۔ صرف معدودے چند اسکو اتفاقی طور پر وہ بھی ہچکچاتے
ہچکچاتے نباہے چلے جاتے ہیں۔ پس انجمن کی گزران بالکل توکل کی سی گزران ہے جسکو شاعر فاقے سے بڑھکر سمجھتا ہے

زیادہ ہوگا توکل سے بھی کہیں روزہ ۔۔۔ کہ ہمیں آتی تو روزی ہے اور نہیں روزہ

ہمارے ہندوستان کا تو قاعدہ یہی ہے کہ جتنے چندے کے کام ہیں برائے چندے۔ اول تو جو کچھ ہو رہا ہے۔ معقول ضرورت
کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں اور خیر تھوڑا بہت جو کچھ ہے۔ اے کاش اسی کو استحکام ہو۔ پائداری ہو۔ یوں سنک سنک کے
دینے سے روپے کا روپیہ خرچ ہوتا اور پیاس تو بھلا اوس سے کیا بجھتی ہے۔ سب ملکر ایک دم سے زور لگاؤ کہ ناؤ
جو مدتوں سے دلدل میں پھنسی پڑی ہے تیرنے لگے۔ پس و پیش اور حیص بیص میں وقت گزرا چلا جاتا ہے ایسا نہ ہو کہ
پھر یہ مرض مزمن[1] ہو کر علاج پذیر باقی نہ رہے +

انجمن حمایت اسلام لاہور نے تو ایسا پیرایہ اختیار کیا ہے کہ اس پر کوئی متعصب سے متعصب مسلمان بھی اعتراض نہیں
کر سکتا۔ اس کو معمولی طور کی انجمن نہ سمجھنا۔ یہ حجت الٰہی ہے۔ جو مسلمانوں پر تمام ہوئی۔ اسوقت تک جو کارروائی انجمن
نے کی ہے اس کی رپورٹ ہم انجمن کے دل سوز اور سرگرم سکرٹری سے کل سن چکے ہیں۔ وہ ایک اقتباس [illegible]
ہے۔ لیکن پھر بھی آدمی کے کام کتنے ہی اہتمام اور کتنی ہی احتیاط سے کیے جائیں ہمیشہ اصلاح طلب باقی رہتے
ہیں۔ اے ممبران انجمن معاف کیجئے گا۔ اگر میں آپ کی کارروائی میں کوئی نقص نکالوں میں آپ صاحبوں کو پورا
یقین دلاتا ہوں جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں۔ اعتراض مخالفانہ نہیں ہے۔ بلکہ صلاح دوستانہ +

[1] دیر پا - مستحکم ۱۲

آپ لوگوں میں کوئی سرسید احمد خاں صاحب یا اُنکے اعوان و انصار کے وقار اور انفلوئنس کا آدمی نہیں ہے
مگر آپکا ایم (مطلب) وہی ہے جو سرسید احمد خاں صاحب کا ہے۔ البتہ فریقین میں اتنا فرق ضرور ہے کہ آپ کی کارروائی مسلمانوں
کے وقتی خیالات سے بالکل ملتی ہوتی ہے۔ جسکو سرسید کے گروہ کے وقار اور انفلوئنس کا پورا جواب ہونا چاہیئے
اگرچہ آپکے اور سرسید کے گروہوں میں کامپٹیشن قائم ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور بڑے شکر کا مقام ہے کہ امپٹیشن
ہی بھی نہیں۔ خدا کے فضل سے ہندوستان اتنا وسیع ملک ہے کہ دونوں گروہ بلکہ ایسے ایسے کئی گروہ اسمیں جم لانیاں
کر سکتے ہیں۔ لیکن دونوں گروہوں کے نتائج کارروائی کو مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو آپ سرسید احمد خاں صاحب
کی گرد کو بھی نہیں پا سکے۔ یہ کیوں؟ آپ کہیں گے وہی وقار کی کمی اور وانٹ آف انفلوئنس۔ میں اسکو تسلیم کرتا
ہوں کہ آپ حیدرآباد۔ پٹیالہ۔ بھوپال۔ کپورتھلہ بنارس الیسی الیسی سرکاروں اور دوسری موٹی موٹی چڑیوں کو اپنے
دام میں نہیں لا سکے۔ لیکن میں ایک سب سے زیادہ موٹی۔ سب سے زیادہ بھولی۔ اور سب سے زیادہ آسانی کے ساتھ دام میں
آجانے والی چڑیا بتاتا ہوں کہ اگر اسکو پھنسا لو اور یقین جانو کہ اس کا پھنسانا کچھ بھی مشکل نہیں۔ صرف تنکے کی اوجھل
پہاڑ ہے۔ تو بس یہ سمجھنا کہ تمہارے دولت کو پھنسا لیا۔ بتا دوں کہ وہ کون چڑیا ہے۔ بتا ہی دوں۔ خاص خاص
لوگوں نے تمکو بڑے بڑے چندے دیئے اور دیتے ہیں۔ لیکن بندے کی رائے پر عمل کروگے تو بات کی
بات میں ایسے ایسے کتنے چندے جمع کر لوگے۔ وہ چڑیا۔ وہ سونے کی بھی نہیں بلکہ جواہرات کی چڑیا
تمہاری ہی قوم ہے۔ اِن تلوں کو زمانے کی گردش نے پیل کر بھربھری کھل کر دیا ہے مگر اب بھی اس کھل میں
اتنا تیل ہے کہ سب نکال کر یکجا کیا جائے تو تیل کی ایک ندی بہنے لگے۔ لیکن افسوس ہے کہ تم میں کوئی سلیقہ شناس تیلی نہیں
پیاسا کوئیں کے پاس جاتا ہے کوئیں کو پیاسے کے پاس آتا ہوا نہیں سُنا۔ لیکن وہ پیاسے تم ہو کہ کنواں تمہارے
پاس آئے تو تمہاری پیاس بجھے۔ یہ سالانہ جلسے اور ماہواری رسالوں اور اشتہاروں کے کاغذی گھوڑے اگر پیاسے
کا کوئیں کو اپنی طرف گھسیٹنا نہیں ہے تو کیا ہے۔ نلچنے نکلے تو گھونگٹ کیا۔ آخر تو تم نے قوم کے لیئے گداگری
اختیار کی تو جب تک تمہاری جھولی ایک لکھ پتی مارواڑی کی توند کی طرح خوب تن نہ جائے۔ بس نہ کرو بیاس
کام کو ہی چھوڑ بیٹھو کہ یہ تمہارے بس کا نہیں گدایان قوم کا ایک گروہ کھڑا کرو کہ وہ لوگ جدھر کو جس کا
مُنہ اُٹھے۔ ملک میں منتشر ہو جائیں۔ ابرام سے لیں۔ الحاف سے لیں۔ اصرار سے لیں۔ دھینگا مشتی سے
لیں۔ ہاتھا پائی کر کے لیں۔ ہیکڑی سے لیں۔ سلگ کر لیں۔ لپٹ کر لیں۔ چمٹ کر لیں۔ سر ہو کر لیں۔ خوشامد سے لیں
منت سے لیں۔ لجاجت سے لیں۔ سماجت سے لیں۔ دھرنا دے کر لیں۔ اڑ کر لیں۔ جھگڑ کر لیں۔ بگڑ کر لیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لکچر جناب مولانا مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب کا جو انھوں نے

حکیم محمود خاں صاحب

کی وفات حسرت آیات پر ٹون ہال دہلی کے ماتمی جلسہ میں دیا تھا

تمہید

حکیم محمود خاں صاحب شہر دہلی کے بڑے نامی متاخرین میں تھے۔ دہلی میں اور بھی طبیب ہیں مگر انکے ہوتے کسی کو فروغ نہ تھا۔ یہ واقعہ تحقیقی ہے کہ انکے جنازے کے ساتھ اور سیوم کی فاتحہ میں لوگوں کا اسقدر ہجوم تھا کہ کمتر دیکھنے میں آیا ہے۔ اس میں انکے فرزند حکیم عبد المجید خاں کی وجاہت کو کچھ دخل ہو مگر مرحوم کی طبابت کے بارے میں عام لوگوں کو بڑی عقیدتمندی تھی۔ کلکتے سے مولوی لطف الرحمن بیرسٹر تعزیت کے لیئے آئے۔ اور اس مجمع کے اجتماع کے باعث ہوئے جسمیں یہ لکچر دیا گیا۔ عمائد شہر کے علاوہ خود صاحب ڈپٹی کمشنر میر مجلس تھے اور بولنے والوں میں مولوی لطف الرحمن صاحب بیرسٹر محمد اکرام اللہ خاں صاحب بابو گردھاری لعل صاحب اور آخر میں مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب۔ عام حاضرین کا مقولہ یہ تھا کہ اگر مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے یہ لکچر نہ دیا ہوتا تو مجلس تعزیت پھیکی رہتی۔ لکچر یہ ہے

وقت کو (چاہے وہ کوئی دن ہو یا کوئی تاریخ یا کوئی مہینا یا کوئی سال) نحس یا سعد سمجھنا ہم مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہے اور نہ اسکو عقل قبول کرتی ہے لیکن جب دنیا میں ملائم و ناملائم اتفاقات پیش آتے ہیں تو بتقاضائے ضعف بشریت ایسے

خیالات خواہی نخواہی دل میں آ ہی جاتے ہیں میں نہیں جانتا اور نہیں جان سکتا اور سوا خدا کے کوئی بھی نہیں جانتا اور نہیں
جان سکتا۔ کہ ۱۹۲۲ء کے انجام تک کیا ہو۔ مگر اسکا آغاز تو ایسی فتنوں سے ہوا ہے کہ خدا ہی خیر کرے۔ روس کہ وہاں کے
باشندے بھی آخر میں تو اپنے ہی ابنائے جنس **قطعہ** بنی آدم اعضائے یکدیگر اند • کہ در آفرینش ز یک گوہر اند • چو عضوے
بدرد آورد روزگار • دگر عضوہا را نماند قرار • غرض روس اور اتنی دور روس بھی کیوں جاؤ۔ بنگالہ مدراس اور بمبئی کے
بعض اضلاع ان سب مقامات کی خشک سالی سن سن کر طبیعتیں تو اداس تھیں ہی کہ دفعتہً ملکہ وکٹوریہ کے بڑے پوتے
وارث تخت و تاج پرنس وکٹر کی مرگ مفاجات کی خبر آئی۔ جیسے آسمان سے بجلی گر پڑی۔ جوانی اور جوانی کا بھی عنفوان
ع این ماتم سخت ست کہ گویند جواں مرد • اور پھر سلسلہ بسلسلہ سلطنت کی امیدواری اور سلطنت بھی انگلستان اور
ہندوستان کی سلطنت یعنی دنیا کی بہشت بریں۔ اور سب سے بڑھکر عین ارمان کے دنوں میں کہ تاریخ ٹھہر کر بیاہ کی
طیاریاں ہو رہی تھیں ایسے مرنے سے زیادہ اور کیا مصیبت ہو سکتی ہے۔ خود مرنے والے کے حق میں۔ بوڑھی
بیوہ غم زدہ یک سر و ہزار سودا ملکہ کے حق میں۔ مائیوں کی رانڈ پرنسس میری آف ٹک کے حق میں۔ ہمارے شہزادہ ولیعہد
کے حق میں۔ ولیعہد بیگم کے حق میں۔ تمام خاندان شاہی کے حق میں۔ اور بلا امتیاز قوم و ملت تمام ملک کے حق میں
ابھی اس صدمے سے ہم لوگ پنپنے نہیں پائے تھے کہ حکیم محمود خاں صاحب نے انتقال فرمایا۔ وہ بھی مفاجات۔ گویا
آسمان سے پہاڑ ٹوٹ پڑا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حکیم محمود خاں صاحب سے پہلے بھی مشہور طبیب ہو گزرے ہیں مگر
ان جیسی شہرت کہ چار دانگ ہندوستان میں ان کی حذاقت کا غلغلہ تھا میرا خیال یہ ہے کہ متقدمین میں سے کسی کو
بھی نصیب نہیں ہوئی۔ اس زمانے میں کہ انگریزی تعلیم اور انگریزی خیالات کا جھکڑ ایسے زور سے چل رہا ہے کہ تمام
علوم و فنون کا ٹھہرنا مشکل بلکہ محال ہو گیا ہے طب یونانی کے اعتبار کو پبلک کی نظر میں جمائے رکھنا انہی
مرحوم کا کام تھا ان ہی مرحوم کا حصہ اور ان ہی مرحوم کا حق ان کی شہرت کبرٰی فی موت الکبرٰی کے طور کی شہرت
نہ تھی بلکہ مبنی تھی ہزاروں مختلف الاعمار مختلف الاوطان مختلف الحالات آدمیوں کے ذاتی تجربے اور اجماع
پر جنکو حکیم صاحب نے زبردستی بزور طبابت شکنجۂ عذاب سے بچایا پنجۂ ہلاکت سے چھڑایا اور موت کے حلق سے
اگلوایا۔ چونکہ دنیا کے تمام کاروبار متفرع ہیں زندگی اور تندرستی پر جسکا محافظ باسباب ظاہر طبیب ہے اسلئے میں
حکیم محمود خاں صاحب کی وفات کو قومی بلکہ ملکی مصیبت خیال کرتا ہوں وہ مصیبت ہم دلی والوں پر سب سے
زیادہ شاق ہے اسواسطے کہ دلی یہ بدنصیب دلی یہ بدقسمت دلی یہ بدبخت دلی سینکڑوں برس دار السلطنۃ
ہونے کی وجہ سے دولت اور حکومت اور عزت اور لیاقت کا مرکز رہکر اب ایک ضلع رہگیا ہے من مضافات

۱۵ بڑے مرتے گئے تو ان کی جگہ چھوٹے ہوتے گئے ۱۲

لاہور تعز من تشاء و تذل من تشاء[1] جاگیر اور منصب اور معافی کا تو کیا مذکور ہے۔ ہماری اسی چار دیواری میں سلطنتوں
کے اخیر فیصلے ہوتے تھے۔ اب ہم ہیں کہ ذرہ ذرہ سی مقدمے کے لیئے لاہور گھسٹنا پڑتا ہے۔ نہ ہماری یہاں
کسی قسم کا جج ہے نہ کسی صیغے کے اعلیٰ افسر کا ہیڈ کوارٹر۔ اس سے بڑھکر محرومی اور خفت اور تنگی اور بے عزتی اور
کیا ہوگی۔ عالم مشائخ۔ صناع ہر فن کے اُستاد ہر ہنر کے کامل درجنوں کوڑیوں یا اب لے دیکر ایک حکیم محمود خاں صاحب
کا دم رہگیا تھا۔ صد افسوس ہزار افسوس یہ نعمت بھی سلب ہوگئی۔ یہ فخر بھی چھن گیا۔ یہ چراغ بھی گل ہوگیا۔ خود طبیب
بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ اصل میں طبیعت مدبر بدن ہے اور طبیب کا کام ہے طبیعت کی تقویت لیکن اگر طبیب لوگوں
کے دلوں میں ایسا اعتبار پیدا کرلے کہ اسی کی ذات خاص سے طبائع کی تقویت ہو اور اُسکی طرف رجوع کرنے کو لوگ شفا
کی ضمانت اور تندرستی کی کفالت سمجھتے ہوں جیسا کہ حکیم محمود خاں صاحب کی نسبت لوگوں کا عقیدہ تھا۔ تو اب دوسرے
کی نسبت ایسی عقیدت پیدا ہونے کو عمریں چاہئیں۔ یہ بات طبیبوں میں کم دیکھی ہے کہ وہ جس فن کا عمل دوسروں پر
کرتے ہیں اپنے اوپر استعمال کرکے لوگوں کو اس فن کا گرویدہ کرلیں مگر ہمارے حکیم محمود خاں صاحب طب یونانی
کے صداقت کا خود ثبوت مجسم تھے۔ اگرچہ وہ ارذل العمر کو نہیں پہونچے اور عمر کی اس حد کو پہونچکر جینے کا مزہ بھی نہیں
مگر انہوں نے عمر طبعی سے اکثر اعمار امتی بین ستین و سبعین[2] پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور جب تک زندہ رہے اعلیٰ درجے کی تندرستی
کا عمدہ نمونہ تھے انہوں نے اپنی حرارت غریزی کی جو مدار حیات ہے اسقدر احتیاط کی تھی کہ اس عمر پر سخت سے سخت جاڑے کے
دنوں میں بھی کسی نے انکو کسیوقت گرم کپڑے پہنے نہیں دیکھا ہوگا وہ اپنی وضع کے ایسے پکے تھے کہ ایسے مستقل مزاج لوگوں کا
پیدا کرنا میں جانتا ہوں خدا نے بند کردیا ہے۔ کیا من حیث الفن کیا من حیث العمر کیا من حیث التمول کیا من حیث المرجعیۃ کیا
من حیث الوجاہت کیا من حیث التعزز سب طرح پر حکیم صاحب مکرم و محترم تھے۔ مگر وہ اپنے نیازمندوں سے اور مساکین بے توسل سے
ایسے بے تکلفانہ طور پر ملتے تھے جس سے ثابت ہوتا تھا کہ انھوں نے اپنی حالت کی برتری پر کبھی نظر ہی نہیں کی اور یہی
ہے خلاصہ تہذیب اور شائستگی اور اخلاق اور حسن معاشرت کا۔ غرض ایسے اور اس سے بمراتب بڑھکر تھے وہ بزرگ قوم جنکی ہم تعزیت
عام طور پر ادا کرنیکے لیئے ہم لوگ جمع ہوئے ہیں حکیم محمود خاں صاحب کی وفات سے جو نقصان عظیم قوم اور ملک کو پہونچا ہے اگرچہ
فی حد ذاتہ ناممکن التلافی ہے مگر ؎ نخواہد ایں چمن از سرو لالہ خالی ماند * یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید * بڑی شکر کا مقام ہے کہ
ہم انکے فرزند اکبر حکیم عبدالمجید خاں صاحب میں انکے نعم البدل ہونیکی توقع رکھتے ہیں انھوں نے باپ کی زندگی میں اپنی طبابت کا
سکہ بٹھا لیا ہے بلکہ ایک بات میں اُن پر بھی سبقت لیگئے ہیں کہ انکو زمانے کی ضرورتوں پر نظر ہے اور مدرسۂ طبیہ جسکے یہ بانی
ہیں اسکا شاہد بلیغ ہے میری اور ہم سب کی دلی آرزو اور تمنا ہے کہ خدا حکیم محمود خاں صاحب کی مغفرت کرے اور انکے پس ماندوں کو
صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور حکیم عبدالمجید خاں صاحب کی زندگی باپ کی زندگی سے زیادہ کامیاب زیادہ نامور اور زیادہ ممتد ہو ✦ ختم ✦

[1] جسکو چاہے عزت دے اور جسکو چاہے ذلت دے ۱۲ [2] یہ اشارہ ہے طرف اس حدیث کے کہ میری امت کی اکثر عمریں ساٹھ اور ستر برس کے بیچ میں ہیں

کوئی کریگا۔ خدا کی طرف سے سلطنت کا کوئی استمراری ٹھیکہ نہیں۔ ع ہر کرا پنج روز نوبت اوست ٭ اب بھیک مانگنے کی باری
ہے اور اسکے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ سلطنتیں نکل گئیں اور نکلتی جا رہی ہیں۔ اور جو باقی ہیں یوماً فیوماً ضعیف ہوتی
چلی جاتی ہیں۔ طب یونانی جسکے سنبھالنے کا اس [illegible] سے نے بیڑا اٹھایا ہے۔ ہے تو محتاج الیہ عام۔ مگر پھر بھی اسکو مسلمانوں کے ساتھ
ایک طور کی خصوصیت ضرور ہے۔ چاہے اس طب کا ماخذ اصلی یونان ہو لیکن ہندوستان میں اس طب نے مسلمانوں کی وجہ سے
رواج پایا۔ یہ فن ہمیشہ مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا۔ ہر زمانے میں اور ہر جگہ مسلمان ہی اس فن کے بڑے بڑے ماہر ہوتے
چلے آتے۔ الی یومنا ھذا پس اگرچہ باشندگان ہند عموماً صدہا سال سے طب یونانی کے ممنون ہیں۔ لیکن دوسروں سے بہت
طب کا استحقاق ہے۔ تو مسلمانوں پر دعویٰ خیرات۔ مبرات کی جیسی کچھ تاکید اسلام میں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ کسی دوسرے مذہب
میں نہ ہوگی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دوسرے مذاہب میں اسکا حکم نہیں ہے مگر نہ اس شد و مد کے ساتھ کہ قرآن میں جہاں
اقیموا الصلوٰۃ ہے اٰتوا الزکوٰۃ بھی ضرور ہے پھر میں اسکا بھی قائل نہیں۔ کہ مسلمان آجکل ایسے نیشن الکاء مذہبی کی بجا آوری
میں کاہل اور بے پروا ہیں۔ ابھی رمضان کو گزرے کے دن ہوئے۔ بلا کی گرمی اور بہاڑ دن اور اسپر روایت ہوا اور شاید طبیبوں
اور ڈاکٹروں کا اجماع کہ فاقہ محل خطر ہے مگر اتنے بڑے شہر دلی میں دس مسلمان بھی ایسے نہیں نکلینگے جنہوں نے تکلیف سے جان
بچا کر یا وبا سے ڈر کر روزہ نہ رکھا ہو۔ اور جنہوں نے نہیں رکھا وہ ایسے باہمت بزرگ تھے جو بے عذر کے رمضان میں بھی
روزہ نہیں رکھ سکتے۔ بہرکیف میں مسلمانوں کو ایز اسے نیشن ایسا گروہ خیال کرتا ہوں جو بجا آوری احکام مذہبی میں کسی دوسرے
گروہ سے ہیٹے نہیں۔ یہ خرچ کر دینے میں بھی ایسے دھنی ہیں کہ اگر مولویوں نے سب نہیں بلکہ اُن مولویوں نے جنکو
وہ آزادی کے لیئے وہابی کہا جاتا ہے روک ٹوک کی ہوتی تو مسلمان شادی غمی یا اور دوسری تقریبات میں بہت
سے فضول اور لایعنی مصارف اپنے اوپر لازم کیئے رہتے۔ بھلا پھر مسلمان باوجودیکہ بطیع مذہب اور خرچ کرنے پر لیس ہیں
مدرسہ طبیہ جیسے نیک کام میں جی کھول کر کیوں نہیں شریک ہوئے۔ اسکی دو وجہیں خیال میں آتی ہیں۔ اول تو لوگ ایسے مول
کو مصرف خیرات ہی نہیں سمجھتے۔ وہ بیمار کو دیکھکر بے شک ترس کھائینگے۔ اور دوا بلکہ غذا بہم پہونچانے میں بھی
اسکی مدد کو آمادہ ہونگے لیکن یہ خیال دور از کار اُنکے ذہن میں بھی نہیں گزرتا کہ کار ثواب سمجھکر اپنی گرہ کے دام
خرچ کریں لوگوں کو طب پڑھوائیں اس توقع سے کہ نئے طبیب تیار ہوں اور آخرکار مریضوں کا علاج کریں۔ دوسرا
سبب اینڈ دی لاسٹ ڈونات دی لیسٹ ہے عموماً مسلمانوں کی بیمقدوری۔ یہ تو خاص ایک معزز لوگوں کا مجمع ہے
اور جتنے مسلمان اس جگہ موجود ہیں ماشاء اللہ سب مقتدر ہیں۔ لیکن میں عام مسلمانوں کی قوم کا مذکور کر رہا ہوں
سو قوم تو بہت بڑی چیز ہے۔ ایک دلی شہر میں ایسے مسلمان کتنے ہونگے شاید مشکل سے ملے پیچھے ایک یا دو

لہ آج کے دن تک ۱۲ لہ قائم رکھو نماز اور دو زکوٰۃ ۱۲ لہ بحیثیت قومی ۱۲ لہ کر لیکے کا جاڑا آیا ۱۲ لہ ترتیب میں آخری مگر درجے میں کم نہیں ۱۲

[illegible] صرف جاہیوں [illegible] قوم بدولت تجارت خوشحال ہی اور یہ لوگ مخیر بھی ہیں مگر انکے مذاق ہمارے
[illegible] سب نے نہیں۔ پس مدرسے کی طرف سے ہوتے نہ [illegible] ہی برابر۔ تو غرض یہ ہی کہ مدرسہ طبیہ کو جہاں تک آسرا و سہارا
[illegible] انوں کا ہے مسلمانوں کا حال یہ ہی **شعر** کریمار [illegible] بدست اندر درم نیست * خداوندان نعمت را کرم نیست
پس مدرسہ طبیہ کی تقدیر حقیقت میں فیصل شدہ ہی۔ یوں [illegible] کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ پڑے اور خدا چھپر پھاڑ کر ہُن
برسادے تو کہی نہیں جاتی۔ ورنہ باسباب ظاہر تو [illegible] حالت افسوس کے قابل ہی اور یہ سالانہ جلسے اور اژدحام
اور اجتماع اور رپورٹ اور لکچر سب چیزیں بے مناسبت معلوم ہوتی ہیں۔ اگر فنڈ جمع کرنے کی ایک عمدہ تدبیر فنڈ بل
پر ایکٹیکیبل میری سمجھ میں نہ آئی ہوتی تو میں اس [illegible] میں شریک ہونے اور لکچر دینے پر ہرگز جرأت نہ کرتا۔ ملے
حکیم عبدالمجید خاں صاحب آپ اپنے مدرسہ طبیہ کے [illegible] کرنے اور اسکو ترقی دینے کے لیئے وہی یا ویسی ہی تدبیریں
عمل میں لا رہے ہیں جو ہر ایک فونڈر آف سکول یا فونڈر [illegible] کو عمل میں لاتا ہے۔ لیکن میں آپ سے معافی مانگ کر کہنا چاہتا
ہوں کہ آپ کی وہی مثل ہے ڈھنڈورا شہر میں [illegible] ہیں۔ اے جناب آپکے فنڈ آپ ہی کی جیب میں آپ ہی کی
مٹھی میں اور آپ ہی کے اختیار میں ہیں۔ دوسرے [illegible] بھیک مانگنے اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے اور گڑگڑانے
کے سوائے اور کچھ ہنر نہیں رکھتے۔ اگر آپنے یہ [illegible] کہ آپ بھی ان میں کے ایک ہیں تو آپنے اپنی قدر نہیں
پہچانی **مصرع** نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز *۔ آپ [illegible] کے فضل سے مشہور و نامی طبیب ہیں اور خدا نے ہزاروں
دلوں کو آپکے لیئے مسخر کر رکھا ہے۔ تا بجدیکہ لوگ آپ کو اپنی تندرستی کا نگہبان اور اپنی جان کا محافظ یاد کرتے
ہیں آپ کو بہت سی عام اور کثیر الوقوع بیماریوں کے [illegible] مجرب اور بھروسے کے نسخے ضرور معلوم ہوں گے جو خطا
نہیں کرتے۔ آپ کی بڑی دولت یہی نسخے ہیں علاوہ [illegible] آپ چاہیں اور آپ کو چاہنا چاہیئے اور آپ ضرور چاہیں گے
تو آپ یہ ایک مدرسہ طبیہ ایسے ایسے کئی بے منت [illegible] قائم و جاری کر سکتے ہیں صرف اتنی بات کرنی ہوگی کہ
آپ اپنے نسخے کسی کو بتاتے نہیں۔ مگر ان کے فوائد کو مشتہر کیجیے۔ مشتہر کرنے سے یہ مراد نہیں ہی کہ آپ کل الاخبار
میں اشتہار دے کر فارغ ہو بیٹھیں۔ مثلاً اس کثرت سے اشتہار دینا ہوگا کہ بھلا زیادہ نہیں تو چار دانگ ہندوستان
میں کشمیر سے لیکر مدراس بلکہ سیلون تک اور پشاور سے لیکر برہما تک کوئی بستی جس پر شہر کا اطلاق ہو سکتا ہی ایسی
باقی نہ رہے جہاں آپ کا اشتہار نہ پہونچا ہو۔ [illegible] جناب اب وہ زمانہ آگیا ہی کہ ہر چیز سینٹیفک ہوتی چلی جاتی
ہی۔ اشتہار کا دینا بھی [illegible] ایک سائنس ہی اور ہر شخص اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اشتہار حقیقت

سلہ بتفصیل اور سہل التعیل ۱۲ سلہ بانی مدرسہ ۱۲

میں خریداروں کے پھنسانے کا جال ہے۔ اور اس طریقے پر جال ڈالنا کہ خالی نہ آئے خاص سلیقہ چاہتا ہے۔ لوگوں
کی زبانیں مختلف ہیں رسم و عادات مختلف ہیں۔ اُن کے مذہب مختلف مذاق مختلف مشاغل مختلف ہیں۔ سب
کو اپنی طرف متوجہ کرنا اور نہ صرف متوجہ کرنا بلکہ انکو شوق و رغبت دلانا ایک طرز خاص سے نہیں ہوسکتا۔ بیشک
تحریر ہی ایک آلہ ہے۔ جسکے ذریعے سے ہم کسی بات کو مشتہر کرسکتے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ اخباروں میں اشتہار
کا دینا ہے۔ مگر متعدد اخباروں میں متعدد خطوں کی زبانوں میں۔ دوسرا طریقہ مناظر عام میں اشتہاروں کا
چسپاں کرنا ہے۔ مناظر عام میں سب سے عمدہ ریل کے سٹیشن ہیں۔ جن کی دیواریں مارے اشتہاروں کے لپی پڑی
ہیں۔ پھر نفس اشتہار کا پیرایہ غور طلب ہے۔ اکثر اشتہار میں کوئی عمدہ تصویر شامل ہوتی ہے کہ خواہی نخواہی اُس پر
نظر پڑے۔ کبھی مضمون اشتہار ایسا دلچسپ ہوتا ہے کہ وہ توجہ دلاتا ہے۔ صرف توجہ دلانے کی غرض سے تما
کہ ڈاکٹر سیکو اکو تم نے دہلی میں دیکھا ہوگا۔ ایک عجیب صنعت کی گاڑی میں عجیب الخلقت اونٹ جوتے ہوئے
سڑکوں پر اور گلیوں میں بگل بجاتے پھرتے۔ لوگ تمسخر کرتے تھے۔ مگر ڈاکٹر سیکو اسی تمسخر میں لاکھوں روپے
کما کر چین سے اپنے وطن میں جا بیٹھے۔ غرض اِدھر تو آپ اشتہار دینا شروع کیجئے اور ادھر کارخانہ دواسازی
میں اگر ہو اور نہ ہو تو اسکو اب قائم کیا جائے دوائیں تیار کرلیجئے اور پھر دیکھئے کہ کتنی فرمائشیں آکر گرتی ہیں۔
میں کامل یقین کرتا ہوں اور آپ بھی کامل یقین کرینگے۔ اور غالباً تمام حاضرین کامل یقین کرینگے کہ آپ خاک کی
چٹکی بھی دینگے تو لوگ اکسیر سمجھ کر بہزار جان اُسی کے خواہاں ہونگے۔ دوا فروشی کا فائدہ تو آپ سب کو دیجئے
اور ایک نسخہ فقیر کا بتایا ہوا بھی کام میں لاکر دیکھئے۔ خدا نے چاہا تو وہ فائدہ جو دوا فروشی پر مترتب ہو رہا ہے گا
کے لیئے کافی اور کافی سے بہت زیادہ ہوگا۔ ہاں یہ نسخہ انگریزی دوا کی طرح سریع التاثیر نہیں ہے۔ دیر
طلب لیکن اسکی کامیابی یقینی ہے اور چند روز بھی آپ کو کون نقد پر کھا رہا ہے۔ اور چندے کا نتیجہ مشکوک
بلکہ موہوم بلکہ معدوم اسے جناب یہ میرا خیالی ڈھکوسلا نہیں ہے۔ میں اس کے اتنے شواہد پیش کرسکتا ہوں
کہ پھر کسی کو گنجائش انکار نہ ہو۔ آپ صاحبوں میں سے اکثروں نے۔ ہوروس کونین۔ اینوز فروٹ سالٹ
کریمالٹ سرپ۔ فیلوز سرپ۔ بیچمس پلز۔ کاکلس پلز۔ ہالوویز پلز۔ ہالوویز اوئنٹمنٹ۔ کیپلرس اکسٹرکٹ
آف مالٹ۔ کالس براؤن کلوروڈین۔ فیلوس فاسفوڈین۔ اور اسطرح سے بہت سے انگریزی دواؤں کے
نام آپ نے نہ صرف سُنے بلکہ انکو استعمال کیا ہوگا۔ مگر ان دواؤں سے جو مالی منفعتیں اہل یوروپ نے حاصل
کی ہیں۔ شاید بہت کم لوگ اسکا صحیح اندازہ کرسکتے ہیں۔ اندازے کے متعلق مجھ کو اپنے بچپنے کی باتیں یاد آتی

ہیں کہ ہمارے دہلی کالج میں بڑے مولوی صاحب یعنے عربی کے مدرس اول کو جن کی شاگردی پر مجھے
ناز ہے سو روپیہ تنخواہ ملتی تھی۔ اور اس پر وہ اکثر عسرت کی شکایت کیا کرتے تھے اور ہم طالب العلموں
کے وظیفے چار روپیہ سے لیکر بارہ روپیہ تک تھے۔ تو ہم لڑکے ٹھٹکے آپس میں کہا کرتے تھے کہ کیوں مولوی
صاحب خلاف واقع اپنی تنگدستی ظاہر کرتے ہیں۔ کیا ہم لوگ ان کی تنخواہ بڑھانا چاہتے ہیں کہ دفع دخل مقدر
کے طور پر اس تمہید کی ضرورت ہے۔ اُس وقت ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کوئی شخص سو روپیہ ماہوار
کی آمدنی[1] رکھکر بھی تنگدست رہ سکتا ہے۔ پھر ہم ان کے تفصیلی مصارف پر نظر ڈالتے۔ مثلاً کھانا۔ ایک
دس روپے تجویز کرتا۔ تو دوسرا بڑی فیاضی کے ساتھ کہتا کہ دس نہیں بیس بلکہ پچیس۔ اسی طرح ہر ہر بات
اور ہر ہر رقم پر بحث ہوتی۔ اُسی یا اُس سے بھی زیادہ سرگرمی کے ساتھ جو گورنر جنرل کی کونسل میں ہندوستان
کے بجٹ پر ہوتی ہے۔ بہرکیف مصارف کا مجموعہ پچاس ساٹھ سے تجاوز نہ ہوتا۔ غرض اس خصوص میں مولوی
صاحب کی طرف سے ہم سب کو بدگمانی رہی۔ آخر وہ دن آیا۔ اور آنا تھا کہ میں کانپور میں ڈپٹی انسپکٹر تھا۔ اور
بستہ ملاکر پہلی تنخواہ سوا سو سے بھی زیادہ مجھکو ملی اور اتفاق سے اُس وقت ناکافی بھی تھی۔ مجھ کو فوراً مولوی صاحب
یاد آئے۔ اور اُن کی عسرت کی تصدیق ہوئی۔ اور اب تو یہ حال ہے کہ بڑے سے بڑا عہدہ دار بھی جھوٹوں شکایت
کرے سچ باور کر لیتا ہوں۔ اسی قبیل کی دوسری بات یہ ہے کہ جب مجھکو اول اول مدارج اعداد سکھائے گئے
تو وہ یہی معمولی سلسلہ تھا۔ اکن۔ دہن۔ سہن۔ سہسن۔ دہ سہسن۔ لکھن۔ دہ لکھن۔ کروڑن۔ دہ کروڑن
اربن۔ دہ اربن۔ کھربن۔ دہ کھربن۔ نیلن۔ دہ نیلن۔ پدمن۔ دہ پدمن۔ سنکھن۔ دہ سنکھن۔ مہاسنکھ
اس لئے بچپن میں تعلیم کی تاکید کرتے ہیں کہ اُس وقت کا سیکھا ہوا کالنقش فی الحجر[2] ہو جاتا ہے۔ اس
سلسلے کے الفاظ جیسے بے گھڑت ہیں ظاہر۔ مگر چونکہ بچپن کے یاد کئے ہوئے ہیں ابھی تک نہیں بھولے
اگر کچھ مدارج بے ترتیب یا متروک ہو گئے ہوں تو شمس العلما خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ سے صحیح کر لینا
خیر تو غرض یہ ہے کہ مدتوں مجھ کو اس سلسلے پر اعتراض رہا۔ کہ دنیا کا کام لاکھوں کروڑوں سے چلتا اور
چل سکتا ہے۔ یہ شیطان کی سی انتڑی بے فائدہ کیا بنا کھڑی کی ہے۔ بارے جب دائرۂ معلومات وسیع
ہوا۔ تو سمجھ میں آیا کہ یہ فیبیولس فگرز[3] نہ ہوں تو اہل یورپ کی تجارت اور اسٹرانمی کے مقادیر کیونکر سمیٹے
جائیں۔ یہاں میرے ایک [illegible] اُنھوں نے مشرق [illegible]

[1] تخمینہ آمدنی و خرچ آئندہ ۱۲ [2] پتھر کی لکیر ۱۲ [3] یعنی اتنے بڑے بڑے اعداد جو افسانہ معلوم ہوتے ہیں ۱۲

ی گولیوں کے تزین میں انجن کا کام دیا ہے۔ وہ مجھ سے بیان کرتے تھے اور اُن کا بیان معتبر ادعا جب
ہے کہ مسٹر بیچم نے ۱۸۹۰ء میں سولہ لاکھ سرسٹھ ہزار روپیہ گولیوں کے اشتہار میں صرف کیا۔ جو شخص ایک
سال کے عرصے میں اسقدر انبار دولت صرف کرے ہم لوگوں سے اُسکے مفاد کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جنھوں
نے لاکھوں روپیے خواب میں بھی نہیں دیکھے۔ مسٹر ہالوی نے اپنی بیم کی یادگار میں اٹل کالج بنایا جس کی
صرف عمارت میں ایک کروڑ سے زیادہ صرف ہوا۔ اُس کا ایک آرٹ گیلری جس میں تصویریں ہیں پندرہ لاکھ
کی لاگت کا ہے۔ کالج کے سامنے شفاخانہ ہے جس میں چار سو اسی کمرے ہیں اور تین سو مریضوں کے سینے
کا ٹھکانا۔ اس کی تعمیر پر مسٹر ہالوی نے کالج کے علاوہ آدھا کروڑ اور خرچ کیا۔ یہ سب خرچ کہاں سے آیا صرف مرہم
اور گولیوں سے۔ لیکن کیا مرہم اور گولیوں سے جو کچھ کمایا کالج و شفاخانے پر لگا بیٹھے نہیں بلکہ نٹ پرافٹ کی ایک چھوٹی سی کسر کے
رقمیں علم ہیئت کے ہندسوں سے کم حیرت خیز ہیں۔ میں نے انگلستان کے چند تاجروں کا مذکور کیا۔ اگر امریکہ
کے تاجروں کا حال بیان کرتا اور صاحب ڈپٹی کمشنر پریسیڈنٹ نہ ہوتے تو جو صاحب پریسیڈنٹ ہوتے
کبھی کا مجھ کو بیٹھ جانے کا حکم دے چکے ہوتے۔ یہ لوگ جن کا میں نے ذکر کیا اور ان جیسے سینکڑوں پرلس [illegible]
اس قدر مالدار ہیں کہ روے زمین کے بڑے مالدار خاندان شاہی کے پرنس ان کے تمول پر رشک کرتے
ہیں۔ تعجب سخت تعجب اور نہ صرف تعجب بلکہ افسوس سخت افسوس اور نہ صرف تعجب و افسوس بلکہ شرم
اور نہایت شرم کی بات ہے کہ اہل یوروپ اور اہل امریکہ یہاں سے ہزاروں میل دور بیٹھے ہمارے ملک اجنبی
میں اپنی دواؤں کا سکہ بٹھالیں اور ہمارے طبیبوں کی یہ معاش ہو کہ جس طرح کوئی عملہ رشوت لیتا یا چوری
کرتا ہے عطاروں سے چپکے چپکے چہارم وصول کریں۔ بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ ایجاد و اختراع کا تو کیا مذکور
ہے نمونے موجود ہیں ان کی بھی نقل کرتے بن نہیں پڑتی۔ اور اس پر بڑبڑانا یہ ہے کہ انگریز ہندوستان کی دولت
گھسیٹے لیے چلے جاتے ہیں۔ سچ ہے گھسیٹے تو لیے جاتے ہیں۔ لیکن سلطنت کے زور سے ایک پیسہ اور
ہنرمندی کے دعوے سے ایک روپیہ۔ ایسا کوئی قانون نہیں کوئی حکم نہیں کہ ہم خواہی نخواہی انگریزی
دوائیں استعمال کریں۔ مگر اُن کے استعمال پر ہمکو مجبور کر رہی ہیں دواؤں کی منفعتیں اور ہماری ضرورتیں کیا
ہمارے ہاں اس قسم کی دوائیں نہیں؟ ہیں۔ مگر ہمکو بلاد دور دست کا تو کیا مذکور ہے اپنے ہی وطن اپنے ہی ملک
اور اپنے ہی متعارفین میں اُن کے رائج کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔ تجارت کی کامیابی کے دو بہت بڑے اصول

لیا۔ سانیفیہ نعالص ۱۲ ۵ ملک التجار ۱۲

ہیں۔ ارزانی قیمت اور اشتہار۔ سو ہمارے ہاں دونوں میں سے کسی پر بھی عمل نہیں۔ ایک شخص جو مال
کو سوائے پر سال میں چار بار اُلٹ پھیر کر سکتا ہے۔ وہ عقل کا دشمن اُس کے دونے کے انتظار میں چار
سال تک روکے رکھنا پسند کریگا اور سوائے پر بیچنا کبھی جائز نہ رکھیگا۔ رہا اشتہار وہ تو ہمارے ملک میں
عموماً نقصان حاصل سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح راجرس کے چاقو کے آگے ماتھرس کی بھونڈی بھدی کھُنٹی
چھُری کا نام لینے کو جی نہیں چاہتا۔ اسی طرح یوروپ اور امریکہ کی تجارت کے مقابلے میں یہاں کی تجارت کا
کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ تاہم یہاں بھی جو لوگ ارزانی قیمت اور اشتہار کے اصول پر چلتے ہیں وہ اپنی اوران
میں ضرور کامیاب ہوتے ہیں۔ ولایت میں ٹِڈ بِٹ اخبار کے چھ لاکھ پرچے نکلتے ہیں۔ یہاں اردو ناگری
بنگالی۔ مرہٹی۔ گجراتی۔ تلنگی۔ کنڑی سارے ہندوستانی اخباروں کا مجموعہ بھی پچاس ہزار نہ ہوگا مگر بنگال
میں بنگاباشی۔ مدراس میں ہندو گجرات میں راست گفتار۔ اردو میں پیسہ اخبار اور اخبار عام لاہور کا سرکولیشن
زیادہ ہے۔ اس لیئے کہ ان کی قیمت سستی ہے۔ اسی طرح اشتہار کے میں ملکی نظائر پیش کر سکتا ہوں مگر کہاں تک
بدنصیب ہندوستان کا رونا روئے جاؤں +

غرض فنڈ جمع کرنے کے لیئے ایک صلاح کی بات سمجھ میں آئی تھی۔ حب قومی کے تقاضے سے نہیں
کیونکہ میں لہو لگا کر شہیدوں میں نہیں ملنا چاہتا۔ بلکہ حکیم عبدالمجید خاں کی خاطر سے میں نے وہ صلاح
کی بات بیان کر دی۔ یہی نہیں کہ میں نے لکچر کی بھرتی کے لیئے ایک بات بنا دی۔ نہیں میں نے اسکو وقتاً
فوقتاً سوچا اور اسکے مالہ و ماعلیہ پر نظر کی اور کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی کہ اس تدبیر کو کیوں نہ اختیار کیا جائے۔ اور اختیار
کیا جائے تو کیوں نہ چلے۔ ہاں جن لوگوں میں حسد کا مادہ ہے اور نہیں دیکھ سکتے کہ عبدالمجید خاں سے کوئی نام
و نمود کا کام ہو۔ یا خدا نے جن کی ہمت ماردی ہے۔ اور رفاہ قومی کے ہر ایک کام میں اڑنگے لگانے کو موجود
ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ ضرور تعریض کرینگے کہ حرص اور حُب جاہ بھی کیا بُری بلا ہے۔ عبدالمجید خاں جیسے
شخص سے بھیک بھی منگوائی اور آخر کار دوا فروشی کرائی۔ مگر یہ لوگ کیا اب نہیں کہتے اور کیا نہیں کرتے
عبدالمجید خاں صاحب اگر آپ ایسی بیہودہ باتوں کی پروا کرینگے تو مدرسۂ طبیہ کا خیال چھوڑ دیجئے۔ متضاد
باتیں ایک سر میں جمع نہیں ہو سکتیں میں تو آپ کے مدرسے کے لیئے دوا فروشی کی صلاح دیتا ہوں
اگر آپ اپنے ذاتی مفاد کے لیئے دوا فروشی کریں تو عرفاً کی تو میں کہتا نہیں مگر شرعاً اور عقلاً آپ ویسے ہی معزز

وہ محترم ہوں گے۔ جیسے کوئی شریف آدمی دنیا میں معزز و محترم ہوا ہے۔ یا ہو سکتا ہے یا آیندہ ہوگا۔
ہمارے ملک پر یہ ایک عذاب الٰہی ہے کہ پیشوں اور کاموں کے تعزز میں امتیاز کیا جاتا ہے اور تا
وقتیکہ یہ امتیاز بالکل ملیامیٹ نہ ہو جائے گا۔ ملک اور قوم کے فلاح کی توقع رکھنی فضول ہے۔ ہم اگر اپنی
دنیاوی حالت بہتر کرنی چاہتے ہیں تو ہمکو چارناچار یورپ کی تقلید کرنی پڑے گی۔ وہاں کا حال یہ ہے
کہ مسٹر گلیڈسٹون کا نام اسوقت روے زمین پر ہوس ہولڈ ورڈ ہے یہ شخص جس نے سینکڑوں شہر
اور لاکھوں بنا دیئے آپ وہی سیدھا سادھا مسٹر شعر سینے میں قلزم کو لئے قطرے کا قطرہ رہا۔ بل بے
سمائی پیری آف رے سمندر کے چور۔ تین بار انگلستان کا وزیر اعظم رہ چکا ہے اور عجب نہیں نیو الکیشن
میں جو عنقریب ہونے والا ہے پھر زیب دہ کرسی وزارت ہو۔ یہ عجیب شخص ایک اناج بھرتی کرنے والے
کا بیٹا ہے اور خود اسکے بیٹے کی دوکان کلکتے میں موجود ہے اور شاید اسکا بھتیجا یا قریب کا کوئی اور رشتہ دار
برہما میں ڈپٹی کمشنر تھا یا ہے۔ لارڈ سٹلی جام یعنی مربا بنانے والا ہے۔ چنبر جسکے تالے مشہور ہیں [illegible] کا
خطاب رکھتا ہے۔ ایک موچی سر ولیم پیلپسر ہے۔ ہنٹلی پامر کے بسکٹ چائے کے ساتھ کھائے ہوں تو
اس فرم کا مسٹر پامر پارلیمنٹ کا ممبر ہے۔ مسٹر ڈبلیو ایچ اسمتھ چند مہینے ہوئے ایک کروڑ چہتر لاکھ کا سرمایہ
چھوڑ کر مرے ہیں ایک کتاب فروش تھے۔ خدا نے برکت دی ہوتے ہوتے ہوس آف کامنس کے لیڈر لوک
ٹریزری کے فرسٹ لارڈ ہوگئے۔ اور مرتے دم تک تجارت سے دست کش نہ ہوئے۔ ان کی بیوہ کو ملکہ نے
پیرس کا خطاب دیا۔ مسٹر ٹالوی جنکا میں مذکور کر چکا ہوں ان کو یہ عزت حاصل ہوئی کہ ان کے کالج کو خود
کوئین وکٹوریہ نے کھولا۔ نیشنل گیلری میں ان کی تصویر تیسرے نمبر پر لگی ہوئی موجود ہے۔ مسٹر کین ممبر
پارلیمنٹ جو ہندوستان میں بھی گشت لگا گئے ہیں اور جنہوں نے انتظام آبکاری پر بڑا غل مچا رکھا ہے
ایک بیئر والا ہے۔

غرض یورپ کا اصول تو یہ ہے کہ اصلی عزت دولت اور لیاقت کی ہے۔ اور ہے بھی یوں ہی اور
ہونا چاہیئے بھی یوں ہی۔ کچھ ضرور نہیں کہ جو راے میں نے پیش کی ہے ابھی اسکو رد یا قبول کیا جائے مگر
اتنا اصرار ضرور کرونگا کہ اس سے قطع نظر نہ کیا جائے۔ حکیم عبدالمجید خاں صاحب! میں ایسا خیال کرتا ہوں
کہ آپ اپنے مجربات کی رایلٹی دینا چاہیں گے تو کوئی انٹرپرزنگ مین اسکا بڑا بھاری معاوضہ دینے کے

---

۱ [illegible] ۲ [illegible] ۳ انتخاب جدید ۴ سرگروہ ۵ خزانے کا وزیر اعظم ۶ حق ایجاد ۷ حوصلہ مند

لیئے کھڑا ہو جائے گا۔ اور آپ کے چندے کی فہرست میں وہ ایک بڑی رقم ہوگی +
میں نے نہایت تعجب سے سُنا ہے کہ آپ نے مدرسے کے طلبہ کو جائداد اراضی میں مشغول کیا ہی
بیشک جائداد اراضی سے بھی کچھ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں اس بات کو سعی درماندگی سمجھتا ہوں
جسکو زیادہ کمائی کرنے کا سلیقہ نہیں وہ ہارے درجے اس تدبیر کو اختیار کرتا ہے۔ میں بہت زیادہ خوش
ہوتا اور آپ بہت فائدہ حاصل کرتے۔ اگر یہ سارا اُس طرح پر صرف ہوتا جو میں نے بیان کیا۔ میں مدرسۃ الطبیہ
کے مدرسوں کو تو نہیں طالب العلموں کو بھی دو چار صلاحیں بتاتا۔ مگر گرمی اور صاحب ڈپٹی کمشنر کی پریزیڈنسی
اور وقت کی تنگی اجازت نہیں دیتی۔ اگر بر رغم انف طبابت جیتا رہا تو اگلے سالانہ جلسے کو لیئے لگائے رکھتا
ہوں۔ کیونکہ اس مدرسے میں لکچر دینا اب مجھ کو لازم سا ہوگیا فقط

ــــــــ

لہ برخلاف ۱۲

تمت

لکچروں کا مجموعہ ختم ہوا

ضروری اطلاع

اگرچہ ہم نے شروع سے جون ۱۸۹۲ء تک کے لکچروں کو اِس جلد میں جمع کر دیا
ہی اور مذاق شناسان سخن فہم کے لیے بجاے خود یہ ایک اچھا مفید اور دلچسپ
رسالہ ہو گیا ہی۔ مگر اس زمانے کے مصنفوں میں صرف ایک مولوی محمد نذیر احمد خاں
صاحب ہی ایسے مصنف ہیں جن کی تصنیفات سے آدمی ملول ہونے کا تو کیا ذکر
ہی سیر نہیں ہوتا۔ پس ہم نے ایسا بندوبست کر لیا ہی کہ آیندہ جب جب مولوی
محمد نذیر احمد خاں صاحب کہیں کوئی لکچر دیں وقتاً فوقتاً اُس کو اِسی تقطیع اسی کاغذ
اور اسی شان کے ساتھ بوضع رسالہ جداگانہ چھاپ دیا کریں گے۔ تاکہ جن کے
پاس یہ کتاب ہو جدید لکچروں کو اُس میں بڑھاتے جائیں یا چاہیں علحدہ رکھیں
اور اِس پتہ سے طلب فرمائیں۔ دہلی بازار دریبہ کلاں دوکان محمد نذیر حسین تاجر کتب

المشتہر
محمد نذیر حسین تاجر کتب دہلی بازار دریبہ کلاں [illegible]

اعلان

تصنیفات

فاضل اجل جناب حافظ

مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کی ترمیم شدہ مع

حواشی جلدین کاغذ کی عمدگی چھاپہ کی صفائی نے خریداروں کے دلوں کو از سر نو

شوق دلایا ہے جن کے نام مع قیمت درج ذیل ہیں محصول ذمہ خریدار ہے

مرآۃ العروس کاغذ ولایتی صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی (مضمون) مستورات کی خانہ داری کے بیان میں قیمت فی جلد ۸ ۔ بنات النعش ترمیم شدہ کاغذ ولایتی مطبوعہ مطبع انصاری دہلی قیمت فی جلد ۷ رایضاً کاغذ رسمی فی جلد ۶ ۔ توبۃ النصوح کاغذ ولایتی صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی (مضمون) تعلیم خدا پرستی میں قیمت فی جلد ۷ ۔ محصنات یعنی فسانۂ مبتلا کاغذ ولایتی صفحہ ۲۱۲ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی (مضمون) تعدد ازدواج کے نقصان میں قیمت فی جلد ۱۰ ۔ ابن الوقت مطبوعہ مطبع انصاری دہلی (مضمون) انگریزی وضع اور لا مذہبی کے نقصان میں قیمت فی جلد ۱۲ ۔ موعظۂ حسنہ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی (مضمون) تعلیم مفید نصیحت فرجام نامہ و پیام قیمت فی جلد ۱۰ ۔ منتخب الحکایات مطبوعہ مطبع افتخار دہلی (مضمون) حکایات دلچسپ مع حاصل مطلب قیمت فی جلد ۴ ۔ چند پند مطبوعہ مطبع افتخار دہلی (مضمون) مبتدی بچوں کے پڑھنے کی اردو کتاب جس میں اُنکے لیئے مفید مضامین جمع کیے گئے ہیں قیمت فی جلد ۴ ۔ صرف صغیر یعنی قواعد فارسی قیمت فی جلد ۲ ۔ نصاب خسرو یہ کتاب نصاب میں ہے قیمت فی جلد ۱ ۔ اتمام حجۃ یہ رسالہ نظم اصلاح قوم کے بارے میں ہے قیمت فی جلد ۱ ۔ مبادی الحکمۃ بزبان اردو مطبوعہ افتخار دہلی (مضمون) علم منطق میں بہت عمدہ کتاب ہے جسکے صلے میں مصنف صاحب کو سرکار انگلشیہ سے انعام مرحمت ہوا قیمت فی جلد ۸ ۔ ایامیٰ یہ مولوی ڈپٹی محمد نذیر احمد خاں صاحب کا جدید تصنیف کیا ہوا ناول یعنی فرضی قصہ ہے اسمیں بیوہ عورتوں کے نکاح نہ کرنے کی دینی و دنیوی خرابیاں دکھائی گئی ہیں قیمت فی جلد ۱۰ ۔ رسم الخط (مضمون) قواعد املا و انشا مبتدی بچوں کے لیے نہایت عمدہ فائدہ پہنچانے والی اور بہت بکار آمد کتاب ہے قیمت فی جلد ۲ ۔ ما یغنیک فی الصرف

عربی اردو زبان میں یہ کتاب مبتدیوں کے

نہایت بکار آمد ہے کاغذ

ولایتی قیمت

فی جلد ۸ کاغذ

رسمی ۵ زیر طبع ہے

مشتہر

محمد نذیر حسین تاجر کتب دہلی

بازار دریبہ کلاں

وَانْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ

برا دستور ہے جایات ناہنجار شیوہ ہے
بڑی خوف وخطر کی جائے ہے جس گھر میں بیٹھی

اَیَامٰی

جس میں بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کی ضرورۃ ایک دلچسپ قصے کے پیرائے میں بیان کی ہے

اور جس کو

مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب بہادر سابق ڈپٹی کلکٹر وممبر بورڈ آف ریونیو سرکار عالی نظام وحال وظیفہ خوار سرکار ممدوح نے تصنیف فرمایا

سنہ ۱۸۹۱ء

باجازت جناب مصنف صاحب موصوف خاکسار بندہ محمد نذیر حسین تاجر کتب دہلی بازار دریبہ کلاں نے منشی محمد علی صاحب مالک مطبع کے اہتمام سے

مطبع فیضی دہلی میں چھپوایا

رجسٹری شدہ ہے

قیمت

JAMIA MUSLIM UNIVERSITY
کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی فصل تمہید

شہر اور محلے اور خاندان کا کیا مذکور ہر گھر بھی کوئی ایسا ہی اکا دکا ہوگا جس میں بوڑھی یا ادھیڑ یا (افسوس) جوان یا (ہائے ہائے) لڑکی بیوہ نہ ہو۔ اور جب بیاہ سے مرد اور عورۃ جیتے جی کا تعلق کرتے ہیں تو ہر ایک بیاہ کا ضروری اور لازمی نتیجہ ہی کہ آخر کار مرد رنڈوا ہو یا عورۃ رانڈ۔ بیاہ سے مرد اور عورۃ نے ساری عمر ساتھ رہنے کا قول و قرار کیا ہی نہ ساتھ مرنے کا۔ بے شک مردم شماری سے ثابت ہوا ہی کہ جنگلی اور وحشی قومیں چھوڑ کر ہر جگہ عورتوں کا مجموعہ مردوں سے کچھ یوں ہی سا بڑھا ہوا رہتا ہی۔ مگر نہ اتنا کہ جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھو رانڈیں ہی رانڈیں نظر پڑیں۔ ہو نہ ہو رانڈوں کی یہ کثرۃ کچھ تو اس وجہ سے ہی کہ ہر بلی بی آڈ بڈا کر عمر میں تھوڑی یا بہت اپنے میاں سے چھوٹی ہوتی ہی ہی مرد کی مدۃ حیاۃ پہلے ہو چکی عورۃ بیوہ ہو کر رہ گئی۔ لیکن ایک بڑا سبب آؤر ہی کہ مرد تجرد کی مصیبتوں کے برداشت کرنے میں عورتوں سے زیادہ بودے ہیں۔ مرنے والی کا کفن تک میلا ہونے نہیں پاتا کہ ان کا ایمان ڈانوا ڈول ہونے لگتا ہی۔ اور نہ کیوں ہو۔ مرتے کے ساتھ مرا تو نہیں جاتا ع شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن ✤ زندگی کے دن تو کسی نہ کسی طرح تیر کرنے ہی پڑیں گے جان پر عذاب ڈالیں کیوں اور زیست تلخ کریں کس لیے۔ وہ تو کچھ عورتوں کے ہی جگرے ہیں اور جگرے بھی کیا خاک ہیں یوں کہو پہلے درجے کی بدقسمتی ہی کہ بیوگی کی مصیبتیں زندگی جھیلتی ہیں۔ کہتے ہیں قیامۃ نفسی نفسی کا دن ہوگا کہ کسی کو دوسرے کے دکھ درد

کی ذرہ بھی پروا نہ ہوگی۔ لیکن ہمارے دیکھنے میں تو بیوہ عورتوں کے لیے اب بھی قیامت ہی ہی۔ مونہ سے کہنے کو تو ہر کوئی کہے گا کہ بیوگی بڑی آفت ہی۔ لیکن مونہ سے کہنے کی سند کیا ہی ہم تو بڑی آفت کے اُس وقت قائل ہوں جب لوگوں کو آفت رسیدہ کے لیے کوئی تدبیر کرتے ہوئے دیکھیں؟ یہ کہنا کہ کچھ آفت نہیں اور یہ کہنا کہ آفت تو ہی مگر ہم اُس کے لیے کوئی تدبیر نہیں کرنی چاہتے دونوں کا مآل واحد ہی۔ بیوگی اگر آفت ہی تو عجیب طرح کی آفت ہی کہ جس کو دیکھو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہی۔ یہاں تک کہ جو خود مبتلائے آفت ہی روتا بھی ہی پیٹتا بھی ہی رنج کے مارے اندر ہی اندر پڑا گھلتا بھی ہی مگر چاہیے کہ بندِ غم سے نجات حاصل کرنے کے لئے کچھ فکر کرے بس اس کا کہیں پتہ نہیں۔ ہم نے بھی سیکڑوں ہی بیوؤں کو دیکھا اور بقدر تعلق بعض کی بےکسی پر افسوس بھی کیوں نہیں آیا مگر خدا گواہ ہی وکفٰی باللہ شہیدا جب تک آزادی بیگم کا حال نہیں سُنا ہم نے نہیں جانا کہ بیوہ عورۃ کے دل پر یہ کچھ صدمہ گزر جاتا ہی۔ شاید خدا کو بیوؤں کے حق میں کچھ بہتری کرنی تھی کہ آزادی بیگم نے مرتے دم بیوگی کی تلخیوں کا زہر اُگلا۔ اگر کہیں خدا نخواستہ آزادی بیگم بھی دل میں سیکڑوں ہزاروں حسرتیں اور مونہ میں گھنگنیاں بھرے ہوئے دنیا سے ناشاد نامراد اُٹھ گئی ہوتی جیسے لاکھوں کروڑوں خدا کی بندیاں اُٹھ گئیں نہ اپنی کہی نہ دوسرے کی سُنی تو وہی بیوگی ہوتی وہی جی ہی جی میں گھٹنا ہی ؎

گر ہوئی صبح دلِ زار پر آفت آئی + رات آئی تو یہ جانا کہ قیامت آئی

وہی رسمی تعزیت وہی جھوٹی ہمدردی۔ آزادی بیگم کے اس احسان کو کون مُکر سکتا ہی مگر وہ بھی خدا اُس کی مغفرۃ کرے اتنی کسر کر ہی گئی کہ کہنے کو تو اُس نے کوئی بات اُٹھا نہیں رکھی لیکن کر کے کچھ نہ دکھایا۔ اگر خدا اُس کو ہمت دیتا اور زنانِ بیوگی میں جیسے جیسے خیال اس کے دل میں آتے تھے سب نہیں تو دو چار پر بھی عمل کر گزرتی تو دنیا اچھی طرح آنکھیں کھول کر دیکھ لیتی کہ بیوہ کے بیٹھنے بٹھانے کے کیسے زبون نتیجے ہیں خود بیوہ کے حق میں اُس کے عزیزوں کے حق میں خاندان کے حق میں قوم کے حق میں اور ملک کے حق میں +

آزادی بیگم کچھ انوکھی بیوہ تو نہ تھی مگر اُس کو اتفاق سے ایسے ایسے واقعات پیش آئے جو کی

وجہ سے وہ اپنی ذات سے انوکھی عورت ضرور تھی +

دوسری فصل آزادی بیگم کے ابتدائی حالات اور اُس کی تعلیم و تربیت

وہ ایسے گھر پیدا ہوئی جس کے سارے خاندان میں لڑکیوں کا توڑا تھا۔ ان لوگوں میں
یوں ہی لڑکیاں کم بہت کم پیدا ہوتی تھیں اور بھولے بسرے پیدا ہوتی بھی تھیں تو لوگ
پہلے سے مہمانِ چند روزہ خیال کر لیا کرتے تھے اور خدا کا کرنا برس کے اندر ہی اندر اُن کے
خیال کی تصدیق بھی ہو جاتی تھی۔ چھٹی اور عقیقے اور مونڈن تو یاد پڑتے بھی ہیں مگر
سال گرہ۔ نمک چشی۔ مونڈے اور جو تقریبیں بعد کو ہوا کرتی ہیں ہم نے گھر کی بڑی بوڑھیوں
سے بھی تحقیق کیا اس خاندان میں لڑکیوں کے لئے کوئی نہ بتا سکی۔ پس آزادی نہ صرف
اکیلی بیٹی تھی بلکہ اکیلی پوتی اکیلی نواسی اکیلی بھانجی اکیلی بھتیجی + آزادی پیدا ہوئی تو توانا تندرست
پٹڑے کا پٹڑا اچھے خاصے چار چار پانچ پانچ انگل گھنے گھونگر والے سیاہ بال۔ چھٹی کے اندر کی
کیا بساط؟ ماں کی گود میں سوتی کو دیکھا تو نظر لگانے والوں کی آنکھوں میں خاک۔ جیسے
برس سوا برس کا پلا ہوا مرد بچہ۔ پہلی بدگمانیاں اور اس کی یہ حالت کوئی نہیں کہتا تھا
کہ یہ جئے گی۔ لیکن وہ کاٹھی ایسی لے کر آئی تھی جس سے کسی طرح کے روگ کو اُس کے
پاس نہ پھٹکنے دیا۔ خدا نے اس کو جلد جلد پروان چڑھایا۔ وہ بیل ہو کر بڑھی اور
جال ہو کر پھیلی۔ پہلی سال گرہ میں وہ دوڑی دوڑی پھرتی تھی۔ اور دوسری
میں ایسی بلا کی باتیں کرتی تھی جیسے بنگالے کی مینا۔ وہ بچپنے ہی سے اس درجے کی
ذہین تھی کہ اس کی غیر معمولی ہوشیاری جو اکثر جان ہار بچوں میں ہوتی ہے دیکھ دیکھ کر
اس کے عزیز سہمے چلے جاتے تھے۔ گھر میں چرچا دیکھ کر آپ ہی آپ اس نے پڑھنے کا
شوق کیا اور جس قدر اس مُلک میں شریف زادیوں کو جاننا اور سیکھنا ضرور ہے
آٹھ نو برس کی عمر میں بخوبی سیکھ سمجھ لیا۔ اُس کی تربیت دو مخالف قوتوں کی کشمکش
میں تھی اس کے باپ نے مشن کالج میں اوسط درجے کی انگریزی تعلیم پائی تھی۔
اگرچہ اس کو مدرسہ چھوڑے بہت زمانہ گزر گیا تھا اور مدرسے کے بعد بھی اُس نے

کتاب بینی سے مطلق سروکار نہیں رکھا اور عموماً طالب العلموں کا قاعدہ بھی کچھ ایسا ہی ہے
لیکن ابتدائے عمر کی تعلیم کا اثر اُس کے دل میں بیٹھ چکا تھا وہ ہندوستانیوں کی کل
اداؤں کو حقارۃ اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا اُس کو انگریزی اس قدر تو نہیں پہونچی
تھی کہ مُمل مچاتا اور رفارمر بنتا لیکن خانہ داری کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی وہ اکثر مُونہہ
بناتا اور ناک بھوں چڑھاتا جس سے اس کے اصلی خیالات وقتاً فوقتاً سب پر ظاہر
ہوتے رہتے تھے - وہ بڑبڑاتا ہی رہتا اور سارے کام کاج اپنے طور پر ہوا کرتے - اولاد
کے بارے میں وہ البتہ بازی لے گیا - دستور کے مطابق چاہتا تھا کہ بچے پانچ برس کے
ہوں تو اُن کی بسم اللہ ہو مکتب میں جائیں قاعدہ پڑھیں قاعدے کے بعد عم کا سیپارہ
پھر قرآن پھر فارسی - اس نے ان سب باتوں کو چٹخا یا کیسی بسم اللہ اور کہاں کا مکتب
لڑکوں کو مفردات پہچنوا اُردو پر لگا دیا - اُردو میں شُدبُد پیدا کی نام اور آسان جملے
لکھنے لگے کچھ پہاڑے سیکھ لیے اتنے میں ذری آدر سیانے بھی ہوئے ساتھ لے جا مدرسہ
میں نام لکھوا دیا جہاں نہ خدا کا دیدار نہ محمدؐ کی شفاعت - خاندان میں اس کی بڑی کھچڑی پکی
یہاں تک کہ ایک دن اسی بات پر میاں بی بی میں تکرار ہو پڑی - بچوں کی تعلیم کا کچھ
تذکرہ تھا میاں کے مُونہہ سے نکلا کہ تم بچوں کی سب طرح کی پرداخت کرتی ہو مگر ان کے
پڑھنے لکھنے کی بالکل خبر نہیں رکھتیں - میں نے دَورے سے آکر امتحان لیا تو دونوں
میں ایک کو بھی پچھلا پڑھا ہوا یاد نہیں - کیا ہر روز مدرسے نہیں جاتے یا گھر پر کتاب نہیں
دیکھتے ماسٹر[1] میری مروۃ سے درگزر کرتا ہوگا لیکن تا بکے اگر یہی حال رہا تو ایک نہ ایک دن
مدرسے سے ان کا نام ضرور کٹ جائے گا - بی بی - اس مدرسے کو لگے جھلسا - میں تو خدا
سے چاہتی ہوں کہ میرے بچوں کے نام کل کے کٹتے آج کٹ جائیں - میاں - ادہو تم تو
مدرسے کی طرف سے بہت ہی کچھ بھری ہوئی معلوم ہوتی ہو - بی بی - بھری ہوئی؟
میں نے تمھارے ڈر سے اب تک ہُوں نہیں کی ورنہ میرا بس چلے تو میں کسی مسلمان کے بچے
کو اُدھر رخ نہ کرنے دُوں - مدرسے میں جا کر کوئی مسلمان مسلمان رہ سکتا ہے - میاں -

[1] انگریزی لفظ ہے جس کے معنی ہیں اصلاح دینے والا - ادیب ۱۲

یہ تو آج نیا مسئلہ سُننے میں آیا کہ مدرسے میں جانے سے آدمی کافر ہو جاتا ہی ۔ تو تمھارے نزدیک میں بھی کافر ہوں اور جس جس نے مدرسے میں پڑھا سب کافر ۔ اور سب سے بڑے کافر تو تمھارے ماموزاد بھائی جنھوں نے ایم ۔ اے کا امتحان پاس کیا اور جتنے مسلمان مدرسوں میں کافر گر ۔ ذری سمجھ کر تو بات کیا کرو ۔ تم اپنے والد ہی سے پوچھنا کہ مسلمان کو جو کافر کہے اُس کا کیا حکم ہی ۔ اور خبر بھی ہی میاں بی بی میں سے ایک بھی کفر کرے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہی ۔ بی بی ۔ کیا جانیں سارا شہر ٹھٹھری کر رہا ہی اور ابّا جان ہی کو لوگ آ آ کر چھیڑتے ہیں کہ ایسے بڑے مولوی اور واعظ کے نواسے پادریوں کے مدرسے میں داخل ؟ ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی ۔ میں نے اس شرمندگی کے مارے لوگوں کے بیاہ برات میں بھی جانا چھوڑ دیا ۔ میاں ۔ بھلا تمھارے والد نے بھی کچھ کہا ؟ بی بی ۔ اتنا تو انھوں نے بھی کئی بار کہا کہ شہر میں بہتیرے مدرسے بھرے پڑے ہیں بڑی بے جا بات کی کہ پادری کے مدرسے میں لڑکوں کو داخل کیا یہ لوگ اپنے عقیدے سکھا سکھا کر لڑکوں کو بے دین کر دیتے ہیں اور ابّا جان اس بات سے بھی نہایت ناراض ہیں کہ تم نے بچوں کو قرآن نہیں پڑھوایا ۔ غضب ہی کہ مسلمان کے بچے اور قرآن کا ایک بول نہ جانیں ۔ تمھاری اولاد ہی تم خدا کے یہاں چل کر اس کی جواب دہی کر لینا ۔ بگڑو یا رُو ٹھو میں اس معاملے میں تمھاری شریک نہیں ۔ میاں ۔ جب معنے نہیں سمجھ سکتے تو طوطے کی طرح لفظوں کے پڑھانے سے کیا فائدہ تھا ۔ بی بی ۔ اب یہ ہزاروں لاکھوں مسلمان مرد اور عورۃ قرآن پڑھتے ہیں اور معنے مطلب نہیں سمجھتے تمھارے نزدیک تو یہ سب احمق ہیں ۔ میاں ۔ بے شک ۔ اور تم ان کے قرآن پڑھنے سے کیا سند پکڑتی ہو میں تو اس عقیدے کا آدمی ہوں کہ میرے نزدیک بے سمجھے نماز بھی نہیں ہوتی بی بی ۔ میں نے جو ذری کی ذری مدرسے کے لڑکوں کو بُرا کہا تو اُس پہ اتنے اُچھلے کودے اب جو تم مُونہ بھر بھر کر ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر کہہ رہے ہو تم جانو ۔ میاں ۔ سچ کہا ہی نیم مُلّا خطرۂ ایمان نیم حکیم خطرۂ جان ۔ کجا کافر کجا نماز کا نہونا ۔ خیر اس سے کیا بحث اپنی اپنی رائے ہی یہ بتاؤ کہ بچوں کو بے سمجھے قرآن کا پڑھنا مفید ہی یا نہیں ۔ بی بی ۔

تم کس طرح کا فائدہ ڈھونڈتے ہو فائدہ یہی کہ قرآن پڑھنے لگے - قرآن کے لفظوں میں
بھی ثواب اور برکت ہی - میاں - بچوں کو قرآن ثواب اور برکت کے لئے پڑھایا جاتا ہی یا
اس غرض سے کہ ان کو لکھنا پڑھنا آئے - بی بی - دونوں ہی مطلب ہیں - میاں -
ثواب سے تو ہاتھ دھو رکھو وہ قرآن جس کو خدا فرمائے لایمسہ[ف] الاالمطہرون -
جزو جزو اور ورق ورق کرکے نہایت بے توقیری کے ساتھ بے تمیز بچوں کے حوالے کردیا جاتا
ہی جس کو وہ پھاڑتے اور بگاڑتے اور دست مال کرتے - ان کے پڑھے ہوئے سیپارے
میلے کچیلے گندے جن کو آنکھ بھر کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا - قرآن کے ساتھ یہ کچھ بے ادبیاں
ہو رہی ہیں اور اس پر ثواب کی توقع - بی بی - بے شک احتیاط نہیں ہوتی اور ہو بھی
نہیں سکتی - مگر معصوم بچوں سے کسی طرح کی پرسش نہیں - میاں - اگر بچوں سے پرسش نہیں
تو ان کو ثواب بھی نہیں - بی بی - لیکن بڑے ہو کر تلاوۃ کریں گے تو آگے چل کر ان کو
ثواب ہوگا - میاں - بے سمجھے - بی بی - ہاں ہاں بے سمجھے بھی - میاں - ایسے بے اصل ثواب
کے لئے تمہارے میکے والے اور جو ان سے ارادۃ رکھتے ہین بڑبڑایا کریں میں اپنے بچون
کو اس زحمت میں نہیں ڈالتا میں سر دست اتنا ہی چاہتا ہوں کہ اردو کے پڑھنے لکھنے
پر بخوبی قادر ہو جائیں - سو میں امید کرتا ہوں جتنے دنوں مین قرآن ختم کرتے وتنے ہی دنوں
میں اس بدشوقی پر اچھی خاصی اردو پڑھنے لکھنے لگیں گے اور مین تم کو دکھا دوں گا
اور حساب وغیرہ سیکھیں گے سو الگ - بی بی - مین کہتی ہوں کہ تمھارا یہ مطلب بھی
قرآن ہی سے بآسانی اور جلد حاصل ہوتا - میاں - یہ کیوں کر؟ بی بی - مین تمھاری
طرح انگریزی نہیں پڑھی اور خدا نہ کرے کہ کوئی پڑھے تو کیا اتنا بھی نہیں سمجھتی - میاں -
نہیں تم سب کچھ سمجھتی ہو مگر مجکو بھی تو سمجھاؤ - بی بی - جان بوجھ کر آن جان کیوں بنے جاتے
ہو - یہ تو خود اپنے پر گزری ہوئی ہی اور بیسیوں بچوں کو پڑھا کر دیکھا ہی - زیر زبر کے
سہارے سے روان نکالنا جلد آجاتا ہی پھر جو اردو شروع کرائی جاتی ہی تو خدا جانے کچھ
اٹکل ہو جاتی ہے اور میں تو قرآن ہی کی برکت کہوں گی + تین مہینے میں اردو فرآئے

[ف] پاک لوگوں کے سوائے اس کو اَور کوئی نہ چھوئے ۱۲

کے ساتھ پڑھنے لگتے ہیں۔ تمھارے لڑکوں کو وہی قرآن نہ پڑھنے کی پھٹکار ہی کہ آج تک
اُردو صاف نہیں چلتی وہی رین رین۔ میاں۔ یہ تمھارا بالکل غلط خیال ہے مبتدی کو
جسطرح قرآن مین زیر و زبر کا سہارا ملتا ہی اسی طرح اُردو مین مطلب سمجھنے کا یہ فرق تم کو اُس
وقت محسوس ہوتا کہ ایک ہی طرح کے ذہن کے دو بچے ہوتے ایک کو قرآن شریف شروع
کرایا جاتا اور دوسرے کو اُردو مگر وہ اُردو جس میں زیر زبر لگے ہوں تب تم دیکھتیں کہ قرآن
پڑھنے والا پڑا رینگ رہا ہے اور اُردو خوان سرپٹ چلا جاتا۔ بی بی۔ خدا کے لئے کہیں
بخشو گے بھی۔ میرا پیچھا کیوں لیا ہے میں نے تمھارے لڑکوں کی تعلیم میں نہ دخل دیا
اور نہ آگے کو دوں۔ رہی لڑکی اس کو نہ نوکری کرنی ہی نہ لوگوں مین لیاقت علمی جتانی
جیسا بُرا بھلا مجکو آتا ہی سیچ سچ سکھا پڑھا لوں گی۔ میاں۔ مین لڑکوں کی طرف سے تو
کسی قدر مطمئن بھی ہوں ابھی ناسمجھ ہیں شوق کرنے کی عمر نہین گھر پر برابر میرا رہنا نہیں
ہوتا مگر میں ان کی تعلیم کا انتظام کروں گا۔ افسوس آزادی کی بربادی۔ اس کو تم اپنے
ہی جیسی اُٹھاو گی۔ بی بی۔ کیوں مجھ میں کیا کیڑے پڑے ہیں۔ مین سینا نہین جانتی۔
پکانا نہین جانتی۔ لکھ پڑھ نہین سکتی۔ گھر کا انتظام نہیں کر سکتی۔ بچے پالنے مجکو نہیں آتے
پھوہڑ ہوں۔ بدسلیقہ ہوں۔ تم کیا قدر کرو گے اپنے کنبے کے لوگوں سے پوچھو۔ محلے والوں
سے دریافت کرو۔ اتنی نہیں اس سے ڈیوڑھی دونی آمدنی کے گھر سے اپنے یہاں کے
ساز و سامان کو ملاؤ دو چار دن گھر میں بیٹھ کر دیکھو کتنی عورتین مجھ بے ہنر کو گھیرے
رہتی ہیں ؟ کوئی کپڑے قطع کرانے آتی ہی۔ کوئی صلاح لینے۔ کوئی دوا پوچھنے۔ کوئی خط
لکھوانے پڑھوانے۔ کوئی کتاب سننے۔ کوئی مسئلہ دریافت کرنے۔ شادی بیاہ وغیرہ بڑی
چھوٹی جتنی تقریبیں میرے بیاہ کے بعد تمھارے اور ہمارے کنبے اور اس محلے میں ہوئی
ہیں کسی ایک تقریب کا نام لو جس میں انتظام کے لئے میں نہ بلائی گئی ہوں۔ کیا تم نہیں
جانتے اب بات کی پیچ پر آکر مگر جاؤ تو خبر نہیں۔ خاک چاٹ کر کہتی ہوں اگر آزادی خدا اس کو
جیتا رکھے ماجتنی ہوئی تو جس گھر جائے گی سسرال والے اس کے پانو دھو دھو کر پئین
تو سہی۔ میاں۔ میں تم سے کن مدتوں سے کہہ رہا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ زندگی کی اور

ہمارے پادری صاحب کے گھر کو ایک نظر چل۔ دیکھو تو تمہاری شیخی دم کے دم میں کرکری ہو کر رہ جائے۔ بی بی۔ توبہ خدا نہ کرے میں نگوڑے پادری کے گھر کیوں جانے لگی۔ بس ایسے اخلاص سے مجکو معاف رکھو۔ میاں۔ کیوں گھبرائیں کیوں؟ کوٹھی میں پردہ ہوجائے گا میم صاحب ہوں گی اور اُن کی لڑکیاں اور کچھ آیا وغیرہ۔ پادری صاحب بیچارے ہم سے زیادہ غریب ہیں اور بڑے کثیر العیال۔ غریبانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ امیری ٹھاٹھ نہیں اور نہ ان کو اتنا مقدور۔ مگر انتظام اور سلیقہ اور صفائی اور کفایت شعاری اور ہنر اور لیاقت اور محبت اور نیکی بس دیکھو تو معلوم ہو۔ چلو تو گاڑی منگا لوں۔ ایک گھنٹے میں لوٹے آتے ہیں۔ اس وقت سردی بھی کم ہی۔ بی بی۔ میں تو نہ کہیں آؤں نہ جاؤں۔ میاں بس یہی تو کوڑ مغزی کی باتیں ہیں۔ میری خاطر سے ایک مرتبہ چل کر دیکھو اگر ذری سی بات بھی خلافِ مزاج پیش آئے میرا ذمہ۔ بی بی۔ سرے سے جانا ہی میرے مزاج کے خلاف ہی۔ غیر قوم غیر مذہب میری ایسی کیا شامت آئی ہی کہ بیٹھے بٹھائے اجنبی لوگوں میں جاکر شہر میں اپنا نام بدکراؤں۔ میاں۔ میں جو ساتھ ہوں گا۔ بی بی۔ ہوا کرو۔ میاں۔ پردہ میرا حق ہی اور تم کو میرا کہنا ماننا ہوگا۔ بی بی۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں تم زبردستی تو میرے سر ہو نہیں۔ عورتیں میاؤں کا حق سمجھ کر پردہ کیا کرتی ہوں گی تو کواریاں اور رانڈیں بازاروں میں مونہہ کھولے پڑی پھرا کریں۔ پردہ بندے کا نہیں بلکہ خدا کا حق ہی۔ خدا نے عورتوں کو پردے کا حکم دیا ہی۔ میاں۔ بس لو اسی بات پر میری تمہاری شرط یا تو تم کسی کتاب میں دکھا دو کہ عورۃ سے عورۃ کو پردہ کرنے کا حکم ہی یا نماز جماعۃ میں عورتوں کا شریک ہونا قضائے حاجت کے لئے باہر جانا اور باہر کہاں شہر کے باہر جیسا کہ اب بھی دیہات میں رواج ہی + جہاد میں زخمیوں کی خبر گیری اور سپاہیوں کی خدمت کرنا غیر مردوں سے بولنا بتانا یہ باتیں میں حدیثوں سے ثابت کرتا ہوں دیکھ لو پڑھ لو سمجھ لو تب تو مانوگی؟ اور پھر یہ عورتیں کون تھیں ماوشما نہیں۔ پیغمبر صاحبؐ اور ان کے اصحابؓ کی بیبیاں بیٹیاں۔ تم ان سے بھی بڑی نکلیں کہ لگیں عورتوں سے پردہ کرنے۔ اور کیوں صاحب حلال خوری۔ دھوبن۔ منہیاری۔ چماری۔ پنہاری کے سامنے جو ہوتی ہو۔ بی بی۔

بے شک پردے میں پہلے سے بہت سختی ہوگئی ہے مگر ویسے ہی اگلے لوگوں کی نیتیں بھی
درست تھیں اب اس سختی پر بھی باز نہیں آتے مگر جس کا پردہ خدا رکھے - اور حلال خوری
وغیرہ کی جو دلیلیں تم نے پکڑی تو ان سے ہماری ضرورتیں متعلق ہیں - میاں - اجی وہ
سب سے بڑی ضرورۃ ہے جس کے لئے میں تم کو پادری صاحب کے یہاں لیے چلتا
ہوں - ان کی بی بی بچوں سے مل کر اور ان کا گھر دیکھ کر ضرور تمھارا خیال اور گھر کے
انتظام کا رنگ بالکل بدل جاے گا - بی بی - میرا دل ہی خدا نے ایسا ڈانواڈول نہیں
بنایا میں اپنی حالۃ اور ضرورۃ کو خوب سمجھتی ہوں مجکو اپنے ہی لوگوں میں جینا اور
اپنے ہی لوگون میں مرنا ہے میں فرنگنون کے ڈھنگ دیکھ کر کیا کرون گی پہلے پردے
سے بے پردہ ہولوں تو اُن کی ریس بھی کرون - میاں - کیوں جی رات دن گھر
میں گھُٹے گھُٹے تمھارا جی نہیں اُکتاتا - بی بی - خدا نہ کرے کیون اُکتانے لگا کبھی چھ
سات پیسے ڈولی کہیں جانا ہوتا ہے تو سارے رستے ہَول سا چڑھا رہتا ہے کہ کب پہنچیں گے
میاں - تو سودا کا یہ شعر تمھارے حسب حال ہے ؎
زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے + کہ جس نے دل سے مٹائی خلش رہائی کی
وہ طوطا بھی تمھیں یاد ہے جو یہاں درے میں لٹکا رہتا تھا اور جس کو کئی برس ہوئے
نیولا توڑ گیا تم کو شاید خیال ہوا کثر پنجرے میں سے باہر نکل آتا مگر بیچارے سے اُڑا
نہ جاتا - مین جب کبھی اُس کی یہ حالۃ دیکھتا اپنے ملک کی عورتوں پر افسوس کرتا کہ
پردے کی قید میں پڑے پڑے ان کے دل مر گئے ہیں - خیر تم نہیں چلتیں تو آزادی
کو اجازۃ دو ؟ بی بی (طنز سے) ہاں اس کو شوق سے لے جاؤ اس کا دیدہ یوں بھی
ہوائی ہے - سات برس کا کوٹھا سقے سے یہ نہیں چھپتی - اُپلے والے سے یہ نہیں چھپتی
مردانے کے نوکروں اور سودے والوں سے یہ پردہ نہیں کرتی ہتیرا روکتی رہتی ہوں
بولے گی تو اس قدر چلا کر کہ گلی میں صاف سنائی دے - لیکں لے تو جاؤگے پر اس کے
جو والی وارث ہوں گے تم کو اور اس کو دونوں کو مزہ بھی چکھا دیں گے - یہ سن کر
آزادی کا باپ کچھ ڈر سا گیا - بات رفع دفع ہوگئی اسی طرح آزادی کے کانوں کے

ہوگئی ہو اور ایک دن آنے والا ہو کہ لکڑی کے جالے کی طرح ہر جگہ پھیلی ہوئی ہوگی۔ یہ
ریل ہی کا طفیل ہو کہ ہم مہینوں کے رستے ہفتوں میں اور ہفتوں کے گھنٹوں میں
طے کرتے ہیں بے زحمۃ بے تکان۔ ایک پیسے میں جہاں چاہو خط بھیج دو۔ انگریزی عملداری
کی بے شمار برکتوں مین سے ایک تار برقی ہو کہ اگلے وقتوں میں ایجاد ہوا ہوتا تو کرامۃ اور
خرقِ عادۃ سمجھا گیا ہوتا۔ آٹھ آنے کی بھی کچھ حقیقت ہو کلکتہ۔ برما۔ مدراس۔ بمبئی۔
پشاور۔ غرض تمام ہندوستان میں دور سے دور کوئی جگہ فرض کر لو۔ چٹکی بجاتے میں
خبر موجود۔ گانو گانو مدرسے۔ جگہ جگہ شفاخانے۔ آرام اور آسایش کی سیکڑوں ہزاروں
چیزیں ولایۃ سے بن بن کر چلی آتی ہیں سستی اور عمدہ سے عمدہ۔ امن کا یہ حال ہو
کہ شیر اور بکری کا ایک گھاٹ پانی پینا کہانیوں میں سنا کرتے تھے یا اب اپنی آنکھوں سے
دیکھتے ہیں۔ یہ اگلے وقتوں کی بے اطمینانیاں تھیں کہ لوگ مقدور کو چھپاتے اور
دولۃ کو زمین میں گاڑتے یا زیور وغیرہ کے پیرائے میں رکھتے۔ چیز تھوڑی مالیۃ
بہت ذرا سا کھٹکا ہوا کہیں کونے کھدرے میں دبا یا نیفے میں اُڑس چلتے پھرتے
نظر آئے۔ اب ہر ایک آدمی کی جان اور آبرو اور دولۃ پورے طور پر محفوظ ہو غریب
کی جیسے امیر کی۔ حاکم کی جیسے محکوم کی۔ مسافر کی جیسے مقیم کی۔ اکیلے کی جیسے جتھے کی۔
غرض عملداری بدلی انتظام بدلا زمین بدلی آسمان بدلا اور نہ بدلے تو ہمارے دستور
یہ مصرع تو تمھارے کان میں بھی پڑا ہوگا۔ ع کہ زر زر کشد در جہاں گنج گنج +
تو کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ زر و گنج میں مقناطیس کی طرح کشش کی قوۃ ہو۔ نہیں
نہیں بلکہ اس کے معنے یہ ہین کہ دولۃ سے دولۃ کمائی جاتی ہو۔ مسلمانوں مین مفلسی
کی شکایۃ عام ہو اور مسلمان مفلس ہیں بھی۔ مگر ان کے افلاس کا بڑا سبب یہ ہو کہ
ان کو دولۃ سے دولۃ کمانے کا سلیقہ نہیں۔ دولۃ اگر ان کو خدا دے بھی تو گاڑیں گے
دبائیں گے۔ چھپائین گے یا بے کار و بے مصرف کرنے کے لئے زیور بنوائیں گے۔ یعنی
اگلے وقتوں مین دوسرے لوگ چراتے تھے اب اپنی دولۃ کو آپ چرائیں گے۔ مگر یہ
نہیں ہوگا کہ اُس کو بڑھائیں گے یا اس سے کچھ کمائیں گے۔ بی بی۔ تمھارے ایسے

خیالات میں تو تم بیٹی کی بات بھی کہیں نہیں لگنے دوگے اور تمھاری تو عادۃ ہی ضرور تم نے لوگوں میں کچھ کہا سُنا ہوگا تبھی اس کی مانگ آج تک کہیں سے نہیں آئی اولاد کے حق میں اچھی خیر خواہی کر رہے ہو۔ میاں۔ کیا دیر ہوگئی ہی؟ بی بی۔ دیر ہوتے کیا دیر لگتی ہی۔ یوں تو خیر ہم لوگوں میں لڑکیوں کو چودھویں برس ضرور بیاہ دیتے ہیں۔ لیکن اس کا ماشاءاللہ ایسا اُٹھان ہی کہ یہ تو کیا بتاؤں بارھویں ہی میں بڑا ہوگی۔ میاں۔ اجی اللہ اللہ کرو۔ اٹھارہ نہیں تو سولہ۔ بی بی۔ تو سیدھی بات یہی کیوں نہیں کہتے کہ بیٹی کو بٹھا رکھنے کی صلاح ہی۔ ہی بھی تو اکلوتی۔ لیکن بیٹی ذات کو بادشاہ وزیر نہیں بٹھا سکے ہماری تو کیا اصل ہی۔ میاں۔ یہ تو سولہ برس تک بیٹھے ہی گی۔ اور سولہ بھی میں اس نظر سے کہتا ہوں کہ تم اس کے اُٹھان کو ٹوکتی ہو۔ بھلا ناسمجھی کے بیاہ بھی کچھ بیاہ ہیں مرد اور عورۃ اتنے تو ہولیں کہ اپنی راے ظاہر کرسکیں۔ میں خیال کرتا ہوں سولہ برس سے کم میں راے کا مادہ بھی پیدا نہیں ہوتا ظاہر کریں کیا خاک۔ بی بی۔ ہوش میں آؤ تمھارا کدھر خیال ہی اب تو سولہ برس کی عورۃ تین نہیں تو دو بچوں کی ما ہوتی ہی۔ میاں۔ تو ویسے ہی روتی صورۃ اونگھتے ہوئے بچے بھی ہوتے ہیں اور ویسے ہی دوسرے ملکوں کے مقابلے میں موت کا پرتہ زیادہ اور عمر کا اوسط کم ہی۔ اور ویسے ہی اکثر میاں بی بی میں ساری عمر بے الفتی اور ناسازگاری بھی رہتی ہی۔ بی بی۔ تم خدا کے لئے ایسی باتیں تو کرو مت۔ سُن سن کر کوارے کچوں کے مونہ کا نور صبور اُڑا چلا جاتا ہی +

آزادی کے ماباپ میں اسی طرح کے تذکرے آئے دن رہا کرتے تھے اور سوائے اس کے اَوَر باتیں بھی کیا تھیں جن میں ان کا وقت کٹتا۔ آزادی کے دل پر ان باتوں کا اثر کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوتا ہوگا۔ کچھ یوں ہی سی کسر رہ گئی ہوگی تو اس کو پادری صاحب کی میم نے پورا کر دیا۔ آزادی کے باپ خواجہ آزاد نے پادری صاحب کے گھر زنان خانے کی آمد و شد کے لئے بہتیرے ہی زور مارے۔ جب موقع ملتا کہتا جب قابو پاتا سمجھاتا۔ مگر ایک نہ چلی۔ ان لوگوں کا پادری صاحب کی کوٹھی پر جانا

تو بہت ہی مشکل تھا آزادی کی ماننے تو اننے کی بھی ہامی نہ بھری کہ پادری صاحب کی میم یا اُن کی بیٹیاں اس کے گھر آئیں ٭

تیسری فصل - آزادی انگریزی سوسائٹی کے طور طریقے سے واقف ہوتی ہے

آخر خدا کا کرنا ایک دن آزادی کسی ضرورۃ سے رات کے وقت کوٹھے پر سے اُترتی تھی اور یوں تو ساری ساری رات چراغ جلتا رہتا تھا اُس رات خدا جانے ہوا سے گُل ہوگیا یا تیل ہوچکا غرض اندھیر اگھپ پڑا تھا آزادی نے جلدی کے مارے چراغ کا تو انتظار کیا نہیں جوانی کی عمر ہاتھ پانوں میں پھُرتی دھمادھم دھمادھم اُترنا شروع کیا۔ اتفاق سے کسی سیڑھی پر بلّی پڑی سوتی تھی اُس پر جو پڑا زور سے پانو وہ ایک بھیانک آواز سے چلائی۔ آزادی جھجکی اور جھونک سنبھال نہ سکی لڑکھڑا کر نیچے گری۔ گرنا تھا کہ بے اختیار ایک زور کی آواز اس کے مُونہ سے نکلی۔ بلّی کا غُل اس کے گرنے کا دھماکا اور دھماکے کے ساتھ چیخ۔ سارا گھر جاگ اُٹھا۔ آکر دیکھا تو آزادی اوندھے مونہ زمین پر پڑی کراہ رہی ہی۔ چاہا سہارا دیکر اُٹھائیں۔ چھونا تھا کہ پھڑک اُٹھی۔ پوچھا تو جواب دینے کے اوسان نہیں۔ باوجودے کہ کچھ ایسی گرمی نہ تھی مگر چوٹ کے صدمے سے پسینے پسینے ہورہی تھی اور تھرتھر بوٹی بوٹی پڑی کانپ رہی تھی۔ بارے جب بڑی دیر تک پنکھے جھلے گئے ٹھنڈے پانی سے مُونہ دُھلایا تو اس نے بڑی مشکل سے کراہتے کراہتے اتنا کہا کہ میری داہنی ٹانگ میں بڑے زور کی چوٹ آئی ہی سانس نہیں لیا جاتا مجکو چپکی پڑی رہنے دو کچھ کہو سنو نہیں۔ لوگوں کی اُس وقت کی بدحواسی بیان نہیں ہوسکتی۔ چوٹ تو لگی تھی آزادی کے مگر ماکا رنگ فق ہوگیا تھا۔ کہتی کچھ تھی اور مُونہ سے نکلتا تھا کچھ۔ چوٹ کے تشخیص کرنے کا کسی کو سلیقہ نہیں کہے تو آزادی نہ کہے تو آزادی۔ سناٹے میں بیٹھا ہوا ایک کو ایک تک رہا تھا۔ رات کا وقت بیٹی ذات کا معاملہ لوگ جو چوٹ چپیٹ کے لئے مشہور تھے کوئی بھڑ بونجا تھا کوئی تیلی کوئی قسائی کوئی نائی۔ ہر چند سب نے غور کیا کوئی عورۃ اس کام کی جاننے والی سمجھ میں نہ آئی۔

دیر ہوئی چلی جا رہی تھی خیال ہوا چوٹ ٹھنڈی نہ پڑ جائے۔ آخر آزاد کی ماں ہادی بیگم
آپ ہی میاں سے بولی پادری کی میم کو اکثر لاؤں لاؤں کہا کرتے تھے اور مجھے خیال پڑتا
ہے تم نے ان کاموں میں بھی اُس کی بڑی تعریف کی ہی دیکھو اگر ہوسکے تو اُس کو لاؤ۔ ہادی بیگم
کے مونہہ سے اتنی بات کا نکلنا تھا کہ خواجہ آزاد آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر میم صاحب کو
جاکر لیا لایا۔ خواجہ آزاد پہونچا تو میم صاحب اپنے کمرے میں سو رہی تھیں اس نے آیا سے
کہہ کر جگوایا سُنتے کے ساتھ وہی شب خوابی کے کپڑے پہنے ہوئے اوزاروں کی کسبتہ
دواؤں کا بکس بغل میں دبا ساتھ ہو لیں۔ یہاں آتے ہی اُنھوں نے آزاد کو پہلے
کچھ دوا پلائی۔ حلق سے اُترنا تھا کہ بے چینی موقوف ہوئی۔ پھر پیروں کی انگلیوں
کو کھینچا پانوں کو ہلایا جُھلایا اپنے قاعدے کے موافق ہر طرف ٹٹولا۔ جب اچھی طرح
دیکھ بھال چکیں تو لگیں کہنے میں اس کی تکلیف کے ڈر سے زیادہ چھیڑ نہیں سکتی۔
مگر مجکو تو کولھا اُترا ہوا معلوم ہوتا ہی۔ اگر آپ لوگ اجازت دو تو کلوروفارم سنگھا کر
میں اس کو اطمینان کے ساتھ دیکھوں۔ ہادی بیگم۔ آپ کیا چیز سنگھائیں گی اور اُس سے
ہوگا کیا؟ میم صاحب۔ کچھ نہیں اس بوتل میں ایک عرق ہی رومال پر چھڑک کر اس کی
ناک پر رکھ دون گی تھوڑی دیر کے لئے لڑکی بے ہوش ہو جاے گی میں اس کو چت لٹا کر
کروٹ لوا کر معلوم کرون گی کہاں کہاں چوٹ ہی اور کیسی چوٹ ہی؟ ہادی بیگم۔ ایسی کتنی
دیر بے ہوش رہے گی۔ میم صاحب جتنی دیر مجھے آگے ہوئے ہوئی اتنی ہی اور۔ ہادی بیگم
اس کو ایذا ہوگی۔ میم صاحب۔ چوٹ کی تو ذرا سی بھی ایذا نہین ہوگی مگر ہاں ہوش
آئے پیچھے کسی قدر سر گھومے گا اور شاید جی بھی متلاے گا کیون کہ یہ دوا شراب کی
روح ہی اور اس مین بڑا تیز نشہ ہی۔ لیکن میں نشے کا اُتار دون گی طبیعت جلد ٹھہر جاے
ہادی بیگم۔ ہی ہی شراب اس کو سنگھاؤ گی شراب تو ہمارے مذہب میں حرام ہی۔
میم صاحب۔ میں جانتی ہوں مسلمانوں میں شراب حرام ہی اور ہم لوگ بھی اس کو
بُرا جانتے ہیں مگر بیماری پر کچھ بس نہیں۔ اس کو بے ہوش کرنا ضرور ہی اگر کولھا اُتر گیا
ہی جیسا کہ میرا خیال ہی اور میں یقین کرتی ہون کہ صحیح ہی تو بے ہوشی کے بدُون نہیں

مگر میری اس قدر گھلی ملی کہ آزادی کے اچھے ہوئے بعد بھی بلاناغہ ہر روز آتی اور [illegible]
بیٹھتی - آزادی تو اس پر دموں دیوانی تھی ہی خود ہادی بیگم بھی اُس کے ساتھ
اس قدر اُنس کرنے لگی تھی کہ کبھی کبھار میری دیر کر آتی تو انتظار کرتی یا سویرے جانا
چاہتی تو روکتی - قومی اور مذہبی اجنبیۃ جو آزادی اور میری میں تھی وہی دونوں کے
زیادہ اختلاط کا باعث بھی تھی - وہ دونوں ایک دوسرے کو ایسا جاننا چاہتی تھیں کہ گویا
ایک گھر میں پیدا ہوئیں ایک جگہ رہی ہیں اور ایک ساتھ کھیلیں - گھنٹے گزر جاتے اور ان کی
باتوں کا سلسلہ ختم نہ ہوتا - مناسبتہ عمری تو کچھ ایسی نہ تھی کیوں کہ آزادی اصل خیر سے
اب بارھویں میں لگی تھی اور میری کچھ دن کم اونیس کی - لیکن خدا جانے میری کی ملنساری
کی کشش تھی یا آزادی کی بیماری میں جو اُس نے کسی طرح کی طمع نہیں لالچ نہیں سابقہ
معرفتہ نہیں محض بے غرضانہ خدمتیں اور ہمدردیاں اور دل جوئیاں کی تھیں اُن کا
اثر تھا کہ ہم نے دو سگی بہنوں میں بھی اس طرح کا ملاپ نہ دیکھا نہ سنا جیسا میری اور آزادی میں تھا
شروع شروع میں تو آزادی نے رُکاوٹ سی کی اور کنواری لڑکی ایک اوپری عورۃ کے
ساتھ جلد بے تکلف ہوتی بھی کیوں - لیکن تین مہینے تک روز کے دو دو تین تین پھیرے
اور آخر کو رات کا رہنا بیمار اور طبیب کا تعلق اور پھر جنسیۃ ملاقاۃ سے اُنس ہوا اُنس
سے الفۃ اُلفۃ سے محبتہ - اُٹھان تو آزادی کا بھی اس ملک کی لڑکیوں میں کسی سے
کچھ دبا ہوا نہ تھا لیکن میری تو اچھی خاصی پوری عورۃ تھی - اس کے ڈیل ڈول سے
اپنے اوپر قیاس کر کے عورتیں اس کو جانچتی تھیں کہ کچھ نہ ہو گی تو دو تین بچوں کی ماں ہو گی
اسی دھوکے میں ایک دن آزادی نے میری سے کہا آپ اپنے بچوں کو ہمارے یہاں
کبھی نہیں لاتیں؟ ہمارا جی اُن کے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے - میری (مسکرا کر)
میرا تو ابھی بیاہ بھی نہیں ہوا میں صرف نام کی میری (مریم) ہوں[۵] - کیا سمجھیں؟
آزادی - کیا آپ اُن عورتوں میں ہیں جو آپ لوگوں میں بیاہ نہیں کرتیں؟ اور جن کا
مذکور ایک دن آپ نے کیا تھا - میری - نہیں - میں نن نہیں ہوں اور نن ہونا پسند

۵ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت مریم کے بے شوہر حضرۃ عیسیٰ پیدا ہوئے تھے ۱۲

رنگ کیا ہوگا۔ میں ان کے پاس رہی نہیں سہی نہیں۔ آبو کے پہاڑ پر مدرسہ ہی میں
رہی وہیں پڑھا۔ اب کوئی چار مہینے سے مہمان داخل یہاں آئی ہوئی ہوں۔ آزادی۔
شاید ماہی کے مرجانے سے آپ کے بیاہ مین اتنی دیر ہوئی؟ میری۔ دیر تو کچھ بھی نہیں
ہوئی۔ ہم لوگ بس ایسی ہی عمر مین شادی کیا کیتے ہیں۔ اس سے پہلے شادی کر دینا
گڈے اور گڑیا کی شادی کا سا کھیل ہی۔ آزادی۔ پھر اب میم صاحب کو تو ایسی کیا
پیٹر پڑی تھی۔ پادری صاحب ہی کہیں بات ٹھہرا رہے ہوں گے۔ میری۔ شادی میری
اور بات ٹھہرائیں پادری صاحب؟ اس کے کیا معنی؟ اجی مین نے اپنی بات آپ
ٹھہرائی ہی۔ آپ کو ہم لوگوں کا دستور معلوم نہیں۔ ہم لوگوں کا قاعدہ یہ ہی کہ مرد اور
عورة ایک دوسرے کو پسند کر کے آپس میں رضامند ہو لیتے ہیں ماباپ اور دوسرے
بزرگوں کی اجازة ایک رسمی بات ہی۔ آزادی۔ تو کیا آپ لوگوں میں کواری لڑکیاں غیر مردوں
سے مل سکتی ہیں؟ میری۔ بے شک جیسے ہم اور آپ اور اگر ملیں نہیں تو ایک دوسرے
کا مزاج ایک دوسرے کا اصل حال کیوں کر معلوم ہو اور بے جانے بوجھے زندگی بھر کے لئے
کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دینا تو اندھیرے کا نشانہ ہے۔ لگا تو تیر نہیں تو تکا۔ آزادی
بھلا فرض کیجیے کہ آپ کسی شخص کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہو گئیں اور پادری صاحب
نے اجازة نہ دی تو آپ کیا کریں گی؟ میری۔ ایسا اتفاق شاذونادر واقع ہوتا ہی بلکہ نہیں
ہوتا آخر میں بھی تو عقل رکھتی ہوں ایسے شخص سے راہ و رسم ہی کیوں کرنے لگی جس کی
نسبت پادری صاحب کو یا کسی کو اعتراض کی گنجایش ہو۔ صورة۔ شکل۔ خاندان —
ذاتی لیاقت تن درستی۔ مزاج۔ عادة۔ آمدنی۔ پیشہ۔ یہی چیزیں دیکھنے کی ہوتی ہیں۔
تو کیا میں نہیں دیکھ سکتی؟ اور بیاہ تو مجکو کرنا پڑے گا میرا ہی دیکھنا مقدم ہی۔ مرد اور
عورة میں جب اس طرح کا تعلق ہونے کو ہوتا ہے تو گھر والوں سے چھپا نہیں رہتا اور
چھپانے کا دستور بھی نہیں۔ کثرة سے آنا جانا۔ خط و کتابة۔ تحفے تحائف بہت سی
باتیں ہیں جن سے معلوم ہو جاتا ہی کہ ایک دوسرے کی طرف مائل ہیں تو اگر گھر والوں
کو کچھ اعتراض ہوتا ہی وہ ملاقاة کو بڑھنے ہی نہیں دیتے۔ آزادی۔ آپ نے جہاں

اپنی بات ٹھیرائی ہی یا دری صاحب نے اس کو منظور کر لیا ؟ میری - بات یہ ہی کہ میں ہمیشہ
امتحان بڑی نام وری کے ساتھ پاس کرتی رہی ہوں دو برس سے لوگ درخواست کر رہے
تھے میں نے کہا تھوڑے دن کی بات اور رہ گئی ہی میں اپنی تعلیم کو ادھورا کیوں چھوڑوں
اب کوئی چھ مہینے ہوئے میری پڑھائی ختم ہوئی۔ میں اس خیال سے چلی آئی کہ باپ پاس
رہ کر شادی کروں گی تو مجکو اُن سے صلاح لینے کا موقع ملے گا اور باپ کے دم کے سوا
دنیا میں میرا ہی بھی کون ؟ جن لوگوں کو میرے ساتھ شادی کرنے کا خیال تھا اُن میں
دو صاحب میرا آنا سن کر یہاں بھی آگئے ہیں اور یہاں کے چند انگریزوں نے بھی
ایسی خواہش ظاہر کی۔ آخر میں نے چار مہینے خوب سوچ سمجھ کر ایک صاحب کو پسند
کیا ہی مگر ابھی تک ہامی نہیں بھری اور انکار بھی نہیں کیا بات کو اٹکا رکھا ہی۔ ان صاحب
میں اَور کچھ تو عیب نہیں۔ خاندان کے شریف ہیں۔ لائق ہیں۔ مزاج کے بھی ٹھنڈے
ہیں۔ دل کے نیک ہیں۔ گو اس وقت صرف چار سو کے نوکر ہیں مگر ترقی کے سلسلے میں
ہیں۔ جوں جوں دن گزریں گے نمبر سے عہدہ بڑھتا جاے گا۔ مجکو ان کی ایک ہی بات کھٹکتی
ہی کہ بازی بدکر گھڑ دوڑ کی لت ہی جو ایک قسم کا جوا ہی۔ میں نے اُن سے صاف صاف
کہہ دیا ہی کہ گھڑ دوڑ کا عہد کرو تو میں تم کو زبان دوں ؟ ابھی تک نہ اُنھوں نے عہد کیا
نہ میں نے زبان دی اور نہ اپنے باپ کی منظوری حاصل کی۔ مگر اُن کی طرف سے راہ و رسم
میں کسی طرح کی کمی نہیں ہوئی۔ بے چارہ عجب کشمکش میں پڑا ہی۔ اُدھر بچپن سے
گھڑ دوڑ کا عشق اِدھر میری محبت۔ دیر سے معلوم ہوتا ہی کہ بات کا ہی پکا مونہ سے
کہے گا تو اس کو ضرور پورا بھی کرے گا۔ ورنہ کیا مشکل تھا ؟ کہنے کو کبھی کا کہہ چکا ہوتا لیکن
میں نے اُس کے دل کو ٹٹول کر دیکھا تو میری جگہ بہت ہی بیس بسوے تو وہ گھڑ دوڑ سے
توبہ کرے پر کرے۔ اور فرض کیا کہ نہ بھی کرے تو میں زیادہ اصرار نہیں کروں گی۔
میں جانتی ہوں کہ شادی ہوئے پیچھے میں اس پر زیادہ دباو ڈال سکوں گی اور اس کو
میرا کہنا ماننا پڑے گا۔ آزادی۔ آپ نے مہر کا بھی فیصلہ کر لیا ہی ؟ ہمارے یہاں تو اس
کا بڑا جھگڑا ہوتا ہی اور اکثر مہر کی وجہ سے لگی ہوئی باتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ میری۔

ہم لوگون مین مہر و ہر کچھ نہیں ہوتا۔ ن کہ مرد نہ تو عورۃ کو چھوڑ سکتا اور نہ اُس کے
جیتے جی دوسرا نکاح کر سکتا ہے غرض اس طرح کے بہت سے تذکرے میری اور آزادی
مین رہا کرتے تھے اور دونوں کا اختلاط بڑھتا چلا جاتا تھا۔ یہان تک کہ میری نے بہت
سے ناول[1] آزادی کو سُنائے۔ کئی بار بڑے بڑے البم[2] لا لا کر لوگوں کی۔ عمارتوں کی۔
پہاڑوں کی۔ اور کاہے کاہے کی تصویرین دکھائیں جن مین بعض بعض میری کی
اپنی بھی کھینچی ہوئی تھین۔ ایک دن وہ بڑا گٹھر مزدورنی کے سر پر لدوا کر لائی۔
اُس میں گلوبند۔ موزے۔ دستانے۔ میزپوش۔ غلاف۔ کنارے۔ زیرانداز۔
اس قسم کی چیزیں تھیں اُس کے اپنے ہاتھ کی سی ہوئی۔ بنائی ہوئی۔ کاڑھی ہوئی۔ کبھی
اُس کا جی چاہتا تو انگریزی باجا بجاتی۔ گاتی۔ زیادہ مزے میں آتی تو ناچتی بھی۔ ایسا تو
کئی بار ہوا کہ اُس نے ہندوستانی کپڑے پہنے۔ گھڑیوں آئینہ دیکھا کی اور ایک ایک سے
پوچھتی رہی کہ مجھے یہ کپڑے کچھ اُوپری اُوپری تو نہیں معلوم ہوتے۔ میری کے ساتھ اس طرح
کا اختلاط ایسا کچھ بہت دنوں تک تو نہیں رہا۔ آزادی کے غسل صحت کے چوتھے ہی مہینے
میری کا بیاہ ہو گیا تیسرے پہر بیاہ ہوا شاموں شام ہنی مون[3] کے لئے صاحب کے ساتھ
پہاڑ کو روانہ ہوئی۔ مگر اتنے دنوں کے میل جول نے بھی آزادی کی ماہیت بدل دی۔ میری
کے رہتے تو اس نے کچھ ایسا خیال کیا نہیں۔ میری کی باتوں میں اس کو کسی چیز کی سُدھ
بُدھ نہیں رہتی تھی میری گئی تو مدتوں اس کی مفارقۃ کا ملال رہا ہمہ وقت میری کی صورۃ
آنکھوں میں پھرتی اور اُس کی باتیں یاد آتیں +

چوتھی فصل آزادی کے بیاہ کی چھیڑ چھاڑ اور اپنے بیاہ کے بارے میں اُس کے خیالات

اسی اثنا میں آزادی کی نسبت ناطے کے پیغام بھی آنے شروع ہوئے۔ جب کہیں سے

[1] قصے کی کتاب کو انگریزی میں ناول کہتے ہین ۱۲ [2] کتاب جس میں تصویریں لگی ہوں ۱۲
[3] انگریزوں کا دستور ہے کہ شادی کے پہلے مہینے دولہا دلھن کسی تفریح کی جگہ اکیلے جا کر رہتے ہیں
اسی کو انگریزی میں ہنی مون کہتے ہیں ۱۲

میاں بی بی میں آئے دن بات بات پر ردوکد ہوتی ہی اور میں سنا تی ہوں - دونوں کے
بیچ میں بول تو نہیں سکتی مگر جہاں تک میں نے خیال کیا ہی ابا جان کی رائے اکثر درست اور
معقول ہوتی ہی اماجان ناحق ضد کرکے اپنی بات کی پچ کرتی رہتی ہیں - اگرچہ ان میں بیچ بچاؤ
کرنے کا مجکو منصب نہیں لیکن اتنا تو سمجھ میں آتا ہی کہ دونوں کے خیال ایک دوسرے سے
اس قدر مختلف ہیں کہ ایک کہتا ہی رات تو دوسرا کہتا ہی دن - اور یہی سبب ہی کہ اباجان میرے
معاملے میں اوپری دل سے کچھ یوں ہی سا دخل دیتے ہیں وہ بھی جب کہ اماجان زبردستی ان کے
سر ہونے لگتی ہیں اُن کے بشرے سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ وہ ان باتوں کو پسند نہیں کرتے
اور بہ مجبوری ہاں میں ہاں ملا دیا کرتے ہیں - اچھا تو فرض کرو کہ اماجان نے اپنے خیال اور
اپنی مرضی کا داماد ڈھونڈا اور فرض کرنے کا کیا محل ہی یوں ہی ہوتا ہوا دکھائی دے رہا ہی
اور یوں ہی ہوگا ابا جان بچارے کی تو نہ چلی ہی اور نہ چلے گی تو یہی کھٹ پٹ وہاں مجھ سے
رہا کرے گی - یہ دونوں تو صبح کو لڑے شام کو من گئے اور میرا مزاج ہی اَور طرح کا - مجکو تو کسی
کی بات کی مطلق برداشت نہیں - کوئی میری ذرہ سی بات بھی کاٹتا ہی تو بے اختیار میرا جی چاہتا
ہی کہ اس کو کاٹ کھاؤں - ایسے آدمی کے ساتھ میرا تو ایک دن بھی گزر ہونا مشکل ہی - بے مزہ
بیاہ سے تو کنوارا بیٹھنا ہزار درجے بہتر - اچھا تو نرے سوچنے سے تو کچھ فائدہ نہیں -
ایسا نہ ہو کہ میں اپنی جگہ سوچتی کی سوچتی ہی رہوں اور یہ لوگ اپنی کرنی کر گزریں -
کیا کروں کس سے کہوں میری سہیلیوں میں تو کوئی اس قابل نہیں - پیٹ کی ہلکیاں چھچھوری
ان سے کہنا تو سارے شہر میں اپنے تئیں رسوا کرنا ہی - دداستری بہتری - اس کو تو ڈھب
سے بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں - اور پھر کسی سے کہوں بھی تو وہ اپنے جی میں کیا خیال
کرے گا - ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میں اُس کی نظروں سے گر جاؤں گی - اتنے لوگوں میں ایک ہی
شخص سمجھ میں آتا ہی کہ میں اُس سے اس بارے میں کچھ کہوں اور وہ مجکو حقارۃ سے
نہ دیکھے میری نسبۃ کسی طرح کی بدگمانی اُس کے ذہن میں نہ آئے اور ساتھ ہی میری تائید
بھی کرے یعنی میرا باپ - لیکن ارادہ کرنا آسان ہی اور دُو بدُو کہنے کو چاہیئے ہمتہ -
وہ مجکو چاہتے بھی بہت ہیں اور میں اُن کی خدمتہ میں کسی قدر گستاخ بھی ہوں اور محبتہ کی

وجہ سے اُن کو میری کوئی بات بُری بھی نہیں لگتی لیکن آخر ہیں تو مرد اپنے ہی معاملے میں مُونہ
پھوڑ کر مجھ سے کیوں کر بات کی جائے گی ؟ نہیں نہیں ۔ کتنا ہی دل کو مضبوط کروں اُن کے
آگے ایک حرف بھی مجھ سے نہیں بولا جائے گا ۔ اُن کو لکھ کر کیوں نہ دوں ۔ تحریر میں اپنا
مطلب بھی اچھی طرح آجائے گا اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوگی ۔ کہ میں نے کیا لکھا اُنھوں
نے کیا پڑھا ۔ لیکن مشکل یہ ہی کہ اُن کے بس کی بات ہوتی تو وہ بے میرے کہے آپ کرتے ۔
اور جب وہ کچھ کر نہیں سکتے تو اُن سے کہنا بیٹھے بٹھائے اُن کو بے فائدہ رنج دینا ہی ۔
اس سے کہ تیرا میرا سہارا ڈھونڈتی پھروں میں آپ ہی اپنی اماجان سے کیوں نہ کہوں ؟
کرنے والی تو وہ ہیں دوسرے (گو وہ آباجان ہی کیوں نہ ہوں) بہت کریں گے تو صلاح کے
طور پر ایک بات اُن کے کان میں ڈال دیں گے ۔ اور یہ کتنی بڑی خوبی ہی کہ آباجان کی طرح
مجھ پر ان کی ہیبت نہیں ۔ اگر میں آباجان کی خدمت میں گستاخ ہوں تو اماجان کے ساتھ بے تکلف
عورت وہ بھی عورت میں بھی ۔ اُن سے ایسی شرم کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ۔ سب منصوبے
لغو ہیں بس یہی ٹھیک ہی کہ میں آپ اپنی ایلچی بنوں اور اماجان سے چل کر خود گفتگو
کروں ۔ اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے آزادی کو خیالی اُدھیڑ بُن سے فرصت ملی اور وہ
موقع ڈھونڈ رہی تھی کہ ماں کو گھر کے کام دھندے سے فارغ پاؤں تو اپنی رام کہانی سناؤں ۔
اتنے میں پھر اس کو خیال آیا کہ میں نے اعتراض تو بہت سے سوچ رکھے ہیں لیکن اگر وہ
پوچھ بیٹھیں کہ آخر کرنا کیا چاہئے تو میں کیا جواب دوں گی ۔ وہ میری کی بات تو میری کے
ساتھ رہی اُن لوگوں میں پردے کا دستور نہیں غیر مردوں سے ملنے بات چیت کرنے کا
عیب نہیں ۔ ہم لوگ ٹھیرے پردہ دار ہم سے اُن کی ریس کیسے ہو سکتی ہی ۔ پردے کی
پابندی کے ساتھ تو اتنا ہی ممکن ہی کہ اوپر والے چھان بین کریں سو کر رہے ہیں ۔ میں
بہت کروں تو کسی طرح چھپ چھپا کر دُور سے جھلک دیکھ لوں وہ بھی شاید ؟ سو آباجان
بھائیوں کو ٹھیک سمجھایا کرتے ہیں کہ صورت شکل ڈھلتی چھاؤں ہی یا چار دن کی چاندنی
آدمی کا بڑا ہنر لیاقت ہی اور اُسی سے کام پڑتا ہی اور اُسی کی پُرسش ہی ۔ تو میں جو اتنے کے
واسطے انگشت نما بنوں مجھ سے بڑھ کر بھی کوئی احمق ہوگا ۔ رہیں دوسری باتیں علاقہ ۔

مزاج وغیرہ برسوں ایک ساتھ رہنے کا اتفاق ہو تب کہیں جاکر معلوم ہوں تو ہوں۔ شیخ سعدی نے بہت درست کہا ہی بہ

توان شناخت بہ یک روز از خصائل مرد — کہ تا کجاش رسید ہست پایگاہ علوم
ولے ز باطنش ایمن مباش و غرّہ مشو — کہ خبثِ نفس نہ گردد بہ سال ہا معلوم

پھر آدمی کے مزاج کا بھی کیا ٹھکانا ہی۔ لوگوں کو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہی۔ اس سے تو یہی بہتر ہی کہ کسی سے نہ کچھ کہوں نہ سنوں۔ تقدیر پر شاکر ہو کر خاموش بیٹھی رہوں جو کرے سو خدا۔ آخر انگریزوں کے علاوہ دنیا میں لاکھوں کروڑوں عورتیں ہیں اور اسی طرح پر بیاہی گئی ہیں شاذونادر کہیں کہیں کچھ نااتفاقی بھی ہی سو انگریزوں میں بھی ہوتی ہی۔ خود میری نے ایسی کئی مثالیں بیان کی تھیں۔ اگر ہر جگہ ان بن رہا کرے تو دنیا کا کام کیوں کر چلے۔ اور پھر جب ایک شخص کے ساتھ نباہ کرنا ٹھیرا تو اپنا مزاج اُس کی مرضی کے مطابق بنا لینا کیا بڑی بات ہی۔ اور جو اپنے مزاج کے بدلنے پر قادر نہ ہو وہ دوسرے کو کیوں اُلاہنا دے؟ اس طرح کی باتیں آپ ہی آپ سوچ سمجھ کر آزادی ملک کے پاس جاتی جاتی رک گئی۔ اور خوب ہوا کہ اُس تک نہ گئی ورنہ اُس کو ایسی باتوں کی نہی چڑ۔ اس کو ایسا جھاڑتی کہ یاد ہی تو کرتی۔ جو عورت اپنی رائے پر ایسی مضبوطی کے ساتھ قائم ہو کہ ساری عمر میاں کو سمجھاتے گزری اور اصیل مرغے کی وہی ایک ٹانگ۔ وہ اس چار دن کی لڑکی کی بات کی کیا وقعت کرتی۔ کوئی ایسا ہی دن جاتا ہوگا کہ میاں سے اس کی تکرار نہ ہوتی ہو اور تکرار بس ایک بات کی تھی کہ خواجہ آزاد ہر ہر پہلو سے انگریزوں کی دانشمندی کی۔ ان کے حسن انتظام کی۔ ان کے رسم و رواج کی۔ ان کے اخلاق کی۔ غرض ان کی سب باتوں کی یہاں تک کہ کھلم کھلا تو نہیں در پردہ اشارۃً کنایۃً ان کے مذہب کی بھی مدح کیا کرتا تھا۔ اور ہادی بیگم تھی مولویوں کے ایک بڑے نامی خاندان کی بیٹی۔ بھولے پن اور نرم دلی کی وجہ سے عورتوں کے عقائد مذہبی یوں بھی بڑے مضبوط ہوتے ہیں۔ ہادی بیگم اس بارے میں عام عورتوں سے بھی کسی قدر بڑھی ہوئی تھی۔ آزاد کی چھیڑ چھاڑ نے اس کو اَور متعصب بنا دیا۔ وہ جو اعتراض یہاں سنتی

میکے میں جا . ایک ایک کے چار چار جواب دندان شکن سیکھ آتی - اس نے میاں کی ضد پر
انگریزی سوسائٹی کی ایسی رُوئی دُھنکی کہ گویا مسٹریز آف لنڈن اس کو ازبر تھی - وہ
میری کے گھر میں آنے ہی کو کب پسند کرتی تھی مگر بیٹی نے ایسی بُری مانگ اڑائی تھی کہ اس کو
کچھ بن نہیں پڑتا تھا - اور میری کی وہ باتیں جن سے آزادی کا دل بگڑا بادی بیگم کے
فرشتوں کو بھی اُن کی خبر نہ تھی - لڑکیاں لڑکیاں آپس میں سر جوڑے ہوئے صلاحیں
کیا کرتی تھیں - بادی بیگم بوڑھی عورة کو کیا مناسب تھا کہ ان کی مشورتوں میں کھنڈت
کرے - تو اگر آزادی ماپاس جاکر میری کی سند پکڑتی ما انگریزون کی ایسی قلعی کھولتی کہ
آزادی شاید ساری عمر میری کی صورة دیکھنے کی بھی روادار نہ ہوتی - مگر خدا کو میری کا پردہ
رکھنا تھا - آزادی نے ماپاس جانے کا ارادہ ہی نہین کیا - اگرچہ آزادی نے اُس وقت فیصلہ
کر لیا کہ اپنے نسبت ملنے بیاہ برات کے بارے میں کسی سے کچھ کہنا سُننا فضول اور لاحاصل
ہی اور یہ معاملہ ہی اس قسم کا ہی کہ چار و ناچار حوالہ بتقدیر کرنا چاہئے مگر کوئی سرسری بات
ہو تو آدمی اُس کے خیال کو دل سے دور بھی کرے - وہ طبیعة کو دوسری طرف مشغول کرنا
چاہتی تھی مگر رہ رہ کر آپ ہی آپ اُس کو سوچ پیدا ہوتا تھا کہ دیکھئے میری قسمة میں کیسے
آدمی کے پلے بندھنا لکھا ہی - آج ہی اس تردد سے تو بہتر ہی کہ میرا بیاہ ہی نہ کریں - یہ
کیون میرے بیاہ کے پیچھے پڑے ہین ؟ میرا تقاضا ہی یا مین نے درخواست کی ہی ؟ اس بات
کے دل میں آتے ہی اُس نے اپنی معرفة والون مین نظر ڈالی تو کوئی عورة ایسی نہ دکھائی دی
جو کواری بیٹھی ہو - پھر لگی اس کا سبب سوچنے کہ شاید بڑے ہوکر بیاہ کا تقاضا پیدا ہوتا ہوگا
لیکن خدا جانتا ہی میرے دل میں تو اس وقت تک اس کا خیال بھی نہین آیا اور میں تو بیاہ
کے نام سے گھبراتی ہوں اور جن کے بیاہ ہو گئے ہیں اُن کو بھی ایسا کہاں کا سکھ ہی - کم عقل
لڑکیوں کو دُلھن بننے اچھے اچھے کپڑے زیور - پھول اور چوڑیاں پہننے مہندی لگانے خوش بو
ملنے کی شاید چند روز خوشی رہتی ہوگی اس کے بعد سے تو میں نے جس کو دیکھا دُکھڑا ہی روتے
ہوئے دیکھا - میاں کی بدمزاجی - ساس نندوں کے طعنے - بچوں کا جننا پالنا - گھر کی ٹہل -

ملہ انگریزی کی ایک کتاب ہی جس مین انگریزی سوسائٹی کے عیوب چُن چُن کر بھر دیے ہیں ۱۲

حفاظت آذر کسی تدبیر سے ہو نہیں سکتی۔ بس بالکل نامناسب ہو کر میں اپنے بزرگوں کے
سامنے ایسی نالائق بات مُونہہ سے نکالوں۔ ایسا خیال ہی میرے دل میں کیوں آیا ہوگا ؟
یہی تو میری نادانی اور ناتجربہ کاری کی دلیل ہی + خلاصہ یہ ہی کہ آزادی کے دل میں بہتیرے
ہی ولولے اُٹھے مگر انجام کار سب فرو ہو ہوگئے اور تن بتقدیر چپ چاپ بیٹھی تماشا دیکھتی
رہی نہ کچھ کیا اور نہ کچھ کرتے بن پڑا۔ باپ کا حال بھی بیٹی ہی کے قریب قریب تھا کہ وہ
لا دو۔ یہ بنوا دو۔ اس کے سوا اس کو بھی کچھ دخل نہ تھا اور دخل ہو تو کیوں کر ہو۔
وہ چاہتا تھا بیٹی اٹھارہ برس کی بیاہی جائے۔ ناممکن۔ اس کی مرضی تھی کہ بیٹی بے تکلف
اپنی رائے ظاہر کرے۔ محال +

پانچویں فصل۔ آزادی کو مولویوں میں بیاہنے کی تجویز اور مولویوں کے حالات

آزادی تو بلا کی ذہین تھی ماں کے خیالات سے واقف اُس کے اختیارات سے آگاہ پہلے ہی
تاڑ گئی تھی کہ جیسی آپ ہیں۔ جیسا ابا جان کا ہونا چاہتی ہیں۔ اُنیس بیس کے فرق سے
ایسا ہی داماد کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے
آزادی کے لئے کوئی دس بارہ جگہ سے پیغام آئے ایک سے ایک بہتر۔ ایک سے ایک عمدہ۔
مگر ہادی بیگم جیسی روح ویسے فرشتے اپنے ڈھب کے ایک مُلّا نے ہی پر گری۔ ہر چند
زمانے کا رنگ دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ ان مدرسے والوں میں سے کوئی چلتا ہوا سا دیکھ لو۔
اور کئی کے نام بھی لئے کہ اُمکا دو برس ہوئے انٹرنس پاس کر چکا ہی۔ ڈھمکا دس روپے
وظیفہ پاتا ہی۔ لیکن ہادی بیگم ذرا نہ پسیجی۔ وہ پکارے کہتی تھی مجھ سے تو آنکھوں دیکھتے
مکھی نہیں نگلی جاتی ؟ ساری عمر مجکو مدرسے کی آفتہ جھیلتے گزری۔ کیا میں آزادی کی سوتیلی
ماں ہوں کہ آنکھیں میچ کر اس کو گڑھے میں دھکیل دوں ؟ یہ سچ ہی کہ مدرسے والوں کو
نوکری کی کمی نہیں اور میں اس سے بھی انکار نہیں کرتی کہ ہوشیار بھی ہوتے ہیں لیکن
یہ بڑا سخت عیب ہی کہ عقیدے کے ٹھیک نہیں ہوتے۔ سو ایسی دنیا کو لے کر کیا بھاڑ میں
ڈالنا ہی جس میں دین کا ضرر ہو۔ سدا سندا کو دنیا میں رہنا نہیں۔ تھوڑے دن کی

زند [illegible] ہی بری طرح بھی کٹ جائے گی اور بھلی طرح بھی کٹ جائے گی - میں زندگی کی بڑی
کامیابی اسی کو سمجھتی ہوں کہ انجام بخیر ہو اور وہاں چل کر خدا سے اچھی بنے - میں نے جس
مشکل سے اپنے ایمان کو سنبھالا ہی بس خدا ہی کو خوب روشن ہی - اور وہ بھی میکے کی امداد
سے - کہ جمعے جمعے کا وعظ ناغہ نہیں ہونے دیا - ذرا سا بھی خدشہ ہوا اُس کو جھٹ سے جاکر
صاف کر لیا - اور یہ تو کچی لکڑی ہی اور کس باوا کی بیٹی ہی - یہ اگر کسی بد عقیدے کے پالے
پڑ گئی جاتے ہی بے دین ہو جائے گی اور اُسی کا کلمہ بھرنے لگے گی - میں اس کا وبال اپنے
سر کیوں لینے لگی - اور جو گھر میں نے تلاش کیا ہی خدا کے فضل سے کھاتا پیتا خوش حال
ہی - کہنے کو توکل کی گزران ہی مگر حیثیت نوکری والوں سے کم نہیں - بیبیوں پاس سونے کا
زیور ہی - کپڑا اتنا یہی خاصہ تن زیب جو ہم پہنتے ہیں - ایک چھوڑ چھوڑ دو دو مامائیں ہیں
گھر کا چلن اچھا ہی - ماشاء اللہ کسی سمدھیانے میں کوئی شاکی نہیں - لڑکا خدا اس کی عمر میں
برکت دے ہمارے سارے میکے والے کہتے ہیں - جوانِ صالح ہی - ضروری کتابیں پڑھ چکا ہی
تھوڑے دن سے باپ نے وعظ پر لگایا ہی - سننے والے بیان کی تعریف کرتے تھے - تو صاحبو
میں نے تو اچھا ہی اچھا دیکھ کر ہامی بھری ہی آگے اس کی تقدیر - آزادی مولویوں میں
اپنی منگنی سن کر کچھ اُداس سی ہو گئی - تھی وہ بھی مولویوں کے گھرانے کی اور ددھیال
میں تو نہیں مگر ننھیال میں ابھی تک مولویت ہی کا پیشہ تھا بھی - کہ کسی کے نوکر نہیں
جاکر نہیں طالب علموں کو پڑھا دیا وعظ کہہ لیا - فتوے لکھ دیا - امامت کر دی - الحمد للہ
خیر صلاح - دنیا دار لوگ گھر بیٹھے خدمت کرتے اور سعادت سمجھتے - خرچ سے معلوم ہوتا تھا کہ
دو چار جگہ سے تنخواہ کے طور پر بھی ضرور کچھ مقرر ہی - مگر مولوی اس کا پتہ چلنے نہیں
دیتے تھے - بہر کیف گزر کا یہ رنگ تھا کہ ظاہر خراب باطن آباد - وہ دھکا نے جو ہم غریبوں
کو اور ہم بچارے تو بھلا کس گنتی میں ہیں اچھے اچھے امیروں کو بھی کبھی کبھار نصیب
ہوتے ہیں خدا مولویوں کو بے زحمت بے مشقت نہ ہلدی لگے نہ پھٹکری دونوں وقت مفت
کھلاتا ہی - مولوی لوگ دنوں کی نحوست کو نہیں مانتے اور حقیقت میں بات ہی بھی بے اصل
سب دن خدا کے - مگر ہم دیکھتے ہیں مہینے میں زیادہ نہیں دو چار دن مولویوں پر بھی نحوست

کے گزر جاتے ہین - وہ کون ہو جن دونوں چولھے میں آ سلگائی پڑے - کیا کہیں شروع
میں ایسی غلطی ہوئی کہ ساری عمر اُس کا پچھتاوا رہے گا نوکری پیشہ لوگوں کا ظاہر دیکھا
خوش حال دھوکے میں آگئے اور سمجھے کہ اس سے بہتر معاش کا کوئی ذریعہ نہیں - نوکری
کی اور خدا کا شکر ہی عزۃ کی - حکومتہ کی - بڑی تنخواہ کی - لیکن پھر جو مولویوں کی حالتہ سے
مقابلہ کرکے دیکھا تو اُن ہی کا پلہ بھاری - اوّل تو نوکری بڑی ہو یا چھوٹی پرائی تابع داری
جس کا دوسرا نام ہی غلامی - بس ایک غلامی مین بے عزتی ابنائے جنس کی خوشامد -
رضا جوئی - لٹّو پتّو - ہر وقت کی کوفت - محنتہ اور ڈر سبھی باتیں آگئیں - دوسرے پردیس
کہ سو نوکری پیشوں میں ننانوے باہر ہیں تو شاید تقدیر کا سکندر ایک وطن میں - ہم سے
بھلے مولوی کہ جن کے نوکر ہیں یعنی جن سے رزق پلتے ہین اُلٹے وہی اُن کے آگے پیچھے
چلے جاتے ہیں - ہم سے اگر کسی انگریز نے شیک ہینڈ[۵] کر لیا تو سمجھے کہ خلعتہ سرفرازی بخش دیا
اور معتقدین ہیں کہ مولویوں کے پانوں چومتے ہیں - مولوی شاہ اسحاق کی نسبتہ ایک
صاحب ناقل تھے کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر جامع مسجد کے مکبّر کے پاس آکر بیٹھتے - لوگ مصافحے
کے لئے ہجوم کرتے اور ایسی دھکا پیل ہوتی کہ آدمی پر آدمی گرا پڑتا - تو مولوی صاحب کا
خادم عصا پر اُن کا رِدا لٹکا کر چاروں طرف گھُماتا اور جو لوگ مصافحے کے لئے نہیں
پہنچ سکتے تھے ردا کو آنکھوں سے لگاتے - یہ صورۃ تو دیکھنے میں نہیں آئی مگر اس
میں شک نہیں کہ اس کے قریب قریب مولویوں کی تعظیم و تکریم اب بھی ہوتی ہی ؎

تجکو طوبےٰ و ہم کو قامتہ یار + زاہدا اپنی اپنی قسمتہ ہی

رہا پردیس - مولویوں نے نمازِ سفر کے مسئلے کتابوں میں ضرور دیکھے ہونگے مگر پوچھو تو
کسی کو تمام عمر نمازِ سفر پڑھنے کا اتفاق بھی ہوا ہی؟ کبھی نہیں - اور یہ جو گھٹلے مولوی
گانو گانو دَورے کرتے پڑے پھرتے ہین ان کا بھی کیا حال ہی کہ شہر میں تو ان کی دال گلتی
نہیں - اُردو کے دو چار رسالے دیکھ لئے چند مناجاتیں یاد ہوگئیں گنواروں کے پھسلانے
بہت ہی - جس گانوں میں پہونچے بہتر سے بہتر مکان یعنی خانۂ خدا میں جا کر اُترے -

[۵] انگریزی مین مصافحے کو کہتے ہین ۱۲

گانو میں خبر ہوئی۔ ان بچاروں کو جوار باجرے کی روٹی اور دال ساگ کے سوائے کچھ میسر
نہیں مگر مولوی صاحب کے لئے جورو کی تھنی بکے تو بکے اور پانی پینے کی لُٹیا گروی ہو تو ہو
ایک چوزہ صبح ایک چوزہ شام۔ گیہوں کی چپاتیاں۔ دودھ جتنا پیا جاوے۔ گھی جس قدر
ہضم کر سکو۔ موسمی چیزوں کی جیسے بونٹ[۵۱] ہوئے، ساول ہوئی کچھ کمی نہیں۔ پئے دودھ
اور کھائے مال۔ گانو کی تازی شفاف ہوا۔ ستھرا ہاضم پانی۔ بے فکری اور گانو والوں کی
آؤ بھگت۔ مولوی صاحب کا ماشاء اللہ وہ رنگ و روغن نکلا کہ لوٹ کر آئے تو گھر کی
بی بی نے پہچان تو لیا مگر ذری دیر کے بعد۔ اور ایک دورہ لعنۃ بر پیچ ہمارا ہی کہ کُہر برس رہا
ہی جاڑے کے مارے لحاف سے مُونہ باہر نکالنے کو جی نہیں چاہتا مگر ڈبل کوچ سر پر سوار ہی
پندرہ میل سے سفر کم کر دو تو بھتہ سوخت۔ راہ میں سوانے[۵۲] کے تین مقدمے فیصل کرنے
ہیں۔ دَوراں زیادہ دن کا ہو گیا ہی۔ ہر سہ ماہی میں وجہ تعویق گھڑنی پڑتی ہی۔
اور صاحب کلکٹر کے روبکار پر روبکار چلے آتے ہیں۔ مجبور دو بسکٹ کھا اوپر سے
چاے کی پیالی پی لرزتے کانپتے سوار ہوئے۔ سمجھتے تھے کہ کھانے کو ناوقت تو ضرور ہوگا
مگر خیر دو بجتے بجتے خیمے میں جا داخل ہوں گے۔ یہاں پہلے ہی مقدمے میں دوپہر ہو گئی
ڈرایا بھی دھمکایا بھی مگر زمیندار کم بخت چپے چپے زمین پر جان دئیے دیتے ہیں۔
مختاروں سے کہا تم الگ لے جا کر سمجھاؤ۔ مختار۔ بہت خوب جیسا ارشاد۔ حضور کو بڑی
تکلیف ہوئی۔ ہمارا فریق تو راضی ہی فریق ثانی ناحق کی ضد کر رہے ہیں۔ حضور ذرا تامل
کریں میں اپنے لوگوں سے ابھی راضی نامہ لکھوا کر لاتا ہوں۔ یہاں تو یہ کہہ کر گیا اور الگ
جا کر خدا جانے ظالم نے کیا پٹی پڑھائی کہ اُسی کا فریق سِتّے سے اُکھڑا ہوا تھا۔ روح پر
اس قدر صدمہ ہوتا تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ موذی واقعات کا انکار کر رہے ہیں
غصہ آتا ہی اور ضبط کرنا پڑتا ہی۔ مجھی سے غلطی ہوئی۔ حاکمانہ فیصلہ کر دیتا تو ہرگز اتنی دیر
نہ لگتی۔ میں نے چاہا رضامندی سے فیصلہ کرنا کہ اپیل نہ کر سکیں۔ غرض ایک ہی
مقدمے میں سارا دن گھُل گیا۔ ٹھیک دوپہر کو لوگ ذرا کی ذرا دم لینے چینا کرنے اور

۵۱ کچے دانہ دار چنوں کے درخت ۱۲ ۵۲ گانو کی سرحد کو سوانہ کہتے ہیں ۱۲

پانی پینے کو ٹھیرے - میں بھی ایک درخت کی آڑ میں بیٹھ گیا - لوگوں نے مجھ سے کہا بھی کہ
حضور کے لائق تو اس وقت کوئی چیز میسر نہیں آسکتی اگر حکم ہو دودھ حاضر کریں - میں نے
سوچا کہ قیمت یہ لیں گے نہیں اور مفت کا دودھ پی لوں گا تو چھٹی تک کا دودھ اگلنا پڑے گا -
انکار کر دیا - اب میں ان سے کیوں کر کہتا کہ مارے بھوک کے مجھ سے کھڑا ہوا نہیں جاتا اور
میری آنکھوں کے آگے ترمرے سے چلے آتے ہیں دُور کی جھنڈی نہیں سوجھتی - سارے
دن کی محنت سے تھک کر چور ہو گیا تھا مگر جی میں خوش تھا کہ بڑا پیچیدہ اور جھگڑے کا مقدمہ
طے ہوا اب مقام پر مزے میں تان کر سوؤں گا - گانو کے قریب پونہچ کر جھٹپٹا سا ہو چلا تھا
دیکھتا ہوں تو لب سڑک جو میں نے جگہ بتادی تھی خیمے کا پتہ نہیں - الٰہی علے خلاصی -
میرے نوکر یہ سب کہاں غارت ہو گئے کہیں گانو تو نہیں بھولے ؟ نظر اُٹھا کر دیکھا تو دھندلے
میں کوئی آدمی نہ دکھائی دیا جس سے پوچھوں - بستی کی طرف مڑا - گھوڑے کی ٹاپ کی
آواز سُن کر کُتوں نے آگھیرا - گھوڑا سارے دن کا کسا ہوا - دانے کا وقت - کتوں کا نرغہ
لگا الف ہونے - آخر اُتر پڑا - گانو میں جا کر دیکھا تو سناٹا - بارے بڑی دیر میں ایک چوکیدار
نکلا اُس نے بتایا کہ سوانے والی بگھیا میں کوئی ایک کوس کے فاصلے پر لشکر ٹھیرا ہے -
یہ کوس بھر کی مسافت بجائے خود ایک منزل تھی - جگہ پر پونہچ کر معلوم ہوا کہ ہنوز ڈیرہ نہیں
کھڑا ہوا - سُنتے کے ساتھ جی ہی تو بیٹھ گیا - زمیندار - بنیئے - بقال - سب لشکر کی آمد
سن کر بھاگ کھڑے ہوئے گانو میں چڑیا تک باقی نہیں - لکڑی - گھاس - آٹا - دال -
کسی کو کوئی چیز نہیں ملی - جانور کھڑے ٹاپ رہے ہیں - اور آدمی سُکڑے ہوئے بیٹھے
تاپ رہے ہیں - لوگوں نے اپنا کچھ بندوبست کر کرا لیا ہو گا - میرے آدمیوں نے ساری عمر
میں یہ ایک نمک حلالی تو ضرور کی کہ تھوڑے سے چاول لگا رکھے تھے جلدی سے خشکہ اُبال لیا -
تڑاقے کی بھوک میں وہ پھیکا خشکہ جیسا مزے کا لگا آج تک مجکو ایسا لذیذ کھانا کھانے
کا اتفاق نہیں ہوا - غرض میں تو دوزخ شکم بھر کر ایک درخت کے نیچے ایسا بے خبر
ہو کر گرا جیسے کسی کو سانپ سونگھ جاتا ہے - لیکن ابھی مصیبت کا خاتمہ نہیں ہوا - گندہ بہار

کے تھے دن یکایک رات - ابر آیا اولے گرے اور اس زور کا مینہ برسا کہ باغ میں گھٹنوں گھٹنوں پانی کھڑا ہو گیا - صبح ہوتے ہزار دقت گانو میں جا کر پناہ لی - جہاں جس کے سینگ سمائے گھس پڑا - لوگوں نے میرے لئے مسجد تجویز کی - اور فی الواقع سارے گانو میں اس سے بہتر کوئی جگہ بھی نہیں تھی - وہ مولوی صاحب جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ان کو میں نے اسی مسجد میں دیکھا - میرے تو دانت سے دانت بج رہے تھے اور مولوی صاحب ہیں کہ حجرے میں الاؤ روشن ہی مزے سے اکہرا کرتہ ڈانٹے ہوئے بیٹھے ہیں - ہاں صاحب کہاں تک جوڑوں کی گرمی نہ ہوگی - مولویوں کو دیکھ دیکھ کر مجھے بے اختیار شیخ ابراہیم ذوق کی رباعی یاد آیا کرتی ہے

قطعہ
نذر دیں نفس کُش کو دنیا دار | کیا مرے حق کی بے نیازی ہی
سچ کہا ہی کسی نے یہ اے ذوق | مالِ موذی نصیبِ غازی ہی

خبر نہیں خواجہ آزاد کو مولویوں کی حالت پر رشک تھا یا اس نے جو تعلیم پائی تھی اس کا اثر تھا مگر اس میں شک نہیں کہ وہ مولویوں کی طرف سے بہت ہی بدگمان رہا کرتا تھا - اور اسی کی دونوں میاں بی بی میں لڑائی تھی - اسی کی ناموافقت - اسی کا جھگڑا - اسی کا بگاڑ - خواجہ آزاد چونکہ پتے کی کہتا تھا - ہادی بیگم آگ ہو ہو جاتی تھی اور یہ خواجہ آزاد کی بڑی بری بھی تھی - مولویوں کی بیٹی - پوتی - نواسی - مولویوں کو برا کہنے کی اس کی چڑ ٹھیرالی جائے تو کہاں تک اس کو برا نہ لگے - نتیجہ یہ تھا کہ جس قدر خواجہ آزاد چھیڑتا اسی قدر ہادی بیگم کی ضد بڑھتی جاتی - ہادی بیگم کو تو اپنے میکے والوں کے توکل پر بڑا ناز تھا - خواجہ آزاد اس کے چڑانے اور چھیڑنے کو کہتا بھیک کہو بھیک - جس کو تم توکل سے تعبیر کرتی ہو میرے نزدیک وہ بھیک سے بھی بدتر ہی - فقیر اگر بھیک مانگتا ہی تو شاید وہ اپاہج ہی معذور ہی اس نے اپنے پتے کو مار لیا ہی - دروازے دروازے پھرتا - کہیں دھکے کھاتا - کہیں گھرکی سنتا اور کہیں سے ٹکڑا بھی ملتا - یہ اچھے بچھے - ہٹے کٹے - موٹے تازے اندھے نہیں - لولے نہیں - لنگڑے نہیں - ان کو دوسروں کی کمائی کھانے کا کیا حق ہی؟ اور پھر اس ہیکڑی اور سرزوری سے کہ مسند لگائے مخادیم بنے ہوئے بیٹھے رہیں؟ ہادی بیگم تم بھی تو اپاہج نہیں ہو تم کا ہے کی تنخواہ پاتے ہو؟ آزاد - میں کام کرتا ہوں تنخواہ کے

معاوضے میں اپنا وقت دیتا ہوں۔ ہادی۔ مولوی بھی کام کرتے ہیں۔ وعظ کہتے ہیں طالب العلموں کو پڑھاتے ہیں۔ لوگوں کو مسئلے مسائل بتاتے ہیں۔ کیا ان باتوں میں ان کا وقت صرف نہیں ہوتا؟ آزاد۔ تو لوگ ثواب سمجھ کر مولویوں کی خدمت ذکرتے۔ ہم جو کسی کو مزدوری دیتے ہیں ہرگز ثواب کی توقع نہیں رکھتے۔ حق دار کو اُس کا حق دینے میں کا ہے کا ثواب؟ ہادی۔ ثواب اس بات کا کہ ہمارا روپیہ نیک کام میں صرف ہوا۔ مولوی معاش سے بے فکر ہوں گے تو لوگوں کو ہدایت کریں گے۔ آزاد۔ وہی ایک ثواب ہو کہ مولوی الگ اس کے دعویدار ہیں اور مولویوں کے خدمت گزار الگ اس کے امیدوار۔ ہادی۔ کیا خدا کے یہاں کسی چیز کی کمی ہو وہ بڑا کریم ہو اُس کو اختیار ہو ایک عبادۃ پر جس کو جتنا چاہے ثواب بخش دے۔ تم لوگ یوں دیکھنے لگے تھے اور دیکھا ہوگا تو یاد کیوں رہنے لگا تھا۔ حدیث شریف میں آیا ہو (لفظوں کی کمی بیشی کو خدا معاف کرے) کہ پیغمبر صاحب نے یہود اور نصاریٰ اور اپنی اُمت کی مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص نے صبح سے دوپہر تک چند مزدوروں سے مزدوری ٹھہرا کر کام لیا اور دوپہر ڈھلتے ہی ان کی مزدوری پوری پوری چکادی چار گھڑی دن رہے سے شام تک اَوْر مزدوروں سے دوگنی مزدوری پر کام لیا اور دن چھپے ان کو دوہری مزدوری دی۔ تو کیا جن مزدوروں نے پہلے کام کیا شکایت کر سکتے ہیں کہ ہم کو مزدوری کم ملی؟ ہرگز نہیں۔ یہ مثال اس لئے بیان فرمائی تھی کہ ہمارے پیغمبر صاحب کی اُمت کی عمر تھوڑی عبادۃ کم اور ثواب زیادہ۔ خواجہ آزاد۔ اس حدیث کو مطلب سے کچھ بھی مناسبت نہیں۔ اگر خدا اپنا ثواب ایسی بے احتیاطی سے لٹانا چاہتا ہو جیسے ہندوستانی رئیس اپنی دولت کو تو بے شک اُس کا ہاتھ نہیں پکڑا جا سکتا لیکن میں اس وقت اس میں بحث نہیں کرتا۔ میں کہتا ہوں کہ مولوی اور جو لوگ مولویوں کی خدمت کرتے ہیں تمہارے عندیئے میں تو دونوں ثواب کے مستحق ہیں لیکن میرے نزدیک اسلام کا ضعف۔ مسلمانوں کی تباہی۔ خستہ حالی۔ مفلسی۔ دون ہمتی۔ نالیاقتی سب کا وبال مولویوں کی گردن پر ہی خدا نے انگریزوں کو وقت کا حاکم بنایا باستحقاق۔ اور ہم پر اُن کو مسلط کر دیا بزور عقل۔ تم تو حدیث سے سند پکڑتی ہو اور میں قرآن سے استشہاد کرتا ہوں۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ[۵] مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ کیوں یہ قرآن کی آیۃ ہی یا نہیں؟

[۵] اور ہم نے زبور میں ذکر خدا کے بعد یہ بات لکھ دی تھی کہ میرے بندے صالح زمین کے وارث ہوں گے

اچھا اپنے میکے میں جاکر تحقیق کرلینا کہ مفسروں نے صالحون کے معنے لکھے ہیں جن کو ملک داری کی صلاحیت ہو
ہم کسی بات میں انگریزوں کے مقابل نہیں ہوسکتے - نہ بہادری میں - نہ محنت میں - نہ جفاکشی میں - نہ لیاقت
میں - نہ ہوشیاری میں - اور اگر ہم میں یہ مادہ ہوتا تو انگریز پانچ ہزار کوس سے ہندوستان میں آکر عمل داری
ہی کیوں کرنے پاتے؟ پس ہم رعیت ہوگئے - اور یہی لیل و نہار ہیں تو زبردست کا ٹھینگا سر پر - اب سیکڑوں برس
تک رعیت بن کر رہنا پڑیگا - ان سے روٹھنے اور بگڑنے میں ہماری خیر نہیں - دریا میں رہنا
اور مگرمچھ سے بیر؟ لیکن مولویوں کی عقل پر کچھ ایسے پتھر پڑے ہیں کہ اتنی موٹی بات بھی
اُن کی سمجھ میں نہیں آتی یہ ہدایہ اور دُرِّ مختار کیا خاک سمجھتے ہوں گے؟ اجی غرض کے لئے
گدھے کو باپ بنانا پڑتا ہی - اور انگریز تو اہل کتاب ہیں - خدا نے کئی جگہ قرآن میں اُن کی
مدح کی ہی - مُونہ سے بولو کہ ہاں کی ہی؟ اور اہلِ کتاب ہونے سے قطع نظر ان کی عمل داری میں
اَمن اور آرام اور انصاف اور رعایا پروری اس قدر ہی کہ ہندوستان کو ایسا اطمینان کبھی
نصیب ہوا نہیں - مولویوں نے کفر کو مُولیوں اور گاجروں سے زیادہ سستا کر رکھا ہی اور
بات بات پر لوگوں کو کافر اور مشرک ٹھہرا دیتے ہیں مگر یہاں چوں کر اپنا قدم درمیان میں
ہی - مَن لم یشکر الناس لم یشکر اللہ[1] - پر کبھی بھول کر بھی نظر نہیں کرتے - حالانکہ انگریزی
عمل داری کی قدر نہ کرنا صریح کفرانِ نعمتِ الٰہی ہی - ہادی بیگم - تم کیوں مولویوں کے پیچھے
پڑے ہو ان بچاروں نے تمھارا کیا لیا ہی یہ غریب کسی کے لینے میں نہیں - دینے میں نہیں -
ان کے پاس لاؤ نہیں لشکر نہیں؟ مسجدوں میں بیٹھے اللہ اللہ کرتے ہیں - کوئی پڑھنے آیا
اُس کو پڑھا دیا کسی نے مسئلہ پوچھا بتا دیا یا جو وعظ کہتا ہی اس نے دو چار مسلمانوں کو جنھیں
دین کا خیال ہی اور جو اُس کے پاس آ بیٹھے نماز روزے کی باتیں سکھا دیں - اس کے سوا
مولوی کچھ اور بھی کرتے ہیں؟ تم کو خدا واسطے کی عداوت اُن کے ساتھ آ پڑی ہی - طویلے کی
بلا بندر کے سر - ہرے پھرے مولویوں پر - غریب کی جورو سب کی بھابی - خیال تو کرو
کتنے آدمی مولویوں کی طرف رجوع کرتے ہیں؟ سو میں مشکل سے ایک - اور مولویوں کی طرف
کثرت سے رجوع ہونے کا کوئی سبب بھی تو نہیں - مولوی تو یہی کہیں گے کہ نماز پڑھو - رمضان کے

[1] جو آدمی کا شکر گزار نہ ہو وہ خدا کا شکر گزار نہیں ۱۲

روزے رکھو۔ جن کو مقدور ہو زکوۃ دو حج کرو۔ نشہ نہ پیو۔ میلے ٹھیلے میں نہ جاؤ۔ ناچ تماشہ نہ دیکھو۔ اجنبی عورۃ پر بُری نظر نہ ڈالو۔ چوری نہ کرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ لڑو جھگڑو نہیں۔ کسی کو ستاؤ نہیں۔ سازگاری اور ملنساری سے زندگی بسر کرو۔ قسم نہ کھاؤ۔ کسی کو اُس کے پیچھے بُرا نہ کہو۔ چھوٹوں پہ مہربانی اور بڑوں کا ادب ملحوظ رکھو۔ مال جو خدا نے تم کو دیا ہے اُس کو ضائع نہ ہونے دو۔ ہر وقت مرنے اور خدا تعالے کے روبرو چل کر اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے طیار رہو۔ کتنے آدمی ہیں جو ایسی باتوں کو رغبت سے سننا چاہیں گے۔ وہی سو میں مشکل سے ایک۔ پس اگر واقع میں لوگوں کو مولوی بگاڑتے ہیں تو ایک سے صبر کرو۔ ننانوے کی درستی کا تم ٹھیکہ لو۔ کیا اُلٹی سمجھ ہے مولویوں پر لوگوں کے بگاڑنے کا الزام۔ لوگ بگڑے اپنی بے دینی سے۔ خدا رسول کی نافرمانی سے۔ لوگوں میں وہ اگلی سی سچائی نہیں خوش معاملگی نہیں۔ حلال کی کمائی نہیں۔ ویسی ہی برکت نہیں۔ آج کو اسلام کی عمل داری ہوتی تو لوگوں میں اس قدر بے دینی کیوں پھیلنے پاتی؟ جو جس کے جی میں آتا ہے کر گزرتا ہے کوئی اس کا روکنے منع کرنے والا نہیں۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز۔ مولویوں کی کون سنتا ہے؟ اور تم نے ایسی گھڑی کا مولویوں کو ہونسنا شروع کیا ہے کہ اب ہیں بھی کہاں؟ غدر کے پہلے تک یہ حال تھا کہ مدرسے اور خانقاہیں تو رہیں الگ۔ کوئی مسجد مولوی سے خالی نہ تھی۔ اور مولوی بھی نام کے مولوی نہیں۔ ایسے ایسے جید کہ سارا ہندوستان اُن کا لوہا مانتا۔ عرب تک ان کے فتوے چلتے۔ اور پھر قدر بھی ایسی تھی کہ بادشاہ تک ان کے گھر آتے۔ بہتیرا ہی اکبر شاہ نے مولوی اسماعیل کو وعظ کے لئے بُلوایا۔ مولوی صاحب نے صاف کہہ دیا کہ حرموں اور خواصوں کو طلاق دو تو آتا ہوں۔ اکبر شاہ مرتے مر گئے اور مولوی اسماعیل نے قلعے کے اندر پانوں نہ رکھا پر نہ رکھا۔ مشہور بات ہے کہ مولوی شاہ اسحاق صاحب نے ہجرۃ کی تو ان کا کتب خانہ مال متاع چار بیٹیوں کو ملا۔ ایک ایک بیٹی کے حصے میں ایک ایک لاکھ روپیہ آیا۔ یہ غدر کیا ہوا تھا مولویوں کے حصے کی قیامت تھی۔ بہتیرے مر کھپ گئے۔ بہتیرے جلا وطن ہو گئے۔ خال خال بچے تو وہ سرکاریں جن کے گھر سے مولویوں کی پرورش ہوتی تھی۔ باقی نہ رہیں۔ مولوی لگے در بدر بھیک مانگنے

اور حقیقت میں یہ جو تم دیکھتے ہو بھیک ہی مانگنا ہی - آخر معاش سے تنگ ہوکر مولویوں
نے یہ پیشہ ہی چھوڑ دیا - شہر میں سیکڑوں آدمی اس طرح کے نکلیں گے جن کے بزرگ نامی
گرامی مولوی تھے اور یہ لوگ الف کے نام بے بھی نہیں جانتے - اور جو ابھی تک مولویت کا پیشہ
کرتے ہیں شاید کوئی بچا ہو تو بچا ہو ورنہ سب کے بچے کھلم کھلا نہیں تو چوری چھپے برابر انگریزی
پڑھ رہے ہیں - پس مولویت کا تو یوں بھی خاتمہ ہی یہ دو چار بڈھے ٹھڈے جو اپنی وضع کو
نباہے چلے جاتے ہیں بس ان کی آنکھ بند ہوئی اور مطلع صاف - انا للہ وانا الیہ راجعون -
غرض مولویوں پر تو نرا ناحق کا الزام ہی - قصور تو اپنا اور تھوپیں دوسروں پر - خواجہ آزاد
یہ سچ ہی کہ مولویوں کے دام میں بہت تھوڑی مچھلیاں پھنسی ہوئی دکھائی دیتی ہیں لیکن
جس طرح ایک دیا سلائی سارے شہر کے جلانے کو کافی ہی - ایک مولوی ملک کے مسلمانوں پر
اثر ڈال سکتا ہی - سنتا ہی ایک اور اُس سے سیکھتے ہیں ہزار - بہت سے لوگ ہیں جو ظاہر میں
مولویوں کے ساتھ کسی طرح کا تعلق نہیں رکھتے وہ شاید سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے کہ
مسجد میں جائیں مولوی صاحب کے مقتدی بنیں یا اُن کا وعظ سُنیں - وہ صرف نام کے
مسلمان ہیں اس لئے کہ مسلمان کے گھر پیدا ہوئے - نہ اُن کو دین و مذہب سے بحث -
نہ خدا کے حکم کی پروا - نہ رسول کے فرمانے سے مطلب - اُنھوں نے زندگی کا ایسا طرز
اختیار کر رکھا ہی کہ ان میں اور عام حیوانوں میں امتیاز کرنا مشکل ہی - لیکن بایں ہمہ
یہ لوگ بھی مولویوں کی حکومت سے بری نہیں - ورنہ تم بتاؤ کہ یہ عام نفرۃ - عام وحشۃ
عام اجنبیت جو مسلمانوں کو انگریزوں سے ہی اور جس نے مسلمانوں کو تباہ کر دیا اور رہا سہا
اور تباہ کرکے رہے گی اس کا ماخذ کیا ہی اور یہ بلا آئی تو کہاں سے آئی - بے شک یہ خیال
مولویوں سے پیدا ہوکر عام مسلمانوں میں پھیلا - ہندو کھلے بُت پرست اور ان سے ایسا
میل جول کہ ہندو مسلمان چولی دامن کا ساتھ - ان کے میلوں میں شریک - ان کی رسموں
کے پلے پڑو - اور اہلِ کتاب سے اتنا پرہیز - ہادی بیگم - ایک جگہ کا رہنا سہنا [illegible]
نہیں پڑتی - خواجہ آزاد - جزاک اللہ - تو انگریزوں کے ساتھ بدرجۂ اولیٰ ملاپ رکھنا ضرور
ہی - ہندو اور ہم پڑوسی ہیں اور انگریز اور ہم حاکم و محکوم - پڑوسی کی بے پڑوسی کی

گزر بھی سکتی ہی محکوم کی بے حاکم ایک گھڑی نہین گزر سکتی - ہادی بیگم - میل ملاپ بھی برابر والوں ہی میں ہو سکتا ہی - انگریز ہندوستانیوں کو کیوں مُونہ لگاتے تھے - آزاد - ہاں یہ بات بھی سچ ہی مگر میری مراد یہ ہی کہ ہم کو اپنی طرف سے بگاڑ نہیں رکھنا چاہئے - ہادی - بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہی؟ خواجہ آزاد - تم کہتی ہو کہ ہو سکتا ہی؟ اجی یہی تو بڑا بل اگر پڑا ہی - مولویوں نے مذہب کا حیلہ بنا کر لوگوں کو کچھ ایسا ڈرایا ہی کہ اب بھی صاف دل سے نہ کوئی انگریزی پڑھتا ہی اور نہ انگریزوں کا علم سیکھتا - ہادی - کیوں ناحق ناروا مولویوں کا گناہ سمیٹتے ہو کیا مولوی لوگوں کے پیچھے درّہ لئے پڑے پھرتے ہیں - تم حاکموں کے آگے بھی مولویوں کی ایسی ہی بدیاں روتے ہو گے - خواجہ آزاد - حاکم؟ میں تو خدا کے آگے ان کی شکایت کرنے کو موجود ہوں - ہادی - شنوائی بھی ضرور ہو گی - بھلا کس قسم کی شکایتیں ہیں ایک شکایت ہو تو بیان کروں درجنوں - کوڑیوں - اوّل نمبر تو یہی کہ ان کو دوسروں کی کمائی کھانے کا کوئی حق نہیں - دوسرے یہ کہ اوروں کو زُہد کی تعلیم کرتے اور آپ مُردے کی جان تک نہیں چھوڑتے - تیسرے آپ تو نکھٹو تھے سو تھے انھوں نے احدیوں کی ایک پلٹن کی پلٹن طیار کی یعنی اُن کے شاگرد جو سارے ملک کو لوٹ کر کھا گئے اور ڈکار تک نہ لی - چوتھے ریاکاری کہ لوگوں کے دکھانے کو بتکلف نیک بنتے اور حقیقت میں جیسے نیک ہیں سو معلوم پانچویں - لوگوں کو ٹھگنے اور دھوکا دینے کے ایسے ایسے ڈھب یاد ہیں کہ بڑے شاطر چور کی بھی کیا اصل ہی - مسجدوں کی تعمیر اور مرمت کے نام سے چندے جمع کرتے اور بے دریغ اپنے خرچ میں لاتے گویا شیرِ مادر یا میراث پدر ہی - کلکتہ اور بمبئی اور ڈھاکہ اور پٹنہ اور حیدرآباد اور مدراس اور دُور دُور کے شہروں کے دھاوے مارتے کہ ہم نے دلّی میں اسلامی مدرسہ جاری کیا ہی مسلمانوں کو چاہئے کہ مُدرّسوں کی تنخواہوں طالب العلموں کے وظیفوں اور کتابوں کے لئے جس سے جتنا ہو سکے اس کارِ خیر میں ضرور مدد کرے اِنَّ اللہَ لَا یُضِیعُ اَجرَ المُحسِنِینَ[۱] - لوگوں نے دیکھا ایک مقدس وضع آدمی کُرتہ جُبّہ پہنے سر پر عربی عمامہ باندھے - ماتھے پر گھٹا پڑا ہُوا - نیچی ڈاڑھی - اُونچا پاجامہ - بھدّی جوتی -

[۱] اللہ نیکی کرنے والوں کے عملوں کو اکارت نہیں جانے دیتا ۱۲

آنکھیں میچ میچ اور گردن ہلا ہلا کر ایک مصرفِ خیر کے لئے امداد چاہتا ہی اور دلّی ہی بھی دارالاسلام
اور وہاں کے مسلمان غدر کے بعد سے بے مقدور بھی ہو گئے ہیں اس مدرسے میں دینا ہیں خدا
کی مٹھی میں سونپنا اور فردوس کا مول لینا ہی۔ دیا اور خوب جی کھول کر دیا۔ اتنی دور کون تحقیق
کرنے آتا ہی کہ مدرسے کا کہیں وجود بھی ہی یا نہیں اور ہی تو اُس میں آدھی کا خرچ بھی ہی یا
نہیں۔ جو کچھ بلا نقد و جنس مولوی صاحب نے لا گھر والی کے حوالے کر دیا کہ نیک بخت
ع۔ چو احمق درجہاں باقی ست مفلس کس نمی ماند + کھا اور پہن مگر اس طرح کر کسی
کی نظر نہ لگے۔ العین حق[51]۔ اکثر لوگوں کا قاعدہ ہی کہ زکوۃ یا جاڑے کے دنوں میں لحاف جو
کچھ خدا کے نام دینا ہوا اکٹھا مولوی صاحب کی خدمت میں لا حاضر کیا کہ آپ جس جس کو مستحق
سمجھیں بقدرِ مناسب پہنچا دیں۔ اتنا تو ہم بھی کہیں گے کہ مولوی صاحب کو بیوؤں اور
یتیموں اور مسکینوں اور محتاجوں اور درماندوں اور مسافروں خیال تو سبھی کا آیا اور
سب کے ساتھ اپنا اور اپنے خاندان کا بھی اب یہ خطائی الاجتہاد[52] ہی کہ انھوں نے اپنے
ہی تئیں زیادہ مستحق سمجھا۔ بدگمانی بُری ہوتی ہی اِنّ بعضَ الظنّ اثم[53]۔ خاص کر عالم کی شان
میں لیکن آج تک یہ عقدہ حل نہ ہوا کہ مولوی صاحب اس کثرت سے گاڑھے کی چاندنیاں کیوں
بنوایا کرتے ہیں؟ بھلا خیر اپنا اپنا شوق ہی تو ہر ایک چاندنی میں ٹھیک لحافوں کے بیونت
کے جوڑ کیسے؟ مولوی صاحب کی نیت کے بارے میں تو جو چاہے کلام کرے۔ کہتے کی زبان نہیں
پکڑی جاتی لیکن تاویل کا تو یہ شخص بادشاہ ہی مسلم الثبوت۔ سوچ کر ایسا حیلۂ شرعی مغز
سے اُتارتا ہی کہ چاروں اماموں میں سے کسی کی گرفت میں نہیں آتا۔ باوجودے کہ اضعافِ
نصاب[54] کے مالک ہیں مگر صدقہ لینا جائز سمجھتے ہیں۔ ایک دن کوئی ہم جیسا بدعقیدہ بول
پڑا کہ آپ تو غنی ہیں تو فرماتے ہیں کہ خدا تو مجھے فقیر کہتا ہی۔ اللہ الغنی وانتم الفقراء۔
انتم جمع مخاطب کی ضمیر ہی اور تم غنی بتاتے ہو۔ اب نہیں معلوم تم دونوں میں کون سچا ہی
پیغمبر صاحب کے تو یہ انتظام تھے کہ اپنی نسل پر زکوۃ کو حرام کر گئے تاکہ مولویوں کی طرح کاہل

[51] نظر کا لگنا حق بات ہی ۱۲ [52] رائے کی غلطی ۱۲ [53] بعض گمان داخل گناہ ہیں ۱۲ [54] نصاب
مال کی وہ مقدار جس پر زکوۃ دینی ہوتی ہی اور اضعافِ نصاب یعنی ویسی ویسی کئی مقداریں ۱۲

اور آرام طلب اور دوسروں۔ دست نگر نہ ہوں۔ مولوی صاحب کو یہ شکل کہ سید بنا
بھی ضرور۔ شرافتِ نسب بھی تو ایک ذریعۂ عزت ہے اور سامنے آئی ہوئی زکوٰۃ بھی نہیں چھوڑی
جاتی۔ خدا دے اور بندہ لے۔ تم نے پہیلیاں بہت بوجھی ہوں گی۔ شاید مشکل سے مشکل
گورکھ دھندے بھی سلجھائے ہوں گے مگر جب جانیں ایسا کوئی رستہ نکالو کہ سیادت اور
مولویت دونوں میں سے کسی پر حرف نہ آئے اور زکوٰۃ بھی نہ جانے پائے۔ خیر تم تو کیا بتاؤ گی
ہم بھی بہتیرا سر مار چکے ہیں آخر ہار کر جھک مار کر مولوی صاحب ہی سے رجوع کیا تو معلوم
ہوا کہ یہ اُن کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ایسے ایسے سیکڑوں چٹکلے اُن کے ناخنوں
میں بھرے پڑے ہیں۔ ایک ادنیٰ سا حیلہ تو یہ ہے کہ کسی مستحق کو دے کر اُس سے اپنے
نام کسی بہانے سے ہبہ کرا یا۔ لکِ صَدَقَۃٌ ولنا ہدیۃ[۱]۔ اسی طرح کا ایک حیلہ ہم نے
ایک دوست کو کرتے ہوئے دیکھا۔ ہو نہ ہو کسی مولوی ہی سے سیکھا ہوگا۔ کیوں کہ
ہر ایک کا ذہن تو اس طرف کیوں منتقل ہونے لگا۔ چاندی کے خاصدان میں گلوریاں
بھری ہیں۔ خاصدان میں سے گلوری نکالی اور ذری کی ذری تکیے پر رکھ دی۔ تکیے
پر سے اُٹھا منہ میں۔ اے صاحب یہ کیا؟ تو کیا دیدے کی صفائی ہے کہتے ہیں کہ چاندی
کا استعمال منع ہے۔ ایسے بہانے ڈھونڈنے پر آؤ تو نہ کوئی امر امر ہے۔ نہ کوئی نہی نہی ہے
خیر مولوی لوگ اپنے کمانے کے لئے جو جو جتن کرتے ہیں چنداں مشکل برائے اکل۔ وہ
ان کے دل کا کھوٹ ہے مجکو تو ان کے اس حمق پر غصہ آتا ہے کہ جس درخت پر چڑھے
ہوئے پھل توڑ رہے ہیں دشمنِ عقل اُسی کی جڑ بھی کھوکھلی کئے ڈالتے ہیں۔ ہر مولوی
اپنی شہرت کے لئے ایک نہ ایک بات ایسی ایجاد کرتا ہے جس کو سن کر مسلمان چونکتے ہوں
نتیجہ یہ ہے کہ نئے نئے گروہ پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے ایسی بُری طرح
لڑتے ہیں کہ کافروں سے بھی ایسی بیہودگی اور ناشایستگی کے ساتھ لڑنا درست نہیں
زوالِ سلطنت نے اسلام کو ضعیف کر ہی دیا تھا مرنے کو مارے شاہ مدار یہ نادان دوست
اس کو اُور بھی نہیں پنپنے دیتے۔ خواجہ آزاد مولویوں کی طرف سے خدا جانے کب کا بھرا ہوا

[۱] تیرے لئے خیرات اور ہمارے لئے تحفہ ۱۲

لوگ جن میں رہی پرورش پائی بڑی ہوئی ہر وقت سب کے سب میرا دل ہاتھوں میں
لئے رہتے۔ اماجان کا یہ حال کہ ایک دم کے لئے مجکو اپنی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتیں
ذری کی ذری ہمسائے میں جا کھڑی ہوتی ہوں تو تراہ تراہ مچ جاتی ہی۔ اباجان نے ڈیوڑھی
میں قدم رکھا اور مجکو پکارا۔ بھائیوں میں کسی کو اتنی سہار نہیں کہ میری آنکھ پر میل آئے۔
وہ تو کچھ ایسی ہی مجبوری ہی کہ ان لوگوں نے مجھ سے بچھڑنا بچارا۔ مگر کیا۔ اباجان چپ میں
بھائی بھی اداس معلوم ہوتے ہیں۔ اور اماجان تو میری نظر بچاکر دو دو تین تین دفعہ
رو بھی لیتی ہیں۔ میکے کے سے چین تو نہ کسی کو نصیب ہوئے ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔
میں نے بھی بہتیری ہی بیاہی لڑکیوں کو دیکھا جب میکے سے گیئں روتی ہوئی۔ لیکن جب
ایک حالة پیش آنے والی ہی اور ضرور پیش آکر رہے گی تو پہلے سے طبیعة کو اُس کے لئے
آمادہ بلکہ اس سے مانوس کر رکھنا میں جانتی ہوں ضرور مفید ہوگا۔ اب اُس نے اپنے
طور پر بیاہی ہوئی عورتوں کے حالات کی تفتیش شروع کی اور جو کچھ سرسری نظر سے کتابوں میں
دیکھا تھا اُس کو بھی غور سے دُہرایا۔ تو معلوم ہوا کہ بیاہ سے بالکل ایک نئے طور کی زندگی
شروع ہوتی ہی۔ گویا ہندوؤں کے خیال کے مطابق وہ دوسرا جنم ہی۔ اگلے تعلقات دفعةً
نہیں تو رفتہ رفتہ موقوف اور معدوم ہوکر آدمی کے پیچھے نئے تعلقات لگ جاتے ہیں۔
ماں بہنوں کی جگہ ساس نندیں ہیں اور باپ بھائی کے بدلے سُسرا اور دیور۔ اور ایک
شخص اَور ہی جو کسی کے عوض نہیں اُس سے ایک خاص طرح کا تعلق ہی اور وہی تمام
جدید تعلقات کی اصل ہی۔ بلکہ یوں کہو کہ اگلے پچھلے سارے تعلقات رد ہوکر یہی ایک
تعلق ہی جسے ساری عمر نباہنا ہی۔ یہی عورة کی تقدیر ہی اور یہی اُس کی قسمة۔ یہی اُس کے
حق میں رحمة ہی اور یہی زحمة۔ اگر اس تعلق میں مزہ داری ہی تو دنیا کا عیش ہی آرام
ہی عزة اور آبرو ہی۔ اور اگر کہیں خدانخواستہ اس میں بے لطفی ہی تو بدنامی اور رسوائی
کے علاوہ زندگی تلخ ہی۔ پس بڑی بات جو بیاہ کے بعد مجکو کرنی ہی یہ ہی کہ جس شخص کے
ساتھ ایسا قوی تعلق ہی کسی ڈھب سے اُس کو رام کروں اور اپنے قابو میں لاؤں۔
اور اسی دن کے واسطے تو میں سٹ پٹائی پڑی پھرتی تھی کہ جس کے پلے مجکو باندھیں

مجھ سے پوچھ کر باندھیں [illegible] وہ تو نہ ہوا اور ہو بھی نہیں سکتا تھا تو کیا جب تک مجکو
اُس کا طرز مزاج معلوم کرنے کا موقع ملے صبر کئے بیٹھی ہوں۔ اور اگر اَن جان پنے مین مجھ سے
کوئی بات سرزد ہوگئی اور اُس کو ناگوار گزری اور بگاڑ کی بنیاد پڑ گئی تو پھر تین کدھر کی ہوئی
اس سلسلے میں اُس کو پھر وہی خیالات عود کرنے لگے جن کو اُس نے ہار کر زبردستی دل سے
دور کر دیا تھا۔ لیکن اُس کی طبیعت اس طرح کی واقع ہوئی تھی کہ اس کو بے چین کئے رہتی تھی
وہ کہتی تھی کہ بلا سے کسی طرح ایک نظر صورت بھی دیکھ پاتی تو کچھ نہ کچھ عقل دوڑاتی شرافت
بھلمنساہت۔ بُردباری۔ نیک بختی۔ ہنس خلق جو جیسا ہوتا ہی اُس کا قیافہ بول اُٹھتا ہی
اور تیور سے آدمی پہچانا جاتا ہی۔ سمدھیانے کی ماما روز بلا ناغہ خیر صلاح کی خبر کو آتی ہی اور
گھڑیوں بیٹھ بیٹھ کر وہاں کی باتیں کیا کرتی ہی مجکو تو سامنے جانے کا حکم نہیں ورنہ اتنی ہی
باتوں سے سارا پتہ لگا لیتی۔ خیر اتنا بھی غنیمت ہی کہ مولوی لوگ ہیں اگرچہ ابا جان مولویوں کا
بہت ہی بُرا ہدڑا کرتے ہیں مگر اُن کے اعتراضات دوسری قسم کے ہیں اور یہ بھی سچ ہی
کہ نہ سب مولوی مولوی برابر۔ نہ سارے جاہل جاہل یکساں۔ بلاشبہہ بعض مولوی دکھاوے
کے لئے بھی روزہ نماز کرتے ہوں گے آپ فضیحت دوسروں کو نصیحت۔ لیکن بلا سے ان کا ظاہر
تو اچھا ہی۔ سو دفعہ آدمی دکھاوے کے لئے کرے گا تو ایک نہ ایک دفعہ اُس کو خیال آ ہی جائے گا
اس سے تو بہتر ہی کہ ظاہر اور باطن دونوں خراب ہوں۔ اس کے علاوہ ظاہر کا پاس
بھی انسان کو بہت سی بُرائیوں سے بچاتا ہی۔ ابا جان کا یہ اعتراض تو میری سمجھ میں
نہیں آتا۔ اور سو بات کی ایک بات تو یہ ہی کہ جب میری تقدیر میں مولوی لکھے ہیں اور
چار و ناچار مجکو مولوی کے گھر جانا ہی تو میں جو ابھی سے ان کے عیبوں پر نظر کر کے اپنے
دل کو اُن کی طرف سے پھیر لوں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ لڑائی کی ابتدا بگاڑ کی تمہید
میری طرف سے ہوئی تو میں کسی کو رام کیا کروں گی خاک؟ دوسرے رام کرنے کی تدبیر
تو یہ ہی کہ میں خود رام ہو جاؤں اور یہ بدون اس کے ہو نہیں سکتا کہ اُن کی خوبیاں
اس طرح میرے دل میں بیٹھی ہوئی ہوں جیسے پتھر میں نقش۔ اور مولویوں میں چاہے بھی
عیب کیوں نہ ہوں خانہ داری کے تو بُرے نہیں ہوتے اور مجکو اَور چاہئے بھی کیا؟

میں جب کبھی ننھیال جاتی ہوں نانا ابّا کے پاس میاں بیبیوں ہی کے اکثر جھگڑے دیکھتی
ہوں مگر مولویوں کا اس قسم کا کوئی جھگڑا دیکھنا کیسا۔ سننے میں بھی نہیں آیا۔ ہاں وہ مولوی
محمد عمر کا مذکور البتہ خدا جانے کس سے سُنا تھا کہ اُنھوں نے اپنی بی بی کو طلاق دے دی
تھی تو اس سے مولوی صاحب کی اعلے درجے کی دین داری پائی جاتی ہے۔ بہت دنوں کی
بات بھول سی گئی تھی اب سوچا تو یاد آئی کہ مولوی صاحب بڑے ہی متقی پرہیزگار تھے اور
رات دن سوائے عبادۃ کے اَور کوئی کام نہ تھا۔ ان کو اپنی بی بی سے بھی بڑا ہی اُنس تھا اور نہ کیوں
ہوتا یہی تو اُن کے سچے دیندار ہونے کی شناخت تھی۔ اس بی بی سے مولوی صاحب کے تین
یا چار بچے بھی تھے۔ مولوی صاحب عادۃ کے مطابق کھانے کے بعد لیٹے ہوئے کتاب دیکھ رہے
تھے اتنے میں سسرال کے رشتے کی کوئی بی بی آئیں اپنے میاں کا حال بیان کرنے لگیں کہ آج
پانچواں دن ہے اس طرح کا بخار چڑھا ہے کہ بدن پر ہاتھ نہیں رکھا جاتا۔ یہ آبخورہ لائی ہوں
پانی دم کر دو اور کوئی دوا ہو تو بتا دو۔ مولوی صاحب نے پانی دم کر دیا اور طب نبوی میں
سے دیکھ کر کوئی دوا بتا دی۔ دوا کا نام سن کر گھر والی بی بی بول اُٹھیں اے ہے بُوا یہ دوا
تو نہ دینا یہ تو بڑی گرم آگ ہے ایسا نہ ہو سر کو گرمی چڑھ کر سرسام ہو جائے؟ مولوی صاحب
نے کہا دوائیں نے طب نبوی میں سے دیکھ کر بتائی ہے خدا نے چاہا پیغمبر صاحب کی برکت
سے فائدہ دے گی۔ بی بی کی جو آئی شامت لگیں کہنے یہ بلا کی تو گرمی پڑ رہی ہے اور ایسے
زور کا بخار ہے اور تم کہتے ہو شہد میں کلونجی لت کر کے چٹا دو؟ نہ صاحب میری صلاح تو
نہیں۔ مولوی صاحب۔ جب میں طب نبوی کا حوالہ دیتا ہوں تو اس پر جرح کرنا خلاف
شان اسلام ہے۔ اس پر بھی بی بی اپنی ہی سی کہے چلی گئیں۔ مولوی صاحب نے حمیۃ مذہبی
کے جوش میں آکر فوراً بی بی کو طلاق دے دی۔ اور دونوں میاں بی بی ایک دوسرے کے
غم میں برس کے اندر ہی اندر مر گئے۔ یہ تو ایک خاص صورۃ تھی اور اس میں مولوی
صاحب پر کسی طرح کا الزام بھی نہیں۔ دنیا دار لوگ مولویوں کو چھیڑنے کے طور پر زن مریدی
کہا کرتے ہیں۔ لیکن کوئی اُن کی بیبیوں کے دل سے پوچھے؟ میں تو ایسا سمجھتی ہوں
کہ کوئی مولوں بادشاہ بیگم ہونا بھی پسند نہیں کرے گی۔ امیروں میں بس یہ ظاہر ہی کے

گہنے پاتے کپڑے لتے اور نوکر چاکر دیکھ لو دلوں کا خدا مالک ہی میاں الگ رُوٹھے ہوئے ہیں اور بی بی علے حدہ مُونہہ پُھلائے بیٹھی ہیں۔ ہفتوں صاحب سلامتہ ندارد۔ مہینوں گفتگو ترک۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہی۔ اس سے کہیں بہتر ہی فاقہ اور موافقہ۔ تنگی اور یکرنگی۔ اب رہی یہ بات کہ مولویتہ کا پیشہ فی نفسہ کیسا ہی؟ سو اّبا جان بے شک اس کو نظرِ حقارۃ سے دیکھتے ہیں لیکن وہ حقارۃ بھی خدانخواستہ کچھ اس وجہ سے نہیں کہ معاذ اللہ مولوی کمینے ہیں۔ کسی سے حسب نسب میں ہیٹے ہیں۔ یا علم قدر و عزۃ کی چیز نہیں۔ بلکہ صرف اس خیال سے کہ بعض مولوی ریاکار اور طماع ہیں۔ یہ تو کچھ پیشے کی نہیں بلکہ اُن خاص لوگوں کی بُرائی ہوئی جن میں ریاکاری اور طمع کا عیب ہو۔ یوں تو بہتیرے نوکری پیشہ رشوۃ لیتے لوگوں کے حق تلف کرتے ہیں تو کیا اس سے نوکری ذلیل سمجھی جائے گی؟ نہیں نہیں۔ ریاکاری اور طمع کا عیب بھی اکثر اُن ہی مولویوں میں ہی جو ہیں تو کٹھ ملّا اور کہلانے لگے مولوی۔ کہ اُن کو قصورِ استعداد کی تلافی کے لئے ناجائز تدبیروں کی ضرورۃ واقع ہوتی ہی اور جو مستند عالم ہیں جیسے ہمارے نانا یا بڑے ماموں اِن پر تو اّبا جان بھی کوئی حرف نہیں لگا سکتے؟ اور گنجایش پاتے تو بھلا کہیں وہ چوکنے والے تھے؟ اگرچہ انگریزی پڑھ پڑھ کر لوگ مولویوں کی طرف سے بدعقیدۃ ہو جاتے ہیں مگر جو سچ مچ کے مولوی ہیں ان کا خدا کے فضل سے ابھی تک وُہی ادب قائم ہی اور خدا نے چاہا تو ہمیشہ ہمیشہ کو قائم رہیگا۔ لوگ مولویوں کا ادب نہیں کرتے بلکہ سچ پوچھو تو ادب کرتے ہیں دین کا۔ ادب کرتے ہیں خدا اور خدا کے رسول کا۔ اور میں تو کہتی ہوں مولوی کیسا ہی کیوں نہ ہو چاہے وہ خود اپنا ادب نہ بھی کرے کیوں کہ آپ اپنے حال سے آگاہ ہی پھر بھی اُس کا پیٹ خدا عزۃ ہی سے بھرتا ہی وتنی ہی آمدنی اور اُسی حیثیتہ کے دوسرے لوگوں کو دیکھو کس مصیبتہ اور بے قدری سے معاش پیدا کرتے ہیں۔ خدا نے علم کو شرف دیا ہی۔ کسی کے پاس اور کسی پیرائے میں ہو وہ شرف اس کو لازم ہی۔ اّبا جان مولویوں پر تو اعتراض کرتے ہیں غیر مردوں کا حال میں کیا جانوں لیکن جہاں تک عورتوں کو دیکھا اور اُن کے حالات سُنے دنیادار وں کی عورتوں کو مولویوں کی عورتوں سے کچھ بھی مناسبتہ نہیں۔ یہ آدمی ہیں وہ حیوان

یہ فرشتے وہ شیطان - خواجہ میرن صاحب کی بیٹی کے بیاہ میں سبھی قسم کی عورتیں کثرت سے جمع تھیں - وہ آپ تو ٹھہرے امیر اُن کے علاقے سے بڑی بڑی امیر زادیاں مہمان آئی ہوئی تھیں - اور بی بی اصل نسل کی مولوی زادی ایک دالان میں ان کے میکے کی مولونیں تھیں - وہاں میں نے ان دونوں کی خوب ہی سیر دیکھی ایک ہی شہر کی رہنے والیاں اور صورت - شکل - لباس - وضع - بات - نشست برخاست - رفتار گفتار - ایک کی دوسری سے مطلق نہیں ملتی - امیرزادیوں کو دیکھا - بھووں تک پٹیاں جمائے زلفیں لٹکائے - جوڑا باندھے - آنکھوں میں دھواں دھار سُرمہ دانتوں میں مسّی اور مسّی پر لاکھا کلّے میں یہ بڑی گلوری دبائے پٹر مُوہی خانم کی شکل بنائے ماتھے پر افشاں - ہاتھ پانووں میں مہندی اپنا اور مانگے کا خدا جھوٹ نہ بلوائے سیر یوں گہنا لادے - سارے بزازے کا ایک پاجامہ اور سر سے کمر تک گویا ننگی - چلتے پھرتے شیخی اُٹھتے بیٹھتے اترانا - اِس کی غیبت - اُس کی بدی - اِدھر آوازہ - اُدھر پھبتی - لونڈیوں کو گالی - ماماؤں کو جھڑکی اِس پر جوتی اُس کے لات پہلے قسم اور پیچھے بات - ضلع جگت میں مشّاق - شرم و حیا بالائے طاق - میں سچ کہتی ہوں کہ بیہودگی اور چھچھورپن کی حرکتیں کرتی تو وہ تھیں اور شرم مجکو آتی تھی کہ عورت ہوکر اس قدر بے باکی اتنی بدلحاظی - ان میں سے آدھی کے قریب تو اکثر جب دیکھو ڈیوڑھی میں کھڑی رہتی تھیں - میری برابر اور مجھ سے بڑی بڑی جوان لڑکیاں برلے نام کواڑوں کی آڑ میں کھڑی بے تکلف سودے کھا او چکا رہی ہیں - اور جو گھر میں ہوتی تھیں گلی سے بدتر اور بازار سے بڑھ کر ان کا غل تھا نہیں معلوم ان کے حلق ہی پھٹے ہوئے تھے یا ان کے نزدیک چلّاکر بولنا بھی تمغائے شرافت تھا - پھر کھانے میں جیسی جیسی بے تمیزیاں ان سے ہوتی تھیں ناگفتہ بہ ہیں - کورا تہ در تہ دسترخوان نکال کر بچھایا ہی اور ایک ہی دفعہ میں میلا کیچڑ - اتنا کھاتیں نہیں جتنا بکھیرتی اور چُراتی جاتی تھیں - دن میں دو دو بار چاندنی بدلی جاتی تھی جب اُٹھائی پیک کے دھبوں سے جاجم ہی بنی ہوئی پائی - شاباش ہی گھروالی بی بی کہ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتی تھیں اور بیچاری دم نہیں مارتی تھیں -

غرض ان امیرزادیوں میں تیں نے تو ایک بات بھی انسانیت کی نہ دیکھی۔ جو حرکت تھی نالائق اور جو ادا تھی بیہودہ۔ تیں ان امیرزادیوں کو دیکھ دیکھ کر برابر یہی سوچتی تھی کہ جن کے زنان خانوں میں یہ گندگی بھری پڑی ہے۔ ان کے مردوں کی کیا کیفیت ہوگی؟ خدا ان کے سائے سے بچائے اور کسی بھلے مانس کو ان کے پڑوس میں نہ بسائے۔ عین ان کے مقابل صحن بیچ مولونوں کا دالان تھا۔ آدمی ادھر بھی اتنے تھے کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی مگر کیا مجال کہ کسی کی آواز سنائی دے۔ باہر کے پردے چھوڑ دو تو صحن میں کسی کو یہ بھی شبہہ نہ گزرے کہ دالان میں کوئی ہے۔ لڑکیاں تک ایسی سدھی ہوئی کہ جس کو دیکھو نچلی ماں کے گھٹنے سے لگی بیٹھی ہے۔ سودا یہ نہیں مانگتیں۔ کھانے کے لئے یہ غل نہیں مچاتیں۔ بیٹی کا گھر تھا اور بیٹی بھی امیر۔ بیٹی کے نام کی خاطر مولونیں خوب بن سنور کر گئی تھیں اور کپڑے اور زیور سے سب کی حیثیت درست تھی۔ قیمتی جوڑے۔ بھاری بھاری گہنے۔ اور اپنی اپنی عمر کے مطابق کنگھی چوٹی بھی کون نہیں کرتا اور پھر ایسے موقع پر؟ لیکن بات کیا تھی ان کی ہر ایک چیز میں ثقاہت تھی۔ بالوں میں سے خوشبو کی لپٹیں کی لپٹیں چلی آ رہی ہیں مگر چوٹی سیدھی ہے پٹیاں نہیں زلفیں نہیں جوڑا نہیں۔ مہک کہے دیتی ہے کہ کپڑے عطر میں بسائے ہیں۔ کان میں پھویا نہیں۔ کپڑا قیمتی ہے مگر پردہ دار اور شرع کے مطابق۔ کپڑے کے پہننے کا ایسا انداز ہے کہ بہت دیر تک میں ایک بیوی کی تاک میں رہی کہ ان کی بالیاں دیکھوں کس وضع کی ہیں مگر نہ دیکھ سکی پر نہ دیکھ سکی۔ دو چار بیبیاں تو جس وقت سے ڈولی سے اتریں میں نے جب دیکھا جا نماز ہی پر بیٹھے پایا۔ مولونوں میں بھی کسی قدر بے انتظامی ہوتی تھی کہ ادھر ادھر بھاگی بھاگی پھرتی ہیں مگر صبح و شام۔ کہ نماز کا وقت ہوتا تھا تنگ اور ایک دم سے سب کی سب وضو کے لئے اٹھ کھڑی ہوتی تھیں گھر والی میکے کے لحاظ سے مولونوں کا بہت خیال رکھتی تھیں ناشتے اور کھانے کے لئے سب سے پہلے ان ہی کو پوچھتیں مگر یہاں سے جواب ملتا کہ ہماری کیا جلدی پڑی ہے آؤ لوگوں کو کھلاؤ پلاؤ ہم تو اسی سے بہت شرمندہ ہیں کہ تم ہم سے کچھ کام نہیں لیتیں ورنہ اپنے اسی دن کے لئے ہوتے ہیں۔ کوئی ہم میں سے مہمانوں کے ہاتھ دھلاتا۔ کوئی دسترخوان بچھاتا

کوئی پانی لے کر کھڑا ہوتا - کوئی کھانا نکالتا - تم نے ہم کو اِدھر ہی بناکر بٹھا دیا ہی - نکمّے بیٹھے بیٹھے جی بھی تو اُکتایا جاتا ہی - میں نے کان لگا لگا کر مولویوں کی باتیں سُنیں تو وہی خدا رسول کا چرچا - ایک بولی ہوا کوئی باہر کے مولوی فصیح آئے ہوئے ہیں - بولی تو پورب والوں کی سی ہی - مگر سبحان اللہ کیا وعظ کہتے ہیں کہ کیسا ہی پتھر کا دل کیوں نہ ہو ایک دفعہ تو ضرور موم کی طرح ملائم ہو کر رہ جاتا ہی - بہشت اور دوزخ کا حال بیان کیا تھا روتے روتے مردوں کی ہچکی بندھ بندھ گئی - دوسری - ہاں صاحب خدا نے اپنے کلام میں ایسی ہی تاثیر اور برکت دی ہی - کیا تم نے اُن کو اپنے گھر بلوا کر وعظ کہلوایا تھا؟ پہلی - نہیں تو - مولوی صاحب ہماری ہی مسجد میں آکر ٹھیرے ہیں ان کا معمول ہی کہ نماز صبح کے بعد شاگردوں کو قرآن کا ترجمہ پڑھاتے ہیں - یہی اُن کا وعظ ہی - ایک دن آکر سنو تو سہی - ہمارا گھر تو مسجد سے ملا ہوا ہی مسجد کی ذرا ذرا بات گھر بیٹھے سنائی دیتی ہے - دوسری - میں تو ضرور آتی لیکن کچہری جانے کے لئے سویرے سے کھانے کی ندول پڑ جاتی ہی - پہلی - کیوں خیر یت تو ہی؟ دوسری - وہی آمین کا جھگڑا ابھی طے تھوڑا ہی ہوا ہی - پہلی - ہاں کچھ سنا تو تھا مگر کیا تمھارے میاں بھی اس مقدمے میں کسی طرف ہیں؟ دوسری - لو اصل تکرار تو اُن ہی سے ہی - اُنھوں نے ہی پکار کر آمین کہنی شروع کی تھی لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی - پھر مسجد میں ان کے آنے کی بندی کی - اس پر مردوں مردوں میں فساد ہوا - مار کٹائی کی نوبت پہنچی - دو مہینے فوجداری میں مقدمہ لڑا - جرمانے ہو گئے - مچلکے لئے گئے - اب دیوانی میں مسجد کی تولیت کا دعوے دائر ہی - دیکھئے کیا ہوتا ہی؟ پہلی - کیوں بُوا آخر تم نے بھی کچھ تحقیق کیا کس کی زیادتی ہی؟ مولویوں کی باتیں مولوی ہی جانیں اپنی سمجھ تو کچھ کام نہیں کرتی - ہم تو اندھے ہیں - جدھر کو کسی نے بتا دیا اُدھر ہی کو ہو لئے - میرا نہ ماننا ایک موٹی سی بات تو میں سمجھتی ہوں کہ آخر سیکڑوں برس سے ایک وضع پر لوگ نماز پڑھتے چلے آتے ہیں اور مولویوں سے بھی کوئی زمانہ خالی نہیں رہا - اب یہ نئی نئی باتیں کیا سننے میں آتی ہیں - دوسری - اتنی پڑھی ہوئی تو میں بھی نہیں ہوں کہ دونوں کی دلیلوں کو سمجھوں مگر ہاں جب پکار کر آمین کہنے پر مسجد میں فساد ہوا تو میں

اپنے میاں سے بہت لڑی تھی - آخر انھوں نے کہا کہ نماز کچھ ایسی چیز تو نہیں کہ جس وقت
چاہی اور جس طرح پر چاہی پڑھ لی - نماز خدا کی اور اسی نے جبرئیل فرشتے کے ذریعے سے
حضرۃ پیغمبر صاحبؐ کو سکھائی - حدیث میں آیا ہی کہ پہلے حضرۃ جبرئیل نے امامۃ کی اور
پیغمبرؐ صاحب نے مقتدی بن کر جبرئیل کے پیچھے نماز پڑھی - پھر دوسری بار حضرۃ پیغمبرؐ
صاحب امام ہوئے اور جبرئیل مقتدی - پس ہم کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس طرح کی نماز تھی
جو پیغمبر صاحب نے جبرئیل سے سیکھ کر پڑھی اور پڑھائی ہے اس کا پتہ لگے حدیث کی کتابوں
سے - جن میں پیغمبرؐ صاحبؐ کے اقوال اور افعال موجود ہیں - نماز میں کئی باتوں کا اختلاف
ہی - اوّل تو آمین کہ ہم لوگ پکار کر کہتے ہیں اور حنفی آہستہ - دوسرے رفع یدین کہ ہم لوگ
رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد تکبیر اُولی کی طرح ہاتھ اُٹھاتے ہیں - یہ نہیں اُٹھاتے -
تیسرے ہم امام کے پیچھے ہر رکعۃ میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں یہ چپ کھڑے رہتے ہیں -
چوتھے جلسۂ استراحۃ کہ ہم لوگ دوسری اور چوتھی رکعۃ میں کھڑے ہونے سے پہلے
ذرہی کی ذرہی بیٹھ جاتے ہیں اور یہ سجدے سے اُٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں -
پانچویں ہم لوگ امام کے پیچھے پانو سے پانو جوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں اور یہ ایک سے ایک
الگ - سو خیر آمین بالجہر کے بارے میں تو حنفیوں کے پاس بھی کچھ روایتیں ہیں
گو ضعیف ہیں مگر رفع یدین اور پانو ملانے کے خلاف تو کسی کتاب میں کوئی سند نہیں -
یہ نری ان لوگوں کی ہیکڑی اور ہٹ دھرمی ہے - یہ سن کر میں نے کہا کہ لوگ بُرا مانتے ہیں
تو کیا ضرور ہی جسطرح اَور لوگ نماز پڑھتے ہیں تم اُسی طرح پڑھ لیا کرو - اور آخر اتنی
مدۃ سے پڑھتے ہی تھے - اس کا جواب اُنھوں نے ایسا برجستہ اور معقول دیا کہ میں چُپ
کی چُپ رہ گئی اور سمجھ گئی حنفیوں ہی کی زیادتی ہی - اُنھوں نے مجکو رسان میں سمجھایا کہ
مجھ پر یہ اعتراض تو کر و نہیں کہ تم اتنی مدۃ سے حنفیوں کے طور کی نماز پڑھتے تھے - یہ
میری غفلۃ تھی - عام مسلمانوں کی طرح میں بھی جانتا تھا کہ امام ابو حنیفہ - امام شافعی -
امام احمد بن حنبل - امام مالک - یہی عمارۃ دین کے چار ستون اور جسم اسلام کے چار عنصر ہیں
حق ان ہی چار میں دائر ہی - مجکو اپنی ذات سے تحقیقات کرنے کی کچھ ضرورۃ نہیں - اور

چوں کہ میں ایک حنفی کے گھر پیدا ہوا میں بھی حنفی ہوں اور امام ابو حنیفہ کی تقلید میرے لئے
کافی ہے۔ چنانچہ میں نے حنفیوں ہی کی فقہ پڑھی اور جس مسئلے میں جو کچھ امام ابو حنیفہ نے
کہا ہے میں اُسی کو وحی آسمانی خیال کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے حدیث شروع کی جوں جوں
مجکو حدیث پر عبور ہوتا گیا میری آنکھیں کھلیں اور میں نے سوچا کہ خدا نے اپنے پیغمبر صلے اللہ
علیہ وسلم پر ایک شرع نازل کی اور آخر کار فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آج میں نے تمھارے
دین کو پورا کر دیا۔ پیغمبر صاحب نزول وحی سے بیس برس تک زندہ رہے اور یہ سارا
وقت اُن کا دین ہی کی تعلیم میں صرف ہوا جو کچھ خدا نے فرمایا بے کم و کاست قرآن میں
جمع ہے۔ اور جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اور کیا احادیث میں۔ پس مسلمانوں
کو اپنے دین کی تکمیل کے لیے اول قرآن چاہئے اور قرآن کے بعد حدیث۔ میں نہیں جانتا
کہ یہ چاروں امام بیچ میں کہاں سے کود پڑے۔ پیغمبر صاحب کے ساتھ نسبت نہ کرنے
میں کوئی مصلحت تھی تو صحابی کا نام لیتے اور کوئی اپنے کو صدیقی کہتا کوئی عمری کوئی عثمانی
کوئی علوی کوئی انسی کوئی ابو ہریری وغیرہ تو ایک جا سر بھی تھا۔ کیوں کہ پیغمبر صاحب
نے اپنے اصحاب کی شان میں فرمایا ہے کہ میرے اصحاب کی مثال ستاروں کی سی ہے جا ہو
جس کے پیچھے ہو لو رستہ نہیں بھولو گے۔ پیغمبر کو چھوڑ اصحاب و تابعین سے مونہ موڑ ایک دم سے
تبع تابعین پر آرہے جیسے کوئی زینے کی دو سیڑھیاں چھوڑ کر دھڑام سے تیسری پر گرے۔ میں
اس کو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک طرح کی توہین سمجھتا ہوں۔ اسی طرح جو لوگ
دوسرے بزرگان دین مثلاً حضرۃ پیران پیر یا قطب صاحب یا سلطان جی صاحب وغیرہ
کے عُرس کرتے ہیں ان کی نسبت بھی میں اکثر خیال کیا کرتا ہوں کہ پیغمبر صاحب کے
بعد اصحاب کا درجہ ہے اصحاب کے بعد تابعین اور تابعین کے بعد تبع تابعین کا۔
ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم[۵]۔ یہ بزرگان دین تو اُن کے آگے امتی ہیں۔ وہ بے شک
اچھے اور بہت اچھے اور نہایت اچھے ہیں ہم سیاہ کاروں سے۔ اور ہم ان کی خاک پا
کی برابری بھی نہیں کر سکتے لیکن ع گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی + سب کچھ ہے

[۵] پھر جو اُن کے بعد پھر جو اُن کے بعد ۱۲

اصحاب کو نہیں پا سکتے جنھوں نے مصیبتوں میں پیغمبر کا ساتھ دیا۔ جنھوں نے دین
کی خاطر وطن چھوڑے عزیز و اقارب چھوڑے مال و متاع چھوڑے۔ جنھوں نے پیغمبر
پر جانیں قربان کیں۔ بس یہ میرا عقیدہ ہے اگر اس میں کوئی بات میں بے جا کہتا ہوں کوئی
مجھے قائل کر دے۔ میں خدا کی نماز پڑھتا ہوں اور جو وضع میں نے خوب سوچ سمجھ کر اختیار کرلی
ہے ایک مسجد اگر مجکو لوگ ہندوستان بلکہ روے زمین سے بھی نکال دیں تو میں اُس میں سے
ایک تل کی قدر بھی ترک نہیں کروں گا۔ آج حنفیوں کے کہنے سے آمین چھوڑ دوں۔ کل کو
ہندوؤں کے خوش رکھنے کے لئے نماز پرسوں عیسائیوں کی خاطر توحید۔ تو دین نہ ہوا لڑکوں
کا کھیل ہوا ؟

یہ باتیں یاد کر کرکے آزادی مولویوں کی طرف کو ڈھلتی جاتی تھی۔ مگر آخر تھی تو نوجوان
لڑکی ایک دن اُس کو خیال آیا کہ مولویانہ زندگی کچھ بھی ہو اُداس اور بے رونق ضرور
ہے۔ یہ نہیں کہ ان میں صاحب مقدور نہیں۔ ہیں مگر بہت کم۔ اور ایک مصیبت یہ ہے
کہ جن کو مقدور ہے زندگی اُن کی بھی غریبوں کی طرح بسر ہوتی ہے بلکہ غریبوں سے بدتر۔
کیوں کہ غریب کے پلّے ٹکا نہیں اور بہ مجبوری نہوت کی وجہ سے شکستہ حال رہتا ہے۔
لیکن مولوی خوش حال بھی ہے تاہم اُس کی صورۃ پر نکبتہ اور مفلسی برستی ہے۔ معلوم
نہیں جیسا ابا جان کہتے ہیں دکھانے کے لئے بتکلف اپنے تئیں زدہ حال بنائے رہتے
ہیں کہ لوگ اُن پر رحم کریں اور کچھ دین یا یہ بھی داخلِ تواضع ہے۔ بہر کیف آدمی پہلے پتے
کو مارے۔ تن بدن کو خاک کرے۔ جوانی میں بوڑھا اور تونگری میں مفلس بنے۔ تو مولویوں
میں ملنے کا نام لے۔ سو میرے تو کھانے پہننے کے دن ہیں۔ اما جان کو اتنی بات نہ سوجھ پڑی
اور مجھے کہاں جا پھنسایا ؟ ان کو اتنا خیال نہ آیا کہ اس کے پاس بھی دل ہے اور دل میں
اُمنگ ہے یہ بھی آدمی ہے اور اس عمر میں آدمی کیسے کیسے ارمان کیا کرتا ہے؟ آخر یہ وقت
کبھی ان پر بھی تو گزرا تھا اپنے اُسی وقت کو یاد کرکے سمجھ گئی ہوتیں ہے اور اب بھی کیا گیا
ہے؟ جمعے کے جمعے سر نہیں دھوتیں ؟ یا پندرھویں دن مہندی نہیں لگاتیں۔ مہینے
کے مہینے چوڑیاں نہیں پہنتیں ؟ رنگے ہوئے دوپٹے نہیں اوڑھتیں ؟ ہوتیں آج

کسی مولوی کے گھر تو ہم بھی دیکھتے ہیں کیسی بنیں سنوری رہتی ہیں۔ ان خیالات نے
آزادی کو ہفتوں ماسے بدگمان اور اپنی تنگنی کی طرف سے پریشان رکھا۔ لیکن آدمی کا
دل ہمہ وقت یکساں نہیں رہتا۔ وہ ایک بار پھر سنبھلی اور خدا جانے کس کا مرنا سنا تھا
کہ اُس کو دنیا کی بے ثباتی کا تصور بندھا اور اس نے سوچا دنیا ہی کیا چیز۔ لاکھوں کروڑوں
آدمی پیدا ہوتے اور ایک وقت خاص تک زندہ رہتے اور آخر کار فنا ہو جاتے ۔
بجنسہ کھیتی کا سا حال ہی کسان نے زمین کو جوت بو کر چھوڑ دیا۔ خدا نے پانی برسایا۔ ابھی
تھوڑے دن ہوئے کھیت میں خاک پڑی اُڑ رہی تھی اور نظر بھر کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا
تھا یا اب لگا غلہ لہلہانے۔ جس کی سبزی سے آنکھوں کو طراوۃ اور دل کو فرحۃ پہنچتی ہی۔
کسان ہی کہ کھیت کو دیکھ کر مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا۔ اور بڑے بڑے دماغ دار امیر
صبح و شام سیر دیکھنے کے لیے اس کے گرداگرد منڈلائے منڈلائے پھرتے ہیں۔ پھر اُس میں
پھل آیا وہ جوبن تو گیا گزرا ہوا مگر کسان کی جان اُس میں لڑی ہی۔ بادل آیا اور سہم گیا کہ
کہیں اولے نہ پڑیں۔ پچھوا ہوا چلی اور سرد ہو گیا کہ ایسا نہو پالا مار جائے۔ بارے خدا خدا
کرکے غلہ طیار ہوا کاٹ کر چلتے ہوئے۔ کھیت ہی کہ بڑا بھائیں بھائیں کر رہا ہی۔ وہی خستہ
وہی سناٹا۔ وہی بے رونقی۔ وہی اُداسی۔ دوسری فصل آئی اور پھر وہی چکر۔
دنیا حقیقۃ میں ایک عجائب خانہ ہی جس میں ایک سے ایک چیزیں اچنبھے کی ہیں۔
آدمی عجیب۔ اس کا پیدا ہونا عجیب۔ اس کا جینا عجیب۔ اس کا مرنا سب سے زیادہ
عجیب۔ اتنی تو مختصر زندگی کہ بہت سے بہت ہوئی تو ساٹھ ستر اور وہ بھی بے ٹھور
بے ٹھکانے کہ صبح ہوئی تو شام کا بھروسا نہیں شام ہوئی تو صبح کا اعتماد نہیں۔ بچے کو
جوان ہونے کا یقین نہیں جوان کو بڑھاپا دیکھنے کا اذعان نہیں۔ اور اس پر کیسے کیسے ارادے کیسے کیسے
حوصلے کیسے کیسے سامان کہ گویا سدا سدا کا رہنا اور ہمیشہ ہمیشہ کا بسنا۔ عقل اور عقل
کے ساتھ نادانی۔ ہوشیاری اور ہوشیاری کے ساتھ غفلۃ۔ مجبوری اور مجبوری کے
ساتھ سینہ زوری۔ یہ انتظام الٰہی نہیں تو پھر کیا ہی؟ فرض کرو۔ کہ ایک فرشتہ انسان
اور انسان کے حالات سے ناواقف محض تھوڑی دیر کے لئے آسمان سے زمین پر اُتر آئے

تو وہ ہماری کون سی ادا ہے شناخت کر سکے گا کہ ہم مخلوقِ فانی ہیں - وہ دیکھے گا ہم نہایت پائدار اور مستحکم عمارتوں میں رہتے - ہم آیندہ کے سیکڑوں برسوں کے انتظام سوچتے - ہم بڑی سے بڑی اور لمبی سے لمبی میعادوں کے واسطے معاملات کرتے - ہم باغ لگاتے جن میں بعض درخت ایسے بھی ہیں جو انسان کی عمرِ طبیعی میں بار آور نہیں ہوتے اور پھر توقع رکھتے کہ ہم آپ ان کے پھل کھائیں گے - ہم ایک جوتی یا کپڑا خریدتے تو اس کو بھی چلاؤ دیکھ کر لیتے - بے شک ہم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو دوسروں کو مرتا ہوا دیکھ کر کبھی خیال کرتے کہ شاید ہم بھی مریں تو تعجب نہیں لیکن وہ خیال ساون بھادوں کی بدلی سے زیادہ ثبات نہیں رکھتا - اِدھر آیا اُدھر گیا - اپنے ہی جیسے آدمی کو بلکہ شاید اپنے سے عمر میں چھوٹے ہاتھ پانو کے کھلتے اور کاٹھی کے مضبوط اور توانا و تن درست کو اپنے ہاتھوں مٹی میں دبایا اور قبرستان میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بے شمار آدمی مٹی میں دبے پڑے ہیں اکثر کی تو قبر تک کا بھی نشان نہیں - بعض کا ہے اور ان کی قبر شاید پکی اور اُس پر کندہ کیا ہوا پتھر بھی نصب ہے مگر کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس نام کے کون صاحب تھے اور کہاں رہتے تھے - یہ سب کچھ ہے مگر گورستان سے لوٹے نہیں اور وُہی بے فکری اور ویسی ہی لاپروائی - لوگ کہتے ہیں کہ خاک و آب و آتش و باد چار عنصروں سے انسان کی ترکیب ہے مگر اس کے افعال سے ثابت ہوتا ہے کہ غفلۃ بھی اس کے خمیر میں ضرور ہے بلکہ دوسرے عنصروں سے زیادہ ہے - انتظامِ دنیا جہاں تک اُس میں انسان کو دخل ہے مبنی ہے اسی غفلۃ پر - غفلۃ نہ ہو تو انسان سے اُٹھ کر پانی بھی نہ پیا جائے - کاشت کاری اور تجارۃ اور دوسرے کاموں کی تو کون کہے - اور تحقیق سنا ہے کہ جن مجرموں کو پھانسی کا حکم سنا دیا جاتا ہے اور اُن کو یقیناً معلوم ہو جاتا ہے کہ اب ہم نہیں بچ سکتے تو ہفتوں آگے سے دانہ پانی چھوٹ کر مردے سے بدتر ہو جاتے ہیں - کہتے ہیں کہ نیند ایسی بُری چیز ہے کہ پھانسی پر بھی آئے بدون نہیں رہتی لیکن یہ اُن کی کہن ہے جنھوں نے پھانسی کا حکم نہیں سُنا - پھانسی کا حکم سُنیں اور سو کر دکھا دیں تو جانیں - انسان کی طبیعۃ میں غفلۃ کا ہونا بھی حکمۃ سے خالی نہیں اگر ہر وقت موت آنکھوں کے آگے کھڑی رہے

تو مارے ڈر کے آدمی کے حواس مختل ہو جائیں اور اُس سے بُرا یا بھلا کسی طرح کا کام ہی نہ ہو سکے۔ اور انسان کے پیدا کرنے سے جو غرض ہی بالکل فوت ہو جائے۔ پس غفلة کا ہونا تو ضرور ہی اور بے غفلة کے دنیا کا کام چل نہیں سکتا لیکن نہ اس درجے کی کہ ہم موت کو کبھی بھول کر بھی یاد نہ کریں اور اپنے تئیں ایسی گھڑی سمجھ لیں جس کی کوک کبھی ختم نہ ہوگی یا ایسا چراغ جس کا تیل کبھی نہیں ہو چکے گا یا ایسی عمارة جو کبھی نہیں گرے گی۔ یا ایسا چشمہ جو کبھی نہیں سوکھے گا۔ یہ سچ ہی کہ کسی آدمی کو مرنے سے انکار نہیں اور انکار ہو سکتا بھی نہیں۔ کیوں کہ آج تک کوئی آدمی ایسا دیکھنا تو کیا سننے میں بھی نہیں آیا جو کسی تدبیر یا چالاکی سے حضرة عزرائیل کی نظر سے بچ گیا ہو۔ لیکن مُونھ سے انکار نہ کرنا اور نہ کر سکنا اَور چیز ہی اور معاملات سے اور روزمرّہ کے برتاؤ سے ثابت کر دکھانا اَور چیز مجکو تو حضرة علیؓ کی وہ حکایة کبھی نہیں بھولتی کہ جنگ جمل میں جب لڑائی کا بھاڑ سا بھُن رہا تھا حضرة خچر پر بیٹھے اونگھ رہے تھے خادم نے بگڑ کر کہا کہ لوگوں کے سر گیند کی طرح اُچھل رہے ہیں اور تم کو سونا سوجھا ہی؟ حضرة نے مُسکرا کر فرمایا کیا تو قرآن کی وہ آیة بھول گیا؟ اذا جاء اجلہم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون ۔ وہ خادم بھولا تو کیا ہوگا اور ایسا کوّن مسلمان ہی جس کو یہ آیة یاد نہیں اور لفظ نہ بھی یاد ہوں تو اس کا مطلب کہاوتوں کی طرح زبان پر چڑھا ہوا ہی لیکن علی کی طرح ایسے وقت میں کوئی سو کر دکھا دے تو ہم اُس کے ہاتھ پر بیعة کرنے کو طیار ہیں۔ جب ایسے راسخ عقیدے تھے تو ان کو یہ کہنا بھی پھبتا تھا۔ لو کشف الغطاء لما ازددت یقیناً۔ ایک مسلمان وہ تھے کہ غیب پر اس طرح کا ایمان لائے تھے اور ایک ہم ہیں نجاة کے طالب جنة کے امیدوار۔ شفاعة کے مستحق مغفرة کے آرزومند کہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور بات جی میں نہیں بیٹھتی۔ اس واسطے کہ غور کی عادة نہیں۔ سوچنے کی فرصة نہیں۔ شوق نہیں۔ رغبة نہیں۔ موت کا اگر کبھی خیال آتا بھی ہی تو اسی قدر کہ موت کے معنے ہیں مرنا۔ بے شک موت کے معنے مرنا تو ہیں لیکن اس کے لوازم پر بھی نظر ہے۔ اس کے نتایج کو بھی سمجھا۔ آدمی جب تک مر نہ جائے اس کو

ملہ جب اُن کی موت آئے گی تو ایک گھڑی کا پیچھا آگا نہیں کر سکتے ۱۲ ملہ اگر پردہ اُٹھا دیا جائے تو میرا یقین اس سے زیادہ نہ ہو

ارکان اسلام ۱۲

کیفیتِ مرگ سے آگہی ہو ہی نہیں سکتی - دوسروں کو مرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو بعض بھی ہی سختی سے جان دیتے ہیں - ان کے ہوش و حواس آخر تک برجا رہتے اور جو کچھ ان پر گزرتی ہو دوسروں سے کہتے اور ان کے کرب سے ان کی تکلیف پہچان پڑتی - بعض جان کنی سے پہلے بے ہوش ہو جاتے ہیں - ان کی ایذا اوپر والوں کو محسوس نہیں ہوتی - اور کوئی کوئی اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ باتیں کرتے کرتے پھونک نکل گئی اور ہو چلے - کیا معلوم کس طرح اپنی تقدیر میں مرنا لکھا ہی اور چوں کہ بڑے سے بڑے خوف کا انجام موت ہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت بڑی ہی خطرناک چیز ہی - لیکن اے کاش مرنے سے آدمی کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو جاتا - اگر ایسا ہوتا تو سخت سے سخت جان کنی کے ساتھ سب سے پہلے مرنے کی میری درخواست ہوتی - لیکن خاتمہ کیسا - مرنے سے انسان کی ابدی اور دائمی زندگی شروع ہوتی ہی جس کا بھلا یا بُرا راحت بخش یا مصیبت مند ہونا موقوف ہی اعمال پر جو اس نے اس چند روزہ زندگی میں کئے - پس یہ زندگی بے ثبات اور غیر متیقن اور چند روزہ ہونے کے علاوہ اور انواعِ مصائب اور اقسامِ تکالیف اور طرح طرح کے ترددات سے قطعِ نظر زندگی کا ہے کو انسان کے حق میں عذاب اور وبال ہی جب کہ اُس کا نتیجہ عاقبۃً معلوم نہیں - اور بعض بزرگانِ دین سے جو یہ منقول ہی کہ وہ تمنا کرتے تھے کہ ہائے ہم درخت یا پتھر نہ ہوئے تو اس کا یہی سبب ہی - یہ تو مذہبی خیال ہی اور یوں آدمی اس کو اپنے ذہن میں نہ آنے دے تو دوسری بات ہی مگر ذرا بھی سوچے اور غور کرے گا تو ممکن نہیں کہ اس کا قائل نہ ہو لیکن یوں بھی دنیا کی زندگی قدر اور پسند کی چیز نہیں - اور کیوں قدر اور پسند کی چیز ہونے لگی جب کہ آدمی آج تخت نشین ہی اور کل پیوندِ زمین - آج صاحبِ مقدور ہی اور کل عاجز و مجبور - آج خزانہ اس کے ساتھ ہی اور کل خالی ہاتھ - آج لباس و پوشاک ہی اور کل بسترِ خاک - آج باوقعت و اعتبار ہی اور کل ذرۂ بے مقدار - آج عزیز ہی اور کل حقیر و ناچیز - آج مرجعِ معظمات الامور ہی اور کل داخلِ اصحاب القبور (یعنی آج زندہ ہی اور کل مُردہ - آج ہی اور کل نہیں) وہ کسی کا ہندی دوہرا کیسا عمدہ ہی -
چلنا ہی رہنا نہیں اور چلنا بسوے بیس + ایسے سہج سہاگ پر کَون گُندھائے سیس +

ان خیالات نے جو ارآ [illegible] کتابوں میں پڑھے اور اکثر وعظ میں سُنے تھے اُس کے [illegible] ٹھنڈے دیئے اور یہ باتیں ہیں بھی اسی قسم کی کہ ہر روز بلکہ دن میں کئی کئی با[ر] آنکھوں کے سامنے گزرتی ہیں خدا دیکھنے اور سمجھنے کی توفیق دے تو آدمی کو ایسا سیدھا بنادیں جیسے جنتری میں نکلا ہوا تار - اب آزادی نے دل میں پکا عہد کرلیا کہ خدا نے چاہا اس کے بعد سے تو میں اپنی شادی بیاہ کی نسبت کسی طرح کا فکر کروں گی نہیں - جو خدا کو منظور ہی ہو ہوا رہے گا - میں اپنی تدبیر سے پیدا نہیں ہوئی - اپنی تدبیر سے اتنی بڑی نہیں ہوئی - جو عیش و آرام مجکو اس گھڑی تک میسر ہی اپنی تدبیر سے میں نے اس کو بہم نہیں پونہچایا - جس نے اپنے فضل سے یہ سب کچھ کیا ہی کیا وہ آگے کو میری خبر نہیں رکھے گا؟ رکھے گا اور ضرور رکھے گا - یہ بھی میرے ایمان کا ضعف ہی کہ اُس پر پورا بھروسا نہ رکھ کر اپنی تدبیر کو دخل دوں - کیا [illegible] اور کیا میری تدبیر؟ قسمت اور تقدیر قسمت اور تقدیر +

ساتویں فصل آزادی مولوی مستجاب کے ساتھ بیاہی گئی اور آخر ان سے مولویتہ ٹھہرا کر رہی

وہ بھی خدا جانے کیا بات تھی کہ آزادی کی منگنی پہلے ہو گئی ورنہ مولوی لوگ منگنی کے رگڑے جھگڑے کیا جانیں - بات پکی ہوئی گئے نکاح پڑھا کر رخصت کرالائے - نہ باجا نہ گاجا نہ ڈھول نہ ڈھمکا نہ آرایش نہ آتش بازی نہ دھوم نہ دھڑکا - ایک زمانہ تھا کہ محلّے میں کسی کھاتے پیتے گھر بیاہ ہوتا تو سارے شہر میں غل مچ جاتا - ہفتوں پاس پڑوس والوں کو نقارخانے کے شور سے رات کو سونے کی نوبت نہ آتی - آتش بازی سے دس بیس کے مُونہ جھلستے - آرائش کے لُوٹنے میں دو چار کے سر ٹوٹتے - اُس وقت تو شیخی میں کچھ نہ سوجھ پڑتا پھر بیٹی والے تو ساری عمر بھیک مانگتے اور بیٹے والے بہو کا جہیز بیچ بیچ کر گزر کرتے + خدا مولویوں کا بھلا کرے کہ انھوں نے وعظ کہہ کہہ کر اس گٹھڑ کو توڑا اور خلاف شرع رسموں کو موقوف کرایا - اب کوئی خدا کا ایسا ولی پیدا ہو کہ مولویوں نے جو مسلمانوں کے پیچھے اپنے اور اپنے فضول نذرانوں کے خرچ لگا دیئے ہیں کسی طرح ان کو بند کرے تو ہم بھی اپنے جیتے جی مسلمانوں کو چٹنی کی جگہ دال کے ساتھ روٹی کھاتے ہوئے دیکھ کر ذری کی ذری خوش ہولیں - اب تو حقیقت میں لوگ

ایسے چپ چپاتے بیاہ کر لیتے ہیں کہ جب ان بچے گھٹنیوں کھسک کھسک کر گلی میں آ بیٹھتے
ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ فلانے کا فلانا ہے - ایک دن کیا اتفاق ہوا کہ ایک گلی میں برات
چلی جا رہی تھی ساتھ والوں کے گھٹنوں سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ کے تو نہیں مگر کسی
مولوی کے مقلد ہیں - اتنے میں کوئی صاحب بغلی گلی سے نکل کر نکڑ پر ٹھٹکے اور لگے کلمہ
پڑھنے - پھر آپ ہی آپ بولے لاحول ولاقوۃ - اس وقت کیا دھوکا ہوا ہے میں نے جانا
جنازے کے ساتھ ہیں ؟ آزادی کا بیاہ سیدھا سادہ ہونے کی دو وجہیں ہوئیں - اِدھر تو
مولویوں کی ڈیڑھ اینٹ کہ سُسرال مولوی - نامولوی - اُدھر باپ کے خیالات انگریزی -
مولوی تو اتنا ہی چاہتے تھے کہ کانوں کان خبر نہ ہو اور جب تک مونہ سے قبلت نہ کہے پہچان نہ پڑے
کہ ان میں دولہ کونسا ہے - باپ کی (گو اُس نے ظاہر نہیں کی) یہ رائے کہ دولہا دولھن نے
ایک دوسرے کو دیکھا نہیں جان پہچان نہیں ملاقات نہیں ایسا نکاح خلافِ عقل بعید از
مصلحت ؟ غرض آزادی کا بیاہ تو ہوا مگر جہاں تک مولویوں سے کرتے بن پڑا بے رونق +
آزادی آج کو گٹھ یا ہوتی مگر ہوتی کسی نواب کی کھلائی کی پوتی یا نواسی کے کھیلنے کی - تو
بیاہ کی سیر دیکھتے ؟ نواب صاحب بیچارے کے پلے تو اب کیا دھرا تھا - بزرگوں کے وقتوں
کے گانو - باغات - کٹڑے - گنج - معافیاں - دوکانیں سب مدتیں ہوئیں خالصے لگا چکے -
رہنے کی محل سرا تک گروی پڑی ہے - بیگم صاحب کے پاس گہنے کا تار باقی نہیں - سو سوا سو
روپے مہینے کی دوامی انگریزی پنشن تھی وہ ساہو کار کے قرضے میں نسلاً بعد نسل بطناً
بعد بطن کے لئے منتقل کر دی گئی - گٹھڑیوں پشمینے میں سے ایک دقیانوسی جامہ وار
اور ایک چار باغ رومال مگر بیسیوں جگہ سے رفو کیا ہوا - ذوریزے بچے تھے سو ایسا ہیچ
آگر پڑا کہ پچھلی گرمیوں میں آکا وبنگ کے ساتھ پتنگ لڑے وہ دونوں ریزے بھی کوڑیوں
کے مول زبردستی کسی کے سر مڑھے - خیر وہ پرانے چیتھڑے گئے تو گئے بارے بازی تو نواب صاحب

ل۱ اونچے پاجاموں کی طرف اشارہ ہے ۱۲ ل۲ یہ طنز کی بات ہے کہ ابو حنیفہ کی تقلید کو تو برا سمجھیں
اور اس زمانے کے مولویوں کے مقلد ہوں ۱۲ ل۳ مشہور کہاوت کی طرف اشارہ ہے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد
جدا ۱۲ ل۴ نکاح کے وقت مرد کو یہ لفظ کہنا ہوتا ہے جس کے معنے ہیں کہ میں نے قبول کی ۱۲

سکے ہاتھ رہی۔ ظاہرِ حال تو نواب صاحب کو کہیں سے بڑی آمد معلوم ہوتی نہیں لیکن بنیا
جو اُدھار دیئے چلا جاتا ہی بنیے کی ذات بھی بڑی ہی سیانی ہوتی ہی آخر اس نے کچھ نہ کچھ
تو سہارا دیکھ لیا ہوگا۔ آہا تیسرا برس ہی پھول والوں کی سیر کے لئے پانسو کی اشرفیاں
دو سو بدل رکھوائی تھیں کہیں اُن کا لیکھا برابر سرابر کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ سو لالہ کے کان
کھول دینا کہ یہ اشرفیاں نواب صاحب کے دادا کے وقت کی ہیں انھوں نے جناب بڑی بیگم
صاحب سے لڑ جھگڑ کر بڑی مشکل سے نکلوائیں سو بھی کس طرح کہ اپنی جوانی کی قسم کھائی کہ ہیں
بیچنے کا نہیں۔ بس ہم تو خاندانی امیروں کی اسی ادا پر لٹّو ہیں کہ کیسے ہی تنگ دست بلکہ
تہی دست کیوں نہ ہو جائیں فطری سیر چشمی اور جبلّی داد و دہش جوہر سو ہی۔ امیر اگر اصل نسل
کا امیر ہی تو اس کی نظروں میں چٹکی خاک ہی اگرچہ اکسیر ہی۔ نواب صاحب ذرا سُن پائیں کہ
دوا کی نواسی گڑیا کے بیاہ کے لئے مچل رہی ہی پھر چاہے ایک ایک کے چار چار بلکہ سو سو
اور ہزار ہزار دینے پڑیں تو پڑیں مگر دوا کا دل میلا ہو یہ کب اُن کو گوارا ہو سکتا ہی۔ اور
خدا رکھے زندہ دل بھی ایسے ہیں کہ گڑیا کے بیاہ کے ساتھ سارے مشغلے چھوڑ چھاڑ وہ تو
اسی کے سر ہو جائیں گے۔ دیوانہ را ہوئے بس ست۔ وہ تو ایسے بہانہ ڈھونڈتے پھرتے
ہیں۔ آزادی ایسے دل و دماغ کی عورۃ تھی کہ اس کی پسند کے شوہر کا ملنا تھا بھی ذرا مشکل
خدا جانے مولوی مستجاب کی کون سے وقت کی دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہو گئی تھی کہ آزادی جیسی
بی بی اُن کو ہاتھ لگ گئی۔ صورۃ اور سیرۃ ایک سے ایک عمدہ ایک سے ایک بہتر۔ مولوی صاحب
آزادی کی نظر میں جنچے تو کیا ہوں گے۔ مگر آزادی کسی بات کی تشاکی کسی مداراۃ کی فریادی بھی
نہ تھی۔ اُن میں جس چیز کی کمی رہی ہو اُس کی تلافی اس سے بخوبی ہوتی تھی کہ مولوی صاحب
بی بی کی جورو بنے ہوئے اُس کی جوتیاں سیدھی کرتے تھے۔ آزادی کہتی اُٹھ تو بے تکان
اُٹھ کھڑے ہوتے۔ وہ کہتی بیٹھ تو بے عذر بیٹھ جاتے۔ اِدھر آزادی بھی ایسی نادان
نہ تھی کہ میاں کو فرماں بردار دیکھ کر نخرے میں آجاتی اور اپنے تئیں کھینچنے لگتی۔ وہ میاں کو میاں
ہی سمجھتی اور اس کی بہت احتیاط کرتی رہی کہ آج جو میری جگہ اِن سے رہ رہی ہی ایسا نہو
کل کلاں کو اُس میں کسی طرح کا فرق آئے اور اِن کی نظر میری طرف سے پھر جائے۔ رفتہ رفتہ

دونوں میں ایسی محبت پیدا ہوئی کہ مولوینیں بھی آزادی کا رشک کرنے لگیں۔ جان پہچان میں
کہیں بیاہ ہوتا تو شگون کے لئے آزادی سے سورۂ اخلاص[1] پڑھوا کر دولہا دولہن کے مُنہ پر
دم کرواتے کہ جیسا پیار اخلاص ان دونوں میاں بی بی میں ہے خدا کرے ویسا ہی دولہا دولہن
میں بھی ہو۔ مولوی مستجاب کی زندگی تو معمولی طور کی تھی جیسے میزان و منشعب کی گردان۔
وہ کبھی اپنے حالات بیان کرتے بھی تو اسی قدر کہ میں نے اتنے دنوں میں قرآن حفظ کیا۔ پھر
فارسی پڑھی۔ پھر عربی شروع کی۔ صحاح ستہ میں بخاری کا نصف اخیر رہ گیا ہے یہ ہو جاوے تو
حدیث کی سند لوں۔ فرائض کے فتوے میں ہی لکھتا ہوں ایسا ہی کوئی بکھیڑے کا مناسخہ آیا تو
احتیاطاً دکھا لیا۔ فتاوی عالمگیری کے معاملات مجکو خدا کے فضل سے مستحضر ہیں جواب استفتار
کے لکھنے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے وعظ میں مجکو بڑی دقت پیش آئی میں مانتا تھا کہ یہ کام
اختیار نہ کروں۔ والد صاحب نے نہ مانا تو میں نے اُن ہی کی صلاح سے پہلے اپنے ہی گھر کی عورتوں
میں وعظ شروع کیا۔ عورتیں اول تو لائق کم ہوتی ہیں بلکہ نہیں ہوتیں۔ دوسرے مذہبی باتوں کو
بڑی عقیدۃ سے سُنتی ہیں۔ رفتہ رفتہ محلّے کی عورتیں جمع ہونے لگیں۔ جب عورتوں میں میرا
ہیاؤ کھل گیا تو پھر شہر کے گرداگرد کے دیہات میں جا جا کر وعظ کہنے لگا۔ جیسے سبزی منڈی اور
پہاڑ گنج۔ اور اب تو خدا کے فضل سے جامع مسجد کے بیچ کے در میں جمعے کے جمعے وعظ ہوتا ہے۔
اور لوگ گھروں میں بھی بُلانے لگے ہیں۔ صرف و نحو منطق اور فقہ کے بھی چھ سات سبق ہوتے
ہیں۔ غرض رنگ جمتا چلا ہے۔ مستجاب کے پاس آور تھا بھی کیا کہ وہ آزادی کے سامنے بیان کرتا۔
مگر آزادی کی داستان بڑی لمبی تھی کہ وہ پہروں اپنے ماباپ کے اختلافات کو بیان کرتی۔
اور گھنٹوں اپنے ذاتی خیالات میں مستجاب کو مشغول رکھتی۔ یہاں تک کہ آزادی کی باتیں سُن سُن کر
مستجاب کے دل میں مولویت کی طرف سے نہیں بلکہ مولویت کے پیشے کی طرف سے از خود ایک نفرۃ سی
پیدا ہوئی۔ اگر آزادی کی یہی غرض تھی تو واقع میں اُس نے بڑی عمدہ تدبیر سوچی۔ اُس نے
منصبِ ناصح نہیں اختیار کیا جس سے سننے والوں کی طبیعت میں ضد اور مخالفت پیدا ہو قصہ کہانی
کے طور پر بات بھی کہہ گزری اور دل بھی نہ دُکھایا۔ نفرۃ سے پیدا ہوئی بے دلی اور بے دلی

[1] یعنی قل ہو اللہ ۱۲

معمولات میں آیا فرق - لگے وعظ ناغہ اور سبق گنڈہ دار ہونے - یا تو دھوتوں کے بارے میں
یہ اہتمام تھا کہ گویا حق العباد میں سے ہی ایک حق ہے جو کسی وقت اور کسی حالۃ میں ساقط نہیں
ہوسکتا یا اب طبیعۃ لگی چلنے اور بہانے ڈھونڈنے - جس طرح مرثیہ خوانوں کے ساتھ بسوریئے لگے
رہتے ہیں کہ ذاکر صاحب نے گنگنانا شروع کیا اور بسوریئے لگے ڈاڑھیں مارنے - اسی طرح
واعظوں کے ساتھ بھی مجلس وعظ کے گرم کرنے کے لئے چند بنائے ہوئے مرید خاص ہوتے ہیں مولوی
صاحب منبر پر تشریف رکھتے ہیں جیسے کوئی بادشاہ تخت سلطنۃ پر - اور ان میں سے کوئی پنکھا جھل رہا
ہے - کوئی مگس رانی کر رہا ہے - کوئی سامنے مودب آنکھیں بند کئے ہوئے بیٹھا جھوم رہا ہے اور کبھی کبھی
لال لال دیدے نکال کر بیچ بیچ میں موقع بے موقع سبحان اللہ بھی کہہ اٹھتا ہے - ایک کے پاس
اگالدان ہے - دوسرے کی تحویل میں صراحی - تیسرے کی بغل میں دبیئے تو شبہہ ہوا کوئی کتاب ہوگی پھر
معلوم ہوا نہیں) حضرۃ کی نعلین ہیں - اور چوتھا آدمی ہے جو پس پشت منبر کے قریب حضرۃ کی چھڑی
اس شان سے لئے کھڑا ہے جیسے ہارون عصائے موسیٰ - اگر وعظ میں لوگ کم آئے ہیں تو کچھ پروا
کی بات نہیں گھر ہی کے براتی بہتیرے ہیں - سلسلۂ سخن تو منقطع ہوتا ہے مگر بسوریوں کے متعلق
ایک مزے کی حکایۃ یاد آئی ہے بدون کہے رہا نہیں جاتا - جونپور میں ایک میر صاحب تھے - تھے تو
زمیں دار مگر اوپر تلے دو چار فصلیں بگڑیں - سرکار نے اپنی باقی کھڑے کھڑے وصول کر لی کاشتکاروں
سے ان کا ملا نہیں - زمیں دار کی اوقات کیا ایسے ٹوٹے کہ پھر نہ پنپے - مرتا کیا نہ کرتا آدمی تھے خوش آواز
مرثیہ خوانی اختیار کر لی - محرم کے محرم تعزیہ داروں سے کچھ مل ملا جاتا اُسی میں اگلے برس
تک تنگی ترشی سے گزر کرتے - قصبے میں ان کی کچھ زمین تھی اُس میں رعایا کے طور پر جولاہوں
کو بسا رکھا تھا - میر صاحب نے دو چار جولاہوں کو گانٹھ کر بسوریا بنایا اور ان کو پٹی پڑھا دی
کہ ساری ساری رات گھر میں پڑے پڑے کیا کرتے ہو میرے ساتھ مجلسوں میں چلا کرو جس وقت
مجھکو پڑھتا سنا رونے لگے - رونے والے کا حصہ دوہرا ہوتا ہے - زمیں دار کے کہنے کا پاس دوہرے
حصے کا لالچ جولاہے خوشی خوشی راضی ہوگئے - میر صاحب کے ساتھ مجلسوں میں جا کر رونے
اور چلانے اور مزے میں دوہرے دوہرے حصے باندھ کر لاتے - ایک دن کیا اتفاق ہوا
کہ ایک مجلس میں پہنچے - میر صاحب کو تو ذاکر ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اندر بلا لیا بسوریئے

جولاہے اَور لوگوں کے ساتھ باہر صحن میں تھے۔ مجلس کے شروع ہونے میں ، وجہ سے ہوئی دیر
جولاہوں کو اتنا ضبط کہاں۔ لگے آپس میں صلاحیں کرنے کہ آج یہ ماجرا کیا ہی؟ آخر ایک نے چاہا کہ
خود میر صاحب سے جا کر پوچھے۔ اُن تک پونہچنے کا موقع نہ تھا۔ کھڑے کھڑے اس کو خیال آیا
کہ آج کہیں چپ چپاتی مجلس نہ ہو تو پکار کر میر صاحب سے پوچھتا ہی کہ میاں جی روؤں؟
باوجودے کہ عزاداری کی مجلس تھی اور بسوریوں کا ہونا بھی سبھی کو معلوم تھا بناوٹ کا رونا کہیں
چھپ تھوڑا ہی سکتا ہی لیکن جولاہے کا روؤں سن کر سب اہل مجلس بے اختیار ہنس پڑے
یہاں تک کہ میر صاحب بھی۔ اُنھوں نے شرمندگی اُتارنے کو اپنے ہم پیشوں سے اتنا تو کہا کہ جیسا
میں عطائی مرثیہ خوان ہوں ویسے اناڑی رونے والے۔ غرض جس دن سے مولوی مستجاب نے قرول
میں وعظ کہنا شروع کیا ان کے والد مولوی ناصح نے اسی طرح کے اپنے سدھائے ہوئے کئی گرگے
ان کے ساتھ کر دیئے تھے۔ مستجاب کے وعظ ناغہ ہونے سے پہلے بھی شکست پڑ چکے تھے۔ گرگے
بلا کے تاڑنے والے مولوی صاحب سے کہنا شروع کیا کہ نکاح کے بعد سے صاحبزادے کی طبیعة
کچھ اُچاٹ سی معلوم ہوتی ہی۔ ادھر مولوی ناصح نے خلاف عادة گھر میں دوسرے تیسرے مستجاب
کے لئے کھانا پکتے ہوئے بھی دیکھا۔ کھٹکے اور بیٹے سے پوچھا کیوں صاحب یہ کیا طریقہ ہی؟ دوکان
جمانے کے تو یہ ڈھنگ نہیں۔ جامع مسجد اور جامع مسجد میں بھی بیچ کا در آج واعظ کے لئے معراج
ہی۔ میں نے اپنی برسوں کی جمی جمائی ٹھیری تمھارے حوالے کی۔ چوں کہ بے زحمة تم کو مل گئی تم نے
اُس کی یہ قدر کی کہ دو دو جمعے ندارد۔ اور جاتے بھی ہو تو کیا جاتے ہو میں تو جانتا ہوں اتنی دیر میں
اطمینان کے ساتھ پاؤ رکوع کا ترجمہ بھی پورا نہیں ہوتا ہوگا۔ برخوردار اٹھارہ برس دو دوپہر برابر
اسی جگہ وعظ کہا ہی۔ ذری کی ذری بیچ میں نماز عصر کے لئے دم لیا اور پھر وعظ۔ معمول تھا کہ
رمضان میں سیپارہ شروع کیا اور اتنا گھسیٹا گھسیٹا کہ مارا مار کر کے اگلے رمضان تک ایک
سیپارہ ہوتا تھا۔ تمھارا وعظ کیا ہی لڑکوں کا پالا چھوتا ہی۔ تم کون وقتوں کے آئے ہوئے ہو
اور ابھی نماز عصر میں بڑی دیر پڑی ہی۔ اتنے میں تم گئے بھی آئے بھی نماز بھی پڑھی اور وعظ
بھی کہا۔ کہیں طی اللسان کا عمل تو نہیں سیکھ لیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ دعوة میں جانے سے
تم کچھ جان سی چراتے ہو۔ اس سے بڑھکر بھی کوئی ناشکری کی بات ہوگی کہ خدا تم کو بے زحمة

بے مشقت ایسی ایسی نعمتیں مفت کھانے کو دے اور تم یوں بے قدری سے اُن کو لات مارو۔ اس سے
تم نے اپنے پندرہ بیس وقتوں کا نقصان کیا سو کیا خوف ہی کہ ہمیشہ ہمیشہ کا نقصان نہ کر بیٹھو۔
برخوردار لوگوں کے دلوں کو مسخر کرنا آسان کام نہیں ہی اس کو چاہیئے محنت۔ استقلال ضبط۔ متانت۔
تالیفِ قلوب۔ تم نے ابھی سے وہ شیوہ اختیار کیا ہی کہ اگر میں لوگوں سے تمھاری طرح بے اعتنائی
کرنے لگوں تو تھوڑے ہی دنوں میں کوئی پاس آن کر نہ پھٹکے۔ اور تم تو کی آمدی و کی پیر شدی
اب تم بچے نہیں رہے زمانے کے رنگ کو دیکھو وقت کی حالت پر نظر کرو کہ ہم مولویوں کو کیسی کیسی
مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ نصاریٰ کی عملداری کہ یہ لوگ کھلم کھلا تو کسی کے دین و مذہب سے
تعرض کرتے نہیں لیکن تعلیم کا ایسا ڈھنگ نکالا ہی کہ لوگوں کو خود بخود دین سے نفرت ہوتی جاتی
ہی۔ ظاہر میں کسی پر جبر نہیں زبردستی نہیں مگر اس سے زیادہ اَور کیا جبر ہوگا کہ مدرسے کا امتحان
پاس کئے بدون کسی کو نوکری نہیں ملتی۔ چار و ناچار مدرسے میں داخل ہونا پڑتا ہی۔ اور اگرچہ
مدرسے کی کتابوں میں کوئی بات خلافِ مذہب دیکھنے میں نہیں آئی مگر خدا جانے کیا تاثیر ہی کہ مدرسے
کا پڑھا ہوا اوّل تو مذہب پر قائم نہیں رہتا اور شاذ و نادر کوئی رہا بھی تو قسم کھانے کی بات ہی کہ
مولویوں کے بس کا نہیں رہتا۔ جس کو دیکھو مولویوں سے بدگمان۔ مولویوں کے ساتھ خدا واسطے
کی عداوت۔ مولویوں کی بیخ کنی پر آمادہ۔ تو اگر نظرِ غور سے دیکھو سرکاری انتظام کا لب لباب
یہ ہی کہ ہم مولوی روے زمین کے پردے پر نہ رہنے پائیں لیکن ع دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست
نہ بیچ میں تو مولوی کسی قدر جھول سے بھی گئے تھے ان پر وہابیت کے الزام لگا کر انگریزوں کو برہم
کیا۔ انگریزی خوان مسلمانوں نے بہت سر اُٹھایا۔ پادریوں نے بڑے زور مارے۔ لیکن
چاروں طرف سے حملے ہوتے ہوئے دیکھ کر خود بخود لوگوں میں جوشِ مذہبی پیدا ہوا۔ تائیدِ اسلام
اور اعانتِ اسلام اور رعایتِ اسلام اور حمایتِ اسلام کے نام سے جگہ جگہ انجمنیں قائم ہوئیں۔
قصبوں قصبوں اور شہروں شہروں انجمنوں کے واعظ گشت اور دورے کرنے لگے۔ دفتر
دفتر مذہبی مضامین اور لکچر اخباروں اور رسالوں میں چھپے۔ بچوں کے لئے مناسب وقت
بہت سی کتابیں نئی نئی بن گئیں۔ تاکہ دنیاوی معلومات کے ساتھ ساتھ احکامِ دین سے
بھی آگہی ہوتی جائے۔ مبتدی لڑکے دین سے بے خبر مذہب سے ناواقف جو دن بھر تاریخ اور

جغرافیہ رٹیں - پھر پہر رات گئے تک حساب میں غلطاں پیچاں رہیں اور تمام عمر تحصیل میں عقائد کی بھنک تک اُن کے کان میں نہ پڑے بے دین نہ ہوں تو تعجب لا مذہب نہ بنیں تو اچنبھا یہ تمام چرچے جو تم دیکھتے ہو اور سُنتے ہو ہم مولویوں کے حق میں فال نیک ہی - ان سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ ایک بار پھر مولویوں کی قدر و وقعت ہوا اور ہوا اور اب نہیں ہی تاہم معاش کا کوئی اَوْر ذریعہ اس سے بہتر نہیں - لوگ ان مدرسے والوں کی طرف سے بڑے ہی دھوکے میں پڑے ہیں ایک عالم اس خبط میں گرفتار ہی کہ فارغ البالی بے نوکری کے ہونی ممکن نہیں اور نوکری بے مدرسے کی تعلیم کے - ابھی ہمارے ان اضلاع میں تو نہیں لیکن مدراس میں جہاں سب سے پُرانی عمل داری ہی فی الواقع بعض بی اے خدمتگار بلکہ سائیس بھی ہیں - بمبئی کلکتے میں انٹرنس پاس دس دس روپے کی نوکری کے لئے حیران سرگردان پڑے پھرتے ہیں اور نہیں ملتی - ہمارے یہاں مڈل جیسا بے قدر اور کس مپرس ہی غالباً تم بھی جانتے ہوگے - اور تم کو کچھ ان کی زحمتوں کی بھی خبر ہی - محنت کرتے کرتے مڈل والے اکثر مبہوت ہو جاتے ہیں - انٹرنس والے ویسے ہی - بی اے سٹری - ایم اے از کار رفتہ - مولویت میں بڑی خوبی تو یہی ہی - زحمت کم بلکہ سچ پوچھو تو کچھ بھی نہیں اور کام یابی متیقن - اگر آدمی اتنی بھی شُد بُد رکھتا ہو کہ اُردو پڑھ سکے چاہے لکھنا بھی نہ جانتا ہو اُس کو بھی اس پیشے میں روٹیوں کی کمی نہیں اور روٹیاں بھی جوار باجرے کی نہیں بلکہ شیرمال اور باقرخانی +

مولوی ناصح تو بڑے پُرانے مشاق واعظ تھے اور خود کہتے تھے کہ ایک سیپارے کو برس روز تک گھسیٹتا ہوں ایسے آدمی کو بولنے کے لئے ایک بہانہ کافی ہی اور جب بولنا شروع کیا تو پھر کیا رکتا ہی - ناصح تو عشا تک بھی چُپ نہ کرے مگر اتنے میں موذن نے آواز دی کہ حضرۃ جماعۃ طیار ہے - ناصح تو نماز کے لئے تشریف لے گئے اور مستجاب نے تمام قصہ اُستانی کی اُستانی بیوی کی بیوی آزادی بیگم کے روبرو جا دُہرایا - اور آج میاں بی بی کی گفتگو میں مولویت کا فیصلہ ہو گیا - آزادی نے شُبہے کی تقریر سُن کر کہا کہ مولوی صاحب نے کچھ بے جا بات تو نہیں کہی - اس میں شک نہیں کہ مدرسے کی پڑھائی میں محنت تو بڑی ہی - میری اماجان کے ماموں زاد بھائی کو تو تم جانتے ہو جنھوں نے انگریزی میں امتحان دے کر کوئی بڑے سے بڑا خطاب حاصل کیا ہی

دماغ اس قدر ضعیف ہوگیا ہی کہ کتاب دیکھتے وقت [illegible] بارہ مہینے بیمار - [illegible] نہیں -
[illegible] دن درد سر سے نجات نہیں - یہ عمر ہی کہ بڑے بھائی کے دائیں وار ہیں مگر سر کے
بال کھچڑی ہوگئے ہیں - اور شاید دو تین ڈاڑھیں بھی ہلتی ہیں - نگاہ ایسی کمزور ہی کہ سوتے
میں بھی عینک لگائے رہتے ہیں - ڈپٹیوں کی نوکری کے لئے شاید اور امتحان کی ضرورۃ ہی
بیچارے کتاب نہیں دیکھ سکتے اس پر بھی دو سال برابر لاہور گئے دونوں دفعہ فیل - اور اور
نوکریاں ملتی ہیں محنت یا کمی تنخواہ یا پردیس کی وجہ سے پسند نہیں کرتے - ناچار یہیں کے
مدرسے میں چالیس پچاس کی نوکری کر لی ہی - ان کا یہ حال دیکھ کر ہماری ننھیال کے لوگ کچھ ایسے
ڈر سے گئے ہیں کہ اب وہاں کوئی مدرسے کا نام بھی نہیں لیتا - اور در واقع میں ایسی تعلیم کو لے کر
کیا چولھے میں ڈالنا ہی کہ آدمی اپنی جان کی جان ہلاک کرے اور انجام کار یہی چالیس پچاس -
اتنا اور اس سے زیادہ تو مولوی سوتے بیٹھتے کما لیتے ہیں - اور تمھاری آمدنی کا حساب لگایا جائے
تو میں جانتی ہوں کہ اس قدر یا اس سے کچھ ہی کم تم کو بھی پڑتا ہوگا - اور ابھی کئی دن ہوئے
مستجاب - یہ سب سچ ہی مگر میں اس کمائی کو پسند نہیں کرتا جب سے میں نے تمھارے والد
کے اعتراضات تمھاری زبان سے سُنے ہیں میرا دل اس پیشے سے کچھ ایسا کھٹا ہوا ہی کہ نہ تو مجھ سے
وعظ کہا جاتا ہی اور نہ میرا جی دعوۃ میں جانے کو چاہتا ہی - لوگ تو ظاہر میں میری تعظیم کرتے
ہیں اور میں اپنی نظروں میں آپ تھوڑا تھوڑا ہوا جاتا ہوں - آج کوئی پانچویں چھٹے دن کا ذکر
ہی کہ میں والد کے ساتھ دعوۃ میں گیا - طالب العلموں کی بھی دعوۃ تھی - سب لوگوں نے
کھانا کھایا - اور ہم دونوں باپ بیٹے معمول کے مطابق طالب العلموں میں کھڑے ٹہلتے
رہے تو میں نے دیکھا کچھ لوگ صحن میں باہر بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے ہیں اور ہماری
طرف کو دیکھتے جاتے ہیں - میں نے کان لگا کر سنا تو ایک شخص کہہ رہا تھا کیا بے تمیزی کی بات
ہی مولوی صاحب کی تو بات بھی نہ پوچھی طالب العلموں کو کھلانا شروع کر دیا - دوسرے نے
جواب دیا بھائی تم کو معلوم نہیں مولوی لوگ دعوۃ میں کھانا نہیں کھایا کرتے - ان کا حصہ الگ
گھر جاتا ہی - یہ سُن کر جتنے بیٹھے تھے تا بدبرکن انکھیوں سے ہماری طرف دیکھ دیکھ کر
ہنستے رہے - اس سے بڑھ کر بے عزتی کی معاش اور کیا ہوگی - اگرچہ ہم کو نکلتے ہوئے دیکھ کر

وہ لوگ بھی ہماری تعلیم کو کھڑے ہوئے جو ہم پر ہنس رہے تھے۔ مگر تم سمجھ سکتی ہو کہ ایسی جھوٹی اور منافقانہ تعلیم سے کیا خاک خوشی ہو سکتی ہی۔ میرے نزدیک مولویتہ کے ذریعے سے معاش پیدا کرنا کسی طرح اور کسی پیرایے میں کیوں نہ ہو فی نفسہ بے عزتی کی بات ہی۔ مانگ کر لینا اور صورۃ سوال بنا کر لینا لینے کا نام لینا۔ میں دونوں میں کچھ فرق نہیں سمجھتا۔ جو لوگ ہم کو دیتے ہیں وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں۔ وہی دو ہاتھ دو پانو اُن کے وُہی دو ہاتھ دو پانوں ہمارے۔ ہم کیوں کسی کے دست نگر ہوں اور کس لئے اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالیں۔ آزادی۔ یہی اعتراض تو ابا جان بھی کرتے تھے مگر اما جان اس کا یہ جواب دیتیں کہ جس طرح اَوْر نوکریاں ہیں اسی طرح کی نوکری مولوی گری بھی ہی۔ اَوْر اَوْر کام نہ کئے لوگوں کو دین کی تعلیم و تلقین کی۔ اگر نوکری میں بے عزتی نہیں پیشے میں بے عزتی نہیں محنت مزدوری میں بے عزتی نہیں تو مولویتہ میں کیوں ہونے لگی۔ مستجاب۔ یہ مولویوں کی من سمجھوتی ہی۔ ساری دنیا جانتی ہی اور خود مولویوں کو بھی معلوم ہی کہ مولویوں کو جو کچھ دیا جاتا ہی صدقہ اور خیرات اور للہ سمجھ کر دیا جاتا ہی۔ سو میں اس عار کو گوارا نہیں کر سکتا۔ آزادی۔ بے شک یہ ہیچ تو آگر پڑا ہی ورنہ پیشہ تو بڑا شریف تھا۔ مستجاب۔ شرافت علم میں تو کلام نہیں مگر اس پیشے میں دو بڑے نقص ہیں۔ اول ریاکاری کہ ایسی بُری بلا ہی کہ یُوں بھی آدمی کو خیال آ ہی جاتا ہی اور مولویتہ کے پیشے میں پڑ کر ریا سے بچنا ایسا ہی مشکل ہی جیسا کوئلوں کی دوکان میں رہنا اور مُونہ کو کالا نہ ہونے دینا۔ دوسرے جب نظر پڑے گی دوسروں کے عیوب پر۔ وعظ و نصیحت اور عیب جوئی لازم و ملزوم ہیں۔ اور اس سے پیدا ہوتا ہی عُجب کہ آدمی اپنے تئیں بہتر اور برگزیدہ سمجھنے لگتا ہی۔ بس شاید وہ دوسروں کے سنوارنے کی کوشش کرتا مگر آپ بگڑتا جاتا ہی۔ میں عالموں کی شان میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر میں کیا کروں میں اپنے نفس پر مطمئن نہیں ہوں۔ آزادی۔ لوگوں کو ہدایت ہوتی ہی۔ خدا کی نافرمانی سے بچتے ہیں۔ بھٹکے ہوئے راہ راست پر آتے ہیں۔ یہ کیا کچھ کم ثواب کا کام ہی۔ مستجاب۔ سچ ہی مگر میرے نفس کا بھی مجھ پر حق ہی جس کی مجھ سے باز پرس ہونی ہی۔ وُہی وقت جو دوسروں کی اصلاح میں صرف کرتا ہوں اپنی ہی درستی میں کیوں نہ صرف کروں اور اگر میں اس کام کو کار ثواب سمجھ کر کروں تو سبحان اللہ بڑی عمدہ بات ہی مگر اس کا وہی مطلب

ہو کہ اس کو ذریعۂ معاش نہ ٹھیراؤں پیشہ نہ بناؤں۔ آزادی۔ تم نے اپنے یہ خیالات مولوی صاحب پر بھی ظاہر کیئے۔ مستجاب۔ مولوی صاحب نے مجکو بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ انھوں نے جو کہنا شروع کیا بس ایک تار باندھ دیا۔ اتنے میں نماز کے لئے طلبی آئی سیدھے اُٹھ کر چلے گئے۔ آزادی۔ اُن کو یہ شبہہ ہوگا کہ تم سے محنت نہیں ہوسکتی بلکہ تمھارے ساتھ مجکو بھی سمیٹ لیں تو تعجب نہیں۔ مستجاب۔ جو خیال بے اصل محض ہو زیادہ دن تک ٹھیر نہیں سکتا۔ میری بعد کی کارروائی ان کو ضرور متنبہ کردے گی کہ اُن کا خیال غلط تھا۔ آزادی۔ متنبہ کردے گی یا اَور اس خیال کو جماوے گی دن رات گھر میں رہو گے آتے جاتے دیکھیں گے تو ضرور جی میں کہیں گے کہ بس گھر میں پڑے رہنے کے مزے ہیں اور میں تم سے بات کہوں صاف اگر اُن کو سارا خرچ بھی گران گزرنے لگے تو تعجب نہیں۔ ماں باپ پر بار ڈالنے کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔ پس اگر تم نے مولویت کا ترک کرنا ٹھان لیا ہے تو یہ بھی سمجھ لینا کہ مولوی صاحب ہمارے روادار ہونے والے نہیں۔ اور یہ کوئی الزام کی بات بھی نہیں آخر تابکے۔ مستجاب۔ یہ میں خوب سمجھتا ہوں۔ اور تم اتنا تو سوچو کہ میں جو مولویت سے گریز کرتا ہوں تو کیوں۔ صرف اس وجہ سے کہ طبیعت لوگوں کے احسان کی متحمل نہیں۔ پس والد کا یہ احسان میں کب گوارا کرسکتا ہوں کہ وہ میرے مصارف کے متکفل ہوں خصوصاً اس حالت میں کہ اُنھوں نے میرا بیاہ کر دیا۔ اپنے خیال کے مطابق مجکو روٹی کما کھانے کا ہنر سکھا دیا۔ اور سچ پوچھو تو روٹی کے حیلے سے لگا دیا اب اگر اُس حیلے سے میں روٹی کمانی نہ چاہوں تو یہ میرا قصور ہے نہ اُن کا۔ جس وقت سے میرے دل میں اس پیشے کی طرف سے کراہیت پیدا ہوئی اُسی وقت سے میں نے علیحدگی ٹھان لی۔ اور اتنے دنوں بھی تامل کیا تو تمھاری وجہ سے کہ دیکھوں تمھاری کیا رائے ہے۔ مالک مطبع محمدی سے اور مجھسے پُرانی ملاقات ہے معرفت کے درجے سے بڑھی ہوئی اور مجکو معلوم ہے کہ بھوپال کے نواب صدیق حسن خاں اپنی کتابیں اسی مطبع میں چھپواتے ہیں اور وہاں تحشیہ اور تصحیح کے لئے ایک عربی دان آدمی کی ضرورت ہے بالفعل بیس روپے تنخواہ ہے مگر بتدریج پچاس تک ترقی ہوسکتی ہے۔ میں اپنے پندار میں اس کام کو بخوبی انجام دے سکتا ہوں ہر طرح کی کتابیں نظر سے گزرتی رہیں گی میری استعداد بھی بڑھے گی۔ اگر تمھاری صلاح ہو تو میں یہ نوکری کر لوں انتظام خانہ داری کو تم سوچ سمجھ لو۔ آزادی۔ ایسی

کون سی لمبی چوڑی خانہ داری ہے جس کے انتظام میں دقت ہو گی اس کا تو تم خیال بھی نہ کرنا - رہی
نوکری ظاہر حال ہر طرح پر عمدہ ہے کام بھی تمہاری طبیعت کے مناسب ہے ایک بڑی سرکار کے توسل
کا ذریعہ ہے آیندہ کی ترقی کے لحاظ سے تنخواہ بھی کچھ ایسی تھوڑی نہیں - صرف اتنی بات ہے کہ ایک
دوست کی ماتحتی ہے دوستی میں برابری کا داعیہ ہوتا ہے نوکری میں وہ داعیہ قائم رہ نہیں سکتا -
مستجاب - وہ کام جو مجھ کو کرنا پڑے گا اُس میں مالک مطبع کو کچھ دخل نہیں ان کی ماتحتی صرف
برائے نام ہے - اصلی تعلق تو نواب صاحب سے رہے گا - اور اگر ایک دوست کی ماتحتی ہو بھی
تو اس سے بدارج بہتر ہے کہ ایک ایک دو دو روپے یا ایک ایک دو دو وقت کے کھانے
کے لیے ہر کس و ناکس کا احسان مند ہونا پڑے - آزادی - ایک خیال مولوی صاحب کی ناراضمندی
کا بھی ہے - تمہاری نوکری شاید ان کے مزاج کے خلاف ہو - مستجاب - شاید کا کیا محل ہے ؟
نوکری یقیناً اُن کو ناپسند ہو گی مگر مجبوری ہے - اپنے لئے ذریعہ معاش کا متعین کرنا میرا کام ہے
البتہ اس قدر ضرور ہے کہ خلاف شرع نہ ہو اور خاندانی تعزز کو بٹہ نہ لگے - سو ان دونوں میں سے
کوئی سی بات بھی نہیں - اور پھر باپ کی ناراضمندی کیا ؟ دو چار دن ناخوش رہ کر آپ ہی مہربان
ہو جائیں گے - اور جب اُن کو میری وجوہ معلوم ہوں گی تو عجب نہیں دل میں قائل بھی ہوں ✠

آٹھویں فصل مولوی مستجاب نوکر ہو کر بھوپال گئے - نوکری کی کیفیت

الغرض مستجاب نے مطبع کی نوکری کر لی اور چونکہ باپ کے حکم کے نہیں بلکہ ان کی رائے کے
خلاف کی تھی اُس کو ایسی اچھی طرح نباہا جو نباہنے کا حق تھا - اور چھ مہینے نہ گزرنے پائے تھے
کہ مولوی صاحب کے پچاس ہو گئے - کچھ عرصے کے بعد تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ نواب صاحب
گویا ڈھانچ بنا کر کھڑا کر دیتے اور مولوی مستجاب تحشیے[۱۵] سے اُس میں جان ڈالتے - نواب صاحب
کی کتنی کتابیں ایسی دیکھنے میں آئیں کہ مولوی مستجاب کی تقریظ لب لباب اور نفس کتاب پھوک -
حواشی دلچسپ ہیں اور متن خبر - مولوی مستجاب کی نوکری کے تیسرے برس نواب صاحب نے
ایک بڑے معرکے کی کتاب لکھنے کا ارادہ کیا اور چاہا جتنے بڑے بڑے مسائل ہیں جیسے تقلید

[۱۵] تحشیہ - حاشیہ چڑھانا [illegible]

ائمۃ - رفع یدین - آمین بالجہر - طریقۂ صوفیہ - بیعت - جہاد - ربوا - تشبہ بالنصاریٰ -
مواکلۃ بالنصاریٰ - اولوالامر وغیرہ وغیرہ کوئی اس کتاب سے چھوٹنے نہ پائے - اور
یہ کتاب ایسی جامع ہو کہ چودھویں صدی کے مسلمانوں کو اس کے ہوتے کسی اور دینی کتاب
کی حاجت باقی نہ رہے - یہ اتنا بڑا قصد تھا کہ اکیلے نواب صاحب سے اس کی تکمیل قریب دشوار
سی تھی اور مولوی مستجاب سے بہتر مددگار کا ملنا اُس سے زیادہ دشوار - آخر مولوی صاحب
کی طلبی کا تار آیا اور تار کے ساتھ زاد راہ - اور بعد کو خط میں تفصیل لکھ آئی کہ تمہارے بلانے
سے یہ غرض ہے - سو روپیہ تنخواہ - کھانا اور رہنا سرکار کے ساتھ - کئی شخصوں نے بھوپال
سے یہ بھی لکھا اور کچھ دیکھ سمجھ کر ہی لکھا ہوگا کہ سرکار تمہاری پرداخت کی طرف اس قدر ملتفت
ہیں کہ عجب نہیں آنے کے ساتھ قاضی القضاۃ کی خدمت پر مامور فرماویں - اور یہاں خاص خاص
لوگوں کی بھی یہی رائے ہے - یہ سب ترغیبات ایک طرف تھیں اور بی بی کی مفارقت ایک
طرف - مولوی مستجاب انکار کرنے ہی کو تھے کہ لوگوں نے سمجھایا کہ یہاں سے اُدھر بھوپال تک
ریل ہی صرف ایک شبانہ روز کا سفر - مسلمان کی عملداری - رئیسہ کا شوہر سیاہ و سفید کا مختار
کل یوں بآرزو بلائے اور جانے میں تامل کیا جائے اپنی سمجھ میں تو نہیں آتا - ایسے مواقع
ہمیشہ نہیں ملتے - تنہائی کا خیال ہے تو گھر کے لوگوں کو ساتھ لیتے جائیے - یا وہاں کا رنگ ڈھنگ
دیکھ کر بلوا بھیجئے - کیا معلوم آپ کی ذات سے کس کس کو نفع پہنچانا منظور ہے کہ خدا نے اپنی
قدرت سے یہ سامان کیا ہے - جائیے اور بے تامل جائیے اور ضرور جائیے اور جلد جائیے - ساری
دنیا اگر جائیے جائیے کرتی تو مولوی مستجاب گھر سے نکلنے کی ہامی نہ بھرتے - مگر بی بی سے صلاح لی
اور اُن کے لئے اصل میں اُسی کی صلاح صلاح بھی تھی تو آزادی نے کہا کہ میں اندرونِ دل سے
تو رضامند نہیں ہوں مگر کیا مرد کیا عورت - کیا اپنے کیا بیگانے سبھی نے تو میری جان کھا رکھی
ہے کہ کہیں بھیج بھی چکو - میں نہیں جانتی لوگوں کو ایسی کاہے کی جلدی ہے؟ اور تم جاتے
کے ساتھ ساری دلی کو ایسے کیا بھاگ لگا دو گے کہ جو آتا ہے یہی پوچھتا ہوا آتا ہے - ابھی گئے
نہیں؟ اصل خیر سے کب سدھار رہے ہیں گے؟ کہیں خدا نہ کرے منع تو نہیں کر بھیجا؟ جانے
کی صلاح بھی تو ہے نہ؟ پھر اس ہفتے کو یا جمعرات کو؟ ایسی حالت میں کہ جب ساری دنیا

ایک زبان جاؤ جاؤ بول رہی ہی- میں اکیلی سب کے خلاف کیوں کر کہوں کہ نہ جاؤ؟ ابھی تک آقروں کی تو کیا کہوں خود مولوی صاحب اور اماں جان سب کو یہی شبہہ ہی کہ میں نے کہہ کہہ کر وعظ چھڑایا- میں نے کہہ کہہ کر نوکری کرائی- بارے شکر ہی کہ نوکری میں کوئی اتفاق بد پیش نہیں آیا ورنہ لوگ تو مارے طعنوں کے میرا جینا دشوار کر دیتے- نہ صاحب دل پر تمھارے جانے کا جیسا کچھ صدمہ ہی سو ہی- میں تو اپنے مونھ سے کوئی ایسا لفظ نکال نہیں سکتی کہ کل کلاں کو قسم کھانے کی جگہ نہ رہے- اور میں خوب سمجھتی ہوں کہ تم سے بھی رُکا نہیں جائے گا- موقع ہی ایسا آکر پڑا ہی- جاؤ اللہ بیلی خدا کو سونپا- خدا حافظ و ناصر- میں نے میاں بی بی کے حقوق کتابوں میں پڑھے اور وعظوں میں سُنے ہیں- میرا تو لے دے کر تم پر ایک ہی حق مہر تھا اور بس سو میں تو پکارے کہتی ہوں کہ میں نے اپنا حق مہر خوشی اور رضامندی سے تم کو معاف کیا- لیکن تمھارے مجھ پر بہت سے حقوق ہیں ایسے کہ کسی بندے کے کسی بندے پر نہیں- اور میں خوب جانتی ہوں کہ میں تمھارے حقوق کی ضرور دین دار ہوں- میں نے اپنے میکے میں جا کر تمھاری غیبتیں کی ہوں گی- اور کون سی عورۃ ہی جو نہیں کرتی؟ کسی بات میں قصور شاید تمھاری ماہنوں کا ہو اور میں نے تمھاری طرف گمان بد کر لیا- شاید میں نے کوئی بے جا فرمائش کی اور تم اُس کو پورا نہ کر سکے اور میں ناحق ناخوش ہوئی- تم نے کوئی چیز لا کر دی اور میں شکر گزار نہ ہوئی- تمھاری خدمۃ کے بجا لانے میں مجھ سے کوتاہی ہوئی- ایک وقت تمھارا حکم نہ مانا- تمھارا ادب نہ کیا- ایسی ایسی سیکڑوں ہزاروں باتیں ہیں- غرض میں تو بال بال تمھاری گنہگار ہوں- اور اس وقت ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں کہ للہ مجکو معاف کرنا- زندگی کا کچھ بھروسا نہیں- کیا معلوم اب کے بچھڑے ہم پھر بھی اس دنیا میں ملیں گے یا نہیں- ایسا نہو میں تمھارے پیچھے مر جاؤں اور تمھارے حقوق میری گردن پر رہیں- معاف کیا؟ مونھ سے کہو کہ معاف کیا اور دل سے معاف کیا- آزادی نے جو ایسے دردناک طور پر رخصۃ کی تقریر کی مولوی مستجاب سے بھی ضبط نہ ہو سکا- روئے اور اس قدر روئے کہ روتے روتے ہچکی بندھ گئی- اُدھر آزادی کی یہ کیفیۃ تھی کہ ہتیرا مونھ کو بھینچتی جی کو تسلی دیتی اور خیال کو دوسری طرف مصروف کرتی ہی اُٹھ کر پانی بھی پیا ایک جگہ سے دوسری جگہ بھی ہو بیٹھی مگر طبیعۃ ہی کہ کسی طرح قابو میں

۵۷ مولوی مستجاب کے والدین مراد ہیں ۱۲

اتنی مدت میں کبھی کسی بات پر جھگڑا یا تکرار ہوا ہی نہیں - اس کو ہمہ وقت اس کی رضا جوئی منظور
اس کو اس کی خاطرداری ملحوظ - یہ اس کی مداح - وہ اس کا ثناخواں - مونہ پر کم اور پیٹھ پیچھے
زیادہ - یہ اس کو دیکھ کر نہال وہ اس سے مل کر باغ باغ - علحدگی ہوئی تو جانا کہ نرے میاں بی بی
نہ تھے بلکہ لیلیٰ مجنوں کی طرح ایک دوسرے کے عاشق زار - جدائی پیش آئی تو معلوم ہوا کہ صرف
زن و شو نہ تھے بلکہ شیریں و فرہاد کی مانند یہ اس پر قربان وہ اس پہ نثار - ہم جتنے دنیادار ہیں
ایسی ہی غلطی میں مبتلا اور اسی طرح کے دھوکے میں گرفتار ہیں - دنیا میں رہ کر طرح طرح کے
تعلقات پیدا کر لیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ہم نے ان کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہی - انواع و اقسام
کے بکھیڑے اپنے پیچھے لگا لیتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ یہ ناحق کا بوجھ ہم نے اپنے سر پر اٹھا رکھا
ہی - شاموں شام مولوی مستجاب روانہ ہوئے - آزادی نے اس رات نہ کچھ کھایا نہ پیا کچھ روئی
کچھ سوئی - صبح اٹھی تو لگی جی ہی جی میں حساب کرنے کہ بس اب دن بھر کا واسطہ آ ڈر ہی
خدا خیر رکھے تو عصر کی نماز بھوپال میں جا پڑھیں گے - اترتے کے ساتھ ایک روپیہ کا تار
دیں گے - ان شاء اللہ میں مغرب کی نماز پڑھ چکی ہوں گی یا پڑھ رہی ہوں گی کہ رسید آجائے گی
کیا بھول ہوئی ہی میں نے آج روزہ نہ رکھ لیا شام کا انتظار یوں بھی کرنا پڑے گا اور روں بھی
کرنا پڑتا - خدا نے سچ فرمایا ہی - وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا - انسان بڑا ہی جلد باز ہی - آزادی نے صبح
سے شام منانی شروع کی اور وہ دن اس کے لئے ایک پہاڑ ہو گیا کہ کسی طرح کٹتا ہی نہ تھا - آج
اس کو دنیا کے سارے معمولات بدلے ہوئے معلوم ہوئے - وہ اپنی دھن میں یہ تو سمجھتی نہ تھی
کہ آپ غلطی کر رہی ہی لوگوں کو عین وقت میں غلطی کا الزام ٹھیراتی تھی - وہ ایک دفعہ گھر کی ماماؤں
سے بگڑ کر بولی کہ تم کو اتنا خیال نہیں کہ رات کھیتل تک میرے مونہ میں اڑ کر نہیں گئی اور تم
فراغت سے بیٹھی نرٹل قافیے ہانک رہی ہو - کون وقتوں کی صبح ہوئی ہی؟ کسی کو بھی ہنڈیا
چولھے کا فکر ہی - ابھی تو رمضان میں بہت دن پڑے ہیں - مامائیں یہ سن کر سٹ پٹاسی گئیں
اور ایک برقع سر پر ڈال گوشت ترکاری لینے بازار دوڑی گئی اور الٹے پانو پھر آئی کہ اس سرے
سے اس سرے تک کسی کی دوکان نہیں کھلی - نماز ظہر کے لئے اس نے کئی بار مسجدیں پچھوایا
کہ کہیں موذن سو تو نہیں گیا - آزادی کو تو جلدی کرنے کی خیر ایک خاص وجہ بھی تھی کہ وہ

میاں کے پوہنچنے کے تار کی منتظر تھی اُس کا انتظار بھی واجب - اور اس کی جلدی بھی حق
بجانب - مگر نہیں - آدمی کی کچھ خلقۃ بھی اسی طرح کی واقع ہوئی ہی - کہ وہ ہر ایک کام کو
چاہتا ہی کہ اترسوں کا ہوتا پرسوں اور پرسوں کا ہوتا کل اور کل کا ہوتا آج اور آج کا ہوتا اب بھی
اسی دم ہو جاے - طالب العلم اس فکر میں ہی کہ کب تحصیل سے فارغ ہو اور فضیلۃ کی پگڑی میرے
سر پر بندھے - مڈل والا انٹرنس کے لیے مستعجل ہی - انٹرنس والا ایف اے کے لئے جلدی
مچا رہا ہی - نوجوان آدمی کہتا ہی کب بڑا ہوں کب بیاہا جاؤں - سر پر بال رکھواے ہیں اور دن
میں کئی کئی بار چٹکی میں پکڑ پکڑ کر دیکھتا ہی کہ کتنے بڑھے - سوداگر مال کی نکاسی کے لئے بے چین
ہی - ساہوکار سود کی قسط کے لئے بے قرار - غرض حضرۃ انسان بھی عجیب مخلوق ہیں جن چیزوں
کا ہونا ممکن ہی اُن کو چاہتا ہی کہ ہوں - اور جس کا ہونا متیقن ہی اُس کی طرف سے مطمئن
ہی کہ گویا نہیں ہوگی یعنی موت - اسی مطلب کو اسد اللہ خاں غالب نے کیا ہی عمدہ طور پر ادا کیا ہی

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے　　اُس کو چاہوں کہ نہ آئے تو بُلاے نہ بنے

آزادی کا اضطراب اور اضطرار دیکھ دیکھ کر ہم کو یہ خیال آتا تھا کہ جہاں ریل نہیں جاتی ہیں
وہاں کے لوگوں میں پیار اخلاص نہ ہوتا ہوگا - اور پیار اخلاص ہوتا ہی تو اُن کو سفر پیش نہیں
آتا ہوگا - اور سفر پیش آتا ہی تو آزادی جیسے لوگ زندہ نہ رہتے ہوں گے - بھلا ہوا کہ اُدھر مغرب
کی اذان ہو رہی تھی اِدھر خیریت سے پوہنچنے کا تار آگیا کہ آزادی نے اطمینان سے نماز پڑھی -
تیسرے دن سے لگاتار خط آنے شروع ہوئے ہر روز ایک تو ضرور اور کبھی دو بھی - مولوی
مستجاب نے لکھا کہ نواب صاحب نے مجکو اس قدر عزۃ و توقیر سے لیا کہ اُس کا عشر عشیر
بھی میرے خیال میں نہ تھا - مجکو اپنے آرام گاہ خاص میں ٹھیرایا اور گفت و گو اور نشست
و برخاست میں میرے ساتھ مدارات بالمساوات کی جاتی ہی - اور چوں کہ نواب صاحب خود
بہت بڑے عالم اور علم دوست ہیں مولوی اس کثرۃ سے جمع ہیں کہ صرف مولوی ہونا یہاں
کوئی امتیاز کی بات نہیں ہو حکایۃ واقعی ہی کہ کسی ایجنٹ نے ایک پارسی کو اپنا دباؤ ڈال کر
عدالۃ کا ناظم مقرر کرا دیا - اُس کے اجلاس کا پہلا روبکار جو نواب صاحب کی پیشی میں
آیا تو اس کے نام کے ساتھ مولوی کا خطاب تھا - دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ روبکار نویس

ایک واقف اور بڑا استعداد سا آدمی ہی اس نے دیکھا کہ جتنے عہدہ دار ناظم ہیں سب مولوی لکھے جاتے
ہیں بلکہ بڑی تنخواہ کے عملے بھی۔ سمجھا کہ مولوی منصبی خطاب ہی لازمۂ خدمتہ۔ بیچارے نے پارسی
ناظم کو بھی مولوی لکھ دیا۔ بہت دنوں تک لوگوں میں اس کی ہنسی رہی اور ہنسی کی بات ہی
تھی۔ کیوں کہ پارسی مذہب کے اعتبار سے اصل میں تو بُت پرست ہیں مگر ہندو بتہ لئے ہوئے
اور وضع اور طرزِ تمدن کے لحاظ سے انگریز۔ اور ایک ظریف نے ان کی شان میں بالکل ٹھیک
کہا کہ اگر پارسی میں سے انگریزیتہ کو تفریق کریں تو جو باقی بچے گا وہ ہندو ہوگا۔ بہرکیف پارسی
کا ظاہر انگریزوں سے ملتا ہوا ہی اور باطن ہندوؤں سے۔ اُس کو مولویتہ سے جو مسلمانوں
کا مذہبی خطاب ہی کیا مناسبتہ ؟ لیکن جب میں نے سُنا کہ انگریزی سرکار پارسیوں کو ہمیشہ سے
خان بہادر کا خطاب دیتی چلی آئی اور جب سے شمس العلمار کا خطاب ایجاد ہوا کئی پارسی
شمس العلمار بنا دیئے گئے تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ روبکار نویس کا مولوی انگریزوں
کے شمس العلمار سے زیادہ بے جوڑ نہیں + خیر یہ تو جملۂ معترضہ تھا۔ میں مولوی نہیں
ہوں مگر لوگ مجکو بھی مولوی کہہ کر پُکارتے ہیں۔ یہیں نہیں بلکہ تمھاری دلی میں بھی۔
مجکو یہ بات کہنی زیبا نہیں مگر کیا کروں میرا اصلی خیال یہ ہی کہ مولویوں کا اتنا ازدحام
اندیشے کا محل ہی اور خطر کا مقام۔ نتیجۂ عاجل تو یہ ہی کہ انتظام میں تعصب کا رنگ
جھلک رہا ہی خدا خیر کرے۔ نواب صاحب نے مجکو بلایا تو اسی غرض سے ہی کہ تصنیف
و تالیف میں ان کی پیش دستی کروں مگر کسی وقت وہ ایسی باتیں بھی کرتے ہیں جن سے
معلوم ہوتا ہی کہ کچہری کی کسی خدمتہ پر مامور کردیں تو عجب نہیں۔ سرِدست کوئی معزز نوکری
خالی شستی نہیں گئی۔ لیکن اگر ان کو میری پرداخت منظور ہوگی تو میرے لئے نئے عہدے کا تصنیف
لینا کتاب کے تصنیف کرنے سے بہت زیادہ آسان ہی۔ لوگ ایسی بہت سی مثالیں
بیان کرتے ہیں کہ اول تنخواہ نامزد ہوگئی اور پھر معمولی خدمتوں میں گنجایش نہ ہوئی تو
ئی خاص کام تجویز کر دیا گیا۔ یہاں کام سے چنداں بحث نہیں ہی جس کی جو تنخواہ مقرر ہوجاتی
ہی جاری رہتی ہی کام ہو یا نہ ہو۔ مگر میں نکما بیٹھا ہوا گھبراتا ہوں۔ یا تو کہہ سن کر کوئی کام
لوں گا یا یہاں کے دستور کے مطابق تنخواہ سے کام رکھوں گا۔ لیکن جب تک ان میں سے کوئی

ایک شق متعین ہو تمہارا بُلانا مصلحتہ نہیں سمجھتا بلکہ موقع پاکر نواب صاحب کے گوش گزار
بھی کر دوں گا - اسی لیت ولعل میں چھ مہینے گزر گئے نہ تو کتاب ہی شروع ہوئی اور نہ کچہری
کا کوئی کام ملا - دونوں وقت مزے میں سرکار کے ساتھ چکو تھبان کرو متبلے الحساب تنخواہ لو -
اور نکمے پڑے اینڈا کرو - مستجاب کہتے کہتے ملول ہو گیا - آزادی انتظار کھینچتے کھینچتے اُکتا گئی -
پر نواب صاحب وعدہ کرتے کرتے نہ تھکے - جب عرض کیا ان شاء اللہ کل - جب یاد دلایا خدا نے
چاہا پرسوں + غریب مستجاب کیا جانے بچاری آزادی کو کیا معلوم کہ ہندوستانی سرکاروں
میں فرداے قیامتہ کو کل - اور برسوں کو پرسوں کہتے ہیں - تنخواہ کی ترقی اور مصاحبتہ اور
آیندہ کی توقعات سے مستجاب اور آزادی اور دوسرے علاقہ داروں اور خواہی نخواہی زبردستی
کے امیدواروں کو جو مسرۃ پہنچی تھی روز کی ٹال مٹول آئے دن کی وعدہ خلافی سے مبدل
بناخوشی ہو گئی - توقع کی جگہ نا امیدی پیدا ہوئی اور شکر گزاری کے عوض شکایتہ - بات یہ تھی کہ
نواب صاحب بڑے عالم - بڑے لائق - بڑے تجربہ کار - بڑے مدبر - بڑے منتظم سب کچھ تھے
اور اختیارات بھی اُن کے اس قدر وسیع کہ گویا خود رئیس مستقل بالذات ہیں - لیکن ریاستہ
کی اُفتاد آج سے نہیں بلکہ شروع سے کچھ ایسی بگڑی ہوئی تھی کہ کسی تدبیر سے انتظام درست
بیٹھتا ہی نہ تھا - سیکڑوں سازشیں ہزاروں گھاتیں - جتنے مُونہ و تنی باتیں - خدا جانے
ان صحبتوں کا اثر تھا یا نواب صاحب کی طبیعتہ ہی اسی طرح کی واقع ہوئی تھی کہ چاہتے اور نہ کر سکتے
ارادہ کرتے اور رُک جاتے مزاج پر اس قدر وہم غالب ہو گیا تھا کہ ہر چیز میں شک ہر بات میں
شُبہہ - شاک[ط] ثم انہ شاک فی انہ شاک - مستجاب یہ رنگ دیکھ کر بہت ہی متاذی ہوا - مگر
آ پھنسا تھا نہ پاے رفتن نہ روے ماندن - اس نے آزادی کو وہاں کے حالات لکھے تو سہی
مگر دبی زبان سے - کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ پوست کندہ لکھوں گا تو سوائے اس کے کہ وہ
وزارۃ کو بھی حقارۃ کی نظر سے دیکھے اور کیا ہونا ہی - نوکری اور تنخواہ اور تقرب کسی چیز کی
وقعتہ تو دل میں باقی رہی نہ تھی مگر مشکل یہ آکر پڑی تھی کہ جا بھی نہیں سکتا - آمدن بارادۃ
رفتن باجازۃ - اجازۃ لے تو کیا کہہ کر لے +

[ط] شک تو کرتے ہیں پھر اس میں بھی شک ہے کہ شک ہے یا نہیں ۱۲

نویں فصل مولوی مستجاب نے بھوپال میں انتقال کیا - آزادی کی بیوگی -

مستجاب کو آئے ہوئے دسواں مہینا تھا کہ شروع شعبان سے ریاست میں رمضان کی طیاریاں ہونے لگیں
معلوم ہوا کہ رمضان بھر کل دفاتر بند رہیں گے - اور جتنے ملازم باہر کے ہیں سب کو عام اجازۃ
دی جائے گی جس کا جی چاہے رمضان اپنے گھر جا کر کرے - رہائی کے لئے قیدیوں کی فہرست
مرتب ہوئی کہ بیس بیس پچیس پچیس ہر روز بوقت افطار چھوڑے جائیں اور جو باقی بچیں
اُدھر صدقۃ الفطر تقسیم ہو اور اِدھر بندی آزاد + یہ سُن کر مستجاب کی جان میں جان آئی
کہ بس اب خدا نے نجاۃ دی - پھر اُس کو شک ہوا اور نواب صاحب کے مصاحب کو کیا اتنا
بھی شک نہ ہوتا کہ کہیں ملازم سے اہل خدمات مُراد نہ ہوں - مجھ سے تو کوئی خدمۃ متعلق نہیں
چاہا کہ لفظ ملازم کی تحقیق میں ایک رسالہ لکھ کر نواب صاحب کے ملاحظے میں گزرانے اور عقلی
دلیلوں اور نقلی روایتوں سے ثابت کرے کہ اطلاق ملازم کے لئے اہل خدمۃ ہونا شرط نہیں
مگر پھر خیال آیا کہ کیوں اتنا دردسر کیا غرض اصلی تو مخلصی ہی اور وہ قیدیوں کی فہرست
میں نام لکھوا دینے سے بھی حاصل ہو سکتی ہی - قیدیوں کی فہرست میں مولوی مستجاب کا نام دیکھ کر
نواب صاحب چونکتے اور متنبہ تو ضرور ہوتے مگر اس سے فائدہ ہی کیا تھا؟ اُن کا جو طریقہ تھا
طبیعی تھا تو اور مجبوری سے تھا تو بہر حال تھا اضطراری - لیکن اس کی نوبۃ ہی نہیں آئی -
خود نواب صاحب نے ایک دن مستجاب سے پوچھا کہیئے مولوی صاحب رمضان کہاں کرنے
کا ارادہ ہی؟ مستجاب کے دل میں تو آئی کہ جس طرح ہر بات کا گول مول جواب دینے کی عادۃ
نواب صاحب کی ہی میں بھی ایسا ہی مبہم جواب دوں کہ کم سے کم غرہ شوال تک میرا رہنا اور
جانا محقق نہ ہو - مگر اس کو تو گھر کی لَو لگی تھی بے ساختہ بول اُٹھا اَلرَّمَضَانُ[له] فِی الْاَوْطَانِ
مَعَ الْاَہْلِ وَالْخِلَّانِ - مستجاب نے فوراً گھر خط لکھا - اَور لوگوں نے مستجاب کا آنا سُن کر اظہار
مسرۃ کیا بھی مگر آزادی بدستور افسردہ خاطر اور اُداس تھی - بلکہ خدا جانے کس بی بی نے
مبارک باد دے کر کہا کہ رمضان چلا آرہا ہی اور صاحب خانہ کے آنے کی بھی خبر ہی تم نے

له رمضان بال بچوں اور دوستوں کے ساتھ وطن میں ۱۲

مکان میں قلعی تو پھروالی ہوتی؟ آزادی بولی ہاں خبر تو ہو کل تماموں تمام تک خط آیا ہی لکھتے
ہیں کہ چاندرات تک ضرور ضرور آوں گا۔ اجازۃ مل گئی ہی۔ سامان سفر بھی درست کرلیا ہی۔ مگر
نہیں معلوم کیا بات ہی میرے دل کو نہیں لگتا۔ گاؤتکیوں کے غلاف اور چاندنیاں لے کر
بیٹھی تھی کہ کھول کر دیکھوں گی آپ ہی آپ دل بیٹھا ساجاتا ہی گٹھڑی کے کھولنے کی بھی نوبتہ
نہ آئی وہ دیکھو ویسی کی ویسی بندھی رکھی ہی۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ڈاک کے ہرکارے
نے باہر ڈیوڑھی پر آواز دی تار آیا ہی۔ تار کا نام سنتے ہی آزادی کا رنگ فق ہو گیا۔ لگاول دھڑکنے
ماما نے تار لاکر دیا تو ہاتھ قابو میں نہ تھا۔ پڑوس میں کوئی لڑکا انگریزی خوان رہتا تھا جلدی سے
بلاکر اُسے پڑھنے کو دیا۔ جب تک وہ تار دیکھتا رہا آزادی عجیب گھبراہٹ کے ساتھ ٹکٹکی باندھے
کھڑی اس کا مونہ تکتی رہی۔ زیادہ دیر ہوئی تو آزادی نے پوچھا بھئی خدا کے لئے کچھ کہو تو؟
ہی تو میرے ہی نام کا۔ کس کا ہی کیا لکھا ہی۔ لڑکے نے کہا ہی تو تمھارے ہی نام کا اور بھوپال
کے نواب صاحب نے بھیجا ہی۔ اندر مولوی صاحب کا نام بھی پڑھا جاتا ہی۔ اس سے زیادہ
سمجھ میں نہیں آتا۔ کہو تو پڑھوا لاؤں۔ لڑکا تو تار پڑھوانے گیا اور یہاں وہ بی بی جو پہلے
سے آئی ہوئی آزادی کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی بولی تم اس قدر ہراساں کیوں ہوتی ہو؟
نواب صاحب نے مولوی صاحب کی روانگی کی اطلاع دی ہوگی۔ آزادی کا دل بات کرنے کو
تو چاہتا نہ تھا۔ لیکن ایک دم سے ایسے صدمے کی بات یہ اپنے مونہ سے کیونکر نکال بیٹھتی۔
اور یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ میرے دل میں تو جس دن سے سدھارے بُری ہی بُری باتیں
چلی آرہی ہیں۔ خدا جانے میرے دل کو کیا ہو گیا ہی؟ کہیں یہ بھی کسی طرح کا جنوں نہ ہو؟
یا کیا معلوم جن بیبیوں کو میاؤں کی محبتہ ہوتی ہوگی میاں کی مفارقتہ میں ان کا ایسا ہی حال
ہوتا ہوگا۔ سو مجکو تو خیر ایسی محبتہ بھی کیا تھی۔ اتنا ضرور تھا کہ اُن کو کسی حالتہ میں میری آزردگی
گوارا نہ تھی۔ اگر اسی کا نام محبتہ ہی تو اُن کی طرف سے تھی۔ میری طرف سے تو محبتہ کی کوئی
بات نہیں ہوئی ✽ غرض آزادی نے بمجبوری اُس بی بی سے اتنا کہا کہ اے بی کیا تم نے
مجکو نرا بچہ سمجھا ہی؟ روانگی کا تار اور نواب صاحب کی طرف سے؟ اس کے معنے کیا؟ خدا جانے
ایسی کیا آکر بنی کہ تار تک نہیں دے سکے۔ اتنے میں اُس لڑکے کی ماں تار لئے ہوئے آئی۔

اور پھر سب سے بڑی عداوۃ کی وجہ نواب صاحب کا تقرب - ان کو نواب صاحب کے ساتھ
ہم پیالہ وہم نوالہ دیکھ کر خدا جانے کتنے زہر کے سے گھونٹ پی پی کر رہ جاتے ہوں گے بغرض
وہ تار کالج کے پرنسپل پاس گیا - مدرسوں پاس گیا - پادری پاس گیا سب نے وہی پڑھا جو
اُس میں تھا کہ مولوی مستجاب نے دل کی بیماری سے دفعۃً آج دن کے ۲ بجے انتقال کیا حالِ
مفصل خطِ متعاقب سے معلوم ہوگا - بعض نے یہ بھی صلاح دی تھی کہ جواب طلب تار دے کر
خبر کی تصدیق کر لو مگر وہ بات پھر رہ سی گئی - لیکن مولوی صاحب کے کسی دوست نے اُن کے
بیمار ہوتے ہی ایک مختصر سا خط لکھ کر ڈاک میں ڈال دیا تھا کہ نماز جمعہ میں مولوی صاحب کو
رقتہ ہوئی اور اکثر ہوا کرتی تھی - یکایک بے ہوش ہو کر گر پڑے اور روح مفارقت کر گئی - انا للہ
وانا الیہ راجعون - تار کے تیسرے دن نواب صاحب نے اپنے قلم سے یہی حال لکھا اور بہت
ہی ملال ظاہر کیا - اور ہاں اُس خط میں یہ بھی تھا کہ مولوی صاحب کی بیوہ کو تیس روپئے
مہینا ملا کرے گا - جب تک دوسرا نکاح کرے + آزادی کو جس وقت سے غش آیا اس کا تمام
بدن ٹھنڈا برف ہو گیا تھا اور دانت اس قدر بھنچے ہوئے تھے کہ کوئی چیز حلق سے نہیں اُتر سکتی
تھی - جب غش کو بہت دیر ہو گئی حکیم نے نبض دیکھ کر کہا کہ مارے غم کے حرارۃ غریزی شغاف
قلب میں مختنق ہو گئی ہی - غشی مطبق ہی اور خوف ہی بھی اور نہیں بھی - ہوش میں لانے کی
تدبیریں کی جائیں - دیر میں خطر ہی - پنڈول سنگھائی - گلاب کے چھینٹے دیئے - خس کے پنکھے
جھلے - پنڈلیاں باندھیں - گھنٹوں ہتیلیوں اور تلووں کی مالش کی - مگر آزادی جیسی لکڑی
کی طرح اکڑی ہوئی پڑی تھی ساری رات اُسی وضع سے پڑی رہی - ذرا افاقہ نہیں مطلق
ہوش نہیں - اوپر والے اُس جواں مرگ کو کیا روئیں کہ یہاں آنکھوں کے سامنے اس جوان
کے جینے کے لالے پڑ گئے - بارے صبح کی خنکی پونہچی تو آزادی نے ایک چھینک لی اور آنکھ کھول کر
دیکھا تو اپنے تئیں ما کی گود میں پایا - اب اس کے ڈر کے مارے کوئی آواز مونہ سے نہیں نکال سکتا
سب کے سب دم بخود بیٹھے ہیں - آزادی کو ہوش تو آیا مگر عجیب طرح کا ہوش تھا لیٹی تھی
اٹھ بیٹھی - بولتی چالتی کچھ نہیں - نہ آپ روتی ہی نہ دوسروں کو رونے دیتی ہی -
بُت کی طرح گم - ایک طرف کو ٹکٹکی لگائے دیکھے جا رہی ہی - نہ پلک جھپکاتی اور نہ کسی

کو اپنا حال بتاتی۔ آخر ماں نے کہا بیٹا تم نے عشا کی نماز بھی نہیں پڑھی اب صبح کا وقت بھی تنگ
ہونے کو ہے اُٹھو وضو کرو نماز پڑھو یہاں نیچے آدمی بہت ہیں کوٹھے پر جا کے نماز پڑھو میں چھوڑ آئی
ہوں وہیں چلی جاؤ۔ آزادی نے اوپر جا کر وضو کیا۔ سنتیں پڑھیں۔ فرضوں کی نیت باندھی
اور پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ یوسف کا وہ مقام پڑھا جہاں حضرۃ یوسف کے بھائی
باپ کو ملامت کرتے ہیں کہ یوسف کی اتنی یادگاری رکھو گے تو ایک نہ ایک دن ہلاک ہو جاؤ گے
اور حضرۃ یعقوب بیٹوں کو جواب دیتے ہیں اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ۔ میں تو خدا کی
درگاہ میں اپنی پریشانی کی فریاد کرتا ہوں ان لفظوں کا مونہ سے نکلنا تھا کہ گویا فوارے کا
ڈاٹ کھول دیا۔ آنسوؤں کی تللی اس زور سے جاری ہے کہ گویا سارا جسم آنکھوں کی راہ
پانی ہو کر بہ جائے گا اور نالوں کا یہ جوش کہ سانس پیٹ میں نہیں سماتا کلیجہ مونہ کو نکلا چلا آتا
ہے۔ کہتی کچھ ہے اور مونہ سے نکلتا ہے کچھ۔ مولویوں سے پوچھو تو صاف کہہ دیں گے کہ نماز نہیں
ہوئی اور ہم کہتے ہیں کہ آزادی نے ساری عمر میں بس یہی ایک نماز پڑھی۔ اے خدا کبھی ہم کو
بھی آدھی پاؤ رکعت اس خلوص اور اس استحضار کے ساتھ پڑھنی نصیب ہوگی۔ اوپر آزادی
نماز پڑھ رہی تھی اور نیچے ریل کے بوائلر کی سی آواز چلی آتی تھی۔ ہادی بیگم نے اسی مصلحت سے
اس کو نماز کے لئے اوپر بھیج دیا تھا کہ تنہائی میں کچھ تو جی کھول کر رولے کہ اس کے اندر
کی بھڑاس نکلے اور یوں تو گھٹے گھٹے اس کا دم رک جائے گا۔ بلکہ اس اثنا میں ایک دو
عورتوں نے اوپر جانے کا قصد بھی کیا تو ہادی بیگم نے روک روک دیا۔ جب اچھے خاصے
دو گھنٹے کامل گزر گئے تو ہادی بیگم خود اوپر گئی بیٹی کو دیکھا کہ سجدے میں پڑی رو رہی ہے۔
اٹھا کر چھاتی سے لگایا اور جلتی ہوئی آگ کو اور جا بھڑکایا۔ جوں ماں نے بیٹی کو آغوش میں لیا بیٹی
کا تو یہ حال ہوا جیسے کبوتر کو ذبح کر کے نیم بسمل تڑپتا ہوا چھوڑ دیں۔ ماں یہ حال دیکھ کر سہم گئی بے شک
بڑی مصیبت تو آزادی پر تھی لیکن ماں پر بھی کچھ کم صدمہ نہ تھا۔ وہ مُردے کو روتی تھی اور یہ
جیتے کو وہ مقتول کی عزادار تھی اور یہ مجروح کی غم خوار۔ اس کو ماتم شوہر تھا۔ اس کو غم لخت جگر۔
بیقراری دیکھی نہیں جاتی اور تسکین کی کوئی تدبیر بن نہیں آتی۔ دور رہے دل نہیں مانتا۔

چلتے چلتے کہہ گئے تھے کہ تجھکو بُلاؤں گا - اب بُلاتے کیوں نہیں - تم نے تو کبھی جھوٹ نہیں بولا
چاندرات سے پہلے آنے کا خیال رکھنا - ایسا ہم سے کیا قصور ہوا کہ قبر پر بھی آنے کا حکم
نہیں - ہائے اگر میں یہ جانتی تو تمھاری خدمت میں کوتاہی نہ کرتی + بادی بیگم - انا للہ وانا الیہ
راجعون - تم نے اس دن کے لئے اس (آزادی) کا ہاتھ پکڑا تھا کہ بانجھ وعار میں اس کو
چھوڑکر چل دوگے - تم تو اس کی آنکھ بھی میلی نہیں دیکھ سکتے تھے یا اب یہ یُوں پڑی تڑپ
رہی ہو اور تم کو پروا نہیں - ہائے کن کانوں سے سُنوں گی کہ لوگ آزادی کو بیوہ کہیں -
ہائے کوئی بال بچہ بھی تو نہیں ہوا کہ اُسی سے اِس کا دل بہلے + مستجاب کی ما - دودھ بھی
نہ بخشوا کے گئے - نوکری کی ایسی دُھن لگی کہ بچے کی جان ہی گئی - تم تو ایک بار حج کے جانے کے لئے
مجھسے اجازہ مانگتے تھے اب مجھ سے کیوں نہ اجازہ لی - میری آنکھوں کے آگے کوئی اپنا یادگار
بھی نہ چھوڑا - تم تھے تو بہو پر ہر طرح میرا زور چلتا تھا اب میں کس برتے پر بہو کو بٹھاؤں - باپ
کی ضد پر وعظ کیا چھوڑا کہ دیس چھوڑا اور آخر کو دنیا بھی چھوڑی + اسی طرح بقدر تعلق ہر شخص
بَین کرتا تھا - مستجاب کو کیا روتے تھے اپنے اپنے فائدوں کے پیچھے جان کھوتے تھے - لیکن
ہائے دنیا کم بخت کی کسی چیز کو ثبات کسی حالت کو قیام - کسی کیفیت کو قرار نہیں - اور ہو تو کیوں کر
رنج اور خوشی بھی دو حالتیں ہیں جو انسان پر عارض ہوتی ہیں جب خود انسان ہی معرضِ فنا میں ہی تو اُس کی
حالتیں بدرجہ اولیٰ - رنج ہو یا خوشی برسات کی ہوا کا سا جھونکا ہی آیا تو ایک دو نفس ورنہ پھر وہی گھمس -
مستجاب کی موت اُس کے اور اُس کے لواحقوں کے حق میں غیر متوقع چیز تھی - اور سب موتیں اپنی اپنی جگہ تھوڑی یا بہت
غیر متوقع ہوتی ہیں - روے زمین پر ایک فرد بشر کا نشان دو جو خوش مرا اور لوگوں نے اُس کو خوش دلی کے
ساتھ دنیا سے رخصت کیا - یہ رونا پیٹنا ہی موت کے غیر متوقع ہونے کی دلیل ہی - لیکن یہ
سب ہماری غلط فہمیاں ہیں - ہم اپنا اور اپنے کسی عزیز کا مرنا پسند نہیں کرتے اگرچہ موت
کو ٹال نہیں سکتے مگر اپنی طرف سے اس کے ٹالنے میں کوتاہی بھی نہیں کرتے - پس موت
غیر متوقع نہیں ہی بلکہ ہم نے اُس کو زبردستی اپنے نزدیک غیر متوقع ٹھہرالیا ہی - اور یہی
وجہ ہمارے رنجیدہ ہونے کی ہوتی ہی - کیوں کہ خلاف توقع کسی حالت کا پیش آنا اسی کا نام رنج
ہی - لیکن یہ رنج بے محل اور لاحاصل ہونے کے علاوہ بے اعتبار بھی ہی - کیسے سے کیسا ہی

سخت رنج کیوں نہ ہو جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں اس کی تلخی گھٹتی چلی جاتی ہی یہاں تک
کہ عجب نہیں ایک دن ایسا بھی آئے کہ جو شخص اُس رنج کے پیچھے شاید خودکشی پر آمادہ تھا۔
اُس کی نظر میں بھی ایک افسانے سے زیادہ اُس رنج کی وقعت باقی نہ رہے۔ جیسے زخم کہ سوزش
ہی۔ درد ہی۔ بے چینی ہی۔ کرب ہی۔ اچھا ہوا تو صرف ایک نشان رہ گیا وہ بھی روز بروز مٹتا اور
مضمحل ہوتا چلا جاتا ہی۔ مستجاب کا مرنا اس عموم سے مختص اور اس کلیے سے مستثنےٰ نہ تھا۔
دُور کے مہمان تیجا کر کے رخصت ہوئے اور اسی طرح آہستہ آہستہ ایک ایک دو دو کر کے کھسکتے گئے
اب رہ گئی آزادی اور اُس کی ما ہادی۔ کہ وہ اُس کو سائے کی طرح لازم اور مثل ہمزاد کے اُس کے
ساتھ تھی۔ رنج بھی کیا بُری چیز ہی۔ اتنے ہی دنوں میں آزادی کا یہ حال ہو گیا تھا جیسے برسوں کا
بیمار۔ بدن میں خون کا نام نہیں۔ رنگت دیکھو تو زرد جیسے ہلدی۔ آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے
بیٹھنے میں مضایقہ۔ اُٹھنے میں تکلف۔ چہرا اُترا ہوا۔ صورۃ اُداس۔ ہر وقت اُونگھ سی
چلی آتی ہی مگر نیند ایسی اُچاٹ ہوئی ہی کہ ساری ساری رات بیٹھے اور کروٹیں بدلتے گزر جاتی ہی
ما کے اصرار سے مُونہ میں نوالہ لیا ہی چاہتی ہی کہ نگلے حلق سے اُلٹا چلا آتا ہی۔ کسی نے پان بنا کر دیا
کلے میں تو رکھ لیا مُونہ ہلانے کو جی نہیں چاہتا۔ خدا جانے کس خیال میں غرق ہی کہ لوگ پاس
بیٹھے ہوئے باتیں کرتے ہیں اور اس کو خبر تک نہیں۔ ما اُٹھا اُٹھا کے بٹھاتی ہی اور یہ گری پڑتی
ہی۔ جب دیکھو چُپ۔ جس وقت نظر کرو خاموش۔ گھڑی گھڑی ٹھنڈے سانس۔ بار بار بے
ہادی بیگم بیٹی کو دیکھ دیکھ کر سہمی چلی جاتی تھی الٰہی کیا کروں کیا نہ کروں۔ عدۃ میں نہ ہوتی تو
بلا سے اس کو باغوں میں لئے لئے پھرتی۔ قطب صاحب کی سیر کراتی۔ شاید اس کا جی بہلتا۔ اس کی
طبیعت سنبھلتی۔ اور اگر چندے اس کی یہی حالت رہی تو اسی طرح گھل گھل کر ایک نہ ایک دن
تمام ہو جائے گی۔ آخر اس کے خیال میں آیا کہ اس کو مولویوں کے وعظ سُنواؤں۔ بس یہی
ایک تدبیر ہی نہ لگا تو تکا اور لگ گیا تو تیر ہی۔ ماشا کو مولویوں کی کمی نہیں۔ آٹھ آنے اور
نہیں تو ایک روپے کو صبر کرو اور جیسا چاہو مولوی بُلوالو اور جیسا چاہو وعظ کہلوالو۔ اور
ہادی بیگم کے تو اپنے ہی کُنبے میں بہتیرے مولوی بھرے پڑے تھے۔ قاعدہ تو لُوٹتا تھا مگر پاس
قرابت۔ اور اس کے علاوہ شہرۃ۔ مولویوں نے تو وعظوں کا مینہ برسا دیا۔ اور سچ یہ ہی کہ

بتا دیا جاتا ہی کہ فلانے فن فلانے علم فلانی کتاب میں امتحان لیا جاے گا تاکہ امتحان دینے والا
پڑھ سیکھ کر طیار ہو رہے۔ تم نے مدرسوں کے لڑکوں سے کورس کا لفظ سُنا ہوگا۔ کورس سے خاص
کتابیں اور کتابوں کے خاص خاص مقامات مراد ہوتے ہیں جن میں امتحان لیا جاتا ہی۔ اگر کورس مقرر نہ کیا جائے
تو طالب العلم کو بڑی مشکل پیش آئے۔ ایک علم میں بہت سی کتابیں ہوتی ہیں سب کتابوں پر ایک شخص کی نظر
ایک مدت محدود میں احاطہ نہیں کر سکتی۔ تو ضرور ہی کہ وہ بعض کو اختیار کرے لیکن اگر کورس نامزد نہ کیا جائے
تو ممکن ہی کہ اس نے ایک کتاب اختیار کی اور ممتحن نے دوسری کتاب میں سے سوالات کئے تو یہ امتحان نہ ہوا بلکہ بڑی حق تلفی
ٹھیری جب کہ دنیا کے ممتحن اس قباحت پر نظر کرکے پہلے سے کورس مقرر کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ تو بڑا منصف
اور بڑا رحیم امتحان لینے والا ہی اور دوسری جگہ فرماتا ہی۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ وَّاِنْ تَکُ
حَسَنَۃً یُّضٰعِفْھَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا ۔ اللہ تو ایک رتی برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر
نکوئی ہوتی ہی تو اُس کو چند در چند کرکے اپنے پاس سے بڑی اجرۃ عطا فرماتا ہی تو خدا نے بھی اپنے
امتحان کا کورس مقرر کرکے سب ایمان والوں کو سُنا دیا۔ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ
مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۔ ہم تمہارا امتحان کا ہے میں لیں گے تھوڑا ڈر تھوڑی
بھوک تھوڑا گھاٹا۔ کیا شفقت پروردگار عالم ہی کہ امتحان کا نام بُرا ہوتا ہی اور سُننے کے
ساتھ آدمی کے ہاتھ پانو پھول جاتے ہیں۔ عربی کی کہاوت ہی عِنْدَ الْاِمْتِحَانِ یُکْرَمُ الرَّجُلُ اَوْ یُھَانُ
امتحان کے وقت آدمی کی عزت گئی یا رہی۔ تو خداے تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ضعف پر نظر
فرما کر ارشاد کیا کہ امتحان کا نام سن کر گھبراؤ نہیں ڈرو نہیں ہم کڑا امتحان نہیں لیتے۔
زیادہ نہیں صرف تین چیزوں سے تھوڑا تھوڑا بھیج کر دیکھیں گے۔ اول خوف۔ تو اُس وقت
کے مسلمان کافروں کی طرف سے ہمیشہ خائف رہتے تھے۔ اُس ملک میں عمل داری کا یہ
رنگ تو تھا ہی نہیں کہ ایک بادشاہ ہی اور وہ رعایا کے امن و آسایش کا بندوبست رکھتا ہی
سب اُس سے ڈرتے اور سب اُس کا حکم مانتے۔ سارا ملک خود سر اور ہر شخص آپ اپنا حاکم تھا
وہ لوگ باپ دادوں پردادوں سے بتوں کو پوجتے چلے آتے تھے۔ گھروں اور قبیلوں میں جو
بُت تھے سو تھے سیکڑوں بُت خانہ کعبہ میں لا کر بھر دیئے تھے۔ جب پیغمبر صاحب نے دعوۃ اسلام
شروع کی یعنی لوگوں کو خداے واحد کی پرستش کی طرف بُلایا تو وہ لوگ بہت بھنّائے۔ اور

چونکہ اس جدید مذہب سے بُت پرستی کی بیخ کنی اور بتوں کی توہین اور ان کے بزرگوں کی تحقیر
لازم آتی تھی سارا ملک متفق ہو گیا کہ اس نئے مذہب کو پھیلنے اور پنپنے نہ دیں۔ قاعدہ ہے کہ جب
کسی بات میں آدمی لاجواب ہوتا ہے تو سخن پروری کے لئے لڑائی پر اُتر آتا ہے اور وہ لوگ تھے بھی
لڑاکو۔ لگے پیغمبر صاحب اور ان کے ہم راہیوں سے جن کا مجموعہ اُس وقت تک بہت ہی کم تھا
طرح طرح کی پرخاش کرنے۔ جو لوگ جاعۃ اور جتھے کے تھے وہ تو کسی قدر محفوظ بھی تھے باقی کوئی
متنفس مسلمان نہ تھا جس کو کافروں کے ہاتھ سے قسم قسم کی ایذائیں نہ پہنچتی ہوں۔ کافروں
نے ان کا کھانا پینا بند کیا۔ رشتہ ناطہ چھوڑ دیا۔ اکیلے دوکیلے کو پاتے تو مارتے اور بے حرمتہ کرتے
مسلمانوں کی مجال نہ تھی کہ پکار کر اذان دیں یا خانۂ کعبہ میں جا کر خدا کی عبادۃ کریں۔ مجبور مسلمان
گھر بار چھوڑ کر دین کے ڈر سے پردیس کو نکل گئے اور جو نہ جا سکے اُن کو ایسی ایسی مصیبتیں پیش آئیں
کہ اگر ان کی تفصیل بیان کی جائے تو سن کر تمھارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ کافروں نے
مسلمانوں کو پردیس میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا ان پر چڑھ چڑھ کر آتے اور ان کے پناہ
دینے والوں کو مارتے اور ستاتے۔ یہ سب کوششیں اس غرض سے تھیں کہ دین اسلام شائع
نہ ہو۔ لیکن جس کا خدا مددگار ہو اُس سے کون برسر آ سکتا ہے۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ
بِاَفْوَاهِهِمْ وَیَاْبَی اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ۔ کافر تو اس فکر میں ہیں کہ اللہ
کے نور کو پھونک مار کر بجھا دیں اور اللہ کو منظور نہیں وہ تو اپنے نور کو چمکا کر اور پھیلا کر
رہے گا کافروں کو بُرا لگے تو لگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ مسلمان جو جان کے خوف سے بھاگے
بھاگے اور چھپے چھپے پڑے پھرتے تھے خدا نے اُن کی مدد کی تو انھوں نے ملک فتح کئے اور وقت
کے بادشاہ ہوئے۔ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ۔ میں مسلمانوں کی اُسی ابتدائی حالۃ کی طرف اشارہ ہے۔ بڑے
فکر کا مقام ہے کہ ایسے خوف کی حالۃ میں رکھ کر خدا نے ہم کو نہیں آزمایا۔ لیکن ہم کو اپنی جگہ سوچنا
اور اپنے نفوس کا احتساب کرنا چاہئے کہ اگر ہماری ایسی حالۃ ہو تو ہم اپنے دین و ایمان پر
کہاں تک ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔ بھائیو میں تو مسلمانوں کا یہ رنگ دیکھتا ہوں کہ برادری
کے خوف سے لوگوں کے طعنوں کے خوف سے دنیا کی بدنامی کے خوف سے بہتیری باتیں خلافِ
مصلحۃ اور خلافِ شرع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجبور ہیں۔ تو جن کے دل ایسے کم زور

اللہ کا بیٹا اور نصاریٰ کہتے ہیں مسیح ہی اللہ کا بیٹا یہ اُن کے اپنے مُونہ کی کہن ہی ان سے
پہلے جن لوگوں نے کفر کیا اگلے یہ بھی اُنھی کی سی باتیں بنانے ان کو خدا کی مار کدھر بھٹکے جا رہے
ہیں - لیکن اَور کہیں ہو تو ہو جو نصاریٰ ہمارے مُلک پر مسلط ہیں نہ تو دوسروں کے مذہب
سے تعرض کریں اور نہ اپنے مذہب میں ملانے کے لیئے کسی طرح کا لالچ دکھائیں - پادریوں کو
رہنے دو - ہیں تو یہ بھی نصاریٰ - مگر میں نے اچھی طرح تحقیق کر لیا ہی حکومت میں ان کو بالکل دخل
نہیں - لیکن نہ تخویف ہی اور نہ تطمیع اس پر بھی ہزاروں مسلمان ہیں کہ اپنا ظاہر انگریزوں
کا سا بنانا چاہتے ہیں - تو کیا ان سے توقع کی جا سکتی ہی کہ اگر خوف یا لالچ کا دباو ڈالا جاسے تو
ایسے لوگ اسلام پر ثابت قدم رہ سکتے ہیں - میں مسلمان بھائیوں پر بدگمانی نہیں کرتا اور گمان بد کرنا
ہی بھی بُری بات - اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (بعضے گمان گناہ ہیں) اور نہ اس پیرائے میں اپنی
بڑائی کرتا ہوں - فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی - (اپنے مُونہ اپنی صفائی بیان مت کرو
اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہی) بلکہ میں ظاہر حال سے ایک نتیجہ نکالتا ہوں اور خیال
کرتا ہوں کہ جس طرح نوکریوں میں امتحان کی قید لگا دی ہی اگر خدانخواستہ مذہب کی بھی شرط
کر دی جاے کہ مثلاً تحصیل داری اور اُس سے اونچے عُہدے نصاریٰ کے سوا کسی کو
نہ دیئے جائیں تو میں نہیں کہہ سکتا کتنے مسلمانوں کے ایمان متزلزل ہو جائیں - غرض افسوس
ہی کہ اب تک ہم خوف کے امتحان میں ناکامیاب رہے - لیکن امتحان کا سلسلہ بند نہیں ہو گیا
اے بھائیو ایسی کوشش کرو کہ امتحان دوبارہ میں فیل نہ ہوں - امتحان کی دوسری چیز ہی
جوع یعنی بھوک - اس سے شاید مُراد ہو قحط کہ پیغمبر صاحب نے کافروں کے ہاتھ سے عاجز
آکر بددعا فرمائی تھی - کہ اے خدا یہ لوگ تیری نافرمانی سے باز نہیں آتے ان پر ایسا قحط نازل کر
جیسا حضرۃ یوسفؑ کے وقت میں ہوا تھا - چنانچہ سات برس پیہم اس طرح کا قحط پڑا کہ آدمیوں
نے آدمیوں کو کھا لیا - یا شاید غزوۂ تبوک کی طرف اشارہ ہو کہ جب پیغمبر صاحب نے تبوک
پر چڑھائی کی تو مسلمانوں کا لشکر اس قدر بے سرو سامان تھا کہ مجاہدین درختوں کے پتے کھا کھا کر
گزر کرتے تھے - اللہ اللہ کیا ایمان تھے کہ خدا کی راہ میں جان دینے کو جاتے ہیں بھوکے پیاسے
نہ سواری نہ ہتیار - بخدا ان لوگوں کے سامنے اپنے تئیں مسلمان کہتے اور ایمان کا نام لیتے ہے
بر

اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ
عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ وَلِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّکِئُوْنَ وَزُخْرُفًا وَاِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ
الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ - فرماتے ہیں کہ دنیا ہماری نظر میں اس قدر حقیر چیز ہی کہ
اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ ساری دنیا کافر ہو جائے گی تو کافروں کو اتنی دولت دیتے کہ گھروں میں
چاندی کی چھتیں پاٹتے اور چاندی کے زینے چڑھاتے اور چاندی کے دروازے لگاتے اور
چاندی کے تخت بنواتے اور مزے میں گاؤتکیے لگا لگا کر اُن پر براجتے اور چاندی تو چاندی ہم چاہتے
تو اتنا ہی سونا ان کو بخش دیتے مگر ہوتا کیا دنیا کے لوگ احمق تو ہیں ہی سمجھنے کہ خدا کفر کو پسند کرتا
ہی اور شاید یہی سبب ہی کہ جتنے کافر ہیں سب کو آسودہ حال کر رکھا ہی تو لگتے سب کے سب کفر کرنے
اسی سبب سے ہم نے دنیا میں کافروں کی تخصیص نہیں کی یہ سونا چاندی ان ہی کی نظروں
میں کچھ قدر و قیمت کی چیز ہوگی خیال کر کے دیکھو تو یہ تمام تر دنیا کی چند روزہ زندگی کے عارضی
فائدے ہیں اصلی اور ابدی فائدے تو عاقبت کے ہیں اور وہ مخصوص ہیں پرہیزگاروں کے
ساتھ - بھائیو دنیا کی آسودگی پر کبھی مغرور نہ ہونا اور ہرگز ہرگز اس کو خدا کی خوشنودی کی
دلیل نہ گرداننا - میں تم سے سچ کہتا ہوں دنیا کی خوش حالی بڑی ہی خطرناک چیز ہی کیا تم نے قرآن
کی وہ آیت نہیں دیکھی - وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَلَی النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِکُمْ فِیْ حَیَاتِکُمُ
الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَسْتَکْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ
بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا کُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ - اس دن کو یاد کرو کہ جن لوگوں نے کفر کیا آگ کے سامنے
لائے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ تم کو جو کچھ فائدہ پہونچنا تھا زندگانی دنیا میں
پہونچ چکا اور تم نے دنیا میں خوب خوب چین کئے اب بھگتو ذلت کا عذاب بدلہ اُس کا کہ تم
زمین میں ناحق کی بڑائی مارتے اور بدلہ اُس کا کہ تم بدکاریاں کرتے تھے - دنیا اور دین
دو ہی چیزیں ہیں جن کی دنیا رنج و مصیبت میں کٹی وہ اگر ایسی توقع رکھیں کہ خیر دنیا بُری
طرح گزری تو عجب نہیں کہ خدا وہاں اچھی گزارے تو جائے سر بھی ہی وہ بڑا کریم و رحیم
ہی یہاں نہ دیا تو وہاں دے گا - لیکن جنھوں نے دنیا میں مزے اڑائے اچھے سے اچھا کھایا
اچھے سے اچھا پہنا آرام سے زندگی بسر کی ان کو ایسی امید لگانے کا کیا حق ہی - خدا کے

ساتھ ایسا کوئی عہد و پیمان ہو گیا ہو تو پیش کریں جس سے معلوم ہو کہ دوسرے بندے تو خدا
نے کوڑی پیسے پڑے پالنے میں اور اِن کو اپنے دستِ خاص سے بنایا ہے اور ان کے ساتھ ایک
خاص رعایۃ ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کوئی بات چھوڑی نہیں اسی مضمون کی ایک آیۃ قرآن
میں موجود ہے۔ اَمْ لَکُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا بَالِغَۃٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِنَّ لَکُمْ لَمَا تَحْکُمُوْنَ ۔ کیا تم نے ہم سے
روزِ قیامۃ تک کی قسمیں لی ہیں کہ جو تم حکم کرتے جاؤ ہم بجا لاتے جائیں یہ انسانی طبیعۃ کا خاصہ ہے
کہ دنیا میں پیدا ہوئے آنکھ کھول کر دنیا ہی کو دیکھا سمجھے کہ بس جو کچھ ہے یہی دنیا ہے اور بس اور
یہیں انسان کے رنج و راحۃ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا ہی کی خوشی اور ناخوشی پر خدا
کی رضامندی اور نارضامندی کو قیاس کر لیتے ہیں۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ
وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۔ کہ جب
خدا کی طرف سے دنیاوی اکرام و انعام ہوا سمجھے کہ ہاں خدا نے ہماری عزۃ کی رزق کی تنگی ہوئی تو
جانا کہ خدا کی نظر ہماری طرف سے پھری ہوئی ہے۔ لیکن یہ محض غلط خیال ہے۔ دنیا تو امتحان کا
گھر ہے اور نتیجہ جو اس امتحان پر مترتب ہونے والا ہے عاقبۃ میں مترتب ہوگا۔ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ (اَللّٰهُمَّ
اجْعَلْنَا مِنْهُمْ) وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ) ایک فریق جنۃ میں اور ایک فریق دوزخ
میں۔ خدا نے بندوں کو اس غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے فرمایا اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ
بَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۔ کیا ایسا سمجھتے ہیں کہ یہ جو مال اور اولاد سے
ہم ان کی مدد کر رہے ہیں اُن کی حسنات کا معاوضہ ہے جو سر دست ان کو دنیا میں مل رہا ہے۔
نہیں نہیں۔ تم اس کا مطلب ہی نہیں سمجھے۔ تو اے بھائیو ہر وقت خدا سے ڈرتے رہو اور
اگر انجام بخیر ہے اور وہاں چل کر خدا کے ساتھ اچھی بنی تو دنیا کی چند روزہ تکلیفات ہرگز اس
قابل نہیں کہ ان کی پروا کی جائے۔ اور اگر خدانخواستہ وہاں بُری بنی تو دنیا کی فانی لذتیں کیا
فائدہ دے سکتی ہیں۔ تو یہ تو ایسی مثال ہوگی کہ جیسے تیمور کی اولاد اس سے بحث نہیں کہ
صحیح النسب ہیں یا نہیں صاحب علم اور شاہ زادے کہلاتے تو ہیں بھیک مانگتے پڑے
پھرتے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۔ ان کو اس تصور سے کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ ان کے
باپ دادے واقع میں بادشاہ تھے۔ بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر ان میں کوئی سمجھ دار ہے۔ اور سمجھ دار

ہوتے تو اس درجے کو کیوں پونہچتے بہر کیف اگر کسی کو ذری سی عقل بھی چھو گئی ہی تو اس شاہزادہ
کا خیال ایسا ہی جیسے کوڑھ میں کھاج - یہی دنیاوی آسایش کا حال ہی عاقبت کی تکلیف کے مقابلے
میں - قرآن سے اس کی تصدیق بھی لو - اَفَرَاَیۡتَ اِنۡ مَّتَّعۡنٰہُمۡ سِنِیۡنَ ثُمَّ جَآءَہُمۡ مَّا کَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ مَاۤ اَغۡنٰی
عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یُمَتَّعُوۡنَ - بھلا دیکھو تو اگر ہم نے ان کو چند سال دنیاوی فائدوں سے متمتع ہونے
بھی دیا اور پھر آخر کار عذاب موعود آ پونہچا تو وہ تمتع گزشتہ ان کے حق میں کیا مفید ہوگا -
ہاں تو خدا نے اپنے پیغمبر کے ساتھیوں کو جوع یعنی فقر و فاقے سے آزمایا اور اُنھوں نے اس مصیبت
کو صبر اور استقلال اور شکر گزاری اور خوش دلی کے ساتھ انگیز کیا اور خدا نے دنیا اور دین
دونوں میں اُن کا اجر دیا - رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ - خدا ان سے راضی اور خوش اور وہ
خدا سے راضی اور خوش - ہم میں بھی جس کو خدا چاہتا ہی (اور شاید ایسے بہت ہیں) بھوک کی
تکلیف سے آزماتا ہی - کتنے خدا کے بندے ہیں جن کے عیال بہت - آمد کم - مہنگا سا - کمائی
خرچ کو مکتفی نہیں - ان پر اکثر ایسے دن گزر جاتے ہیں کہ امرود - سنگھاڑے - بھٹے - گاجریں
بونٹ - آم - خربوزے - موسم کی جو چیز سستی دیکھی اُسی پر قناعت کر کے رہ گئے - چار پیسے کے
چنے منگوا لئے میٹھی میٹھی سب نے کھا لئے - اوپر سے ڈگڈگا کر پیا پانی - پیٹ میں ہوا بوجھ - پڑ کر
سو رہے - باوجودے کہ مرد عورت اپنی اپنی جگہ سب محنت کرتے ہیں مگر کیا کریں کسی طرح پوری نہیں
پڑتی - یہ مت خیال کرو کہ جو فاقے کرتے ہیں اُن ہی کی آزمایش منظور ہی خدا اُن کا صبر آزماتا ہی
کہ دیکھیں تکلیف میں بھی ہم کو یاد کرتے ہماری شکر گزاری اور ہمارے فضل و کرم کی امیدواری
کرتے ہیں یا نہیں - اور مقدور والوں کے دلوں کا امتحان لیتا کہ کہاں تک غریبوں پر ترس
کھاتے اور خدا کے دیئے ہوئے میں سے بقدر توفیق مساکین کو پونہچاتے اور محتاجوں کی ہمدردی
کو اپنا فرض جانتے - جس جوع کا میں بیان کر رہا ہوں اگر روزے کو بھی اُس میں داخل سمجھا جائے
تو کچھ نامناسب نہیں - یہ بھی حقیقت میں بڑا امتحان ہی کہ ہوتے ساتے آدمی صرف خدا کے لئے
سارے دن مونہ کو بند رکھے نہ کچھ کھائے نہ پئے - اس سے انسان کو رزق کی قدر ہوتی -
اور فاقہ کشوں کی مصیبت کو پہچانتا - اور اپنی درماندگی اُس پر ظاہر ہوتی - کہ ایک دن کی
بھوک پیاس میں کیا حال ہو جاتا ہی - حدیث سے ثابت ہوتا ہی کہ نفسانی خواہشوں کے روکنے

کے لئے روزے سے بہتر کوئی تدبیر نہیں - اب دیکھو کہ ہم اس بھوک کی کس طرح برداشت
کرتے ہیں تم مجھ سے بہتر جانتے ہو کہ کتنے لوگ بے عذر روزے نہیں رکھتے - اور جو رکھتے ہیں
اُن کا روزہ اتباع رسم کے طور پر ہوتا ہی - لوگوں کے چھیڑنے کے ڈر سے کہ نہ رکھیں گے تو
اُس روزہ خور کہیں گے - خدا کا چور بنائیں گے - گرمیوں کے دنوں میں دیکھا کہ پہر دن چڑھے
سے پانی کا فوارہ ہاتھ میں ہی اور پیالوں پانی اپنے اوپر سے لڑھائے چلے جا رہے ہیں - بے شک
کسی قدر ضعف بھی ہی مگر نہ ایسا کہ ہمت ہارے دیتے ہیں - اگر لوگ روزے کو حکم خدا سمجھ کر
خوشدلی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کریں تو میں خیال کرتا ہوں رمضان کی اس قدر فریاد اور
واویلا نہ ہو جتنی کہ دیکھی اور سنی جاتی ہی - اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ - عمل کا مدار نیت پر ہی یہ ایک حدیث
متواتر ہی اور نیت کا حال سب سے بہتر تو خدا جانتا ہی اور خدا کے بعد خود صاحب نیت - ہم تو
ظاہر پر حکم لگانے والے ہیں - آدمی اپنے اور خدا کے مقابلے میں دوسرے کو کیوں دخل دے
آپ ہی اپنے نفس کا احتساب کیوں نہ کر لیا کرے - ہر ایک کے ساتھ ایک قدرتی مفتی لگا ہی
دوسرے مفتی سے تو غلطی کے ہونے کا بھی احتمال ہی اور یہ مفتی کبھی خطا کرتا ہی نہیں -
استفت قلبک - جب کسی بات میں خلجان ہو اپنے دل سے پوچھ لیا کرو - اب الٰہی امتحان
کی تیسری چیز باقی رہی اور امتحان ختم - وہ کیا ہی؟ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ
کمی مالوں میں اور جانوں میں اور پھلوں میں - امام لغت صاحب قاموس نے لکھا ہی کہ
اہل عرب میں مال کا اطلاق صرف چارپایوں پر ہوتا ہی جیسے اونٹ - گھوڑے - بھیڑ
بکری اس واسطے کہ ان لوگوں کے پاس اَور کسی قسم کا مال نہیں ہوتا اور ہوتا ہی تو شاذ -
جیسے ہمارے ملک میں غالب غذا روٹی ہے اور بولنے میں کہنے ہیں روٹی کا وقت آیا یا روٹی
کھانے گئے ہیں - اگرچہ بعض اوقات روٹی نہیں بھی ہوتی بلکہ اُس کی جگہ صرف پلاؤ یا اَور کوئی
چیز - اہل لکھنؤ اس لم کو تو پوچھتے نہیں اور ہمارے اس محاورے پر ہنسا کرتے ہیں - مالوں
جانوں اور پھلوں کی کمی اس قسم کے نقصانات ہیں کہ کسی زمانے میں کوئی صنف بشر بلکہ
غالباً کوئی فرد بشر ان سے محفوظ نہیں - اور قرن اول کے مسلمانوں کی کیا پوچھتے ہو وہ
بیچارے تو شروع شروع میں دنیا کے اعتبار سے ہر طرح گھاٹے ہی گھاٹے میں تھے - سرے سے

ان کو اپنی زندگی ہی کا بھروسہ نہ تھا - وہ ایمان لائے پیچھے اور نقصان لیا پہلے - اُن کو یقیناً معلوم
تھا کہ ہم نے ایک خدا کا نام لیا اور سر قلم ہوا - خوب جانتے تھے کہ پیغمبر کے ہاتھ پر بیعت کی اور
زن و فرزند اور بھائی بند - اور گھر بار - اور مال و متاع اور عزیز و قریب اور دوست آشنا
اور اعوان و انصار سب کچھ چھوڑنا پڑا - کسی کا خون کیا ہو - ڈاکہ مارا ہو - چوری کی ہو - کسی کے
گھر میں کودے ہوں تو کچھ دے دلا کر منت خوشامد کر کے سعی سفارش بہم پہنچا کر بھی بچ سکتے ہیں
ان لوگوں سے خدائے واحد پر ایمان لانے کے جرم کی معافی کی امید رکھنی ہی فضول ہے - وَمَا نَقَمُوا
مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ - ان پر قصور بھی ثابت
کیا تو یہ کہ خدا پر ایمان لائے جو سب پر غالب اور جس کا سارا جہان ثناخواں اور جس کی ملک زمین
و آسمان - میں تم سے شروع سے کہتا آتا ہوں کہ خدا نے اصحاب پیغمبر خدا صلعم کو ہر طرح سے جانچا
ہر ہر طرح سے آزمایا اور ان کو کامل العیار پایا - پھر اُس کی سرکار میں کاہے کی کمی تھی - دُنیا کی
بادشاہت تو اُن کی جوتیوں سے لگی لگی پھرتی تھی - ساٹھ برس کی بھی کچھ بساط ہے اتنے ہی قلیل
عرصے میں تمام روے زمین پر اسلام کا سکہ بٹھا دیا - اور دین میں جو ان کے مراتب ہیں ان کی
تو خدا ہی کو خبر ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ - کسی شخص
کو معلوم نہیں ان کے لئے آنکھوں کی کیسی کیسی ٹھنڈک خدا نے لگا رکھی ہے بدلہ اُن کے عملوں کا
اُنھوں نے تو دین کے پیچھے یوں اپنی جانیں کھپا دیں اور امت پیغمبر نے یہ اُن کا گُن مانا کہ ان میں
سے جو پیغمبر کے بڑے مشیر اور جلیس اور ایک اعتبار سے مُحسن تھے لگے اُن ہی کو گالیاں دینے
اور تبرا کرنے - اس سے بڑھ کر بھی احسان فراموشی کی کوئی بات ہوگی - اب پھر امتحان کے
مضمون کی طرف عود کرتے ہیں - مگر ایک بات اس آیۃ میں خیال کرنے کی لائق ہے کہ اس آیۃ میں
عطف کے دو سلسلے ہیں ایک تو مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ - اور دوسرا مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ
وَالثَّمَرٰتِ - دونوں سلسلوں میں تین تین چیزیں ہیں پہلے سلسلے کی ترتیب میں ترقی ہے
ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف - کیوں کہ خوف ایک ہلکی اور آسان چیز ہے بمقابلہ جوع کے اور اسی طرح
جوع ہلکی اور آسان چیز ہے بمقابلہ نقص کے لیکن یہ ترتیب دوسرے سلسلے میں بظاہر اُلٹ پلٹ
سی ہوگئی ہے - کیوں کہ جان عزیز ترین اشیا ہے وہ تو آپڑی بیچ میں اور ثمرات آیا سب کے بعد -

لیکن اس میں ایک نکتہ ہی ہے۔ میں نے تو کسی تفسیر میں دیکھا نہیں شاید اَوروں کی نظر سے گزرا ہو۔ اور
وہ نکتہ یہ ہے کہ ثمرات سے مراد ہی رزق اور وہی مدارِ حیاۃ - اس کی قدر کوئی زمینداروں سے پوچھے
جو غلہ پیدا کرتے ہیں - تم شہری اہلِ شہر تم میں سے اکثروں کو خشکے کے پیڑ کے دیکھنے کا بھی اتفاق
نہ ہوا ہوگا - زمیندار ایک ایک بالشت زمین کے لئے لڑنے اور مرنے کو طیار ہو جاتے ہیں کیوں کہ وہ
زمین کو نہ صرف اپنی معاش کا ذریعہ سمجھتے ہیں بلکہ اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کی معاش کا بھی - تو
ثمرات جان سے بھی زیادہ عزیز ہوئے - اور یہی سبب ہے ثمرات کے سب کے آخر میں واقع ہونے کا -
ہٰذَا امْتِحَانُہُمْ رَبِّی - خیر امتحان تو ہو چکا اب باقی رہیں دو باتیں - ایک تو معیار کامیابی - جس طرح کالجوں
کے امتحانوں میں ہوتا ہے کہ مثلاً سو نمبر کامل ہیں اور پاس ہونے کے لئے کم سے کم ایک ثلث نمبروں
کا حاصل کرنا ضرور ہے - اسی طرح اس امتحان الٰہی کے لئے بھی کوئی معیارِ کامیابی مقرر ہونی چاہئے - دوسرے
کامیابی کا صلہ کہ امتحان میں پورے نکلے تو سرکار سے کیا انعام ملے گا وظیفہ یا تمغا یا نقد یا کتابیں
یا نوکری یا خطاب - چاہئے تھا کہ معیار کامیابی اور صلۂ کامیابی دو چیزیں تھیں دونوں کا بیان الگ الگ
ہوتا - لیکن یہی تو کلام الٰہی کی خوبی ہے جتنا غور کرتے جاؤ وجوہِ بلاغۃ نکلتی چلی آتی ہیں - امتحان
دے چکنے کے بعد طالب العلموں کو نتیجہ معلوم کرنے کی جلدی ہوتی ہے اسی لئے خدائے تعالیٰ نے نتیجہ
اور صلہ دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا بلکہ صلے کو پہلے ادا فرمایا - وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ
مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ
ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ - اور اے پیغمبر خوش خبری دو صبر کرنے والوں کو کہ جب اُن پر کوئی مصیبت
نازل ہو تو کہنے لگیں ہم تو اللہ کے ہیں اور ہم کو اُسی پاس لوٹ کر جانا ہے یہی ہیں جن پر اُن کے
پروردگار کی عنایتیں ہیں اور رحمۃ اور یہی ہیں ٹھیک رستے پر چلنے والے - صلہ انعام کو خدا
نے اس عمدگی سے بیان فرمایا ہے کہ اُس سے بہتر کوئی اَور طریقہ ہو نہیں سکتا - نہیں کہا کہ اُن کو
ابداً آلاباد تک رہنے کے لئے باغ ملیں گے جن میں شہد اور دودھ اور شرابِ طہور کی نہریں
بہہ رہی ہوں گی - جو سدا ہرے بھرے پھلے پھولے رہیں گے - جن میں خزاں کا گزر نہیں
نہیں کہا کہ اُن کو دنیا میں بناؤ سنگار کی ممانعۃ کی گئی تھی کہ مرد ہو کر عورتوں کی طرح سونے
چاندی کے زیور اور ریشمی کپڑے نہ پہنو اب اُن سے یہ بندش اُٹھا دی جائے گی اور اجازۃ ہوگی

کہ جو چاہو کھاؤ جو چاہو پہنو - نہیں کہا کہ ان کو خدمت کے لئے حوریں ملیں گی - نہیں کہا کہ وہ کامل
آسودگی اور خوشی اور رضامندی اور اطمینان اور پوری آزادی کے ساتھ زندگی بسر کریں گے -
نہیں کہا کہ اُن کو خدا کا دیدار ہوگا - بلکہ کہا تو یہ کہا کہ اے پیغمبر ان کو خوش خبری دو - اس کی
ایسی مثال ہی کہ ایک بادشاہ کسی ملازم سے کہے کہ تم فلاں خدمت بجا لاؤگے تو ہم تم کو نہال کر دینگے
بادشاہ کے اس ابہام میں بہت بڑی گنجائش ہی بہ نسبت اس تصریح کے کہ تم کو خلعت ہفت پارچہ
یا جاگیر یا خطاب یا منصب دیں گے - وعدہ وفا کرنے کا وقت آئے گا تو ع نکر ہر کس بقدر ہمت اوست
بادشاہ اپنے حوصلے کے مطابق داد و دہش کرے گا - جب دنیا کے بادشاہوں کا یہ حال ہی تو یہ وعدہ
تو شاہنشاہِ دو جہاں کا وعدہ ہی جس کی سرکار میں کسی چیز کی کمی نہیں - خوشا نصیب اُن کے
جن کو پیغمبر خدا صلعم خدا کی طرف سے خوش خبری دیں - بس سمجھ لو کہ سدا کے دلدّر پار ہوگئے -
پھر خالی خوش خبری اُمیدوار بودہ بدانند - ہمیں خوشخبری کے ساتھہ اونکو صابرین کا خطاب
بھی دے دیا - اس دنیا کو بھی نمونۂ عاقبت سمجھو - یہی باتیں جو یہاں ہیں وہاں بھی ہیں مگر یہ نقل
ہیں وہ اصل - یہ مجاز ہیں وہ حقیقت - یہ ناقص ہیں وہ کامل - یہ فانی ہیں وہ باقی - دنیا کے
بادشاہ بھی جس سے خوش ہوتے ہیں - علیٰ قدر مراتب خطاب دیتے ہیں تاکہ ہم چشموں میں صاحب خطاب
کی عزۃ و آب رو ہو - لیکن چوں کہ دنیا خود تمام تر بیہودہ ہی اس کی کوئی بات بیہودگی سے
خالی نہیں وہی کہاوت ہی کہ اونٹ بے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی - خطابات میں تو بیہودگی
کی کوئی حد باقی نہیں رہی - مجکو فرعون کے انا ربکم الاعلیٰ[1] - کہنے پر تعجب ہوتا تھا کہ وہ بھی آخر ہماری
ہی طرح کا آدمی تھا - بھوک کی سہار - پیاس کی برداشت نہ کر سکتا ہوگا - جیسے ہم نہیں کر سکتے -
ذری سے دُکھ میں بے چین ہو جاتا ہوگا جیسے ہم بے چین ہو جاتے ہیں بے سوئے اُس کو بھی قرار
نہ آتا ہوگا جیسے ہم کو نہیں آتا - پھر کس مونھ سے وہ اپنے تئیں انا ربکم الاعلیٰ - کہا کرتا تھا کم بخت
اتنا تو سمجھتا کہ پیدا ایں نہیں کر سکتا - مرے ہوئے کو جلا ہیں نہیں سکتا - پانی میں نہیں برسا سکتا -
زمین سے غلہ میں نہیں اُگا سکتا - رب او ررب بھی ربکم الاعلیٰ کیوں کر ہو سکتا ہوں - لیکن جب سے
میں نے فلک قدر - اور کیوان جاہ اور سلیمان شکوہ اور اسی قسم کے دوسرے خطابات سُنے سمجھ لیا
کہ انسان کی شیخی کی کچھ انتہا نہیں - بے شک اُس احمق نے انا ربکم الاعلیٰ کہا ہوگا - اور ابھی تک

[1] میں تمہارا رب ہوں بڑا ۱۲

ایسے احمقوں کا پیدا ہونا بند نہیں ہوا جو ربکم الاعلیٰ بننے کے لئے طیار ہیں - خیر از غرض خداوند تعالیٰ
جل و علا شانہ کی سرکار سے بھی نیکوکاروں کو خطاب ملتے ہیں - وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ [لہ] فَاُولٰٓئِكَ
مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ - یہ سب الٰہی خطابات ہیں
اسی طرح مومنین متقین محسنین وغیرہ - ازین جملہ ایسے خطابوں کے ایک خطاب صابرین بھی ہے جس طرح
دنیاوی خطابوں کے مراتب متفاوت ہیں دینی خطابات کا بھی یہی حال ہے ہم نہیں کہہ سکتا کہ صابرین کا خطاب
کس درجے کا ہی - لیکن اتنا معلوم ہی کہ یہ خطاب مقربان حضرۃ ربوبیۃ کے ساتھ خاص ہی - کیوں کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا
ہی اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہی) معیۃ واللہ کرتی ہی تقرب اور مصاحبۃ پر -
پس کمال بندگی یہ ہی کہ بندے کو خدا کا تقرب ہو اور غلمان اور باغ رضوان کسی کی تقرب الٰہی کے مقابلے میں کچھ حقیقۃ
نہیں - پھر فرماتے ہیں کہ اس خطاب معزز کے اہل اور مستحق وہ لوگ ہیں جو مصیبۃ پڑے پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ
کہتے ہیں - قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ سے یہ مراد نہیں کہ بے سمجھے بوجھے عادۃ کے طور پر اِنَّا
لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ - زبان سے کہہ لیا - بعض لوگ قسم کی عادۃ ڈال لیتے ہیں اور بات بات
میں بے ساختہ واللہ باللہ کہہ بیٹھتے ہیں - اس کو اصطلاح شرع میں یمین لغو کہتے ہیں ایسی
قسم پر کفارہ تو نہیں آتا لیکن ایسی بے پروائی کے ساتھ خدا کا نام لینا بڑی بے ادبی اور
بے تمیزی کی بات ہی - فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ - مونہ سے بولو کہ اب بھی باز رہو گے یا نہیں - اسی طرح
مسلمانوں میں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہنے کی بھی عادۃ سی پڑ گئی ہی - تو جیسے وہ واللہ باللہ
یمین لغو ہی ویسا ہی یہ اِنَّا لِلّٰهِ استرجاع فضول - نہ اُس پر کفارہ نہ اس پر ثواب - جو شخص
صرف عادۃ مونہ سے انا للہ کہتا ہی وہ نہ بشارۃ کا مستحق ہی نہ خطاب صابرین کا اہل - نہ صلوات
پروردگار کا سزاوار - اور نہ اس کی رحمۃ کے قابل - قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ سے مراد یہ ہی کہ اِنَّا لِلّٰهِ
وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا مفہوم اور مطلب اس طرح دل میں بیٹھا ہوا ہو جیسے پتھر میں نقش - کہ
مصیبۃ کے وقت بھی اُسی کا یقین ہو اور فریاد اور واویلا اور بین کے عوض مونہ سے
بھی وہی نکلے - تب صبر کا اجر ملے - اب سمجھو تو کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا مطلب کیا ہی
یہ کہ ہم خدا کے ہیں اور ہم کو اُس پاس لوٹ کر جانا ہی - ظاہر میں کچھ بے تُکی سی بات معلوم
ہوتی ہی یعنی مصیبۃ کے ساتھ اس کا تعلق سمجھ میں نہیں آتا - بادی النظر میں تو اس طرح

لہ جو لوگ اللہ اور اُسکے رسول کے کہے پر چلتے ہیں انکو پیغمبروں اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیکیوں کی رفاقت نصیب ہوگی جنپر اللہ نے انعام اور فضل کیا ہی ۱۲

کی کوئی دعا ہوئی تھی کہ اے خدا ہم کو صبر کی توفیق دے - یا ہمارے گناہ معاف فرما - یا ہم پر رحم کر - یا میت کو بخش - پس ماندوں کو صبر دے - یہ کیا کہ ہم تیرے ہیں اور تیری طرف ہم کو لوٹ کر جانا ہے - وعظ تو بہتیرے سُنتے ہو مگر یہ نکتے جو فقیر کی وعظ میں ہوتے ہیں کہیں نہ سُنے ہونگے - ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ - لیکن کلام الہی بے نکتہ نہیں ہو سکتا - بے تکے ہم اور بے تکی ہماری سمجھ - خدا عقل سلیم دے تو معلوم ہو کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ - میں رضا و تسلیم اور دعا دونوں باتیں ہیں - یہ کہنا کہ ہم اللہ کے ہیں اُس خصوصیت پر دلالت کرتا ہے جو ہم کو خدا کے اور خدا کو ہمارے ساتھ ہے - مگر افسوس ہم اُس کو نہیں سمجھتے - اور کسی قدر سمجھتے بھی ہیں تو اُس پر عمل نہیں کرتے - یعنی ہمارے افعال سے ثابت نہیں ہوتا کہ ہم خدا کے ساتھ ایک خاص طرح کی خصوصیت رکھتے ہیں - اب دنیا کی خصوصیتوں پر نظر کرو جن کے پیچھے ہم شبانہ روز حیران سرگردان اور پریشان پڑے پھرتے ہیں - اول تو دنیا جب آنی جانی اور ایک سرائے فانی ہے دنیا کی کسی خصوصیت کو گو وہ کیسی ہی قریب اور قوی کیوں نہ ہو خصوصیت سے تعبیر کرنا ہی غلطی ہے - سب سے پہلی اور شاید سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ خالص وہ خصوصیت ہے جو بچے کو ماباپ سے اور ماباپ کو بچے سے ہوتی ہے - لیکن ہم جتنے اس جگہ موجود ہیں کیا مرد کیا عورۃ سب اپنی اپنی عمر میں بچے رہے ہیں - ہم میں اکثروں کے آگے اولاد ہے - اور گھر گھر اس کی مثالیں موجود ہیں - کیا ہم کو یا کسی کو بڑے ہوئے پیچھے اپنی ماباپ کے ساتھ یا ماباپ کو ہمارے ساتھ وہی بچپنے کی سی خصوصیت باقی رہی نہیں - جن ماباپ کی اولاد اُن کے آگے مر جاتی ہے - کیا وہ بھی اولاد کے ساتھ مر جاتے ہیں - نہیں - جس کے ماباپ اس کے سامنے مرتے ہیں کیا وہ بھی دنیا سے نارلص ہو کر ماباپ کے ساتھ مر جاتا ہے - نہیں - کوئی ماباپ اولاد کا - کوئی اولاد ماباپ کا دُکھ میں - درد میں - بیماری میں تن دہی میں ساتھ دیتا ہے - نہیں - ماہو یا باپ یا اولاد سب اشخاص جداگانہ ہیں - ہر ایک کی روزی جدا - بھوک جدا - پیاس جدا - خواہش جدا - عمر جدا - تقدیر جدا - یہ ایک انتظام الہی ہے کہ ایک سے ایک پیدا ہوتا چلا آیا ہے - یہاں تک کہ تمام روے زمین پر ایک ہی آدم کی نسل پھیلی ہوئی ہے - اور اسی طرح جب تک خدا کو منظور ہے ایک سے ایک پیدا ہوتا چلا جائے گا - ماباپ اور

عزیزوں کے۔ دوستوں کے۔ اُستاد کے۔ حاکم وقت کے۔ اور خدا جانے کتنوں کے۔ جتنا جس کا احسان اُتنا اُس کی طرف دل کا کھچاو اور خاطر کا میلان۔ غور کرکے دیکھا جاے تو اگرچہ ساری دنیا ہمارے ہی آرام و آسایش کی تدبیریں کر رہی ہی مگر اس کی کنجی کسی اَور ہی کے ہاتھ میں ہی وہ نہ چاہے تو ساری کل بے کار سارا ڈھونڈ ا اَینڈا۔ اگر ہم کو کسی سے کچھ فائدہ پونہچتا ہی تو وہی نفع رسانی کا خیال اُس نے دل میں ڈالتا اور اُس کو نفع رسانی کی قدرۃ دیتا۔ پس سچ پوچھو تو اصل کارساز اور محسن وہ ہی اور یہ ظاہر کے مددگار اُسی کے احسان کے ذرائع اور وسائل ہیں قطعہ

گر گزندت رسد ز خلق مرنج + کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج
از خدا داں خلاف دشمن و دوست + کہ دل ہر دو در تصرف اوست

پھر بعض چھوٹے چھوٹے اور ہلکے ہلکے احسان تو وہ ہم پر ان مددگارانِ ظاہر کے ذریعے سے کرتا ہی اور بڑی بڑی سترگ باتیں اس نے خاص اپنے یدِ قدرۃ میں رکھی ہیں جن میں کسی فرد بشر کو کچھ دخل نہیں۔ اور بدون ان کے ہماری زیست محال۔ آؤ اُسی کے لفظوں میں اُس کے احسان گنوائیں۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْھٰرَ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ۔ اللہ ہی نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اُس کی وجہ سے تمھاری روزی کے لئے غلّے اور پھل نکالے اور ناووں پر تم کو اختیار دیا کہ اس کے حکم سے دریا میں چلیں اور سورج اور چاند کو تمھاری خدمۃ کے لئے مصروف کیا کہ دونوں رات دن اپنے کام میں لگے ہیں اور تمھاری خدمۃ کے لئے رات اور دن کو بنایا اور جو کچھ تم کو درکار تھا باندازۂ مناسب تمھارے لئے مہیا کیا اور اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو اُن سب کو گھیر نہ سکو اس میں شک نہیں کہ انسان بڑا ہی جفاکار اور کافر نعمۃ ہی۔ اگر اس آیۃ کی تفسیر کرنے پر آؤں تو کہیں مہینوں میں جاکر تمام ہو تو ہو اور مجھے ابھی اپنی وہی آیۃ پوری کرنی ہی جس کا بیان شروع کیا تھا تو اس مقام پر میں اسی قدر کہنا چاہتا ہوں کہ اس آیۃ میں جو خدا نے اپنے چند احسان گنوائے ان میں ایک ایک ہماری زندگی کا موقوف علیہ ہی اور انسان کے اختیار سے خارج۔ سعدی نے اسی آیۃ سے

اقتباس کیا ہی - قطعہ

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند　　تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار　　شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

پس اگر تعلق اور خصوصیتہ کا مدار نفع رسانی اور احسان پر ہو اور یوں ہی ہی بھی تو ہم کو سب سے زیادہ خصوصیتہ خدا کے ساتھ ہونی چاہیئے - لیکن خدا آنکھ سے دکھائی دینے کی چیز نہیں - ہم کو سوچنے اور غور کرنے کی عادة نہیں - نتیجہ یہ ہی کہ ہم اپنے دل سے خدا کے ساتھ گویا کچھ تعلق نہیں رکھتے - نہ اُس کے حقوق مانتے - اور نہ اُس کے حکموں پر چلتے - نہ اُس سے محبتہ کرتے - اور نہ اس کی خفگی سے ڈرتے - مگر اُس کا تعلق ہمارے ساتھ ایسا لازمی تعلق ہی کہ کسی طرح منفک اور جدا ہو ہی نہیں سکتا - ہماری ہستی ہی اُس کے تعلق کی دلیل ہی - ہم آپ سے آپ پیدا نہیں ہو گئے - ماباپ نے ہم کو پالا پرورش کیا مگر اُس کے حکم سے - کہ اُس نے ہماری محبتہ ماباپ کے دل میں ڈالی - لیکن ماباپ پر بھی پالنے اور پرورش کرنے کا اطلاق مجازاً ہی - حقیقة میں پیدا کرتا اور پالتا اور پرورش کرتا ہی خدا - سیکڑوں ہزاروں آدمی اولاد کی تمنا کرتے ہیں اور نہیں ہوتی - ماکا دودھ سوکھ جاتا ہی نہیں اُتار سکتی - بچہ بیمار پڑتا ہی کوئی تدبیر بن نہیں آتی - اور بن آتی بھی ہی تو اُسی کے حکم سے اُسی کی مرضی سے غرض نہ ہم اپنے ارادے سے پیدا ہوئے نہ کسی کے ارادے سے - اور نہ اپنے ارادے سے اتنے بڑے ہوئے اور نہ کسی کے ارادے سے - جو کچھ کیا خدا نے کیا - اور جو کچھ ہو رہا ہی اُسی کے کرنے سے ہو رہا ہی - اور جو کچھ ہوگا اُسی کے کرنے سے ہوگا - بے شک دنیا میں بڑی سے بڑی محبتہ ماباپ کی ہی وہ بھی میں خیال کرتا ہوں ایک خاص حالة اور ایک وقتِ خاص تک لیکن ماباپ کی محبتوں میں سے ایک اعلے درجے کی محبتہ لو مثلاً اکلوتے بیٹے کی - اور اس کو خدا کی محبتہ کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھو تو دونوں محبتوں میں کچھ بھی مناسبتہ نہیں پاؤگے - وہ شاید اضطراری ہی اور یہ اختیاری - اُس میں شاید کوئی غرض بھی ہو اور اس میں غرض کا کہیں پتہ نہیں - وہ پرتو ہی اور یہ اصل - وہ براے نام ہی اور یہ لاکلام - ماباپ نہایتہ مافی الباب یہ کہ تدبیر کرنے والے ہیں اور خداے تعالیٰ سامان بہم پہنچانے والا - ماباپ کی

مزے کیے چین اُڑائے جن میں سے مجکو ایک رتی برابر بھی کسی کا استحقاق نہ تھا اور اب جو ذرا سی بات خلاف مزاج پیش آئی جس کی لِمّ مجھے معلوم نہیں جس کی مصلحۃ سے میں آگاہ نہیں تو لگا مُونہہ بنانے اور بُڑبُڑانے - پچھلا دیا دلایا اکارت کھلایا پلایا ضائع - میں اس کارخانۂ دنیا کا مالک نہیں مختار نہیں مالک کا مشیر نہیں صلاح کار نہیں - میں دخل در معقولات دینےوالا کون - مجکو چون وچرا کرنے کا کیا حق - مجکو دیکھو اور خدا کی خدائی پر اعتراض کرنے کو دیکھو - کیا میں اور کیا میری حقیقۃ - کیا میری عقل اور اُس کی اصلیۃ - یہ سمجھ میں آنے کی بات ہی کہ ایسے خیالات کے آگے رنج اور غم کھڑا رہ نہیں سکتا اور تجربے میں بھی آیا ہی کہ اگر کسی طرح کا نقصان ہو جاے یا کوئی آفۃ آ کے اور صدقِ دل سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ - پڑھے تو اگر خدا کو منظور ہوتا ہی تو نقصان کی تلافی ہو جاتی ہی - گم شدہ چیز پا جاتی ہی ورنہ رنج و افسوس کا اثر تو دل سے یقیناً گم ہو جاتا ہی - اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کیسے پیارے لفظ ہیں دو لفظوں میں دو مطلب - دعا کی دعا اور تسکین کی تسکین - دعا کیا ہی خدا سے آرزو کرنا سو اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ میں بھی آرزو ہی مگر مقدر یعنی لفظوں میں مذکور نہیں - یہ اس قسم کا جملہ ہی کہ جیسے دو مسافر راہ چلے جاتے ہوں اور ایک شکایۃ کرے کہ بھائی میں تو تھک گیا اور اُس کا رفیق اس کو تسلی دے کہ گھبراتے کیوں ہو جلد منزل پر پہنچنے والے ہیں یعنی منزل پر پونہچ کر آرام ملے گا - اسی طرح یہاں ہی کہ کیوں رنجیدہ ہوتے ہو ہم خدا پاس لوٹ کر جانے والے ہیں یعنی وہ ہماری تکلیف کی راحۃ دے گا - یہی دعا ہی بلکہ اذعانِ قبولیۃ کے ساتھ اور اشارہ ہی اس آیۃ شریف کی طرف - یَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلَاقِیْہِ - اے انسان تو اس دنیا کی زندگی کو بھی سمجھا ہی کہ کیا ہی - ایک سفر شاق ہی اور جانا کہاں ہی پروردگار کی طرف پھر اُس سے ملاقاۃ ہونی ہی - اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ سے یہ بات بھی نکلی کہ ہم سب کو یہی سفر درپیش ہی اگر ایک پہلے منزل پر پونہچ گیا تو زحمۃ سفر سے اُس نے سویرے نجاۃ پائی اور چوں کہ ہم بھی اُسی کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہیں - اِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ - خدا نے چاہا تو ایک نہ ایک دن اُس سے جا ہی ملیں گے اور وہ ملنا ایسا ہوگا کہ اُس کے پیچھے بچھڑنا نہیں اس کے بعد مفارقۃ نہیں - اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ - اب یہ ہی امتحان صبر کا پورا انعام - خدا کی عظمۃ اُس کی قدرۃ

اُس کی شان - اُس کا جلال - اُس کا کمال ذہن نشین ہو تو معلوم ہو کہ یہ الفاظ کس نوازش اور کس درجے کی سرفرازی پر دلالت کر رہے ہیں - آج ایک دنیا کا بادشاہ کسی کو مورد مراحم لکھ دیتا ہی تو وہ مارے فخر کے جامے میں پھولا نہیں سماتا - اور یہ مورد مراحم تو مالک کون و مکان خلاق زمین و آسمان روزی دہندۂ انس و جان فرمان فرمائے کن فکان کا لکھوایا ہوا ہی - سبحان اللہ خدا کی درگاہ میں صابرین کی کیسی عزت و توقیر ہی - تو اے بھائیو جو سامنے بیٹھے ہو اور اے بہنو جو قنات کی آڑ میں ہو اتنی بات سُن رکھو کہ دنیا کا انتظام ہزاروں برس سے جس طرح پر چلا آ رہا ہی جب تک خدا کو منظور ہی اُسی طرح پر چلا جائے گا - ما و شما کی تو کیا حقیقت ہی بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر - بڑے بڑے زبردست بادشاہ - بڑے بڑے حاذق طبیب موت کے آگے کوئی دم نہیں مار سکا تو ایسی مجبوری کے مقام میں بے فائدہ جزع و فزع کر کے اپنا ثواب بھی کیوں کھوؤ - اس سے کہ ہار کر جھک مار کر آخر کار چار و ناچار صبر کرو کہ صبر کار تا ہی عین مصیبت کے وقت صبر کر کے اُن صابرین میں کیوں نہ داخل ہو جن کے مدارج میں نے تم کو سُنائے خدا مصیبت زدہ کو صبر جمیل کی توفیق دے آمین - سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ - (شرعی چیز)

گیارویں فصل آزادی کا سوگ اور اُس کے ابتداء بیوگی کے خیالات

جن دنوں مستجاب مرحوم نے بے دل ہو کر وعظ میں کمی شروع کی تو اُن کے والد نے نصیحت کے طور پر اُن سے کہا تھا کہ تمہارا وعظ ایسا ہی جیسا لڑکوں کا پالا چھونا - ایک وعظ ہمارا تھا کہ ایک ایک سیپارے کو سارے سارے برس گھسیٹا اور سوا سوا ڈیڑھ ڈیڑھ پہر وعظ کہا - تو ہم نے اُس کو خود ستائی اور مبالغہ سمجھا تھا کہ ایک سیپارہ برس روز تک کیوں کر گھسیٹا جا سکتا ہی - اب جو مولوی متقدی کا وعظ سُنا تو یقین آیا کہ بعض مولویوں کو خدا نے ایسی ہی گویائی اور آمد عطا فرمائی ہی کہ سیپارہ کیسا - وہ چاہیں تو ایک رکوع کو برس روز تک گھسیٹ لے جائیں - مولوی متقدی نے اچھا خاصہ ایک پہر ایک آیت میں لگایا اور پھر تنگی وقت کے خیال سے بہت سی مُونہ پر آئی ہوئی باتیں چھوڑ دیں مرد عورت ملا کر پانچ چھ سو آدمیوں کا مجمع تھا - اپنی اپنی جگہ سبھی متاثر ہوئے اور آزادی پر بھی ضرور خاص اثر

بے تدبیریوں نے مارا۔ مجکو اب معلوم ہوا کہ اس کو اختلاج قلب کی بیماری تھی اور گرمیوں میں
اس کا دورہ ہوا کرتا تھا اور بعض مرتبہ گرم غذا کھا لینے سے جاڑے میں بھی دھڑکن ہونے لگتی تھی۔
اگر مجکو خبر ہوتی تو میں ہرگز اس کو جانے نہ دوں۔ گرمیوں کے دن۔ ریل کا سفر۔ دکن کی لو۔ گھر
کی مفارقت کا صدمہ۔ ان پر مزید وہ انقباض جو ہندوستانی ریاستوں کے معاملات کی وجہ سے
خواہی نخواہی پیدا ہوا ہوگا۔ میں تو ایسی حالت میں اُس کی زندگی کا بیمہ ایک پیسے کو بھی نہ لیتا۔
مگر خیر اس کا ذکر کیا ہی جو ہونا تھا سو ہوا۔ میں تو تمھاری ان بے تدبیریوں کو کہتا ہوں جو تم
آزادی کے حق میں کر رہی ہو۔ شروع سے تم کو اس کا اہتمام ہی کہ یہ رنج نہ کرے روئے نہیں
اور اسی غرض سے تم ہمہ وقت اس کو لازم رہتی ہو۔ اسی غرض سے تم نے اس کو مولویوں کے
وعظ سنوائے ہیں۔ لیکن تم اتنا تو سمجھو کہ رنج اور رونا تقاضائے طبیعت ہی کسی کے روکے رک
نہیں سکتا۔ جس طرح چوٹ کو دکھ لازم ہی اسی طرح صدمۂ روحی کو رنج۔ اور جس طرح جوں جوں
وقت گزرتا جاتا ہی چوٹ کے درد کا احساس خود بخود کم ہوجاتا ہی بعینہ اسی طرح جوں جوں وقت
گزرتا جاتا ہی رنج بھی خود بخود گھٹتا اور کم ہوتا چلا جاتا ہی۔ مصیبت میں سب سے بہتر طریقہ
ہم دردی کا یہ ہی کہ مصیبت زدہ کو ایک وقتِ خاص تک اُس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔
اس طریقے سے جو تسکین آخر کار حاصل ہوگی وہ از بسکہ قاعدۂ طبیعت کے مطابق ہوگی زیادہ
سود مند ہوگی۔ تم نے قبل الوقت اس کو تسکین دینی چاہی اور سمجھیں کہ میری تدبیر کارگر ہوئی
مگر یہ تمھاری غلط فہمی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے گھبرا کر اکتا کر تمھارا علاج چھوڑ دیا۔ اب بھی
مصلحت یہی ہی کہ اُس کے حال سے بالکل تعرض نہ کرو اور اُس کو اسی کی رائے پر رہنے دو۔
انسان کو خدا نے آزاد پیدا کیا ہی اور ہر ایک انسان آزاد رہنا چاہتا ہی۔ اگر آزادی[57] کو سختی کے
ساتھ روکا جائے تو وہ دوسرے بُرے پیرایوں میں پھوٹ کر نکلتی ہی۔ اس کی ایسی مثال ہی
کہ زمین میں ایک بیج موجود ہی اور یقیناً معلوم ہی کہ اپنے وقت پر وہ بیج زمین کے اندر ہی
اندر پھولے گا۔ پھٹے گا۔ اس میں کونپل پیدا ہوگی۔ وہ بڑھے گی۔ پھیلے گی۔ یہاں تک کہ
اچھا خاصہ ایک درخت بن جائے گا۔ اب اگر ہم کونپل کے نکلنے سے پہلے اُس پر ایک
بڑا بھاری پتھر رکھ دیں اور اُس کو اُبھرنے نہ دیں تو ریشے دوسرا راستہ ڈھونڈ نکالیں گے

[57] یہاں آزادی سے بیاہ کی آزادی مراد ہی ۱۲

اس درخت کی شاخیں کچھ ہوں تو ہوں مضمحل ہوں تو ہوں مگر نہیں ہو سکتا کہ نہ ہوں۔ غلاموں
اور ادنے درجے کے آدمیوں میں اکثر بُرے اخلاق کے ہونے کا یہی سبب ہوتا ہے کہ اُن کو
پوری آزادی نہیں۔ پس اگر تم بیٹی کی عافیت اور سلامتی چاہتی ہو تو میری رائے یہ ہے کہ اُس کو
باختیار خود رہنے دو۔ اب تم کو اس پر اپنی حکومت بٹھانے کا کوئی حق نہیں۔ وہ بھی تم جیسی
عورت ہے۔ اپنا نفع نقصان خوب سمجھتی۔ اور مناسب نامناسب میں امتیاز کرنے کی عقل رکھتی
مجھ کو بڑا خوف یہ ہے کہ تمھارے بے جا دباؤ ڈالنے سے کہیں کوئی بُرا نتیجہ پیدا نہ ہو۔ اُس کا سسرال
سے اپنے گھر جانا اور تم سے اجازت نہ لینا اور تم کو خبر نہ کرنا اسی سے سمجھ لو کہ اُس کو تمھاری نگرانی
میں رہنا منظور نہیں اَلْعَاقِلُ تَكْفِيهِ الْاِشَارَه۔ خواجہ آزاد نے جو اس طرح کی باتیں کیں چونکہ
واجبی اور معقول تھیں ہادی بیگم نے ڈولی اُلٹی پھروا دی اور بیٹی کو اس کی شکایت بھی تو کہلا کر
نہ بھیجی کہ تم نے یہ کیا کیا؟ ✤

بارھویں فصل آزادی اپنے دل کے بہلنے کی تدبیریں سوچتی ہے اور آخر کار خودکشی

وہاں آزادی نے اپنے گھر میں اکیلی پائی تو اس کے دل کو بھی ایک طرح کی راحت یوں بھی
سوچنے خیال کرنے کی تو ماں کے گھر میں بھی مناہی نہ تھی مگر نہیں اُس کو کچھ اسی کی خوشی تھی کہ کسی
کی صورت نظر نہ پڑے۔ گھر میں اُترنے کے ساتھ اُس نے ماماؤں سے کہہ دیا کہ خبردار ہر وقت
اندر کی کنڈی لگائے رکھو اور کسی کو نہ آنے دو۔ یہ وہی گھر تھا جس میں دو پونے دو برس
مولوی مستجاب رہ سہ کر بھوپال گئے تھے۔ آزادی کو دیکھ کر یاد آیا کہ یہاں سوتے تھے۔
اس جگہ بیٹھتے تھے۔ اور آج وہ کوٹھری میں بند ہو کر اس طرح کا رونا روئی جس طرح اُس کا
جی چاہتا تھا۔ نہ کوئی چھڑانے والا۔ نہ کوئی سمجھانے والا۔ جب اچھی طرح دل کی بھڑاس
نکل لی تو آنسو پونچھ باہر آ گئی۔ اور اپنی دوا اور گھر کی دو ایک ماماؤں کو بات چیت کرنے
کے لئے بُلا کر پاس بٹھا لیا۔ روتے روتے سر میں درد تو بڑے زور کا ہونے لگا مگر
طبیعت بہ نسبت اور دنوں کے بہت ہلکی تھی۔ معمول یہ تھا کہ وقت پر نماز پڑھی۔ جتنی
دیر طبیعت حاضر رہی قرآن کی تلاوت کی۔ ماماؤں کا ہاتھ بٹوا لیا۔ باورچی خانے میں

جا کھڑی ہوئی۔ ایسا پڑی کچھ سوچا کی۔ سینا لے بیٹھی۔ میاں کے خط سب جمع کر رکھے تھے اُن کو پڑھا کی۔ دادا کو کہانیاں بہت یاد تھیں اُس نے رات کے کھانے پینے سے فراغت پا کر مناسب وقت کوئی کہانی چھیڑ دی وہ سُنتی رہی۔ مولوی مستجاب کے سامنے کی تو بھلا اور بات تھی۔ اُن کے پیچھے اسی گھر میں اکیلی نے دس مہینے گزارے نہ کبھی وحشت ہوئی اور نہ تنہائی سے گھبرائی اس واسطے کہ پھر بھی ان کے آنے کی آس تھی۔ یا کبھی یہ خیال ہوتا تھا کہ اب صبح شام طلبی کا خط آنے والا ہی۔ اب باوجودے کہ وتنے ہی آدمی تھے اور وہی گھر۔ مکان ہی کہ پڑا بھائیں بھائیں کر رہا ہی۔ رات کے وقت ایسا معلوم ہو کہ دیواریں چھاتی پر چڑھی چلی آتی ہیں۔ دن کٹتا ہی بے مزہ۔ رات گزرتی ہی بے لطف۔ یادگاری کسی کسی وقت نہیں بھی ہوتی مگر ایک وقت ہی کہ دم بدم لحظہ بلحظہ دل کو نچوڑے چلی جاتی ہی۔ ایک وقت وہ تھا کہ آزادی بیاہ ہی سے متنفر تھی اور جن دنوں اُس کی منگنی کی بات چیت ہو رہی تھی یہ چاہتی تھی کہ کواری بیٹھی رہوں تو بہتر کیوں کہ وہ بیاہ کی حقیقت سے واقف نہ تھی اور کپڑے اور زیور اور مہمان داری اور سامان ظاہر یہ چیزیں اس کی نظر میں کچھ وقعت نہیں رکھتی تھیں۔ بیاہ ہوا تو اُس نے جانا کہ اب میں نے دوسرا جنم لیا۔ اور جس کو زندگی کہنا چاہیئے وہ یہ ہی جو بیاہ کے بعد سے شروع ہوئی۔ ہر ایک بات میں غور کرنے کی عادۃ تو اس کی سدا سے تھی ہی بیاہ سے پہلے بھی یہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ اگرچہ لوگ آپس میں رشتے قرابۃ دوستی ملاقاۃ کے تعلقات رکھتے اور ان تعلقات کا لحاظ و پاس بھی کرتے لیکن خیال کر کے دیکھا تو بچہ جب تک ما کا دودھ پیتا ہی بس وہ ایک تعلق تو تعلق ہی کہ بدون ما کے بچے کی گزر ہی نہیں سکتی۔ اور باقی تعلقات تو مَن سمجھوتی اور برائے نام ہیں۔ سب سے بڑا تعلق ما باپ کا۔ اُس سے اُتر کر بھائی بہن کا سو بچہ جوں جوں بڑا ہوتا گیا ما باپ کا تعلق گھٹتا اور کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اولاد الگ گھر کر کے بیٹھی ما باپ غیر داخل۔ بلکہ بعض صورتوں میں تو ما باپ اور اولادیں ایسے بگاڑ پڑ جاتے ہیں کہ ملنا جلنا موقوف۔ صاحب سلامۃ ترک۔ رہے بھائی بہن شاید ایسا کوئی زمانہ گزرا ہو جس میں بھائی بہن آپس میں پیار اخلاص رکھتے ہوں ورنہ رشتہ تو ہو نس اور حسد کا ہی۔ کون سا دن ہی کہ چھوٹوں چھوٹوں میں سودے سلف کی بانٹ چونٹ پر مار کٹائی نہیں ہوتی۔ یہ مادہ حسد نہیں تو کیا ہی۔ یہی چھٹپن کی چشمک بڑے ہوئے پیچھے لڑائیاں ڈلواتی جھگڑے کراتی۔ خون کا پیاسا دشمن

جو روے زمین پر لگا وہی تھا کہ آدم کے بیٹے ہابیل نے اپنے بھائی قابیل کو مارے حسد کے مار ڈالا
غرض بیاہ سے پہلے تک آزادی کسی تعلق کی قائل نہ تھی اور یہ سمجھتی تھی کہ انسان کو اپنے ابنائے جنس
میں سے کسی کے ساتھ دل بستگی نہیں ہوتی - بیاہ کا ہونا تھا کہ اس کی رائے بالکل بدل گئی - وہ
پہلے حیران ہوا کرتی تھی کہ آدمی آدمی یکساں پھر مرد اور عورۃ کا امتیاز اس میں کیا مصلحۃ ہے -
بیاہ ہوا تو اس کی آنکھیں کھلیں اور سمجھی کہ انسان میں محبۃ کا ایک مادہ بھی ودیعۃ رکھا گیا ہے
جو اس کی روح کی غذا اس کے دل کی تسکین اور باغ زندگانی کی بہار ہے - وہ اپنے جدید تعلق
کو بہت عزیز رکھتی - اور اس کی بڑی قدر کرتی - اور اپنی حالۃ پر نظر کر کر کے خوش ہوتی - ہر شخص
سمجھ سکتا ہے کہ ایسی عورۃ پر بیوگی کس قدر شاق ہونی چاہئے اور واقع میں جس دن سے میاں مرا
آزادی نہ زندوں میں تھی نہ مردوں میں - باولی نہیں کہ نکلے چنتی پھرے - ایسے ہوش نہیں
کہ آپ کو سنبھالے - سب سب جتن کر کے دیکھے کہ کسی طرح دل کو قرار ہو طبیعۃ ہے کہ کسی طرح کام
پر نہیں جمتی - کسی شغل سے نہیں بہلتی - وعظ بیٹھی سُن رہی ہے اور ذرا دھیان بٹا تو اب
سمجھ میں نہیں آتا کہ مولوی صاحب کیا کہہ رہے ہیں - اکثر ایسا ہوا کہ نماز کی نیۃ باندھی ہے اور
ہر چند چاہتی ہے کہ دل رجوع ہو بھول بھول جاتی ہے کہ کَے رکعتیں پڑھیں - نہیں معلوم نری
الحمد پڑھ کر رکوع میں گئی اور سورۃ نہیں ملائی یا خدا جانے ملائی - یاد نہیں کہ ایک سجدہ کیا یا دو
قرآن لے کر بیٹھی نہ زبانی یاد آتا ہے نہ حرف سوجھ پڑتے ہیں - میکے میں رہی ایک دن جی نہ لگا -
سسرال گئی وہاں سے وحشۃ ہوئی - الگ گھر میں آ کر رہی یہاں بھی وہی آش در کاسہ -
مولوی صاحب کے سارے کپڑے اور تمام کتابیں کل چیزیں مساکین کو تقسیم کر دیں کہ آنکھوں
کے آگے رہیں گی تو یادگاری کو تازہ کریں گی مگر یہ اس کی سمجھ کی غلطی تھی - باہر کی چیزوں سے
نہیں بلکہ یادگاری اس کے اپنے دل سے پیدا ہوتی تھی - اور وہ آپ ہی یاد کرنے والی - آپ
ہی یاد دلانے والی - آپ ہی رونے والی - آپ ہی رُلانے والی - عدۃ کے کتنے دنوں بعد تک
تو اس کا یہ حال رہا کہ کہیں اُس نے لوگوں کو اپنی ماں سے کہتے ہوئے سُنا تھا کہ اس کو کسی شغل
میں لگاؤ تو گو رنج کے خیالات اس کو تکلیف دیتے تھے مگر اُس تکلیف میں بھی اس کو
ایک طرح کا مزہ ملتا تھا اور دوسرے شغل کے نام سے چڑتی تھی - آخر اس کو آپ ہی آپ

میری حالت ایسی ہے کہ وہم نہ آتا ہو تو آئے - اور جو ۔ ہنے مجھ پر ترس کھا کر یا اس لالچ میں آ کے
کہ میرا اکیلا دم ہے تیس روپے مہینے کی بندھی ہوئی آمدنی ہے اپنا بچہ دے بھی دیا تو بس اپنے میں
اتنی گنجایش نہیں پاتی - ہندوستانی سرکار اور رعایت کا دینا خدا جانے کیا اتفاق پیش آئے تنخواہ
آگے کو ملے نہ ملے تو میں جس کو گود لوں اس کا خرچ کہاں سے چلاؤں - لڑکی ہو تو میری اس گئی گزری
حالت پر کچھ نہ ہو تو دو ہزار روپئے اس کے بیاہ برات کو چاہئیں - اور لڑکا ہو تو بیاہ برات کے
علاوہ کم سے کم اسی قدر اس کے لکھانے پڑھانے کو - سو دو ہزار روپئے تو یہاں دو ہزار برس
میں بھی اکٹھے ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے - میکے یا سسرال کے برتے پر جو میں پرائی اولاد کا
بڑا اٹھا بیٹھوں تو مجھ سے بڑھ کر کوئی احمق ہے ؟ اور وقت پر نہ ہو سکا تو جس کو گود لوں وہ
کیا کہے گا اور جو سنے گا وہ کیا کہے گا - وہ تو مجھے کوسے گا اور یہ میرے جنم میں تھوکیں گے
اور میں نے کسی کو گود لیا بھی تو ماں باپ سے لاکھ فارغ خطی لکھوا لوں پنچوں میں دست برداری
کرا لوں مگر قدرتی تعلق کو تو میں نہیں تڑا سکتی - تو اس کے یہ معنی کہ اس کے ماں باپ یا جو کوئی
اس کا ولی اور سرپرست ہو اس کی نظر میں بچے کی تن درستی اور زندگانی کا بیمہ لینے والی
ٹھیری - اور خدا پر میرا ایسا ہی زور چلتا تو اپنے ہی میاں کو جوان کیوں مرنے دیتی - پھر
متبنّے لینا تو نرا ڈھکوسلا ہے - پالو - پرورش کرو - مصیبت اٹھاؤ - آپ تکلیف میں ہو - اس کو
آرام پہنچاؤ صرف اس امید پر کہ ہمارا کہلائے - اور وہ آخر کار کہلائے گا ان ہی کا
جن کا ہے - ہاتھی پھرے گانو گانو جس کا ہاتھی اس کا ناؤں - ہماری اماں کو رہ رہ کر اسی
کا بڑا ارمان آتا ہے کہ ہائے اس کے اولاد نہ ہوئی - اور میں کہتی ہوں بھلا ہوا نہ ہوئی - آج کو
آگے اولاد ہوتی تو دوہری مصیبت تھی میں اپنی بیوگی کو روتی یا ان کی یتیمی کو - اور پھر
لڑکا ہو یا لڑکی جس کے سر پر باپ نہیں اس کا کیا ٹھکانا ہے کہ کیسا اٹھے - اور اگر اولاد
ہوتی اور بری نکلتی اور رو داد تو بری نکلنے کی تھی ہی تو خیر میری زندگانی جیسی برباد
ہوتی سو ہوتی خاندان کی عزت اور آبرو کا خطرہ تھا - خدا کا کوئی فعل مصلحت سے خالی
نہیں ہوتا میں تو اس کی بڑی ہی شکر گزار ہوں کہ اس آفت سے بچی رہی - موتیں سبھی افسوس
کے قابل ہوتی ہیں خاص کر یہ موت کیا عمر اور کیا پردیس اور کیا ایکا ایک اور کیا نیک بختی اور کیا لیاقت

چاہیے اور جس وقت چاہے لے آسکتا ہی۔ کہتے ہیں کہ آئے ڈیڑھ آتے افیم میں اچھے جوان
آدمی کا کام تمام ہی۔ تو مجکو کچھ اس کا تردد بھی کرنا نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ دوا کی پڑیہ میں
چار پانچ آنے کی افیم ہر وقت موجود رہتی ہی۔ وہ تو اپنی طرف سے ہزاروں قسمیں کھاتی ہی اس نے
افیم کو مدتوں سے کبھی چھونے ہی نہیں دیا سو بھی ایک وقت مگر کوئی اس کے کہنے کا یقین تھوڑا
ہی کرتا ہی۔ مہینے کے مہینے بیٹا در وازے پر آکر لڑجاتا ہی کہ جتنی افیم تم دو دن میں کھاتی ہو ایک
دفعہ مجکو کھلا کر سلا دو تو میرا پاپ کٹے۔ یہ تو منہ اپڑ رہا ہی اور تم کو اپنے عمل کے آگے کسی کی پروا
نہیں۔ جب کبھی اگر تم سے مانگا تم نے ٹکا سا جواب ہی دیا + غرض افیم تو گویا میرے بٹوے
میں ہی۔ جس وقت چاہوں کھا سکتی ہوں۔ اور چونکہ نشے کی چیز ہی زیادہ کھانے سے آدمی
ضرور بے ہوش ہو جاتا ہوگا۔ اور بے ہوشی میں اس کو جان کنی کی کچھ تکلیف بھی نہ ہوتی ہوگی
رات کو کھا کر سو رہا اور سوئے کا سو یا رہ گیا۔ لیکن یہ قباحت اس میں بھی ہی کہ ہضم نہ ہونے
پائے اور خبر ہو جائے تو ڈاکٹر لوگ تو سوچی افیم پیٹ سے نکال لیتے ہیں اور ہم لوگوں میں بھی قئیں
کراتے ہیں اور افیم کو ٹھہرنے نہیں دیتے۔ اور شبہے کے محل پر اگر کوئی سرکار میں جا لگائے
تو مردے کا پیٹ بھی چیرتے ہیں۔ یہ تو بڑا فضیحتا ہی جان کی جان گئی اور لاکھوں روپئے کی
آبرو خاک میں ملی سو الگ۔ مگر پھر بھی افیم کا کھا لینا اور طریقوں سے بہتر ہی۔ جلدی کیا ہی
پھر کسی وقت اس معاملے میں غور کروں گی +

جب جب آزادی نے خیال کیا اس کی سمجھ میں یہی آیا کہ خودکشی کئے بدون بن نہیں پڑتی
وہ اپنے تئیں دیکھتی تھی تو اس کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مکان ہی اور مکین نہیں۔ انگشتری ہی
اور نگین نہیں۔ چمن ہی اور گل چین نہیں۔ مسند ہی اور مسند نشین نہیں۔ پس آخر کار اس نے
فیصلہ کر لیا کہ زندگی اور بیوگی اور خوش دلی اور دین داری۔ میں کسی طرح ان چیزوں کو
جمع نہیں رکھ سکتی۔ وہ اپنی حالت سے اس قدر آزردہ تھی کہ ڈرتا اور ہچکچاتا کیسا ہزار جان سے مرنے
کی آرزومند تھی۔ اُس کو تامل تھا تو اسی بات کا تھا کہ ایسا نہ ہو کہیں میری عاقبت خراب ہو۔
دانش مندی کی بڑی پہچان یہ ہی کہ جو دانش مند ہوتے ہیں وہ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی
دوسروں سے صلاح لئے بغیر نہیں کیا کرتے اور یہ تو جان پر کھیل جانے کی بات تھی۔ آزادی

گویہ حیا پیدا ہوا یا اس خیال کی وجہ سے وہ بکثرت آتا جاتا تھا۔ اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ
جن خیالات کی وجہ سے آزاد اس کو عزیز رکھتا تھا وہ اُس کے اصلی خیالات تھے یا آزادی پر
دست رس حاصل کرنے کے لئے وہ خواجہ آزاد کا ہم خیال بنا تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں
کہ اگر خواجہ آزاد کا اختیار چلتا تو وہ آنکھ بند کرکے اس کے ہاتھ میں آزادی کا ہاتھ پکڑا دیتا۔
آزاد اور مشتاق میں رُو در رُو اس کا تذکرہ ہوا ہو اور آزاد نے مشتاق کو امید دلائی ہو تو اس کا
بھی کچھ تعجب نہیں۔ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ بیٹی دیکھ بھال کر اپنی پسند سے آپ اپنا بیاہ کرے اُس کو
دوسرے احمق باپوں کی طرح سسرا کہلانے کی کیا چڑ۔ خود اُس سے بیٹی کی خواستگاری کیلئے جانے
کی کیا عار۔ مشتاق کو یہی تو بڑا دھوکا ہوا۔ اس نے خواجہ آزاد کی مدارات اور اُس کے خاص
التفات سے جانا کہ آزادی میری ہو چکی۔ اس کو یہ خبر نہ تھی کہ آزاد مونہہ ہی سے کہنے کے آزاد
ہیں۔ آزادی کے باپ ضرور ہیں مگر بی بی اور دوسرے کنبہ داروں سے مجبور ہیں۔ اس کی
طرف سے نہ رقعہ نہ پیام اور وہاں تڑ سے آزادی کی منگنی ہو گئی۔ مشتاق منگنی کی سُن کر
بہت سٹ پٹایا اور تلے کی زمین اُوپر کر ماری کہ کسی طرح منگنی چھوٹ جائے مگر منگنی کا نام تھا
اور حقیقۃ میں نکاح کا سا استحکام۔ ہاں ذرا پہلے سے بھی اس کو معلوم ہو کہ منگنی کی چھیڑ چھاڑ
ہو رہی ہی تو یہ ایسا چلتا ہوا تھا کہ کسی کی ٹپس نہ جمنے دے۔ مجبور صبر کرکے بیٹھ رہا اور سمجھا
کہ یہ شعر اسی کے حسب حال ہی۔ ع

خیالِ زلفِ بتاں میں نصیر پیٹا کر + گیا ہی سانپ نکل تو لکیر پیٹا کر +

مگر مشتاق نے آزادی کا خیال نہیں چھوڑا۔ آزادی نے شوہر کے مرنے کا کیا غم کیا ہوگا جو
اُس نے آزادی کے دوسری جگہ بیاہے جانے کا کیا۔ مشتاق کی شوریدگی اور وحشت دیکھ کر
ہر چند اُس کے والدین اور رشتہ داروں نے چاہا کہ اس کو کسی آور جگہ پابند کر دیں مگر اُس نے
بالکل ہامی نہ بھری۔ اس کے یار دوستوں کو بیچ میں ڈالا اُنھوں نے سمجھایا کہ ایک آزادی
پر کیا موقوف ہی شہر میں ایک سے ایک بہتر خوب صورتیں بھری پڑی ہیں کہ آدمی بیٹھا اُن کا
مونہہ دیکھا کرے۔ اور اگر خوش حالی دیکھ کر گرے ہو تو خواجہ آزاد بچارے کس گنتی میں
ہیں جس امیر کے گھر کہو تمھارا پیام لے جائیں اور بیاہ نہ کرا دیں تو پھر ہمارا نام نہیں۔

حسب نسب کا خیال ہی تو ہیں خواجہ آزاد بھی شریف بھلے مانس مگر اصل سید نجیب الطرفین
کی بیٹی مل سکتی ہی۔ تم نے اپنے تئیں سمجھا ہی کیا ہی ہم تو آج شہر میں کسی کو ایسا نہیں دیکھتے
کہ تمھارا رقعہ جاے اور اُس کے مُونہ میں پانی نہ بھر آئے۔ بھائی جان زمانہ ایسا نازک آگیا ہی کہ
بیٹیوں کو بڑ نصیب نہیں ہوتے اچھے اچھے جیتھے اور برادری والوں کو دیکھ لیا گھروں
میں جوان جوان بیٹیاں بیٹھی ہیں۔ صورۃ شکل پاکیزہ۔ ذات صفات عمدہ۔ دان جہیز کی کمی
نہیں۔ اور بیسیوں منتاطیں چھوٹی ہوئی ہیں جھوٹوں بھی کوئی نہیں کہتا کہ ہم کو لڑکی کی تلاش
ہی۔ ہم کو اندرونی حالات تو بہت معلوم نہیں مگر لڑکی کی ننہال تو کھلے ملّانے میں۔ نانا ماموں سب
کی یہی معاش ہی۔ اور ان لوگوں میں چاہیے ہزار خوبیاں ہوں مگر جس نے مولویت کی روٹی
کھائی اس کی طبیعۃ میں ایک طرح کی دنارۃ تو ضرور آجاتی ہی۔ کہاں تک ننہال کی خو بے
اثر نہ کیا ہو گا۔ تو ایسی عورۃ کے ساتھ کیا تمھاری مرضی ملتی۔ اسی میں کچھ مصلحۃ تھی کہ وہ
عورۃ تمھارے پلّے نہ پڑی۔ تم نے اس کا بھلا خیال کیا جانے دو دور کرو گوشتِ خر دندانِ سگ۔
دیکھو تو تمھارے واسطے کیسی کیسی جگہیں تجویز کی ہیں کہ سنوگے تو پھڑک اُٹھوگے۔ مشتاق
یہ ساری باتیں چُپ بیٹھا ہوا سُنا کیا اور وہ جو کہتے ہیں اصیل مُرغے کی ایک ٹانگ بولا تو یہ
بولا میں بیاہ کرتا تو اُسی کے ساتھ کرتا اب وہ تو ہاتھ سے نکل گئی اور افسوس ہی کہ میری غلطی
اور چوک سے پھنسا ہوا شکار چھوٹ گیا میں جب تک جیوں گا اس صدمے کو نہیں بھولوں گا
اور تم کیا مجھے شادی کی ترغیب دیتے ہو مجھے ہندوستانیوں کی سوسائٹی کا حال اچھی طرح
سے معلوم ہی کیوں کہ میں بھی اسی سوسائٹی میں پیدا ہوا اور اسی سوسائٹی میں بڑا ہوا ہوں۔ میں
نہیں سمجھتا کہ کوئی ہندوستانی عورۃ مجکو وہ راحۃ پونہچا سکتی ہی جس کی میں شوہر ہونے کی
حیثیۃ سے توقع رکھ سکتا ہوں۔ میں اس ملک کی عورتوں میں اور جانوروں میں فرق کرتا
ہوں مگر بہت ہی کم۔ ان میں نہ بی بی ہونے کی صلاحیۃ ہی نہ ماں ہونے کی۔ اور صلاحیۃ ہو تو
کہاں سے ہو تعلیم نہیں تربیۃ نہیں۔ بیبیاں نہ کہو۔ معزز لونڈیاں۔ مقرب مامائیں۔
کیوں کہ گھر کی ٹہل اور خدمۃ کے سوا (اور ٹہل اور خدمۃ بھی مبتذل) ان کو کچھ اور
بھی آتا ہی۔ لیاقۃ کا تو یہ حال ہی کہ اگر کسی بدنصیب خانہ دار کو سفر درپیش آگیا تو جتنے دن

سفر میں گزرے۔ بیوی رانڈ اور میاں رنڈوے۔ دل کی بات نہ یہ لکھ سکتا ہی اور نہ وہ
لکھوا سکتی ہی۔ بیوی سارے محلے میں بوجھ بجھکڑ کہلاتی ہیں کوئی سودا ہو جب تک دروازے
پر آپ نہ چکالیں اعتبار نہیں آتا مگر خیر سے اتنا نہیں بتا سکتیں کہ ساڑھے سترہ آنے سیر تانبا
تو تین پاؤ ڈیڑھ چھٹانک دو پیسے اوپر کے کیا دام ہوئے۔ دو مہینے کی مہلت بیٹھی حساب کیا کرو
مگر تم کو قسم ہی جو کسی مرد سے پوچھا۔ بنیا اور قسائی اور گوٹے والا اور ٹھٹیرا اور بزاز اور سنار
غرض جس سے معاملہ پڑا اُسی نے دھوکا دیا اور ان بھولی بیگم کو کچھ خبر نہیں۔ باوجودے کہ
آپ اور ما اور نانی اور شاید پرنانی بھی انگریزی عمل داری میں پیدا ہوئیں اور مزہ یہ کہ گھر
جتنے مرد سب نوکری پیشہ کوئی سر رشتہ دار۔ کوئی منشی۔ کوئی تحصیل دار۔ غرض کوئی
سرکاری محکمہ نہیں جس میں ان کے گھر کے ایک دو ملازم نہ ہوں۔ وائسرائے اور لفٹنٹ گورنر
اور ہائی کورٹ کے جج اور بورڈ کو تو یہ کیا جانیں گی اتنا معلوم نہیں کہ کلکٹر اور مجسٹریٹ
میں کیا فرق ہی۔ قسمیں کھائیں اور یقین نہ آیا کہ تار میں نہ جادو ہی اور نہ اس میں کوئی
پُتلی دوڑتی ہی۔ کتنا کتنا سمجھایا کہ ریل بھاپ کے زور سے چلتی ہی مگر یہ جھٹلاے ہی
گئیں۔ غالباً محلے کی حلال خوری سے سُن لیا ہوگا کہ ولی عہد روس آنے والا ہی اتفاقاً خدا جانے
کس تقریب سے میرے سامنے ان کے مونھ سے نکل گیا تو میں نے کہا آہا اب تو دنیا کی بڑی خبریں
رکھنے لگی ہو۔ بھلا یہ تو کہو روس ہی کدھر تو کیا جواب دیتی ہیں جلنے بلا کدھر ہی پڑے چولھے میں
کہیں کچنال بھی بکتی ہوئی دیکھی ہی۔ کئی سال سے سرکار موت اور پیدائش کے رجسٹر بنوانے
لگی ہی تو اُن رجسٹروں سے ثابت ہوا کہ ہر چھ بچوں میں پانچ مر جاتے ہیں۔ ایک اس وجہ سے
کہ ہم لوگ قواعد حفظ صحت کی تعمیل نہیں کرتے۔ ایک اطبائے یونانی کے اکثر سلیس علاج سے۔
اور تیسرے نادان دوستوں کی دوستی یعنی ماؤں کی بے تدبیریوں سے۔ کہ ان کے نزدیک
نظر اور تصرف ارواح خبیثہ کے سوائے بچوں کو اور کوئی روگ ہی نہیں ہوتا۔ اور جو ایک
گراں جان بچتا ہی چوں کہ جاہل ماں کی نگرانی میں تربیت پاتا ہی بڑا ہوکر کودن کندۂ ناتراش
ہوتا ہی اور اس کے سوائے وہ اَور ہوتا بھی کیا۔ پس اگر سچ پوچھو تو ان عورتوں نے
بنی آدم کی نسل کو ایسا بگاڑ دیا کہ اب اُس کی درستی کی امید موہوم ہی۔ جس کے ایسے

خیالات ہوں وہ کیا ۔ عورة کی طرف رغبتہ کرے گا - وہ بھی نہیں معلوم کیا بات تھی کہ میں
ایک کے دام محبتہ میں گرفتار ہوگیا - تم کہتے ہو کہ اُس سے بہتر بہتر بہتیری حسین عورتیں
شہر میں بھری پڑی ہیں - میں خود حسین نہیں تو ہمارا خاندان شہر کے حسین خاندانوں میں
گنا جاتا ہی - میں نے بھی بہت حسین دیکھے ہیں - مگر جس کو میں نے پسند کیا تھا وہ کچھ اَور
ہی چیز ہی - میں نے اُس کو اُس عمر سے دیکھا جب اُس کو حُسن کے معنے بھی سمجھنے کی تمیز نہ تھی
اُس وقت بھی اُس پر وہ خداداد جوبن تھا کہ بنانے سنوارنے سے بھی وہ بات نصیب نہیں
ہوتی - تم لوگ شاید گوری رنگت اور سڈول نقشے ہی کو خوب صورتی سمجھتے ہو اور میرے نزدیک
اصلی خوب صورتی یہ ہی کہ ہر ایک ادا دل فریب ہو - یہ بات تو میں نے اُس کے سوائے کسی
میں نہیں دیکھی - میں نے اُس کو روتے دیکھا مچلتے دیکھا - لڑتے دیکھا - بگڑتے دیکھا -
ہنستے دیکھا - منتے دیکھا - مناتے دیکھا - شرماتے دیکھا - عجیب طرح کا حُسن خدا نے دیا ہی کہ
کسی حالت میں بے زیب نہیں - میرا عقیدہ تو یہ ہی کہ خدا نے اُس کو کمال حسن کا ایک اعلیٰ درجے
کا نمونہ پیدا کیا ہی - اور قاعدہ ہی کہ لفافہ عمدہ ہوتا ہی تو ملفوف کہیں عمدہ ہوتا ہی - پس
جیسا اُس کا جسم لطیف ہی ویسا ہی اُس کا دل یقیناً پاکیزہ ہوگا - غرض اس کا تو خیال بھی
نہ کرنا کہ میں اُس کے سوائے کسی دوسرے کی طرف نظر بھر کر بھی دیکھوں گا - بے شک وہ
اس وقت میرے دست رس سے باہر ہوگئی ہی مگر اُس کی محبتہ میری جان کے ساتھ ہی +

آزادی کی طرف سے نا امید ہوکر مشتاق مہینوں قبرستانوں میں مارا مارا پڑا پھرا - پھر
مدة تک غائب رہا سنا کہ کہیں باہر نکل گیا - ایک عرصے کے بعد پتہ لگا لوگ جا کر لے آئے
یہاں آیا تو ایسا بیمار پڑا کہ آخر حکیموں نے جواب دے دیا - مستجاب کے مرنے کی خبر سُنی
تو اس توقع سے پھر جی اُٹھا کہ آزادی بیٹھنے والی تو ہی نہیں - جوان عمر - آگے کوئی اولاد
نہیں - سسرال والوں سے بگاڑ - ننہال مولوی - کہ اُن کی طرف سے نکاح ثانی کا تقاضا نہ ہوگا
تو مزاحمتہ بھی نہیں کر سکتے - باپ کی رائے معلوم ہی کہ وہ عدة کو بھی ضروری نہ سمجھتے ہونگے
پس آزادی دوسرا نکاح کرے پر کرے - من جانب اللہ ایسا موقع پیش آیا ہی اس کو تو ہاتھ سے
نہ جانے دوں - اب یہ لگا منصوبے سوچنے کہ کیا تدبیر کروں - خواجہ آزاد کے ساتھ اگرچہ راہ و رسم

چھوٹ گئی ہی مگر میں اِن سے خدانخواستہ کچھ لڑا نہیں - جھگڑا نہیں - رُو در رُو ان سے کسی طرح کی شکایت کرنے کی نوبت نہیں آئی - اور وہ آدمی اپنے دم سے ہیں بھی ایسے بے تکلف کہ شاید اُن کو میری غیر حاضری کا خیال بھی نہ ہو - اور اگر خیال کرتے ہوں گے تو اپنے جی میں شرماتے بھی ضرور ہوں گے کیوں کہ یقیناً اُن کی مرضی ملانے کو بیٹی دینے کی نہ تھی - یہ جو کچھ ہوا اُن کی رائے کے خلاف ہوا اور اِس معاملے نے امورِ خانہ داری میں اُن کی بے اختیاری کا پردہ فاش کر دیا - اور اب اگر ایسا موقع آیا تو تلافیِ مافات کے لئے ضرور میری حمایت کریں گے - غرض اول تو وہ مجھ سے نارضامند نہیں اور نارضامند ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اگر ہوں تو ان کو رضامند کر لینا کچھ مشکل نہیں - نارضامند ہوں گے بھی تو اسی خیال سے کہ میں اُن سے رُوٹھ کر بیٹھ رہا تو یہ خیال میرے حق میں مفید ہی اور میں کہتا ہوں کہیں خدا کرے انھوں نے ایسا خیال کیا ہو اور نہ کیا ہو تو اب کریں - میرے رُوٹھنے کا خیال کریں گے تو اس کے ساتھ اُس کی وجہ بھی ضرور خیال میں آئے گی اور یہی تو میں چاہتا ہوں - اُن پر یہ تو ظاہر ہو جائے گا کہ میری خواستگاری عام طور کی خواستگاری نہ تھی بلکہ اس کے ساتھ اصرار و ابرام بھی لیکن خیر وہ تو موقع اُن کے دخل دینے کا تھا بھی اب غالب یہ ہی کہ خواجہ صاحب بالکل بیٹی کی رائے پر رکھیں - وہ تو اُس وقت بھی چاہتے تھے کہ بیٹی ہی کی پسند پر ہو مگر ہندوستانی سوسائٹی ابھی ایسی باتوں کے لئے طیار نہیں - میں خیال کرتا ہوں ایک مرتبہ نکاح ہو جانے سے عورت پر لحاظ کی اس قدر قید باقی نہیں رہتی - تو اب جو کچھ ہی آزادی ہی اُسی کو راضی کرنا چاہئے - بادی بیگم اپنی طرف سے بہتیرا زور ماریں گی کہ بیٹی اُن کے قابو میں رہے مگر آزادی کا مزاج بڑا ہی غیور واقع ہوا ہی میں نہیں خیال کرتا کہ اُس کو بھوپال سے تیس روپے مہینا ملے اور وہ باپ کے ٹکڑوں پر پڑی رہے - دوسرے بھائی بھاوجوں سے بھی کچھ ایسا میل جول نہیں - بہر کیف حدّ تک تو کچھ ہوتا ہوا تا نہیں - بالفعل مجکو اتنا ہی کرنا چاہئے کہ میرا کوئی آدمی آزادی کے پاس لگا رہے کہ یوماً فیوماً اور وقتاً فوقتاً مجکو وہاں کے حالات سے مطلع رکھے اور وہ آدمی ایسے سلیقے کا ہو کہ ان سب کے دلوں کو ٹٹولتا رہے اور جب معلوم ہو کہ نکاحِ ثانی کی تحریک ہونے کو ہی تو سوائے میرے کسی کی بات کو

اُس کو میرے نام کی چڑ ہی - اور یہی حضرۃ تو تھیں جنھوں نے مستجاب کو پسند کیا تھا - اور
چوں کہ مولون ہیں اُس کے مزاج میں بڑا ہی تعصّب ہی - رات دن میاں کے ساتھ جھتنی رہتی ہی
میں نے تو اس طرح کی ضدّی عورۃ دیکھی نہیں کہ لاجواب ہو ہو جائے اور قائل نہ ہو - اس
بغلی گھوسے سے خدا پناہ میں رکھے - اور جب اصل الاصول آزادی ہی کا یہ حال ہی کہ کسی
وقت اپنے پہلے میاں کو نہیں بھولتی تو کنکوا پتّے سے اُکھڑا ہوا ہی پیچ لڑیں گے کیا خاک -
غرض رو داد تو کچھ بگڑی ہوئی سی دکھائی دیتی ہی - آزادی ہی قسمۃ کی ہوتی تو پہلا ہی
کھیل کیوں بگڑتا - مشتاق کا یہ مایوسانہ کلام چھلاوا نے اُسی طرح پر سُنا جیسے کبھی ہم نادان
بچوں کی باتیں سنا کرتے ہیں - اور مسکرا کر کہنے لگی کہ حقیقۃ میں مرد وے بڑے ہی بھولے
ہوتے ہیں اور تم کو تو دنیا کی ہوا تک بھی نہیں لگی - میاں میرے اور رو دادوں کی تو میں
کہتی نہیں آزادی کا کسی وقت میاں کو نہ بھولنا ہی تو اس بات کی بڑی شناخت ہی کہ وہ
بیٹھنے والی نہیں - اس سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس کی طبیعۃ اُنس پذیر واقع ہوئی ہی - اس
مزاج کے آدمی بے اس کے کہ اُن کو کسی نہ کسی کے ساتھ اُنس ہو رہ نہیں سکتے - تم اپنے
ملاقاتیوں میں خیال کرو جن کی بیبیاں مر جاتی ہیں ادبدا کر دیکھا ہی کہ جس کو بی بی کے ساتھ
زیادہ اُنس ہوتا ہی وہی جلد دوسرا نکاح بھی کرتا ہی - سبب کیا کہ عورۃ کا ہونا اس کے لئے
شرط زندگی ہی - اس وقت تک تو روداد کچھ بگڑی بگڑائی نہیں اور تم بے موقع جلدی
جا کر بگاڑ دو تو خبر نہیں صبر کئے بیٹھے رہو دیکھو تو کیا ہوتا ہی - اتنا تو میں کہتی ہوں کہ اگر آزادی
کو تمھارے گھر نہ لا بٹھاؤں تو چھلاوا اپنا نام نہ رکھواؤں - میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ آزادی
کی تو کچھ بات ہی نہیں کوئی مشکل سے مشکل کام بتا کر مجھ ناچیز کا کمال دیکھا ہوتا - بُرائی کرنے
پر آؤں تو شاہوں شام آزادی کو یہاں لا کھڑا کر دوں - مگر وہ بات تم کو منظور نہیں میں بھی
کہتی ہوں خیر کچھ ضرور نہیں -

چودہویں فصل - کُٹنی آزادی کے مزاج میں دخل پیدا کرتی اور آزادی کی رہ ابدلنی شروع ہوتی ہی

غرض اس وقت تک کہ آزادی نے اپنے [illegible] ل کے آنے بندی ہے چھلاوا

کوئی کارگزاری ظاہر نہ ہوئی۔ اندر اندر اور چپکے چپکے جو تدبیریں [illegible]تی رہی ہو نہ ہم نے پوچھا
نہ اُس نے کہا۔ جب آزادی نے بندی اُٹھادی اور لوگ اس کے پاس آنے جانے لگے تو
دو چار دن کا غوطہ دے کر چھلاوا بھی ایک خاص وضع بنا کر جا موجود ہوئی آزادی نے اس کو
دیکھا اجنبی صورة اور بری وضع پوچھا تو اس نے کہا مجکو آزمودہ خانم کہتے ہیں اور میں
ہوں تو لکھنؤ کی رہنے والی گردہ سے بھوپال میں رہنے کا اتفاق ہوتا ہی تمھارے میاں مولوی
مستجاب مرحوم کی اللہ اُن کو جنة نصیب کرے ہم لوگوں سے بڑی راہ و رسم تھی۔ میرے
سامنے اُن کا انتقال ہوا۔ وہ اکثر ہم لوگوں سے تمھارا تذکرہ کیا کرتے تھے میں یہاں آنے لگی
تو دل میں کہہ کر چلی تھی کہ تم سے ضرور ملوں گی۔ تو آج خدا نے یہ آرزو پوری کی۔ مگر جیسا حال
تمھارا مولوی صاحب نے بیان کیا تھا اُس میں اور تمھاری اب کی حالة میں آسمان اور زمین
کا فرق ہی۔ اب میں نے تم کو اٹکل سے پہچانا ورنہ تم کو اصلی حالة میں دیکھتی تو شاید ہزار
بیبیوں میں بھی غلطی نہ کرتی۔ جتنا تم نے میاں کا غم کیا شاید دنیا میں اور کوئی نہ کرتا ہوگا۔
چھلاوا نے جس کو اب آزمودہ خانم کہنا چاہئے جو تقریب ملاقاة کی نکالی اس سے بہتر کوئی اور
تقریب ہو نہیں سکتی تھی۔ مستجاب کا نام سن کر آزادی روئی اور اس کا رونا حق بجانب تھا۔
مگر تعجب تو یہ ہی کہ آزمودہ بھی آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ جب غم کی شورش فرو ہوئی تو آزادی نے
مولوی صاحب کے تفصیلی حالات پوچھنے شروع کئے کہ کیوں کر بیمار پڑے اور کیا بیمار پڑے کس کا علاج ہوا
کون اُن کی خبر گیری کرتا تھا اور مرتے وقت وصیة کے طور پر کچھ کہا یا نہیں۔ آزمودہ بولی
صاحب کا مرنا تو عجیب طور کا مرنا ہوا۔ جمعے کا دن تھا معمول کے مطابق اصلاح بنوائی غسل
کیا۔ کپڑے بدلے۔ کھانا کھایا اور جیسی اُن کی عادة تھی ذرا کی ذرا لیٹے پھر اُٹھ کر وضو کیا نماز کو
گئے۔ نماز میں کھڑے کھڑے چکر سا آیا بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگوں نے جانا غش ہی بہت
دیر ہوئی تو کسی نے سمجھا سکتہ ہی۔ کوئی کہنے لگا مر گئے ہیں۔ سلطان الحکماء اور جرنیل ڈاکٹر بلائے
گئے دونوں نے یہی کہا کہ کچھ ہی نہیں۔ قضا مہلة دیتی تو وہاں دوا اور خدمة کی کیا کمی تھی
آزادی۔ آخر حکیموں نے کچھ بیماری بھی بتائی۔ آزمودہ۔ کیا جانے کو اضعف قلب بتاتے
تھے۔ میں نے نواب سلطان الحکماء سے پوچھا اور بڑے حجة کی تو اُنھوں نے کہا کہ یہ ایک

وہی اُس کا عوض بھی دے گا ضرور دے گا - اور مجکو تمھارے یہاں کھانے میں کیا عذر تھا
مگر دھوتوں سے چھٹکارا نہیں جس کی ضیافت قبول نہ کرو وہی بُرا مانتا ہی اب میری بھانجی میری
راہ دیکھ رہی ہوگی لو اللہ بیلی - آزادی - اپنا پتہ ٹھکانا بتا جاؤ تو میں ہی تم سے ملنے کو آؤں - آزمودہ
نہیں نہیں - تم گھر سے پانو نکالنے کا کبھی خیال بھی نہ کرنا میں ہی کل نہیں تو پرسوں ضرور ضرور
آؤں گی - دوسری ملاقات میں آزمودہ نے جہاں اَور بہت سی جھوٹ جھوٹ باتیں بنائیں
کم بخت ایک تہمت بیچارے معصوم مولوی مستجاب مرحوم پر بھی لے مری تا کہ آزادی کا دل
ان کی طرف سے پھر جائے اور آخر کار پھر ہی گیا - اُس نے بیان کیا کہ تم نے نازک اندام بیگم
کا نام تو سنا ہوگا یہ اصل میں لکھنؤ کے مرشد زادے عالی جناب کی خواص تھیں - غدر میں
جب لکھنؤ تباہ ہوا تو کسی طرح جو ایک قصہ طلب بات ہی بھوپال میں آ کر سکندر بیگم کی مصاحب
ہوئیں - لکھنؤ کی سی ثروت تو کہاں نصیب ہونی تھی مگر خیر بھوپال میں ان کی پچیس ہزار
روپیے سال کی جاگیر ہو گئی یوں کہو کہ آنسو پچھ گئے - چوں کہ آدمی منتظم ہیں وہاں کی معتبر
سرکاروں میں گنی جاتی ہیں - ان کے اپنے بطن سے تو کوئی اولاد ہوئی نہیں - ایک لڑکی کو
گود لے رکھا ہی - اب وہ لڑکی خدا کے فضل سے جوان ہوئی اُس کے لئے شوہر کی تلاش تھی اور ہی
نازک اندام بیگم صاحب کا آنا جانا محلات شاہی میں تو لگا ہی رہتا ہی - خدا جانے کس طرح
اُنھوں نے تمھارے میاں کو دیکھا اور دیکھنے کے ساتھ لٹو ہو گئیں - سواری سے اُترتے
ہی مجھ سے بولیں کہ لو بُوا آزمودہ آج میں اپنی مرضی کا داماد دیکھ آئی - حال دریافت کرنا کیا مشکل
تھا - اگلے ہی دن نواب صاحب سے کہلا بھیجا کہ ان مولوی صاحب کو تو ہمیں دو - یوں
مولوی صاحب سے اور ہماری سرکار سے راہ و رسم شروع ہوئی - مولوی صاحب آتے اور
بیگم صاحب جاگیر کے حکم احکام ان سے لکھواتیں اور کچھ لکھوانا پڑھوانا نہ ہوا تو ادھر اُدھر
کی باتیں کرتیں - حاشا مولوی صاحب مر گئے اور مجکو مرنا ہی میں مرے ہوئے آدمی پر جھوٹ
نہیں بولوں گی میرے سامنے تو کبھی شادی بیاہ کا مذکور آیا نہیں لیکن بیگم صاحب تو مولوی
صاحب کے سامنے ہونے لگی تھیں اور بیٹی کو بھی زیادہ نہیں بس ایک بار یا دو بار نہیں معلوم
قصداً یا دھوکے سے ذرا کی ذرا مولوی صاحب کے آگے ضرور کیا ہی لیکن اندر باہر سب تاڑ گئے تھے

اتنے میں تو مولوی صاحب کا واقعہ ہو گیا۔ بیگم صاحب نے بڑا ہی رنج کیا مگر کیا ہوتا تھا۔ ایک
مدۃ سے داماد کی تلاش تھی اب ایک آدمی اپنی مرضی کا ملا تھا تو ذرا اطمینان ہو گئی تھیں اب پھر
بدستور پریشان ہیں۔ کچھ ایسے پیچ آ کر پڑے ہیں کہ وہاں اُن کو بیٹی دینی منظور نہیں۔ اور
ماشاء اللہ لڑکی ہے کہ بادل کی طرح امڈی ہوئی چلی آتی ہے۔ میں نے بھی اپنی قرابۃ میں لکھا تھا کہ
اگر کوئی لڑکا تمھاری نظر میں ہو تو لکھنا انھوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے پھر تقاضا لکھا کہ
ایسی عمدہ جگہ کے تو ہزاروں خواہاں ہوں گے تم کو دلی میں کوئی آدمی نہیں ملتا حقیقۃ میں دلی
والوں کی کچھ تقدیریں پھوٹی ہوئی ہے۔ اب ان لوگوں نے ایک شخص کا نام لیا اور لکھا کہ سرکار
دربار کی باتیں ہیں ابھی بیگم صاحب پر تو اس کو ظاہر کرو نہیں تم آپ آ کر اپنی آنکھوں سے
دیکھ جاؤ۔ یہ میرے آنے کی تقریب ہے ورنہ کہاں مَیں اور کہاں دلی۔ آزادی۔ پھر تم نے اُس
لڑکے کو دیکھا اور کیسا پایا؟ آزمودہ۔ دیکھا اور خوب اچھی طرح سے دیکھا جو دیکھنے کا حق ہے
میں نے خود اس سے پہروں باتیں کیں اور ہر طرح سے اُس کو ٹٹولا۔ اس میں شک نہیں
کہ عورۃ کو اس سے بہتر شوہر۔ ساس سسرے کو اُس سے بہتر داماد۔ ماباپ کو اس سے بہتر
بیٹا۔ غرض اُس سے بہتر آدمی ملنا مشکل ہے۔ مگر اس سے زیادہ مشکل ہے اُس کا راضی ہونا۔
آزادی۔ دلی میں ایسا کونسا بشر ہے؟ آزمودہ۔ پرکھنے والا ہو تو پتھروں میں سے ہیرے
کو ڈھونڈ نکالے۔ مگر ابھی میں اس کا نام نہیں بتانا چاہتی اس میں کچھ مصلحۃ ہے۔ خدا نے
چاہا پھر آؤں گی تو اس کی ساری حقیقۃ تم کو کہہ سناؤں گی۔ آزمودہ تو اتنی باتیں کر کے رخصتہ
ہوئی اور آزادی لگی دل ہی دل میں سوچنے کہ یہ عورۃ ظاہرا مجھ سے کوئی غرض اور مطلب
نہیں رکھتی۔ میں نے چاہا کہ میرے پاس ٹھیرے تو اُس نے ٹھیرنے سے انکار کیا۔ میں نے کہا
کہ میرے کرنے کا کوئی کام ہو تو میں تمھاری مدد کو حاضر ہوں اس وقت تک مجھ سے کسی طرح کی مدد
کی درخواست نہیں کی۔ جتنی باتیں کیں سب پتے اور ٹھکانے کی۔ بے شک مولوی صاحب
امیروں کی صحبۃ میں بیٹھ کر بہک گئے ہوں تو کچھ تعجب نہیں۔ دولۃ ہی بھی ایسی ہی بُری
بلا کہ اس کا نشہ ایک بار تو فرشتے کو بھی بھوت بنائے بغیر نہ رہے۔ ہمارے ہی شہر کے امیروں
کا کیا حال ہے مردانے پلید ناپاک۔ زنان خانے گندے نجس۔ خراب۔ نالائق طریقے۔ لغو بیہودہ مشغلے۔

ایک لونڈی کا جنا ہی تو دوسرا رنڈی کے پیٹ کا۔ شرافت چھو نہیں گئی۔ بھلمنساہت کے
پاس ہوکر نہیں نکلے۔ قلعے کے جو جو حالات سننے میں آئے اور لکھنؤ کی جیسی جیسی باتیں مشہور
ہیں ہم لوگ تو کانپ کانپ اُٹھتے ہیں۔ بیچارے مولوی صاحب کا تو وہی حضرۃ یوسف کا سا
حال ہوا ہوگا۔ بھلا وہ تو پیغمبر تھے اُن کو خدا نے زلیخا کے پھندوں سے بچایا مولوی صاحب
اس بیسوا نازک اندام کے دام سے کیا محفوظ رہے ہوں گے۔ خیر اب مرے ہوئے آدمی کو میں
کیا کہوں مگر بے وفائی تو ضرور کی۔ دنیا دیکھ رہی ہی کہ میں نے اُن کے حقوق میں سے رتی برابر
بھی کوئی حق فروگزاشت نہیں کیا۔ جب تک یہاں رہے اُن کی فرماں برداری سے کسی حالت میں
باہر نہ ہوئی۔ پیٹھ پیچھے کسی سے اُن کا گلہ شکوہ نہ کیا۔ جو اُنھوں نے لاکر دیا تھوڑا یا بہت
خوش دلی سے سر آنکھوں پر رکھا۔ میری تو کیا حقیقت تھی مگر اُس پاک پروردگار کا شکر ہی اُن کی
امانت میں کسی طرح کی خیانت نہ کی۔ یہاں تک کہ اُس بے نیاز نے شریعت کے قاعدے کے مطابق
عدۃ بھی پوری کرادی اور میں اُن کی زوجیت سے ادا ہوئی۔ میں نے اُن کے مرنے کا اتنا
رنج کیا کہ بس خدا ہی پر خوب روشن ہی یہاں تک کہ میں نے اپنے تئیں اپنے ہاتھوں ہلاک کرنا چاہا
اور سب سب طرح کے منصوبے سوچے مگر کبھی بھول کر بھی دوسرے نکاح کا خیال نہ کیا۔ صرف
اس لئے کہ وہ جیتے جی میرے ہوکر رہے شرط مروۃ یہ ہی کہ میں بھی جب تک دم میں دم ہی اُن ہی
کی ہوکر رہوں۔ لیکن آزمودہ کی زبانی جو حالات سنے اگر سچ ہیں اور کوئی سبب سمجھ میں نہیں
آتا کہ سچ کیوں نہ ہوں تو وہ شرط مروۃ بھی باقی نہیں رہی۔ اور اب میں غور کرتی ہوں تو
میرا یہ خیال بھی غلط تھا کیوں کہ اگر دوسرا نکاح داخل بے مروتی ہوتا تو خدا ہرگز اُس کا حکم
نہ دیتا۔ بے مروتی تو بُری بات ہی تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ توبہ توبہ خدا اپنے بندوں کو حکم
دیتا ہی کہ بُرائی کرو۔ ایک بات اور بھی سمجھ میں آتی ہی کہ بے مروتی کے بُرا ہونے کا بڑا سبب
یہ ہی کہ بے مروتی سے اُس کو رنج پہنچتا ہی جس کے ساتھ بے مروتی کرو اور یہاں تو یہ صورۃ
بھی نہیں۔ تو دوسرے نکاح کو بے مروتی کہنا ہی غلط ہی۔ اگر میری عمر دوسرا نکاح کرنے کی
نہ ہوتی یا میرے آگے اولاد ہوتی تو شاید دوسرے نکاح کا خیال کرنا نامناسب تھا۔ لیکن
بے مروتی کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسری دوسری باتوں کے لحاظ سے۔ سو کنبے میں مجھ سے بڑی بڑی

عمر کی بیٹھی ہیں جن کی منگنی کا بھی ذکر تذکرہ نہیں۔ اور میرا بیاہ بھی اس جلدی سے اماجان
نے کر دیا تھا ورنہ ابا جان کی رائے پر ہوتا تو شاید ابھی تک میرے بیاہی جانے کی نوبت بھی
نہ آتی۔ آتے ہی اس سے تو میرا بیاہ نہ ہوتا تو بہتر تھا۔ اماجان نے ناحق میری منزل کھوٹی
کی گھر گھر کنواریاں بیٹھی ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا۔ ان کے آگے میری قدر کیوں ہونے لگی
اور گو دوسرا ہی نکاح کیوں نہ ہو مگر اس کی چھیڑ چھاڑ میری طرف سے تو ہو نہیں سکتی۔ لوگ
شاید کرتے بھی ہیں نے ہی ایسا ڈھنگ ڈالا کہ کسی کو جرأت نہ ہوئی اور میرا وطیرہ دیکھ کر سب کے
سب اپنی جگہ رُک گئے۔ لیکن ابھی بھی کیا گیا ہے۔ کُردن ہوئے کہ میں نے لوگوں کو اپنے پاس آنے کی
اجازت دی ہفتے عشرے سے عورتیں آنی شروع ہوئی ہیں میں ان کے ساتھ اکھڑی اکھڑی
باتیں نہ کروں ایسا تو کیا ہے کوئی نہ کوئی تو ان میں سے اس کا اشارہ کرے پر کرے۔ اگر میں سُن کر
چپ بھی ہو رہوں تو لوگ سمجھ لیں گے کہ مجکو انکار نہیں پھر بات کا سلسلہ آگے کو چلے۔ لیکن
ابھی تو میری ہی رائے کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ پہلے میں اپنے دل میں تو فیصلہ کر لوں کہ دوسرا
نکاح کرنا بھی یا نہیں کرنا اگر نہیں کرنا تو شاید لوگوں سے ملنے ملانے کی بھی چنداں ضرورت
نہیں۔ میں نے جو لوگوں سے ملنا جلنا شروع کیا تو اسی غرض سے کہ میری دل بستگی کی کوئی شکل
نکلے۔ سو میرے دل کا حال مجھ سے بہتر کیا کوئی جانے گا۔ عورتوں کے دل کے بہلانے کی
جو جو صورتیں ہیں اور ہو سکتی ہیں میں نے کوئی باقی نہیں چھوڑی جس کو ابتدا سے انتہا
تک اچھی طرح سوچا سمجھا نہ ہو۔ ان میں سے تو کوئی بات دل کو نہیں لگتی اور حقیقت میں
اس کی توقع کرنی ہی نادانی ہے کہ دنیا میں کوئی چیز بھی بیوگی کی تلافی کر سکتی ہے۔ پھر اس کو
خیال آیا کہ کسی شخص نے بیوہ عورتوں کے دوسرے نکاح پر ایک رسالہ تصنیف کیا تھا
اور وہ کہیں نہ کہیں میری کتابوں میں ضرور ہوگا۔ اُس کو ڈھونڈ کر نکالا اور دیکھا تو
اُس میں لکھا تھا۔ کہ دیکھنے۔ سننے۔ سونگھنے۔ چکھنے۔ چھونے کی قوتیں جو خدا نے انسان
کو دی ہیں اور جن کو حواس خمسہ کہتے ہیں گویا اتنی قسم کی ضرورتیں ہیں۔ ایک ضرورت
کو دوسری ضرورت رفع نہیں کر سکتی۔ نہ دیکھنے کا کام سننے سے نکلتا ہے اور نہ سننے کا
سونگھنے سے۔ علیٰ ہذا القیاس آدمی کے دل میں بھی طرح طرح کی خواہشیں ہیں۔

مثلاً دولۃ کی خواہش۔ اولاد کی خواہش۔ نام ونمود کی خواہش۔ تن درستی کی خواہش۔ جو دولۃ کا خواہاں ہی اولاد اور نام ونمود اور تن درستی کسی چیز سے دولۃ کی طلب کم نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جس کو اولاد کا ارمان ہی وہ کبھی خوش ہو کہ اس کو اولاد ملے۔ اگر اولاد کے بدلے روپیہ دے دیا جائے یا اس کے نام کے اشتہار چھپوا کر دنیا میں بانٹ دئے جائیں تو وہ کیوں راضی ہونے لگا۔ تو جب کوئی ضرورۃ کسی دوسری ضرورۃ سے رفع اور کوئی خواہش کسی دوسری خواہش سے پوری نہیں ہوتی اور نہیں ہو سکتی تو خانہ داری کی خواہش کو بھی خانہ داری ہی پوری کرے تو کرے۔ اس میں شک نہیں کہ انسانی ضرورتوں کے درجے برابر نہیں۔ مثلاً ایک ضرورۃ تو تنفس یعنی سانس لینے کی ہی کہ بدون اس کے آدمی دو یا تین منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا اس سے اتر کر کھانے پینے کی کہ خیر جبراً قہراً جیسے کے رمضان میں بھی روزے رکھنے ہی پڑتے ہیں۔ اور ایک ضرورۃ ابناے جنس کے ساتھ مل جل کر رہنے کی بھی ہی کہ آدمی اکیلا تن تنہا جنگل بیابان میں رہنا چاہے تو نہیں رہ سکتا۔ ان ضرورتوں میں سے بعض ناگزیر ہیں۔ بعض سخت۔ بعض سخت تر۔ اسی طرح خانہ داری کی ضرورۃ بھی ضرورۃ ہی گو تنفس کی طرح ناگزیر نہ ہو۔ یہ ضرورۃ عمر کے ایک خاص درجے پر پونہچ کر پیدا ہوتی ہی مگر اس سے اس کے ضروری ہونے میں کوئی کلام نہیں کر سکتا۔ یوں تو کھانے پینے کی ضرورۃ بھی دودھ چھوٹنے کے بعد لاحق ہوتی ہی مگر پھر بھی کھانا پینا جیسا ضروری ہی سب کو معلوم ہی۔ خانہ داری کی ضرورۃ کو ہر زمانہ میں ہر ملک ہر قوم ہر مذہب ہر ملۃ کے لوگ تسلیم کرتے آئے ہیں۔ وحشی سے وحشی قوموں میں بھی خانہ داری کا رواج ہی۔ اور چونکہ آدمیوں کی نسل کا پھیلنا اور باقی رہنا موقوف ہی خانہ داری پر تو یہ ضرورۃ بڑی بکار آمد ضرورۃ ہی۔ ہندوؤں میں جوگی اور عیسائیوں میں راہب اس ضرورۃ یا اس ضرورۃ کی شورش کو مٹانا اور دبانا چاہتے ہیں تو اُن کو کیسی کیسی مشکلات پیش آتی ہیں یہاں تک کہ انسانیۃ سے گزر جانا پڑتا ہی۔ اور چونکہ یہ انتظام الٰہی کا مقابلہ کرتے ہیں اُن کی ضروری سزا ہی کہ زندگی اُن کے حق میں عذاب اور وبال ہو۔ اس پر بھی بہت کم ہیں وہ لوگ جو سچے طور سے اپنے ارادے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اسی مصلحت سے اسلام نے رہبانیۃ کی سخت ممانعۃ کی کیوں کہ رہبانیۃ

نبھ نہیں سکتی اور اگر ہزار مصیبت نبھی بھی تو انسان کو از کار رفتہ کر کے - یہ کچھ کم فخر کی بات
نہیں کہ کسی مسلمان بادشاہ نے رہبانیۃ کی حمایۃ نہیں کی - لکھنؤ کے بادشاہوں کو تو ایسی ہی ایسی
بونگی باتیں سوجھا کرتی تھیں - نصیر الدین حیدر نے اچھوتیاں ایجاد کی تھیں تو سارا لکھنؤ اُن
اچھوتیوں کے نام سے پناہ مانگتا تھا - لیکن اگرچہ یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے
رہبانیۃ کی حمایۃ نہیں کی مگر اُس سے کہیں بڑھ کر شرم اور افسوس کی بات یہ ہے کہ کل مسلمان رہبانیۃ
کے طرف دار اور اُس کے حامی و مددگار ہیں بیوہ کا دوسرا نکاح نہ کرنا کھلی ہوئی رہبانیۃ نہیں تو
کیا ہے - ہم جب جب خیال کرتے ہیں تو ہم کو سخت حیرۃ ہوتی ہے کہ دوسرے نکاح کے ضروریات
انسانی ہونے میں کلام نہیں - قرآن میں انکحوا الایامی منکم (اپنی رانڈوں کے نکاح کر دو) کا
حکم صاف و صریح موجود ہے جس میں کسی طرح کی تاویل کی گنجائش نہیں - پیغمبر صاحب کی حدیث
تو حدیث اُن کا اپنا فعل اپنا عمل در آمد کہ بی بی حضرۃ عائشہ رض کے سوائے آپ کی جتنی بیبیاں
تھیں کسی کے آپ دوسری جگہ تھے اور کسی کے دوسری سے بھی زیادہ - تین صاحبزادیاں -
حضرۃ فاطمہ تو جناب علی مرتضی کے ساتھ بیاہی گئیں اور اُن ہی کے نکاح میں انتقال فرمایا
باقی رہیں دو صاحبزادیاں دونوں کے دو دو بار نکاح ہوئے - اور تمام خاندان نبوی
اور تمام اصحاب کے گھروں کا یہی حال تھا - ان لوگوں میں بیوہ کا دوسرا نکاح ایسا ہی ضروری
اور لازمی اور معمولی تھا جیسا ہم لوگوں میں عورۃ کا پہلا نکاح - اور اب بھی عرب شام روم
افریقہ فارس کہیں کے مسلمان بیوہ کے دوسرے نکاح میں کسی طرح کی عار نہیں سمجھتے یہ خاص کر
کچھ ہندوستان ہی کے مسلمانوں کی شامتہ ہے کہ انھوں نے بیوہ کے دوسرے نکاح کو عیب
سمجھ رکھا ہے - یہ ان پر ہندوؤں میں رہنے کی پھٹکار ہے - احمقوں نے ہندوؤں کی رسم تو
اختیار کر لی مگر یہ نہ سمجھے کہ اس رسم کے پیچھے دنیا اور دین اور ایمان سب کچھ کھو بیٹھے - بیوہ
کا نکاح نہ کرنا ہے تو وہ بھی بڑا بھاری گناہ - ایک چھوڑ دو دو - کیوں کہ بیوہ پر ظلم کرنے کا ایک
گناہ حق العبد - اور خدا کی نافرمانی دوسرا گناہ حق اللہ - لیکن اس کو عیب سمجھ کر اور عار قرار
دے کر نہ کرنا اور نہ کرنے دینا اور کرنے والے کو نظر حقارۃ سے دیکھنا اور نکاح ثانی کی نسل کو
از روے شرافۃ نسب ہیٹا سمجھنا ہمارے نزدیک تو شرک اور کفر اور ارتداد سب سے بڑھ کر ہے

کیوں کہ اس سے خاندانِ نبوۃ اور بزرگانِ دین کی ناموس میں طعن لازم آتا ہی۔ بیا اچھا اسلام آرا
مونہہ سے صلی اللہ علیہ وسلم اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کرّم اللہ وجہہ اور رحمۃ اللہ علیہ کہیں
اور دل ہی دل میں معاذ اللہ توبہ توبہ نقل کفر کفر نباشد ان کو جورو بیٹی کی گھی گالیاں دیں۔
گالی پتھر تو نہیں کہ اس کے لگنے سے ہڈی ٹوٹ جاتی یا گوشت پھٹ جاتا یا خون نکل آتا ہو۔
کسی کی آبرو میں حرج کرنے کا نام گالی ہی اور وہی صورۃ یہاں بھی ہی۔ آزادی تو اس مضمون
کو پڑھ کر لرز گئی اور لرزنے کی بات ہی تھی اس نے توبہ اور استغفار تو بہت کچھ کی مگر پھر معذرۃ
کے طور پر کہنے لگی کہ بے شک مجھسے اتنا قصور تو ہوا کہ میں نے دوسرے نکاح کا ارادہ نہیں کیا
اور نہ اس طرف میرا ذہن منتقل ہوا لیکن نہ اس خیال سے کہ دوسرا نکاح بے عزتی اور بےغیرتی
کی بات ہی بلکہ میں نے تو بیٹھے رہنے کو شیوۂ مروۃ اور شرط وفاداری سمجھا تھا سو یہ بھی میری غلط فہمی
تھی۔ میں مروۃ اور وفاداری کو پیغمبر زادیوں سے بہتر کیا سمجھوں گی۔ میں تو کسی بات میں
بھی اُن کی جوتیوں کی برابری نہیں کر سکتی ✣

پندرویں فصل۔ کٹنی آزادی کو شہ دیتی ہی۔

آزادی کے خیالات یہاں تک پونہچے تھے کہ پھر آزمودہ اس سے ملنے کو آئی۔ آزادی نے
خود ہی اس سے پوچھا کہو بی کیا خبر ہی۔ میں امید کرتی ہوں کہ تم نے اپنی بیگم صاحب کے داماد کو
راضی کر لیا ہوگا؟ آزمودہ۔ ای بی داماد تو نہ بناؤ ناحق گالی چڑھتی ہی وہ مردوا اس وقت تک
تو راضی ہوا نہیں اور میں سمجھتی ہوں کہ راضی ہوگا بھی نہیں۔ آزادی۔ آخر سبب کیا؟
وہ لوگ کوئی سڑی ہی کہ گھر آئی ہوئی دولت کو لات مارتا ہی۔ یا اپنے گھر کا ایسا بڑا امیر ہی کہ اس کو
دولت کی پروا نہیں۔ سو میری نظر میں ایسا امیر اب کوئی دلی میں تو ہی نہیں۔ یا تمھاری لڑکی
میں کسی طرح کی کوئی قبیح ہی اور نہیں مانتا تو پڑے چولھے میں۔ تم کسی مشاطہ کو اشارہ کر دو
شام تک رقعوں کا ڈھیر لگا دے گی۔ پردیس کا معاملہ ہی جان نہیں پہچان نہیں اس سے
لوگ ذرا ہچکچائیں گے لیکن کچھ بھی ہو دولت کے آگے کسی کو کچھ نہیں سوجھ پڑتا۔ ہائے
افسوس میں مرد نہ ہوئی نہیں تو آنکھ بند کر کے تمھارے ساتھ ہو لیتی۔ مگر بیگم صاحب کیا مجھے خلاملے

لاتیں۔ آزمودہ۔ یہ بھی تم نے ایک ہی کہی کہ تم کو اور خاطر میں نہ لاتیں۔ تم کو اپنے حُسن کی قدر
معلوم نہیں۔ تمھاری صورۃ کے آدمی لاکھوں میں نہیں ہزاروں میں مشکل سے ایک دو
ہوتے ہیں۔ میری ساری عمر ایسے ہی لوگوں میں بسر ہوئی ہی اور لکھنؤ میں میری نظر سے ایک
وقت گزرا ہی کہ جدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھو بس ایک گل لالہ پھولا ہوا ہی۔ یہ میں کچھ تمھارے مونہ دیکھے
کی بات نہیں کہتی حقیقۃ میں ماشاء اللہ تمھاری سی آن بان کم ہوتی ہی۔ تم میں ایک بڑی عمدہ بات
یہ ہی کہ بُڑھاپے تک تمھاری یہی سج دھج بنی رہے گی۔ اگرچہ تمھارے اولاد نہیں ہوئی مگر تم نے
ایسا روحی صدمہ اُٹھایا ہی کہ کیسے سے کیسا ہی حسین ہوتا اس جھکولے میں آکر اس کی ساری بخبہ
دانت نکال دیتی۔ لیکن چشم بد دُور تمھارے کسا وہیں کہیں سے ذرا فرق نہیں آیا۔ تم نے چمپئی
رنگ ایسا پایا ہی کہ اس کو کبھی زوال ہی نہیں۔ آزادی۔ آئی ہی آگ لگے اس حُسن کو۔ بلا سے
کالی بھٹ ہوتی۔ لمبی بے ڈول ہوتی۔ سوکھی لقات ہوتی۔ یا پھپس۔ بونی۔ بالشتن۔
غرض کچھ بھی ہوتی مگر ہوتی سُہاگن۔ اب اس کم بخت صورۃ کو لے کر چاٹوں یا تعویذ بنا کر گلے
میں لٹکاؤں یا کیا کروں۔ آزمودہ۔ جب خدا کسی کو کسی طرح کی دولۃ دے تو چاہئے کہ اُس کو خرچ
کرے دوسروں کو راحۃ پونہچائے۔ حُسن بھی بڑی دولۃ ہی جس کے آج سیکڑوں طالب ہزاروں
خواہاں۔ تم پر تو لوگ اس طرح گریں جیسے شمع پر پروانے۔ اور تم اس حسن کی بدولۃ لالوں کی لال
بنی بیٹھی رہو۔ مگر ہاں اپنے ہاتھوں اپنے تئیں خاک دھول میں ملانا چاہو تو اس کا علاج نہیں۔
سنو بُوا دنیا میں سدا سدا کو رہنا نہیں اور دوبارہ جنم لے کر آنا نہیں خدا ہی کوئی مصیبۃ ڈالدے
جیسے کوئی روگ پیچھے لگ جائے تو مجبوری ہی ورنہ اپنا مذہب تو یہ ہی چر دن جینا چین کرنا۔
مزے اُڑانا اور عیش کی شرابیں پینا۔ مرنا یوں بھی مرنا وو بھی۔ آزادی۔ توبہ کرو توبہ۔
یہ تمھارے کیسے خیالات ہیں مر کر خدا کو بھی مونہ دکھانا ہی یا نہیں۔ آزمودہ۔ اری بُوا کس نے
دیکھا ہی یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ اچھے اچھے مولویوں کو دیکھ لیا بس کیوں کسی کا پردہ
کھلواتی ہو۔ ان دنوں ہمارے بھوپال میں مولویوں کی یہ کثرۃ ہی کہ ٹڈیوں کی طرح آسمان
سے برستے اور چینوٹوں کی طرح زمین سے نکلے چلے آتے ہیں۔ بس تقویٰ اور طہارۃ ہاتھی
کے دکھانے کے دانت ہیں۔ اور اگر کوئی بڈھا کھڈا تو سوچ ہے پورے کرکے آخر عمر میں

گر یہ مسلمیں بنا تو اُس کی سند نہیں۔ اس عمر میں تو سبھی تاکہ خدا کو دھوکا دینے کے لئے
تہجد گزار ہو جاتی ہیں۔ آزادی۔ میں کہتی ہوں مولویوں کے فعلوں کو سند گردانو ہی مت ۔
پیری کے ہوں تو اور جوانی کے ہوں تو۔ اچھا بُرا کسی کے کرنے نہ کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ خدا رسول
کے حکم سے ۔ آزمودہ ۔ دنیا کے مزے بھی تو خدا ہی نے بنائے ہیں اور پھر جو سب کا حال وہ اپنا حال ۔ اور خدا
کو ایسا ہی ترسانا منظور تھا تو پیدا کرنا ہی کیا ضرور تھا ۔ ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ خدا اتنے سارے
بندوں کو دوزخ میں ڈال کر آپ بیٹھا تماشا دیکھے ۔ خدا کاہے کو ہوا لنگڑا بلا کو ہوا ۔ ہم تو ایسے خدا
کی خدائی سے باز آئے ۔ آزادی ۔ خدا کے لئے تم میرے آگے تو ایسے کفر کے کلمے مونہ سے نکالو مت ۔ میں تو
خیال کرتی تھی کہ مولویہ کا اتنا زور شور ہے تو بھوپال میں بڑی دین داری ہوگی ۔ آزمودہ ۔ میں نے
تم سے کہا نہیں کہ بڑی دین داری تو نہ ہوتی ہی ہے ۔ جس کے پلے ٹکا نہیں ۔ پیٹ کو روٹی نہیں
تن کو کپڑا نہیں ۔ یا جو قبر میں پانو لٹکائے بیٹھے ہیں وہ دین دار نہ ہوں تو کیا ہوں ۔ بھوپال کی
کیا خصوصیت ہے غریب غربا ۔ کنگلے ۔ مفلس ۔ نادار ۔ بڈھے بے کار ہر جگہ دین دار ہوتے ہیں
وہاں بھی ہیں ۔ اور جس کے پاس اپنی کائنات ہے اُس کو تو دن عید اور رات شب برات ہے ۔

شب دلارام سے گزرتی ہے + صبح اُٹھ جام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے + اب تو آرام سے گزرتی ہے

آزادی ۔ تو کیا تمھاری یہ رائے ہے کہ میں بھی اسی طرح کی زندگی کرنے لگوں ؟ آزمودہ ۔ بے شک
جب سے میں نے تمھارا نام سنا تھا از خود تمھاری محبت میرے دل میں پیدا ہو گئی تھی ۔ اب جو تم کو
آکر دیکھا تو تمھاری صورت مجھکو اس قدر پیاری لگی ۔ کہ اگر تم مرد ہوتیں تو جو چاہے کر ڈالتیں مگر
میں تمھارا پیچھا نہ چھوڑتی ۔ تم نے عورت اپنی عاشق نہ سنی ہوگی تو میں بیٹھی ہوں دیکھ لو ۔ آزادی
یہ تم کیسے اشارے کنائے کی سی باتیں کرتی ہو کہیں تم نے مجھکو لکھنؤ یا بھوپال کی ایسی ویسی
آبرو باختہ تو نہیں فرض کیا ۔ آزمودہ ۔ وہ جو کہتے ہیں عشق کے نام سے گدھے نے کھیت کھانا چھوڑ دیا
تھا تم تو لگیں ابھی سے بگڑنے ۔ بیوی بُو مشک کی مہک اور حُسن کی چمک سات پردوں میں
بھی چھپائے نہیں چھپتی ۔ پردے میں بیٹھے ہوئے تم کو خبر نہیں ہوئی اور میں اسی ٹوہ میں پڑی
پھرتی ہوں ۔ پندرہ بیس جگہ کا تو مجکو حال معلوم ہے کہ لوگ تم پر زہر کھائے بیٹھے ہیں ۔ اور میری

اس وقت کی بات یاد رکھنا کہ تم بہتیرا چاہو مگر لوگ تم کو بیٹھنے نہیں دیں گے- آزادی- کسی کی
کیا مجال ہی کوئی آنکھ بھر کر میری طرف دیکھے تو دیدے نکلوا لوں- بھلا ایک آدھ کا نام تو سنوں-
آزمودہ- ایک تو خواجہ مشتاق ہی ہیں جن کو تم خوب اچھی طرح سے جانتی ہو میرے بتانے کی ضرورت
نہیں- یہ اوّل دن سے تم پر مرتے ہیں اور اسی غرض سے اُنھوں نے تمھارے باپ کے ساتھ
ایسا گاڑھا دوستانہ کر رکھا تھا بلکہ تمھارے باپ تو زبان بھی دے چکے تھے مگر مولوی مستجاب کی
تقدیر وہ تم کو اوپر سے اوپر اُڑا لے گئے یہ بیچارہ مُونہہ دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا- اس کے دل پر
کچھ اس طرح کا صدمہ ہوا کہ مدتوں مُلک در مُلک اور جنگل در جنگل سڑی بنا پڑا پھرتا رہا- پھر
ایسا بیمار ہوا کہ کوئی نہیں کہتا تھا کہ جاں بر ہوگا- تمھارے میاں کا مرنا سُن کر از سر نو جی اُٹھا-
یہی وہ شخص ہی جس کے لئے میں بھوپال سے دلّی آئی- دریافت کیا تو یہ ساری حقیقت کُھلی- خود
اُس سے باتیں ہوئیں تو معلوم ہوا تمھاری توقع میں جیتا ہی- آج اُس کو تمھاری طرف سے
نا امیدی ہو تو جان کا دے دینا اُس کے نزدیک کچھ بھی مشکل نہیں- اُس کو تو میں تمھارا عاشق
صادق سمجھتی ہوں کیوں کہ اُس نے تمھاری دُھن میں بھوپال کی بات کو اچھی طرح کان لگا کر
سُنا تک نہیں- اور یوں تمھارے معمولی چاہنے والے اَور بھی بہت ہیں اور صبح شام میں ان کے
پیام بھی تمھارے پاس آنے والے ہیں- تو اگر چاہو کہ امن سے بیٹھی رہوں سو تو ہوتا نہیں-
اور اس میں تعجب کی بھی کیا بات ہی- میوہ دار درخت ہوتا ہی تو اُس پر پتھر آتے ہی ہیں-
جن دنوں تم کواری تھیں آخر نسبتہ ناطے کے پیغام آتے ہی ہوں گے اور سبھی کے یہاں آیا
کرتے ہیں لفظوں کا ہیر پھیر ہی ورنہ بات وُہی ہی- آزادی- اچھا تو میں اس کو اپنی جگہ سوچ لوں
پھر تم سے صلاح کروں- آزمودہ- مجھسے کیا صلاح کروگی- میری تو وہی ایک صلاح ہی آج کی
آج اور کل کی کل کہ تم اور مشتاق دونوں میرے ساتھ بھوپال چلو جس میں دونوں ھنسیں بسیں
سو تم ماننے والی نہیں- تم لوگوں میں یہ بہت ہی بُرا دستور ہی کہ میاں بی بی ایک دوسرے کو
سر پیٹ کی طرح چمٹ جاتے ہیں- مگر مَیں یقین کرتی ہوں کہ ہم لوگوں میں رہ کر نہ تمھاری یہ وضع
رہے گی اور نہ ایسے خیالات- میرا تو ارادہ تھا کہ آج سے رخصت ہو لوں کیوں کہ میں بھی اب
جانے ہی والی ہوں- لیکن تم کہتی ہو تو خیر دو چار دن اَور رہی+ آزمودہ کے ملنے سے

پہلے آزادی کی اپنی راے بھی یہی تھی کہ میں بیوگی کی حالۃ میں رہ نہیں [illegible] اور عقل و مذہب
کا فتوی بھی یہی ہی پس ایک عتبار سے وہ گویا نکاح ثانی کا ارادہ کر چکی تھی اس کو اگر تامل تھا تو
صرف اتنی ہی بات کا کہ گو حلال ہی مگر دوسرا نکاح کرنے سے لوگوں کی نظر میں کچھ وقعت باقی نہیں
رہتی ۔ یوں دنیا میں جو دولۃ مند ہی غریب کو نظر حقارۃ سے دیکھتا ہی ۔ اولادوالا لاولد کو ۔ پڑھا
لکھا ان پڑھ کو ۔ خوب صورت بدشکل کو ۔ مگر یہ کیا مصیبۃ ہی کہ پاک دامنی کے بچانے کو تو دوسرا
نکاح کرو اور اسی صفت میں لوگوں کے نزدیک ہیٹے ٹھیرو ۔ لوگ احمق سہی بے دین سہی مگر ان کو
چھوڑ کر آدمی کہاں نکل جائے ۔ وہی مثل ہی کہ دس نکٹوں میں ناک والا نکو ۔ اور پھر ایک دن
دو دن کی ہو تو انسان ۔ بھی کرے یہ کلنک کا ٹیکا کیسا کہ ماں کالی اور اولاد پر کالی +

سولویں فصل آزادی پر چاہنے والوں کا نرغہ

آزمودہ کے ساتھ جو باتیں تیسری ملاقاۃ میں ہوئیں اُن سے آزادی کا وہ ارادہ اور بھی پکا
ہو گیا ۔ ایسی تو کیا بات ہی کہ حسین ہو اور اتنی عمر تک اپنے حُسن کو نہ جانے ۔ مگر اس میں شک
نہیں کہ آزادی نے اپنے حُسن کی قدر و قیمۃ آزمودہ کے کہنے سے جانی ۔ جس دن سے رانڈ ہوئی
نہیں بلکہ جس دن سے مولوی مستجاب بھوپال کو روانہ ہوئے کبھی آئینہ دیکھنے کا اتفاق ہی نہیں
ہوا ۔ آج اس نے آئینہ سامنے رکھ کر اپنے بال وال درست کیے کپڑے بدلے اور سمجھی کہ میں بھی
کچھ ہوں ۔ مگر وہ جو کہتے ہیں مَیش کے گلے پر چھری آج کا آئینہ آگے رکھ کر کنگھی کرنا اور کپڑے
بدلنا غضب ہو گیا اور لوگوں نے جیسے جس کے جی میں آئے حاشیے چڑھائے کوئی صاحب دیوار بیچ
ہمسائے میں رہتے تھے یا آرہے تھے لگے پکار پکار کر شعر اور غزلیں پڑھنے ۔ کسی نے باہر دروازے
پر دستک دی ماما پوچھنے گئی ایک لڑکا رقعہ دے جھپٹ ہوا ۔ ماما نے کاغذ لا بیوی کے ہاتھ دیا
بیوی نے پڑھا تو یہ غزل تھی +

آہ کیا جانئے کچھ تجھ میں اثر ہی کہ نہیں — اُس کو بھی میری محبۃ کی خبر ہی کہ نہیں
میرا احوال سُناتی اُسے جا کر بارے — اُس کے کوچے میں صبا تیرا گزر ہی کہ نہیں
کون وقتوں کی مگر شام ہوئی ہی اللہ — شبِ فرقۃ کبھی تجکو بھی سحر ہی کہ نہیں

محفوظ ہی۔ اُن کاغذات میں سے ایک خط ہم کو بہت پسند آیا جس کی نقل اس جگہ درج
کی جاتی ہی اُس میں رسمی القاب و آداب اشتیاق وغیرہ کچھ نہ تھا لکھنے والا ایک دم سے اپنا
مطلب لکھ چلا کہ۔ (خط) اگر میں تم کو معمولی طور کی عورۃ جانتا تو ہرگز اس تحریر پر جرأت
نہ کرتا کیوں کہ میں خوب جانتا ہوں کہ عام عورتوں کے خیالات اکثر باتوں میں عموماً اور تعلق
زناشوئی کے بارے میں خصوصاً تمام تر لغو۔ سر تا پا بیہودہ اور بالکل ہنسی کے قابل ہیں۔
میں عورتوں کی شرم و حیا کو نہایۃ ادب اور بڑی عزۃ اور حرمۃ کی نگاہ سے دیکھتا اور اُس میں
دست اندازی کرنے کو پرلے درجے کی کمینگی سمجھتا ہوں۔ حیا عورتوں کے حُسن کی زینۃ ہی۔
خوب صورتی کی رونق۔ ناموس کی حافظ۔ پاک دامنی کی سپر۔ وفاداری کی ضامن۔ شرافۃ کا
تمغا۔ بھلمنساہت کا شعار۔ کھوٹے کھرے کی کسوٹی۔ بھلے بُرے کی شناخت۔ خانہ داری کا لطف
تاہّل کا مزہ۔ اَوروں کو جزو ایمان عورتوں کو شرط انسانیۃ + عورۃ جس میں حیا نہیں آئینہ
ہی جس میں صفا نہیں۔ موتی ہی جس میں ضیا نہیں۔ پھول ہی جس میں مہک نہیں۔ گوٹا
ہی جس میں چمک نہیں۔ لیکن عورتوں نے ناحق کی شیخی میں آکر حیا کو اِفراط کے ایسے درجے
تک پہنچا دیا ہی کہ اب وہ عیب سے بدتر ہی جیسے تِل کہ وہ ایک طرح کی خوب صورتی ہی
مگر ایک حد معین تک۔ جب تِل اُس حد سے متجاوز ہوا داغ بدنما سمجھا جائے گا نہ خالِ
دل رُبا۔ ع جو خال حد سے زیادہ ہوا وہ مسّا ہوا + اِفراطِ حیا نے عورتوں کو نہ صرف
تمتعاتِ جائز سے محروم اور بے نصیب رکھا۔ نہ فقط اُن کو کسبِ کمالات سے جن کے
حاصل کرنے کی استعداد اور قابلیۃ خداداد اُن میں موجود ہی روکا بلکہ اُن کو مردوں کے
ہاتھوں میں اس قدر عاجز و مجبور کر دیا کہ گویا عورتیں مردوں کے استعمال کی چیزیں
ہیں اور اُن کی خدمۃ گزار نہ خانہ داری کی شریک یا معاملات کی صلاح کار۔ شادی بیاہ کے
بارے میں عورتوں کی درماندگی اس درجے کو پہنچی کہ اُن میں اور افریقہ کے لونڈی غلاموں
میں کچھ فرق نہیں۔ مالک نے جس کے ہاتھ چاہا لونڈی غلاموں کو بیچ ڈالا اسی طرح
ولی بزرگ سرپرست نے جس کے ساتھ اُس کے جی میں آیا عورۃ کو بیاہ دیا۔ اس سے
بڑھ کر کوئی اَور بھی ظلم اور بے انصافی کی بات خیال میں آسکتی ہی کہ عورۃ جس کو ایک مرد

کے ساتھ ساری عمر گزار دی ہی نہ کچھ کہہ سکتی اور نہ کوئی رائے ظاہر کرسکتی - پس ہمارے یہاں
کے شادی بیاہ اندھے کی لاٹھی ہیں لگی تو انعام نہیں صلہ نہیں اور نہ لگی تو شکایت نہیں گلہ نہیں
اور سب سے زیادہ افسوس اور حیرۃ کی بات یہ ہی کہ عورتوں کو اپنی خستگی حالۃ کا شعور نہیں احساس
نہیں - یعنی ان کی بہتری اور اصلاح کی امید نہیں آس نہیں - شعور ہو تو فریاد کریں غل
مچائیں - احساس ہو تو اپنے حق کے لئے لڑیں جھگڑیں ہاتھ پانو پھیلائیں - میں تم کو اُس وقت سے
جانتا ہوں کہ جب تم کو ان باتوں کے سمجھنے کی تمیز نہ تھی - مگر کھیل کود کی باتوں سے بھی تمھاری عقل
و ذہانت ظاہر ہوتی تھی - تم کو تو کیا خیال ہوگا لیکن مجکو بیسیوں مثالیں یاد ہیں جن سے ثابت
ہوتا تھا کہ خدا نے تم کو فہم سلیم اور رائے مستقیم عطا فرمائی ہی - میں نے تم کو ناواجب بات پر
ضد کرتے یا ناحق کی پچ کرتے کبھی نہیں دیکھا - اس سے بڑھکر خوبی یہ تھی کہ آخر تمھیں تو بچہ
اگر تم سے کوئی قصور سرزد ہوا تم بے تامل اس کو تسلیم کر لیتی تھیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ
تمھاری ہمتہ قوی اور طبیعتہ مضبوط اور آزاد اور بے پرواہی - تم نے ایک بار اپنے والد کا
ایک بڑا ضروری سرکاری کاغذ بگاڑا - تم تو گئیں گھر میں اور تمھارے پیچھے اُس کی ڈھنڈیا پڑی -
تمھارے والد نوکروں پر نہایت درجے خفہ ہوئے اور قریب تھا کہ اُن میں سے بعض نکالے
اور بعض پر جرمانے ڈالے جائیں - اتنے میں تم باہر آئیں اور تم نے سنتے کے ساتھ وہ کاغذ
قالین کے تلے سے نکال خواجہ صاحب کے ہاتھ دیا - تم نے سوائے اس کے کہ اُس کو پھاڑا
نہیں کوئی طریقہ نہ تھا جس میں اُس کو بگاڑا نہ ہو - اس کے بعد جو گفتگو تم میں اور خواجہ
صاحب میں ہوئی اِس وقت تک لفظ بلفظ مجکو یاد ہی اور مرتے دم تک لفظ بلفظ یاد رہے گی
خواجہ صاحب - آزادی یہ تم نے کیا کیا - تم - یہ تو کچھ پوچھنے کی بات نہیں جو کچھ کیا آپ کے
سامنے موجود ہی - خواجہ صاحب - تم نہیں جانتیں کہ میری میز پر سرکاری کاغذ رکھے رہتے ہیں -
تم - سرکاری کی تو مجکو شناخت نہیں - ہاں یہ جانتی ہوں کہ کاغذ رکھے رہتے ہیں - خواجہ صاحب
پھر تم بے میرے پوچھے کیوں میری میز پاس گئیں - تم - اس لئے کہ کبھی آپ نے مجکو
منع نہیں کیا - خواجہ صاحب - میری میز پاس تمھارا کام ہی کیا تھا - تم - کام جو تھا لا کر
آپ کے ہاتھ دیا - خواجہ صاحب - اب بتاؤ کہ میں اس کو کیا کروں - تم - اگر آپ

دو بار اخفہ نہ ہوں تو پھر مجھے کو دیجے کہ چند لکیریں اس پر اور [illegible] لوں یہ کاغذ چکنا بہت ہی
اور اس پر قلم خوب دوڑتا ہی۔ یہ جملہ سُن کر سب ہنسنے لگے اور خواجہ صاحب بھی ہنس پڑے۔
خواجہ صاحب۔ افسوس آزادی تم نہیں جانتیں کہ تم نے اِس وقت میرا کتنا بھاری نقصان کیا
ہی۔ تم۔ بے شک مَیں نہیں جانتی اور نہیں جانتی تو یہ خوشی کی بات ہی نہ افسوس کی۔ جان
بوجھ کر نقصان کرتی تو افسوس کی بات تھی۔ خواجہ صاحب۔ آپ صاحب پوچھیں گے تو میں کیا کہوں گا۔ تم۔
آپ میرا نام لے دیجئے گا۔ خواجہ صاحب۔ تم کو صاحب سے ڈر نہیں لگتا۔ تم۔ حاکم کو تو لوگ
ماباپ کہتے ہیں ماباپ سے کوئی ڈرتا ہی۔ خواجہ صاحب۔ بھئی ہم تو ڈرتے ہیں۔ تم۔ تو آپ
اُس کا کچھ قصور کرتے ہوں گے۔ خواجہ صاحب۔ بس یہی قصور جیسے آج یہ کاغذ بگڑ گیا۔
تم۔ اِس کا بگڑا ہی کیا ہی چھپا ہوا کاغذ ہی میں نے ہندوستانی قلم دوات سے خالی جگہ میں کچھ
لکیریں کاڑھ دی ہیں لائیے مَیں اس پر پانی بہا دوں سیاہی دُھل جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی
ہوا اور کاغذ پہلے سے بھی زیادہ اُجلا ہو گیا۔ تب خواجہ صاحب نے پوچھا کہ بھلا آزادی تم نے
کاغذ کو قالین کے تلے چھپایا کیوں تھا۔ تم۔ چھپایا نہیں۔ مٹی سے خشک کرنے کے لئے
قالین کا پلہ اُٹھا پلے کے تلے کم اوپر سے تھپک دیا تھا اتنے میں خدا جانے کس نے آواز دی میں
کاغذ وہیں چھوڑ گھر میں چلی گئی۔ اس طرح کی تمھاری بہت سی حکایتیں مجکو معلوم ہیں اور تمھاری
ان ہی باتوں نے مجکو گرویدہ کیا ہی آج سے نہیں بلکہ تمھارے بچپن سے۔ لوگ حُسنِ صورۃ
پر فریفتہ ہوتے ہیں مَیں بھی ہوں مگر میری فریفتگی شروع ہوئی ہی معنے سے۔ صورۃ تغیر پذیر
ہوتی ہی اور معنی پتھر کی لکیر۔ پس لوگوں کی محبتہ بے ثبات ہی اور میری میری جان کے ساتھ
مَیں نے اسی غرض سے خواجہ صاحب کے ساتھ اس قدر ربط بڑھایا تھا کہ جو لوگ بخوبی واقف
نہ تھے مجکو اُن کا فرزند سمجھتے تھے اور مَیں اِن کی فرزندی کا آرزو مند تھا بھی۔ بلکہ میں آج
تم سے کہتا ہوں کہ خواجہ صاحب ایک طور پر مجکو زبان دے چکے تھے۔ لیکن تم کو اپنے والدین
کی رائے کا اختلاف بخوبی معلوم ہی۔ تمھاری والدہ نے صرف خواجہ صاحب کی ضد سے کیا جو
اُن کو مناسب معلوم ہوا۔ جو اثر محرومی اور ناکامی نے مجھ پر کیا اس کے گواہ ہیں جنگل اور بیابان
جن میں مہینوں میں بے خود و سرگرداں پڑا پھرا ہوں۔ اس کے شاہد ہیں شہر کے ڈاکٹر اور طبیب

جن احمقوں نے مجکو معمولی طور پر بیمار سمجھ کر اپنا وقت اور میرے بیمار داروں کا روپیہ بہت کچھ
ضائع کیا - خلاصہ یہ ہو کہ اتنے دن مجھ پر سکرات الموت سے بھی زیادہ سختی کے گزرے اور میں
حیران تھا کہ الٰہی کس درجے کی گراں جانی ہو کہ اس قدر ایذا ہو اور جان نہیں نکلتی - بارے
خدا کا کوئی فعل مصلحت سے خالی نہیں ہوتا - ایک عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ میرے نہ مرنے کی یہ
وجہ تھی - میں اس مرتبے کی کامیابی کی جس کی مجھکو کامل توقع اور پوری امید ہو بڑی قدر و قعت
کرتا ہوں - وہ دوسروں کی اور دوسروں کی بھی نہیں بلکہ صرف تمھاری والدہ کی تجویز تھی اور
یہ تمھارا اپنا انتخاب ہوگا - وہ اوروں کی رائے تھی یہ تمھارا اپنا میلان - وہ ڈفالیوں کا گانا
تھا اور یہ کلاونت کا ترانہ - وہ کودک نادان کے تکّے چلانا تھا اور یہ قادر انداز کا نشانہ - وہ
ناواقف کا ٹاپک ٹوئیے مارنا تھا اور یہ منزل شناس کا سفر وسیلۃ الظفر - ایک اعتبار سے تو تم کو
پہلے سے زیادہ آسانی ہو کہ اس مرتبہ ویسی بندی نہیں اور تم جتنا دخل چاہو دے سکتی ہو -
لیکن یہ ایک طرح کی مکروہ خود غرضی ہوگی کہ میں اُن مشکلات کو چھپاؤں یا گھٹاؤں جو تم کو پیش
آنے والی ہیں - میں اس بات سے بالکل مطمئن ہوں کہ تم نکاح ثانی کی ضرورۃ کو تسلیم کر چکی
ہو اور تم نے اس کا فیصلہ کر لیا ہو کہ تمھاری حالۃ دوسرے نکاح کی متقاضی ہو - لیکن
رائے سے ارادے میں اور ارادے سے عمل میں بڑا فاصلہ ہو - آدمی ہر چند در چند طرح
کے دباؤ میں - وہ محکوم ہو مذہب کا - حاکم وقت کا - بزرگان خاندان کا - صحبۃ کا - تعلیم
و تربیۃ کا - اور شاید سب سے بڑھ کر نہیں تو کسی سے کم بھی نہیں مُلکی رسم و رواج کا - بڑے
تشکر کا مقام ہو کہ ان موانع میں سے تم کو ایک ہی مانع درپیش ہو یعنی رسم و رواج - وہ بھی
اُس سختی کے ساتھ نہیں جیسا قصباتیوں میں - خدا مولویوں کو جزائے خیر دے جنھوں نے
نکاح بیوہ کے رواج دینے میں کوشش کی اور شہر میں اگلے وقتوں کا سا یا دیہات قصبات کا سا
گریز باقی نہیں - لیکن ہر چند نکاح ثانی دشنام نہیں مگر رواج عام بھی نہیں - اس خیال
سے کہ تمھارے ننہال کے لوگ اکثر مولوی ہیں مجکو امید تھی کہ شاید بیوہ کے دوسرے نکاح
کے شواہد بہم پہنچانے میں دشواری نہ ہو مگر افسوس ہو کہ جہاں تک میں نے تحقیق کیا
تمھاری دادیہال اور ننہال دونوں اس فخر سے محروم ہیں اور اسی سبب سے میں ڈرتا ہوں کہ

لگاتیں - بناؤ سنگار نہیں کرتیں - کوئی کچھ نہیں کہتا - میں نے ذرا اِن ذرا آئینے میں مُونہہ کیا دیکھا
کہ لگی چاروں طرف سے بھرمار ہونے - اِن زبردستی کی بدگمانیوں کی روک تھام مجھ سے کیا ہو سکتی
مگر ہاں مُونہہ کو کیچڑ ملوں ہندنی رانڈوں کی طرح سر مُنڈواؤں سو یہ تو مجھ سے نہ ہوا اور نہ آیندہ
ہوگا - لوگ ایک بدگمانی نہیں لاکھ بدگمانیاں کیا کریں بلا سے - مردوں نے یہ کیا آفت برپا کر رکھی
ہے - ناحق بیٹھے بٹھائے کسی کو رُسوا کرنا کچھ اچھی بات ہے - شادیاں بھی ہوتی ہیں - بیاہ بھی
ہوتے ہیں - نکاح بھی ہوتے ہیں - مگر یہ طریقہ کہیں سُننے میں نہیں آیا - اور کسی کی پناہ پکڑے
بغیر یہ فضیحتا بند ہوتا ہوا نظر نہیں آتا - اگر میں واقع میں خوب صورت ہوں جیسا کہ لوگ خیال
کرتے ہیں تو خوب صورتی کچھ رنڈاپے سے نہیں آئی - مگر لوگ جانتے تھے کہ ایک کے نکاح میں
ہے اس سے کسی کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا - اب دیکھا کہ کوئی اس کا سرپرست نہیں لگے عاشقی کا
دم بھرنے - تو اس میں لوگوں کا کچھ قصور نہیں - قصور اگر ہے تو میرا ہے - آج میں کسی کی
ہو رہوں عاشقی اور معشوقی سب کا خاتمہ ہے - لیکن اس جلدی سے کیوں کر ہو رہوں مُونہہ
سے کہنا آسان ہے اور ہو رہنا مشکل - آب رو گئی ہوئی پھر نہیں آتی وہ پہلی دفعہ کا تو معاملہ
تھا اَور - کہ میں پرائے بس میں تھی اور اب دوسری طرح کا موقع ہے - بُرا کہنے والے دس اور
صلاح بتلانے والا ایک اپنا دم اور بس - آدمی ہی تو ہے سمجھا کچھ اور نکلا کچھ تو وہ جو کہتے ہیں
نقصانِ مایہ شماتتِ ہمسایہ لوگ مارے طعنوں کے میرا جینا بھی دشوار کر دیں گے - کروں گی
بھی تو اچھی طرح ٹھوک بجا کر کہ کل کو کسی طرح کی کوئی بات نہ دینی آئے - یہاں میری عقل ہی ہی
اَور بھی خبط ہو جاتی ہے کہ کیا اور پھر یہی اتفاق پیش آیا تو وہی کہاوت ہوگی نہ چکھا نہ کھایا ناحق
اپنا نام دھرایا - غرض کیا معلوم کہ ہو بھی یا نہ بھی ہو - اور ہُوا بھی تو کیا مُونہہ کا نوالا ہے کہ جھٹ
سے نگل لیا - اور لوگ ہیں کہ مجھ کو دم نہیں لینے دیتے - الٰہی کس تَوائی میں جان ہے - اور چیٹھی چپالی
تک کا مضایقہ نہ تھا مگر دیوار پھاندنے کی دھمکی نے جو رات کی نیند حرام کر رکھی ہے - ایک نامراد
کالی سی بلی ہے وہ کبھی کبھار دیوار کود کر آتی ہے تو میرا کلیجہ گھڑیوں اُچھلا کرتا ہے اگر خدانخواستہ
رات کے وقت کوئی اوپری مرد وا کُود آیا تو بس تو یقیناً سہم کر مر رہوں گی - لیکن انگریزی
عمل داری میں ایسا کیا اندھیر ہے - دھمکی نہیں شاعرانہ ڈھکوسلا ہوگا - پھر بھی دو چار دن

بے شک یہ سب اُسی کٹنی کا کام ہے اور وہ بڑی چلتی ہوئی ہے میں اُس کو خوب جانتی ہوں اور
جہاں جہاں اُس نے چھاپے مارے ہیں مجکو سب معلوم ہیں۔ اور بیوی جی بات کہوں صاف
میں نے اُس سے بہت کچھ کھٹّا کمایا بھی ہے اور اگر وہ ہم لوگوں کو ملائے نہ رکھے تو اس کا کام
ایک دن بھی نہ چلے۔ لیکن ظالم نے تمہارے ساتھ دغا کی تو بہت ہی بُرا کیا۔ میں ذرا بھی اشارہ
پاتی تو میں اس کو روک دیتی۔ اور تم کو ایسا ہی منظور ہوگا تو اُس کے ہزار رستے ہیں۔ ہے
چھلاوا بھی بڑی بلی اس نے سب تھانے والوں کے مہینے باندھ رکھے ہیں مگر یہ جو اب تھانہ دار
ہے بڑا رکھا آدمی ہے کسی سے کچھ لیتا لواتا نہیں مدتوں سے چھلاوا کی تاک میں ہے ابھی تک تو اُس کے
قابو میں آئی نہیں مگر وہ جو کہتے ہیں سو دن چور کے تو ایک دن ساہ کا خدا جانے آج اُس نے یہ
کیا غضب کیا تھانہ دار کو ذرا بھی معلوم ہوجائے تو چھلاوا کو تو وہ بخشنے والا نہیں۔ کاٹھ میں
ٹھوک دے۔ جرمانہ ڈال دے۔ کالا مونہ کرکے کوچے کوچے گلی گلی منادی پھروادے جو کرے
سو تھوڑا۔ اِدھر تو آزادی اور سُبھاگی میں یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ اُدھر کوٹھری کے اندر سے
کوئی شخص کواڑوں کی چُول اُتارنے کی فکر میں تھا۔ باتوں کے بیچ بیچ میں کواڑوں کی کھڑکھڑاہٹ
کی وجہ سے آزادی اور سُبھاگی دونوں نے کئی بار کوٹھری کی طرف کو دیکھا تو تھا مگر دونوں کا
دھیان باتوں میں تھا یا شاید اس خیال سے کہ کوئی بلی اندر بند ہوگئی ہوگی دیکھ دیکھ کر چپ ہو گئیں
اور اب جو بات ختم ہونے پر آئی تو دیکھا کہ بلی کے بند ہونے کی سی کھڑکھڑاہٹ نہیں ہے کوئی
شخص اندر سے دستک دے رہا ہے۔ آخر سُبھاگی بولی بیوی جی سارا مدعا اسی کوٹھری میں ہے یہ
تو تم نے بڑی ہی ہوشیاری کی کہ آتے ہی آگے سے کوٹھری کی کُنڈی لگا دی نہیں تو بے ڈھب
آ پھنسی تھیں۔ آزادی۔ سبھاگی میں تجھ سے کیا کہوں مکان کی شکل دیکھتے ہی میرے تو
سارے بدن میں تھرتھری سی پڑ گئی تھی۔ ایک تو جی میں آیا کہ چلا کر بھاگ کھڑی ہوں۔ پھر
سوچی کہ اوپری محلہ میرے پاس سر پر ڈالنے کو نہ چادر نہ برقعہ اور سب سے بڑھ کر یہ خوف
کہ غل مچے گا لوگوں کو خبر ہوگی۔ آخر اَور تو کچھ نہ کرتے بن پڑا خدا نے مجکو اتنی عقل دی کہ اندر
باہر کی کُنڈیاں بند کر دیں اور بے شک یہ تو سچ کہتی ہے کہ سارا فساد اسی کوٹھری میں ہے۔ پھر
اب تیری کیا صلاح ہے۔ سبھاگی۔ اگر تم کہو تو میں ابھی تھانے دار کو جا کر بلائے لاتی ہوں۔

سوار ہوئی تو سیدھی میکے پونہچی- دیر تو کسی قدر ہوگئی تھی مگر کنچنی گلی کے معاملے کی کسی کو خبر نہیں ہوئی
آزادی نے جانا یا سُبھاگی نے- آزادی کا اپنا ارادہ تو دو چار دن سے زیادہ رہنے کا نہ تھا مگر وہاں
لوگوں نے روک روک لیا بڑی مشکل سے پورے ایک مہینے کے بعد چھوڑا- آزادی پھر اپنے
گھر آئی تو وہ شورش بالکل فرو ہوگئی تھی نہ تو ہمسائے سے کوئی آواز سُن پڑتی تھی اور نہ باہر
کے رقعے پرچے دوڑتے تھے- آزادی کی بھی عجیب کیفیت تھی کہ جن دنوں اس کی طلبگاری کا
ہر طرف سے پکار اٹھا تو اُس پکارے سے گھبراتی تھی اور اب جو لوگ اپنی اپنی جگہ چپ ہو کر بیٹھے
تو چاہتی تھی کہ کسی طرف سے چھیڑ چھاڑ ہو- اتفاق سے اس کے محلے کی حلال خوری سُبھاگی
کی تھی نند اُس کی معرفت سبھاگی کو بلا کر گلہ کیا کہ تو نے تو اچھی خبر دی سُبھاگی- بیوی جی میں
دو دفعہ تمھارے گھر آکر پھر پھر گئی تم اپنے میکے میں تھیں اور خبر بھی کیا تھی تم ڈیوڑھی سے
نکلی ہو کہ چھلاوا میرے پیچھے کھڑی تھی- معلوم ہوا کہ وہ اُپلوں کی کوٹھڑی میں چھپی ہوئی
میری تمھاری ساری باتیں سنتی تھی تم سوار ہوئیں میں تمھاری ڈولی کی طرف دیکھنے لگی چھلاوا
نے باہر آ پہلے تو کوٹھڑی کی کنڈی جو تم لگا آئی تھیں کھول دی اور پھر میرے سر پر آ کھڑی
ہوئی اور کہنے لگی کہ ہاں اب کہہ کیا کہتی تھی- میں- کہتی کیا تھی اب تو یہاں تک چل نکلی ہی
کہ عزت دار اشراف زادیوں کو زبردستی بلوا بلوا کر بے آبرو کرانا چاہتی ہی- تف ہی تیری اوقات پر
یہ تو نے کیا حرکت کی اور اگر تھانہ دار کو خبر ہو تو تیری کیسی گت بنائے تو نہیں جانتی کہ وہ مدتوں سے
تیری فکر میں ہی اب جا کہ کہتی ہوں تو دیکھ تجکو کیسا چوبینہ کرتا ہی- چھلاوا- اگر تو اپنے دھگڑے
تھانہ دار سے ابھی جا کر نہ لگائے تو تیری بھی سات پیڑھی پر لعنت ہی اور دیکھوں تو وہ ایسا تیسا
میرا کیا کرتا ہی اگر وردی نہ اُتروالوں تو چھلاوا نام نہ رکھواؤں- آئی بڑی اشراف زادیوں کی خیرخواہ
میری بلا کو کیا غرض پڑی ہی اشراف زادیاں مجکو گھر سے بلا بلا کر سیکڑوں دفعہ منتیں کرتی ہیں
تو میں ایک دفعہ اُن کو آنے دیتی ہوں- ہی آج کوئی ایسا کہ کسی گھر بیٹھی کو زبردستی اپنے یہاں
بلائے- چھلاوا یہ باتیں کر رہی تھی کہ اتنے میں ایک جوان گبھرو سا مردوا کوٹھڑی میں سے
باہر آیا کچھ بولا چالا نہیں- مجھے ایک انگلی کے اشارے سے کہا کہ باہر جا- میں تو چھلاوا سے
لڑتی مگر بے تمھارا نام لئے بات نہیں بن آتی تھی- اور اُدھر وہ مردوا کوٹھڑی میں سے نکل آیا تھا

اجنبی جگہ میں اُتروائی بدنامی کا خوف نہ ہوتا تو اس آبرو باختہ بدمعاش کو ایسا ٹھیک بنواتی
کہ ساری عمر کو یاد کرتا اور افسوس چھلاوا میرے ہاتھ نہ لگی ہیں اس کو مارتی تو کیا وہ مرنے کے لئے
آپ ہی بہانہ ڈھونڈتی پڑی پھرتی ہی مگر مردار کی چُٹیا تو ضرور کاٹ لیتی اور تھوک کر اُس سے
چٹواتی سوا الگ کہ پھر اس کو کسی اشراف زادی پر ہاتھ ڈالنے کی جرأۃ نہ ہوتی۔ اس قدر جھوٹ۔
اتنا فریب اور یہ حوصلہ۔ جتنی دیر آزادی کنجنی گلی والے مکان کا خیال کرتی اس پر ایک رنگت
آتی اور ایک جاتی۔ وہ اپنے دل میں کہتی تھی کہ اگر میں نے کوٹھری کی کُنڈی باہر سے نہ چڑھادی
ہوتی یا اور کوئی مُردُوا اندر سے نکل آتا تو میں کیا کرتی میرے پاس تو کوئی حربہ بھی نہ تھا اُس گھبراہٹ
میں مجکو اُپلوں کی کوٹھری کا ذرا دھیان نہ آیا اور چھلاوا مرے میں میرے پاس کے پاس چھپی
کھڑی رہی۔ ضرور وہ میرے ڈر کے مارے نہیں نکلی جانتی تھی نہ کہ مچھر کی طرح مسل کر دھر دوں گی
لیکن یہ بھی خدا ہی نے اُس کے دل میں ڈالی ورنہ اپنا گھر اپنا محلہ وہ اَور کچھ نہ کرتی صرف غل مچا دیتی
اور اس کے حمایتی پاس کے مکانوں سے ہو کر کود آتے یا باہر کے دروازے کی چول اُتار لیتے تو
بڑی قباحت کی بات تھی۔ غرض خدا ہی نے اپنی قدرۃ سے بچا لیا ورنہ اس مردار چھلاوا نے میری
آبرو لینے میں تو کسی طرح کی کمی کی نہیں۔ لیکن سبھاگی تو اُس کی طرف ایسا شبہہ نہیں کرتی اور
سچ بھی تو ہی اگر اُس کو ایسا ہی منظور ہوتا تو اپنے مکان میں اُترواتی جہاں میری کوئی تدبیر بھی
پیش رفت نہ جاتی۔ مگر اُس نے مجھسے کہا کیوں نہیں۔ شاید میرے مونہہ سے اس طرح کی کوئی بات
نکلی جس کو وہ اس پہلو پر ڈھال لے گئی ہو۔ سو بے شک جب اُس نے خواجہ مشتاق کا نام لیا
اتنا میں نے ضرور کہا تھا کہ میں اس کو اپنی جگہ سوچ لوں پھر تم سے صلاح کروں۔ اسی جگہ تو بالی
مرنا ہی مجکو اُس سے بگڑ کر صاف دو ٹوک بات کہہ دینی تھی کہ خبردار جو آیندہ کسی کا مذکور کیا ہوگا۔
ایک کٹنی سے یہ کہنا کہ اپنی جگہ سوچ لوں پھر تم سے صلاح کروں دبی زبان سے اقرار کر لینا ہی۔
اور پھر بات صاف یہ ہی کہ میری رائے دوسرے نکاح کی قرار پا چکی ہی اور دیکھ بھال کرنے
کی تو کچھ آج سے نہیں شروع سے میری مرضی ہی اور چھلاوا پیغام بھی لائی تو کسی اجنبی کا
نہیں لائی خواجہ مشتاق نے کچھ نہیں تو بھی سیکڑوں بار مجھے دیکھا ہوگا تو اگر چھلاوا نے ہماری
دونوں کی دو دو باتیں کرا دینے کی یہ صورۃ نکالی تو چنداں بے جا نہیں کیا بلکہ ایک عنبا سے تو اُس نے

مگر آزادی اور اُس ... بیمار دار پہلے ہی نشتر سے ایسے سہم سے گئے تھے کہ اُس کو ہاتھ ہی نہ لگانے
دیا۔ ہر چند میم ڈاکٹر نے بہتیرا سمجھایا کہ گو زخم ہلکا اور برائے نام ہی اور ممکن ہی کہ خود بخود
بھر جائے اور یہ جو کبھی کبھی پٹی پر دھبہ سا دیتا ہی شاید اتنا بھی نہ رہے مگر میں مطمئن نہیں
ہوں اور میری رائے میں نشتر کا دینا ضرور ہی۔ اور میں نے زخم کی کیفیت بیان کر کے دوسرے
ڈاکٹروں سے بھی رائے لی ہی۔ وہ بھی نشتر کی صلاح دیتے ہیں۔ زخم کا موقع ایسا خراب ہی
کہ اگر اندر کو مُونہ کیا تو پھر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکے گی۔ اس سے میں کہتی ہوں کہ ذرا سی
کسر کا باقی رکھنا بھی ٹھیک نہیں اور ابھی گہرا نشتر دینے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ میں
امید کرتی ہوں کہ دو ہفتے میں طبیعت بالکل صاف ہو جائے گی۔ لیکن ان لوگوں نے عارضی
تن درستی پر مغرور ہو کر ڈاکٹر بلکہ ڈاکٹروں کی رائے کی کچھ پروا نہ کی اور وہ چور اندر ہی اندر
چپکے چپکے بڑھتا اور پھیلتا گیا۔ اس علالت میں بھی جب آزادی کی طبیعت ذرا بھی حاضر ہوتی
وہ اپنی بیوگی پر افسوس کرتی کچھ اس وجہ سے نہیں کہ اس کی خدمت اور خبر گیری میں کسی طرح
کی کمی ہوتی تھی سو خدمتیں اور ہزار خبر گیریاں ایک طرف اور میم ڈاکٹر کا علاج ایک طرف
مگر دو چار مرتبے اس کو جو مولوی مستجاب کے سامنے تپ وغیرہ معمولی علالتیں ہوئی تھیں اس کو
یاد آتی تھی ان کی ہم دردی اور دل جوئی اور وہ اب کہاں دھری تھی۔ رہ رہ کر اس کو
خیال آتا تھا کہ تعلق زناشوئی بھی عجیب طرح کا تعلق ہی کہ خوشی تو خوشی رنج و مصیبت کو بھی
بامزہ کر دیتا ہی۔ علالت کی وجہ سے ایک اَور تبدل بھی آزادی کے خیالات میں واقع ہوا۔
اس کی علالت سخت تو تھی ہی ہر چند اس کے مُونہ پر تسلی اور تشفی کے سوائے کوئی کچھ نہیں
کہتا تھا مگر یہ لوگوں کے بشرے سے پہچانتی تھی کہ ان کو میری طرف سے یاس ہی۔ میم ڈاکٹر کا
یہ معمول تھا کہ آزادی کی چارپائی کے پاس آ کر بیٹھتی اور زخم کو ہاتھ لگانے سے پہلے آنکھیں بند کر کے
دل ہی دل میں اس نے آزادی کی تن درستی کے لئے دعا مانگی۔ پھر زخم کی نشست وفتوا ور
بندش کے بعد چند منٹ کے لئے آنکھیں میچیں اور رخصت ہوئی۔ سمجھ تو سب گئے تھے مگر
آخر کسی نے مونہ پھوڑ کر پوچھا پر پوچھا تو میم نے کہا کہ ان کے حق میں دعا کیا کرتی ہوں کہ
اے خداوند تو اپنے فضل و کرم سے اس بندی کو شفا دے اس کی تکلیف کو دور کر۔ اور

اُس کی ذلت اور حقارت اور بے حقیقتی ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ مگر وہ ہمیا ایسا ہی جیسا کہتے ہیں کہ چکنے گھڑے پر بوند پڑی اور پھسل پڑی + دکھ دفع ہوا تکلیف ہٹی اور وہ لگا پھر اپنی شیخی بگھارنے۔ اسی مضمون کو خدائے تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے چنانچہ ایک مقام پر ہے۔ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ - اور جب آدمی کو کوئی ایذا پہنچتی ہے تو کروٹ کے بل ہے تو کروٹ کے بل بیٹھا ہے تو بیٹھا اور کھڑا ہے تو کھڑا ہم کو اپنی مدد کے لئے بلاتا ہے پس جب ہم اُس کی ایذا کو دور کر دیتے ہیں تو چلتا پھرتا نظر آتا ہے کہ گویا اُس ایذا کے لئے اُس نے ہم کو بلایا ہی نہیں۔ دکھ درد نہ بھی ہو تاہم انسان پرلے درجے کا عاجز اور کم زور مخلوق ہے۔ چند منٹ کے لئے بھی اس کو سانس لینے کے لئے ہوا نہ ملے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ بھوک پیاس کی برداشت کا یہ حال ہے کہ رمضان کے مہینے میں جو لوگ سچ مچ کا روزہ رکھتے ہیں باوجودے کہ سحر تک تنور شکم کو کھانے اور پانی سے ٹھونس ٹھونس کر بھرے چلے جاتے ہیں مگر شام تک اچھے ہٹے کٹے آدمی کی چولیں ڈھیلی۔ عقل معاش نے پردہ ڈھک رکھا ہے ورنہ آدمی کی بھی کچھ بنیاد ہے۔ ذری سی سردی پڑی کانپنے لگا گرمی ہوئی بولا اٹھا۔ صانع قدرت نے دوسرے جانوروں کو کیسے کیسے سامان عطا فرمائے ہیں۔ کسی کے سینگ ہیں۔ کسی کے پنجے۔ کسی کے دانت۔ کسی کی چونچ۔ کسی کو تیزی رفتار۔ کسی کو پرواز۔ سختی موسم سے بچنے کے لئے پَر۔ یا اُون۔ اور آدمی سب سے محروم۔ کل سے بے نصیب۔ وہ جسمانی ریاضت اور ورزش سے دودھ پی پی کر اور گھی کھا کھا کر اپنی قوت اور توانائی کو بڑھاتا مگر نہ بھینسے جتنا بوجھ اُٹھا سکتا۔ نہ اونٹ کی برابر منزلیں طے کر سکتا۔ نہ گھوڑے کی طرح بھاگ سکتا۔ نہ بیل کی مانند لادو کھینچ سکتا۔ وہ پھکیتی کے کتنے ہی داؤ کیوں نہ جانتا ہو مگر ایک مکھی اس کے بس کی نہیں۔ ایک پسّو اس کے قابو کا نہیں۔ اس قدر عاجز اور مجبور اور اس پر تکبر و غرور۔ لیکن اس کی ساری شیخی کرکری کرتی ہے موت۔ کہ وہ نہ دعا کو سنتی۔ نہ دوا کو مانتی۔ نہ گڑگڑانے پر رحم کرتی۔ نہ کسی کی بے کسی پر ترس کھاتی۔ نہ قوت سے ڈرتی۔ نہ حکمت سے دھکتی۔ نہ تدبیر سے رکتی نہ ٹالے سے ٹلتی۔ سن۔ اے ہی مرے پیچھے کیا ہوگا ہے ج۔ ہوگا کیا جو اَوروں کا حال وہ تمہارا حال۔ آج مرے کل دوسرا دن۔

کہ گفتار سے انکار - اور کردار سے اقرار - کہ اگر حقیقۃً بیں ان کو قیامتہ کا خوف نہ ہوتا تو وہ بالکل دوسری
ہی طرح کے آدمی ہوتے اور اپنے سوائے روئے زمین پر کسی دوسرے کو بسنے نہ دیتے - جو خیال خدا
نے عام لوگوں کے دلوں میں ڈالا ہے اور جس کے مطابق اُن کا عمل درآمد ہے بعینہ اسی کی تعلیم
اور تاکید مذہب بھی کرتا ہے - کہ مرے بعد انسان کو ایک طرح کی ہستی ہوگی جس کو وہ اس زندگی
میں بخوبی سمجھ نہیں سکتا - اور اس ہستی کی بہتری اور خرابی موقوف ہوگی اُن خیالات اور
معتقدات پر جو وہ اس زندگی میں رکھتا تھا اور نیز اُن اعمال اور افعال پر جو اُس نے اس
زندگی میں کئے - اور ان دونوں زندگیوں میں اس طرح کا تعلق ہونا کچھ بھی خلاف قیاس
نہیں جب کہ ہم دیکھتے ہیں اثر ماں باپ کا اولاد میں - بیج کا پھل میں - خود انسان کی ابتدائی
حالتوں کا اُس کی مابعد کی حالتوں میں - تس - میرا کیا حال ہوگا - اس رو سے میری اگلی زندگی
تو بدتر سے بدتر ہونی چاہیئے - جہاں تک خیال کرتی ہوں میں نے تو اپنی تن پروری کے سوائے کوئی
نیکی کا کام کیا کرایا نہیں - اگر میرا پیدا ہونا صرف تن پروری کے لئے تھا + کہ کھاؤں - پیوں -
پہنوں - سو رہوں تو مجھ میں اور جانوروں میں کچھ بھی فرق نہیں - پھر مجکو اتنی ساری عقل
کیوں دی ہوگی - اور خیر شاید عقل اس غرض سے دی ہو کہ میں جانوروں سے بہتر حالت
میں رہ سکوں تو بھلائی بُرائی کا سمجھانا کیا ضرور تھا کہ یہ سمجھ میرے دل میں چٹکیاں لے
اور مجکو ایذا دے - ہئی ہئی یہ سامان تو میری ہمیشہ ہمیشہ کی ہلاکت اور تباہی اور بربادی
کے ہیں - اب میں کیا کروں - مجکو کیا خبر تھی کہ میں اس قدر جلد مروں گی - ح - بس یہی
نہ کہنا کہ مجکو کیا خبر تھی - کیوں کیا تو نے اپنے سے چھوٹی عمر والوں کو مرتے نہیں سنا اور
نہیں دیکھا - کیا تجکو معلوم نہ تھا کہ تن درست کو بیمار ہوتے اور بیمار کو مرتے دیر نہیں لگتی -
کیا تو نہیں جانتی تھی کہ زندگانی کا کچھ ٹھکانا نہیں - کیا ایسی مثالیں سیکڑوں ہزاروں تیرے
روبرو پیش نہیں آئیں - تس - خیر تو میں نے نیکی نہیں کی تو ایسی کوئی بُرائی بھی نہیں کی -
دنیا میں سبھی طرح کے لوگ ہیں جو اَوروں کا حال وہ میرا حال - ح - یہی بات ہے تو پھر گھبراہٹ
کاہے کی - اگر آدمی کو پورا پورا اطمینان ہو کہ اُس زندگی میں ایذا نہیں رنج نہیں ایسا آدمی
موت سے ڈرے تو احمق - بزدل - ڈرپوک - یہی نہ کہ دو چار دن مرنے کی ایذا ہوئی تو کیا -

سبھی کو ہوتی ہی- اور اس سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں- اور کیسی ہی تکلیف ہو جب ہو چکی
گئی گزری ہوئی- پھر دنیاوی رنج و راحۃ بھی کچھ رنج و راحت نہیں- یہ عارضی وہ چند روزہ -
اصلی رنج و راحۃ تو وہاں کے رنج و راحۃ ہیں جن کو کبھی انقطاع نہیں جن کی کہیں انتہا نہیں
بڑی مشکل تو یہی ہی کہ جیتے جی کوئی فرد بشر اُس زندگی کی طرف سے مطمئن ہو نہیں سکتا
یہاں تک کہ پیغمبر صاحب جن کے اگلے پچھلے سب گناہ خدا نے بخش دئے تھے جیسا کہ سورۂ
اِنَّا فَتَحْنَا میں ہی لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ- وہ بھی تو فرماتے تھے- مَا اَدْرِیْ
مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ- مجکو معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور کیا تم کو پیش
آے گی- اور یہی سبب تھا کہ آں حضرۃ عبادۃ الٰہی میں بڑی مشقۃ اُٹھاتے اور رات دن خدا سے
معافی مانگتے رہتے تھے- قوم یہود میں خدا نے دین اور دنیا دونوں طرح کی سلطنتیں دی تھیں
یعنی اُن میں بعض پیغمبر تھے بعض بادشاہ- اُن کی نسل اپنے بزرگوں کی فضیلتیں دیکھ کر
ایسی مغرور ہوئی کہ لگے کہنے نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰہِ وَاَحِبَّاؤُہٗ - ہم تو خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں اور
اسی وجہ سے اُن کا یہ مقولہ تھا کہ ہم میں سے کسی کو آتش دوزخ چھوئے گی بھی تو صرف چند روز
کے لئے ان کو قائل معقول کرنے کے لئے خدا فرماتا ہی- فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ-
اگر ایسا ہی تو موت کی آرزو کرو جس سے معلوم ہو کہ جو تم مُونہ سے کہتے ہو تمہارے دل میں بھی ہی
کیوں کہ جب آدمی کو آخرۃ کی طرف سے اطمینان ہی تو وہ موت سے کیوں جان چُرانے لگا-
غرض یہ کھٹکا کہ دیکھئے کیا ہو صاف دلالۃ کرتا ہی کہ اس کے دل میں چور ہی- جو بے قصور
ہوگا وہ مطمئن بھی ضرور ہوگا- اور یہ جو تم نے کہا کہ میں نے نیکی نہیں کی تو ایسی کوئی بُرائی
بھی نہیں کی تم کو اپنی ذمہ داری پر لحاظ نہیں- ہو نہیں سکتا کہ بشریت کے جامے میں کوئی
شخص معصوم ہو- انسان کی خلقۃ ہی اس طرح کی ضعیف واقع ہوئی ہی کہ بدون بھٹکے
بے بہکے اس کو دو قدم سیدھا رستہ چلنا بھی مشکل ہی- اُس پر ذمہ داریوں کا اتنا بوجھ ہی
کہ وہ اس کو آسانی سے اُٹھا نہیں سکتا- چند در چند خواہشیں اُس کے پیچھے لگی ہیں جن
میں اعتدال برقرار رہنا نہایت ہی دشوار ہی- اس پر حقوق ہیں خدا کے جس نے اُس کو
پیدا کیا جو اس روز [illegible] دنیا اور اُس کی زندگی کے لئے ہزاروں طرح [illegible]

اس پر حقوق ہیں خود اپنے نفس کے اس پر حقوق ہیں اُن لوگوں کے جن میں وہ رہتا
یعنی ماں باپ کے بھائی بہن کے عزیز و قریب کے دوست آشنا کے عورۃ ہی تو شوہر کے مرد ہی
تو بی بی کے اولاد کے اُستاد کے اپنے سے بڑوں کے اپنے سے چھوٹوں کے حاکم وقت کے
ہمسائے کے ہم وطن کے زمین کے آسمان کے سارے جہان کے - محال عقل ہی کہ انسان
اتنے سارے حقوق بے کم و کاست ادا کر سکے پس چار و ناچار کسی نہ کسی بات میں اس سے
افراط تفریط ضرور ہوتی ہی اور اسی افراط و تفریط کا نام ہی گناہ - اسی طرح تمھارا یہ کہنا کہ دنیا میں
سبھی طرح کے لوگ ہیں جو اوروں کا حال وہ میرا حال سر تا سر نادانی اور بے عقلی کی بات ہی
پھر تم ٹانگ کے دکھ سے اس قدر بے قرار کیوں تھیں - آخر دنیا میں اور بھی خدا کے بندے
تھے اور ہیں جو تم سے بھی کہیں زیادہ تکلیفوں میں مبتلا ہیں - جب تم کو دوسروں کی ایذا
سے دنیا میں تسلی نہ ہوئی تو آخرۃ میں کیوں ہونے لگی - مگر یوں کہو کہ ابھی آخرۃ سر پر پڑی نہیں
جس دن سر پر پڑے گی ساری حقیقۃ کھل جاے گی - س - تو کیا مجکو درستی عاقبۃ کی کچھ
امید نہیں رکھنی چاہیئے؟ ج - نہیں نہیں - خدا کی طرف سے مایوس ہونا بھی کفر ہی - ؏

اُسے فضل کرتے نہیں لگتی بار   نہ ہو اُس سے مایوس امیدوار

س - کیا سچ مچ خدا مجھ جیسی گناہ گار پر بھی فضل کر سکتا ہی جس نے ساری عمر بھلائی کا
کوئی کام ہی نہیں کیا - آپ جو میں خیال کرتی ہوں تو میری نیکیوں میں اگر میں اُن کو نیکی
سمجھ سکتی ہوں لے دے کر یہی ایک نماز - سو اول تو اتنی پڑھی نہیں جتنی قضا کی - اور
جو پڑھی بھی تو کیا خاک پڑھی ظاہر میں تو خدا کے آگے ہاتھ باندھے کھڑی ہوں اور دل ہی کہ
خدا جانے کہاں کہاں بھٹکا چلا جاتا ہی - اس سے بڑھ کر بھی کوئی شامۃ ہو گی کہ کسی نماز
میں مجکو رکعتوں کی گنتی ہی یاد نہیں رہتی - تو میں سمجھتی ہوں - ایسی نماز پڑھی نہ پڑھی
برابر - رہے برس کے برس رمضان کے روزے سو میں بات کہوں صاف میں نے تو کوئی
روزہ خوش دلی سے رکھا نہیں - روزے رکھے مگر اُس کے ساتھ خواہی نخواہی یہ بھی خیال
آتا تھا کہ نہ رکھوں گی تو روزہ خور کہلاؤں گی لوگ چھیڑیں گے - اور جو قضا ہوئے
اُن کے ادا کرنے کا کبھی کچھ تردد کیا نہیں - اسی سے معلوم ہوتا ہی کہ جو رکھے وہ خدا کے

تھے یا ریا کے - اسلام کا تیسرا رکن زکوۃ ہی جس میں مجکو ساری عمر کلام رہا   باون روپیے
کا نصاب بہت ہی تھوڑا ہی اب وہ زمانے نہیں رہے کہ جس کے پاس   باون روپئے فاضل
ہوں اس کو غنی کہا جائے اور جب غنی نہیں تو زکوۃ کیسی - باون روپئے والا صاحب
زکوۃ تو نہیں مستحق زکوۃ کہو تو ہو سکتا ہی - یہاں گہنا پاتا میرے پاس ضرور رہی کبھی ٹھیک حساب
کرنے کا تو اتفاق نہیں ہوا مگر ایک ہزار سے اوپر ہی اوپر کا ہوگا - ہزار ہی روپئے کا رکھو
تو ہر برسویں دن زکوۃ کے پچیس نکلتے نکلتے ایک دن گہنا ہی گیا گزرا ہو جائے - پچیس روپئے
ہوں تو اُس کی ٹوٹ پھوٹ ہی درست نہ کراؤں - اور اس مسئلے میں تو میں امام شافعی کے
مذہب پر ہوں جن بچے ہاں سرے سے گہنے پر زکوۃ ہی نہیں - غرض زکوۃ تو نہیں مگر یوں
کوئی فقیر دروازے پر آ کھڑا ہوا اور گھڑکنے جھڑکنے سے بھی نہ ٹلا تو ایسے چمچڑ کو کچھ نہ کچھ
دینا ہی پڑتا ہی - میں نے بھی باسی روٹی کا ٹکڑا یا پھٹا پرانا چیتھڑا کیوں نہ دیا ہوگا ضرور
دیا ہوگا - لیکن کیا ایسا دینا داخل خیرات ہو سکتا ہی - ہرگز نہیں - بلکہ مانگنے والے کی تحقیر
اور دل آزاری کی وجہ سے نیکی برباد گنہ لازم - نماز اور روزے اور زکوۃ کا یہ حال ہو تو
حج کا کیا مذکور ہی - نہ گئے اور نہ جانے کا ارادہ - اور خیر ان ظاہری عبادتوں پر کیا موقوف
ہی یوں بھی مجکو خدا کے ساتھ ایسا کونسا تعلق ہی خدا دنیا کے دستور کے مطابق فارغ البالی
اور خوش حالی کے زمانے میں یاد آنے کی تو کوئی چیز نہیں - ہاں مصیبت کے وقت خدا یاد آتا
ہی سو مجکو بھی یاد آیا مگر کب ؟ جب کوئی تدبیر نہ چلی - اتنی اور ایسی یاد پر مجکو بندۂ غرض
کہیں تو بجا ہی نہ بندۂ خدا - یہ حقیقت تو حقوق اللہ کی ہی اب رہے حقوق العباد تو میں نے
اپنے حقوق کے سوائے کسی سے کچھ مطلب ہی نہیں رکھا اور رکھا بھی تو لوگوں کو مجھ سے
کچھ ایذا ہی پونہچی ہوگی کسی کی غیبت - کسی کا حسد - کسی کی شماتت - میرا اصول زندگی تو
یہ تھا کہ لوگوں کے ساتھ یہ سلوک اور احسان کیا کم ہی کہ کسی پر ہاتھ نہ اُٹھاؤں کسی کو
گالی نہ دوں پرائی چیز نہ چراؤں - میں نے اس کا مطلق خیال ہی نہیں کیا کہ مجھ پر لوگوں
کا بڑا حق یہ ہی کہ جہاں تک ہو سکے اُن کو فائدہ پونہچاؤں - میں نے بہتیرے وعظ سُنے
کتنی کتابیں دیکھ ڈالیں مگر خدا جانے میری سمجھ پر کیسے پتھر پڑ گئے تھے کہ ایک لمحے

کے لئے بھی میں نے خیال نہ کیا کہ مجکو خدا اور بندگانِ خدا کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرنا
چاہیئے - میں نے میاں کے مرنے کا اتنا رنج کیا اتنا رنج کیا کہ بس دوسرا بھی کوئی کرے گا تو
اتنا ہی کرے گا لیکن کبھی یہ نہ سوچا کہ یہی دن مجکو بھی پیش آنے والا ہی - بے شک میں نے
اپنی پاک دامنی کو دھبہ نہیں لگنے دیا لیکن اُس میں اول تو یہ دیکھنا ہی کہ خدا کے خوف سے یا
بدنامی کے ڈر سے - لیکن فرض کیا کہ خدا ہی کے خوف سے میں نے اپنے تئیں بچایا تو میں نے
ایسا کونسا کارِ نمایاں کیا جس کے لئے انعام کی توقع رکھوں - خدا کے یہاں کی تو خبر نہیں مگر
دنیا میں تو اس طرح پر انعام تقسیم نہیں ہوتے - ورنہ سیکڑوں ہزاروں آدمی آ کھڑے ہوں
کہ ہم تمھارے گھر میں نہیں کودے لاؤ ہمارا انعام - اجی نہیں کودے تو سزا سے بچے انعام
کاہے کا - مجکو بڑا تعجب ہی کہ جو باتیں آپ مجھے ایسی کھلی ہوئی اور صاف معلوم ہوتی ہیں
اُن کی طرف اس سے پہلے میرا ذہن منتقل کیوں نہیں ہوا - اس سے معلوم ہوتا ہی کہ اب
میرا وقت قریب آ لگا ہی - ورنہ کیا میں پہلے کبھی بیمار نہیں پڑی پر میری عقل میں روشنی
میرے ذہن میں صفائی اس طرح کی کبھی نہیں آئی - لیکن اب سوچنے سے کیا ہوتا ہی -
سوچنا تو اُسی وقت فائدے کا تھا جب مجکو اُس کے مطابق عمل کرنے کی مہلت تھی - اب
موت سر پر آ کھڑی ہوئی یا نہیں بھی آ کھڑی ہوئی تو بیماری نے مجکو توڑ کر چور کر دیا اور
اس قابل بھی نہ رکھا کہ بھلا کھڑی ہو کر اطمینان سے دو رکعتیں تو پڑھ لیتی - ایسی حالت
میں مجھ سے ہو بھی کیا سکتا ہے - ذرد ذرا دیر کو تھمے تو آدمی کسی طرف کو جی بھی لگائے -
ٹیس ہی کہ دم نہیں لینے دیتی نماز میں حضورِ قلب ہو تو کیوں کر ہو - اور مانا کہ میں اچھی بھی
ہو گئی تو پچھلی فرو گزاشتوں کا کیا علاج - وقت جو نکلنا تھا نکل گیا آپ تئیں اُس کو لوٹا نہیں
سکتی - جو کچھ نامۂ اعمال میں لکھا جا چکا ہی اس کو مٹا نہیں سکتی - میں بہتیرا چاہوں کہ خدا
سے ناامید نہ ہوں لیکن امید عبث توقع فضول - بوؤں کانٹے اور چننے چاہوں پھول -
ج - بے شک کردار تو ایسے ہی ہیں کہ نجاۃ کا ضعیف سے ضعیف احتمال بھی نہیں ہو سکتا
مگر خدا بڑا غفور و رحیم ہی اُس نے اپنے سچے اور پاک کلام میں بڑا مستحکم وعدہ فرمایا ہی کہ یَا اَیُّہَا
الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ہُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

اے لوگو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں اللہ کی رحمۃ سے ناامید نہ ہو بے شک
خدا سارے گناہوں کو معاف کرے گا بے شک وہ معاف کرنے والا مہربان ہی - اس سے بڑھ کر
اور بھی کوئی چیز تسلی دینے والی ہو سکتی ہی - سارے گناہوں میں سب گناہ آگئے خدا کے ہوں یا
بندوں کے * س - کیا توبہ و استغفار کی بھی ضرورۃ نہیں ؟ ج جب بندے نے گناہ کو گناہ سمجھا
بس یہ سمجھنا ہی اُس کی توبہ ہی - انسان ایک کام کو گناہ سمجھے گا تو وہ کام اُس سے ہو گا
بھی نہیں - اور بندہ بشر ہی ہو گا بھی تو کبھی نہ کبھی اس کو افسوس بھی ضرور ہو گا اور وہ
اُس سے آخر کار باز بھی ضرور آئے گا - س - اچھا تو اب اس حالۃ میں جو دن جینا ہی مجھے
کیا کرنا ہو گا - ج - جہاں تک ہو سکے تلافی مافات اور آیندہ کے لئے اصلاح خیالات و عادات س
مگر مجھ سے تو اب کچھ ہو بھی نہیں سکتا اور نہ آیندہ امید ہی کہ میں کچھ کرنے جوگی ہوں گی - ج -
تم پر ناامیدی کے خیالات ہیں غالب قرآن کے وہ پیارے جملے اس وقت تمھارے ذہن میں نہیں
لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَہَا - لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا مَا آتٰہَا - اللہ جل شانہ کسی
نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر بقدر اس کی طاقۃ کے اور جس قدر جس کو دیا اسی کی بساط کے
موافق اُس سے مانگا جاتا ہی - نہ امیر کا صدقہ اور نہ غریب کا نرمی سے کہہ دینا کہ اللہ تم کو برکۃ دے
ہم بہت شرمندہ ہیں کہ ہم کو تمھاری خدمۃ کرنے کا مقدور نہیں - س - کیا بھول ہوئی ہی
جن دنوں لوگوں کی طرف سے میرے پاس شادی کے پیام پر پیام چلے آتے تھے ایک شخص
نے ہم خرما و ہم ثواب لکھا تھا کہ اگر تم دوسرا نکاح کرو گی تو تمھاری دیکھا دیکھی جتنی بیوہ
عورتیں نکاح کریں گی روز قیامۃ تک اس مری ہوئی سُنّۃ کے زندہ کرنے کا ثواب تم کو ملے گا
اگر میں اُن دنوں نکاح پڑھا لیتی اس نیت سے کہ دوسروں کے لئے سند ہو تو بے شک اس کے
یہ معنے تھے کہ اتنی عورتوں کو گویا میں نے عذاب بیوگی سے نجاۃ دی - دنیا کی رسوائی اور آخرۃ
کی فضیحۃ سے بچایا - لیکن وہ موقع تو گیا اور ایسا گیا کہ پھر اُس کے آنے کی توقع نہیں -
اَب تو مَیں ہزار چاہوں تو کوئی بھی میرا روادار نہ ہو - یہی ایک بھلائی میرے بس کی تھی سو
اب مَیں اس سے بھی تھکی - اور واقع میں اب جو میں سوچتی ہوں تو یہ نماز روزہ نیکیاں
تو ہیں لیکن پھر بھی ان عبادتوں میں آدمی کی اپنی ہی غرض ہی اور بس - یعنی انسان

اولاد نہیں ان کو تو ضرور ایسا اختیار ہونا چاہئے ۔ دوسرا ۔ تم ان سے اچھی طرح واقف نہیں ۔ میں ان کو خوب جانتا ہوں پہلے درجے کے دین دار ہیں وہ ایسا نہیں کریں گی ۔ پہلا ۔ کیا اپنے مال میں تصرف کرنا خلاف دین داری ہی ۔ دوسرا ۔ بے شک جس کو میں دین داری سمجھتا ہوں اور جیسی دین داری خاص کر آزادی بیگم کی ہی اس کی رو سے اپنے مال میں تصرف کرنا بھی منع ہی ۔ اگر سچ پوچھنے ہو تو دنیا میں کوئی چیز کسی کی ملکیت نہیں ۔ جو کچھ کسی کے پاس ہی سب عاریتہً ہی اور مالک حقیقی خدا ہی اور بس ۔ اور یہ جو لوگ ہبہ یا وصیت یا تقسیم سے آیندہ کے لئے اپنے ترکے کا انتظام کر جاتے ہیں میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ لوگ مال کو یہاں تک دوست رکھتے ہیں کہ مرے بعد بھی اس میں اپنا ہی انتظام چلانا چاہتے ہیں ۔ خدا نے ہمارے ترکے کا کامل انتظام کر دیا ہی ہر ایک وارث کے حقوق ٹھہرا دیئے ہیں ہم کو اس انتظام میں دخل دینے کی ضرورت نہیں چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہی آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۔ تم نہیں جانتے کہ تمھارے باپ بیٹوں میں تم کو کس سے زیادہ نفع پہنچتا ہی کہ ترکے میں اُس کا زیادہ حق ہو یا کون تم سے زیادہ نفع پانے کا مستحق ہی یہ تو اللہ کا ٹھیرا ہوا ہی بے شک وہ جاننے والا حکمت والا ہی ۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ موت کے ساتھ میراث اور وارث کسی کا کچھ خیال نہ آئے ۔ دنیا کب سے چلی آتی ہی ہم سے پہلے بھی یہ مال کسی کے قبضے میں تھا اور وہ اس کا انتظام کرتا تھا ہم قابض ہوئے ہم نے انتظام کیا ہمارے بعد جو قابض ہوگا انتظام کرے گا ۔ ع ہر کہ را پنج روز نوبت اوست ✦ یہ باتیں میں نے آزادی بیگم کے مونہ سے تو نہیں سنیں ۔ مگر مجھکو تحقیق معلوم ہی کہ ان کے خیالات دین داری بہت بڑھے ہوئے ہیں اور وہ ایسی چھوٹی متبذل باتوں کی طرف ملتفت ہو نہیں سکتیں کہ اولاد کے نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو گود لیں ۔ میرا گمان تو یہ ہی کہ ان کو اولاد نہ ہونے کا کبھی خیال بھی نہ آیا ہوگا تیسرا ۔ متبنیٰ نہیں شاید وقف کرتی ہوں ۔ پہلا ۔ مگر یہ کیا کہلا بھیجا ہی کہ آپ سب صاحبوں کے دنیاوی اور دینی فائدے کے لئے ایک وصیت بھی کرنے والی ہوں ۔ تیسرا ۔ دیکھنا جو وقف کے سوائے کوئی اور بات نکلے ۔ چوتھا ۔ یا شاید اپنی تجہیز تکفین قبر وغیرہ کے بارہ

ہیں کچھ کہنا چاہتی ہوں گی - دوسرا - میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ کیا وصیت کریں گی لیکن متبنیٰ
وقف - تجہیز تکفین اس قبیل کی تو یقیناً کوئی بات نہیں - یہ سب لوگوں کا بلانا کسی اور ہی مطلب
سے ہی - اور یہ بھید نہیں کھلتا کہ عورتوں کو کیوں نہیں بلایا - بہر کیف جھگڑا کاہے کا ہی
کل نہیں تو پرسوں اس وقت سے پہلے پہلے سب سن لیں گے کہ کیا وصیت کی - جس دن
وصیت سننے کے لئے لوگ جمع ہوئے محلے کی مسجد میں نماز صبح کے وقت لوگوں کی یہ کثرت تھی
کہ رمضان کے الوداعی جمعے میں بھی کبھی نصیب نہیں ہوئی - اچھا معتدل موسم تھا نہ بہت
گرمی نہ بہت سردی دن کے آٹھ بجتے بجتے مکان مردانہ ہوگیا اور سب لوگ آ بھرے - ایک
درے کے آگے چلمن پڑی تھی اُس کے اندر آزادی تھی اور اس کے گرداگرد چند عورتیں اور
باقی تمام مکان میں مرد ہی مرد پٹے پڑے تھے - جب لوگ ٹھکانے سے بیٹھ لئے تو اندر درے
میں سے آزادی نے خوب کڑاکے کی آواز سے پکار کر کہا +

اُنیسویں فصل - آزادی بیگم کی آخری وصیت اور خاتمہ

بزرگو - بھائیو - عزیزو - السلام علیکم - ہندوستان میں اور ہندوستان میں نہیں تو اس
شہر میں شاید یہ پہلا اتفاق ہی کہ ایک پردہ نشین عورت مردوں سے خطاب کر رہی ہی جن میں
بعض اجنبی بھی ہیں - عورت کسی قوم کسی مذہب کسی ملک کسی عمر اور کسی حالت کی کیوں نہ ہو
تھوڑا بہت حجاب اُس کی طبیعت میں ضرور ہوتا ہی اس سے معلوم ہوتا ہی کہ پردہ از روے
پیدائش عورت کے مزاج کے مناسب ہی - روے زمین پر صرف مسلمانوں کی ایک قوم ہی جن کے
مذہب میں پردے کا حکم ہی تو دوسرے مذہب والے خاص کر عیسائی اس پر بڑے بڑے مُونہہ
آتے ہیں - لیکن یہ بالکل اُن کی ہٹ دھرمی ہی - وہ ہماری حالت سے اچھی طرح واقف نہیں
اور قیاسی باتوں سے ایسے رواج پر اعتراض کرتے ہیں جو اس وقت تک یقیناً نہایت مفید ثابت
ہوا ہی - میں انگریزوں کے خانگی حالات سے بالکل ناواقف ہوں مگر جہاں تک کتابوں اور
اخباروں سے معلوم ہوا ہی بے پردگی کے بُرے نتیجے اُن کو بھی جھیلنے پڑتے ہیں - لیکن آزادی
اور خودسری جو ملکی رواج کی رو سے عورتوں کو حاصل ہی چھیننا تو درکنار اس کا روکنا اور گھٹانا

بھی دشوار بلکہ محال ہے۔ مسلمانوں میں بھی چھوٹتے ہی پردے کا رواج نہیں ہوا بلکہ مدتوں
سب کی بہو بیٹیاں دستور قدیم کے مطابق باہر نکلتی اور پھرتی چلتی رہیں۔ یہاں تک کہ
اسلام کی تعلیم سے لوگوں کے سینے خوف خدا اور پرہیزگاری اور نیکوکاری سے معمور
ہوگئے اور خود اُن ہی کو بے پردگی سے نفرۃ پیدا ہوئی اور انھوں نے آزادی کو اپنے
حق میں زبون اور خطرناک سمجھ کر اپنے تئیں پردے کا پابند کرنا چاہا۔ جب پردے کا
حکم نازل ہوا تو بہت دنوں تک اس میں ایسی آسانی رہی کہ عورتیں مسجدوں میں شریک
جماعۃ ہوتیں۔ لڑائیوں میں جاتیں۔ اور مجاہدین کی جو خدمتہ بن پڑتی بجالاتیں۔ جوں
جوں پیغمبر صاحب صلعم کا عہد بابرکتہ دور پڑتا گیا دلوں کی صفائی خیالات کی پاکیزگی کم ہوتی
گئی پردے میں بضرورۃ تشدد ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اب جو پردے کا رنگ ہے آپ سب
صاحب اُس کو دیکھتے ہیں۔ یہ پردہ قدر شروع سے بہت زیادہ مگر ضرورۃ اور مصلحۃ وقت
سے اب بھی کم ہے۔ باوجودے کہ میں بڑی سختی کے ساتھ پردے کی طرف دار ہوں لیکن
ایک ایسا ہی قوی سبب آکر پڑا ہے کہ میں نے اپنی آواز مردوں کو سُنانے پر جُراٗۃ کی اور
میری ساری عمر میں یہ پہلا اور خدا نے چاہا آخری اتفاق ہے کہ میں نے شرعی پردے کے
نہیں بلکہ رواجی پردے کے خلاف کیا ہے۔ رسول خدا صلعم کی صاحبزادی حضرۃ فاطمہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مہاجرین اور انصار کو مخاطب کر کے نہایت بڑی لمبی تقریر کی اور
وہ تقریر ایک خطبے کے پیرائے میں اس وقت تک کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہے۔
ام المومنین حضرۃ عائشہ سے لوگ بکثرۃ مسئلے پوچھنے آتے اور آپ پردے میں سے
جواب دیتیں۔ غرض میں جو یہ گفتگو کر رہی ہوں اس کے جواز شرعی کی سندیں بھی رکھتی
ہوں۔ علاوہ اس کے میں خود حیران ہوں کہ مجھ میں اس وقت کہاں کا زور آگیا ہے۔
کئی برس بعد میری اتنی آواز نکلی ہے ورنہ میری حالۃ دیکھو تو ناتوانی اور لاغری حد سے
بڑھ گئی ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں اور انکار کی گنجایش بھی نہیں کہ کسی وقت اور
کسی حالۃ میں زندگی کا بھروسا نہیں۔ لیکن انکار نہ کرنا اور نہ کر سکنا اور چیز ہے اور
اعمال سے افعال سے ثابت کر دکھانا کہ جیسا ہم مُونہ سے کہتے ہیں واقعی دل میں بھی ایسا ہی

یقین واثق رکھتے ہیں بالکل دوسری چیز۔ اور ان دونوں میں بڑا اور بہت بڑا فرق ہی۔
اَب چند روز کی ہیں کہتی نہیں مگر اس سے پہلے اپنے سے بڑوں کو اپنے دائیں داروں کو۔
اپنے سے چھوٹوں کو بعض کو مدتوں بیمار رہ کر اور بعض کو مفاجاۃً مرتے دیکھا اور سنا ایک دو
کو نہیں سیکڑوں کو۔ میں خود دو یا تین بار ایسی ایسی بیمار پڑی کہ مرنے میں کسی طرح کی کچھ کسر باقی
نہیں رہی تھی۔ مگر اس سے پہلے میں کبھی ایک لمحے کے لئے اپنی زندگی کی طرف سے نا مطمئن
نہیں ہوئی۔ گویا میرا خیال یہ تھا کہ میں موت کے حکم عام سے مستثنیٰ ہوں یا جیسے خدا نے مجکو
زبان دی ہی کہ میں سوسوا سو برس کی عمر سے اِدھر نہیں مروں گی۔ سوائے خدا کے کسی کو دوسرے
کے دل کا حال معلوم نہیں۔ لیکن جہاں تک لوگوں کے برتاؤ سے سمجھا جا سکتا ہی مَیں خیال کرتی ہوں
کہ تمام آدمی الا ماشاء اللہ ویسی ہی غفلة میں مبتلا ہیں جیسی غفلة میں مَیں نے اپنی ساری عمر برباد
کی ہی۔ اس وقت نہیں تو کسی دوسرے وقت فرصة سے اپنی جگہ جا کر سوچنا کہ اگر دنیا کے لوگ
زندگی پر اتنا ہی اعتماد کریں جتنا کہ عقل کی رو سے ہونا چاہئے یعنی رات کو سوئیں اور دل میں یہ
خیال ہو کہ دیکھئے جاگنا بھی نصیب ہوتا ہی یا نہیں۔ صبح کو اُٹھیں اور یہ تصور پیش نظر ہو کہ
خدا جانے شام بھی پکڑتے ہیں یا نہیں۔ تو آپ ضرور اس بات کو تسلیم کریں گے کہ دنیا کا یہ رنگ
نہیں رہ سکتا۔ کیوں کوئی پکی عمارتیں بنوائے گا۔ کس لئے کوئی باغ لگائے گا۔ کاہے کو آیندہ
کے لئے کوئی کسی طرح کا انتظام کرے گا۔ توقع لفظ ہوگا بے معنے۔ امید خیال ہوگا باطل ع
نسیم غفلة کی چل رہی ہی اُمنڈ رہی ہیں بلائیں + + کچھ ایسے سوے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہی
افسوس ہی کہ مجکو اپنی غلطی پر وقوف اور غفلة سے تنبہ ایسے وقت ہوا کہ جبر نقصان میرے اختیار
سے خارج اور تلافی مافات میری قدرة سے باہر ہی۔ امتدادِ مرض نے میرے جسم کو اور اذعان
مرگ نے میرے خیالات کو اس قدر بدل دیا ہی کہ گویا یہ میرا دوسرا جنم ہی۔ جس خیال کو مَیں
ذہن میں جمانا چاہتی تھی اور نہیں جمتا تھا اَب وہی خیال ہی کہ کسی وقت دل سے نہیں نکلتا
جو باتیں ساری عمر مشتبہ اور مشکل رہیں اَب روزِ روشن کی طرح صاف اور بدیہی نظر آتی
ہیں۔ جن کو نہ دلیل کی حاجة۔ نہ ثبوت کی ضرورة۔ قرآن کی ایک آیة کو میں اپنی اس حالة
سے بہت ہی مطابق پاتی ہوں۔ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ

مِن ہٰذا فَکَشَفنَا عَنکَ غِطَاءَکَ فَبَصَرُکَ الیَومَ حَدِید۔" اگر میرے پہلے کے سے یا یوں کیوں نہ کہوں کہ ساری عمر کے سے خیالات ہوتے تو مجکو آپ صاحبوں کے ساتھ بات کرنی بھی دشوار ہوتی نہ کہ ایسی بات جس کے لئے ڈھیر سارا علم درکار ہی۔ لیکن اس خیال نے کہ مجکو دنیا میں رہنا نہیں میرے دل کو قوی میری طبیعۃ کو مضبوط اور میری ہمتہ کو دلیر کردیا ہی۔ یہی نہ کہ لوگ مجکو شوخ اور بے باک کہیں گے لیکن ایک دن ہوگا کہ نہ طعن کرنے والے ہوں گے (اور یہ شاید کسی قدر دیر میں ہو) اور نہ وہ ہوگی جس پر طعن کرتے ہیں (اور یہ بہت جلد ہونے والا ہی) تھوڑی دیر بعد ہیں آپ صاحبوں سے اُس قسم کی باتیں کہوں گی جن کو سن کر آپ اس سے بھی زیادہ اچنبھا کریں گے۔ خیر تو جو آیۃ میں نے ابھی پڑھی تھی اس میں روز قیامتہ کا حال ہی کہ خداوند عالم کے روبرو ہر متنفس اس شان سے حاضر کیا جائے گا کہ ایک تو اُس کے ساتھ ہانکنے والا ہوگا جیسے دنیا میں فوجداری کے مجرم کے ساتھ سرکاری سپاہی لگا رہتا ہی جو اُس کو کشاں کشاں حاکم کے حضور میں لئے جارہا ہی۔ اور ایک گواہ ہوگا جو حجتہ تمام کرنے کے لئے اُس کے خلاف پر گواہی دے گا۔ غرض ہر شخص مجرموں کی شکل وصورۃ میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے روبرو پیش کیا جائے گا۔ تو خدا تعالیٰ فرمائے گا تو اس حال سے غافل رہا یعنی زندگی میں کچھ خبر نہ لی کہ مجکو جوابدہی کے لئے خدا کے حضور میں جانا ہی اور وہاں سپاہی ہوں گے جن کی پکڑ سے بھاگ نہ سکوں گا اور گواہ ہوں گے جن کو جھٹلا نہ سکوں گا تو تیری آنکھوں پر جو پردۂ غفلتہ پڑا ہوا تھا آج وہ پردہ ہم نے اُٹھا دیا اب تیری نظر اس قدر تیز ہی کہ تمام چیزیں جن کی نسبتہ تجکو شبہہ تھا اب تجکو صاف بچشم سر دکھائی دیتی ہیں۔ قریب قریب یہی حالتہ میری ہی۔ میرے والدین کے مذہبی خیالات ایک دوسرے سے اس قدر مخالف تھے کہ دونوں میں ہمیشہ کھٹ پٹ رہتی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ مجکو ایسی چھوٹی سی عمر سے مذہبی باتوں میں غور کرنے کی ضرورۃ واقع ہوئی جب کہ میرے ساتھ کی لڑکیوں کو گڑیوں کے سوائے اَور کسی چیز کا خیال نہ تھا۔ باتوں میں تو ہمیشہ ابا جان دبا لیتے تھے مگر اماں جان اپنے عقیدے کی ایسی پکی تھیں کہ بند ہو ہو جاتیں مگر اپنی بات پر جمی رہتیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اگر ان کے دل میں کچھ شبہا آگیا نانا ابا پاس گئیں

دوسرے مذہب والوں کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے آٹے میں نمک تو کیا اتنے سارے آدمیوں
کو خدا نے اس لئے پیدا کیا ہی کہ آخر کار ان کو جہنم میں جھونک دے میں کئی ہندنیوں کو جانتی
ہوں اور دو تین میموں سے بھی میری ملاقات ہی اور عقل بھی گواہی دیتی ہی کہ دوسرے
مذہب والوں میں بھی نیکی خداشناسی خداترسی اور خداپرستی ہی اور اگر وہ مسلمان نہیں ہیں تو
ناحق کی ضد کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اس سبب سے کہ ان کو مذہب اسلام کا حال معلوم نہیں
یا جس مذہب میں وہ ہیں سچے دل سے اُسی کی حقانیت کے معتقد ہیں اور اُن کے دل اُسی
مذہب سے تسلی پاتے ہیں۔ کس قدر مشکل ہی ایسے لوگوں کی نسبت یہ حکم لگا دینا کہ ان کی نجاۃ
نہیں۔ الغرض مذہب کی نسبت میرے کچھ اس قسم کے واہی خیال تھے پریشان ڈانواڈول۔ کسی
کسی وقت میری طبیعت الجھتی بھی تھی مگر دین کی کچھ ایسی دُھن تو تھی نہیں طبیعت پر ذرا
بوجھ پڑا اور اس خیال کو الگ کیا دوسرے کام میں لگ گئی۔ اب مجکو دو طرح کا افسوس
ہی ایک تو غافل اور بے دین اور جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے کا اور دوسرے ایسی
لغو ولاطائل زندگی پر افسوس نہ کرنے کا۔ جب سے مجکو اس کا پورا یقین ہوا ہی کہ میں اس
بیماری سے جاں بر نہیں ہو سکتی خود بخود میری سمجھ کچھ دوسری طرح کی ہو گئی ہی۔ اب مجکو
ہر طرف خدا ہی خدا دکھائی دے رہا ہی۔ اور میں کہتی ہوں کہ جب زندگی کا انجام موت ہی تو آدمی
کی گو وہ روے زمین کا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو کچھ بھی حقیقت نہیں۔ سانس نکلنے کی دیر ہی اور
پھر تو مٹی کا ڈھیر ہی۔ لیکن یقین یقین میں بڑا فرق ہی۔ مجکو بھی ہمیشہ مرنے کا یقین تھا
اور سبھی کو ہوتا ہی لیکن وہ یقین اور طرح کا تھا اور یہ یقین اَور طرح کا ہی۔ وہ نقل یہ
اصل۔ وہ مجاز یہ حقیقۃ۔ کسی بزرگ کے حال میں لکھا ہی کہ اُنھوں نے اپنے گھر میں ایک
قبر کھود رکھی تھی اور اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ ہر روز تھوڑی دیر کے لئے ضرور اُس میں
جا کر لیٹتے تاکہ موت کی یادگاری تازہ ہوتی رہے۔ میں نے قبر تو نہیں کھودی لیکن یہ پورا
یقین ہی کہ جس چارپائی پر پڑی ہوں اب اسے قبر ہی میں جانے کے لئے اُتاری جاؤں گی
غرض موت کے اس درجے کے یقین نے میرے سارے شکوک رفع کر دیئے۔ اب مجھ پر
اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ میں نہایت عاجز اور ذلیل مخلوق ہوں۔ اپنی حقیقت کا پہچاننا تھا

وتنی عزة باقی نہیں رہتی اور لوگ اُس حقیر سمجھنے لگتے ہیں - اور یوں دُنیا میں کون ہی جس کو
اُس سے بہتر حالة والا حقیر نہیں سمجھتا - لیکن نکاح کرنے سے بیوہ عورة حقیر سمجھی جاتی ہی اُس خاص
بات میں جو سب سے زیادہ دل کو دکھانے والی ہی - اور جس کی حفاظة کے لئے اُس نے نکاح کیا ہی
یعنی ناموس میں ہمیشہ رسم و رواج کو بڑی حقارة کے ساتھ دیکھا کرتی اور جی میں کہتی کہ بھلے
بُرے کی شناخت کی دو کسوٹیاں ہیں مذہب اور عقل - بلکہ اگر سچ پوچھو تو ایک ہی کسوٹی ہی یعنی
مذہب - کیوں کہ انسان کی عقل کا کچھ اعتبار نہیں ایک ہی بات کو ایک آدمی اچھا سمجھتا ہی اور
دوسرا بُرا اور اسی سے تو دنیا میں اختلافات پڑے ہوئے ہیں - ہم سمجھتے ہیں کہ معصوم بچوں
کے مارڈالنے سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ظالمانہ اور وحشیانہ حرکت نہ ہوگی - لیکن جن لوگوں میں بیٹیوں
کے مارڈالنے کا دستور ہی جیسے ہمارے ملک کے راجپوت اُن کا یہ مقولہ ہی کہ کواری لڑکی کو بٹھا رکھنا
یا سُسرا کہلانا اور سالا بننا بڑی بے غیرتی کی بات ہی کوئی فعل اس سے زیادہ تحسین کے قابل
ہو نہیں سکتا کہ جانے جان رہے آن - یہ تو میں نے مثال کے طور پر ایک بات بیان کی اسی طرح
سیکڑوں ہزاروں باتیں ہیں جن میں لوگوں کی رائیں مختلف ہیں - بلکہ آدمی آدمی کا اختلاف تو
درکنار ایک ہی آدمی ایک بات کو ایک وقت بُرا سمجھتا ہی اور پھر وہی آدمی اُسی بات کو دوسرے
وقت اچھا کہنے لگتا ہی - اور یہ تو خود مجھ پر گزری ہی اور خیال کر کے دیکھو تو کوئی فرد بشر اس
تزلزل سے خالی نہیں - بچپن کی باتیں جوانی میں بُری معلوم ہوتی ہیں جوانی کی بڑھاپے میں
غرض اچھا وہی جس کو مذہب اچھا کہے اور بُرا وہی جس کو مذہب بُرا بتلاے - تو میں اپنے
دل میں کہتی کہ جب آدمی کی عقل کو نیک و بد کی تمیز کا سلیقہ نہیں یہ رسم و رواج کیا چیز ہی
اور بڑے احمق ہیں جو اس کی پیروی کرتے ہیں - لیکن جب مجکو خود رسم و رواج سے مقابلہ کرنا
پڑا تو معلوم ہوا کہ خدا کی خدائی میں اس سے زیادہ کوئی زبردست چیز نہیں - جب جب نکاح کا
خیال آیا تب تب ارادہ ہوا اور جب جب ارادہ ہوا رسم و رواج نے سب منصوبے غلط کر کر دیئے -
میں کہتی تھی ہی ہی لوگ مجکو دوخصمی کہیں گے - برابر کی بیبیاں مجکو نظرِ حقارة سے دیکھیں گی
سکینہ مارے ہنسی مسکرائیں - اکی دُھکی سب بیوی کی صحنک کھائیں گی اور میں بیٹھی مُنہ
تکوں - میرے سبب سے میری نسل انگشت نما ہوگی - نہیں نہیں - میں اس بے عزتی

خدا اور خدا   بندوں کا گنہ گار ہے۔ اَور وں نے اگر گناہ کئے ہیں تو اُن کو ابھی توبہ کی مہلت ہے۔
ممکن ہے کہ خدا اُن کو توبہ کی توفیق دے توبہ قبول ہو اور اُن کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں
شامت تو مجھ کم بخت بدنصیب کی ہے کہ توبہ کا وقت بھی باقی نہیں۔ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا
وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْاٰنَ
وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ توبہ تو اُن کی ہے جنھوں نے نادانستہ
کوئی بُرا کام کیا پھر جلدی سے توبہ کر لی تو ایسوں کی توبہ خدا بھی قبول کر لیتا ہے اور خدا تو جاننے والا
حکمت والا ہے۔ اور اُن کی توبہ سند نہیں جو بُرے کام کرتے چلے گئے یہاں تک کہ جب موت آموجود ہوئی
تو لگے کہنے اب میں نے توبہ کی اور نہ اُن کی توبہ سند ہے جو کافر مرے ایسوں کے لئے ہم نے عذاب
درد ناک طیار کر رکھا ہے تو صاحبو میں تو حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ میں ہوں اور مجکو اپنی توبہ کے قبول
ہونے کا بھی بھروسہ نہیں۔ بلکہ لوگوں کے حالات کی تفتیش سے میری غرض اسی قدر تھی کہ
دیکھوں مجھی کو ہو گی اِس قدر اکھڑتی یا دوسروں کا بھی یہی حال ہے۔ تو بعض کا حال تو ناگفتہ بہ
ہے اُن کی وہی مثل ہے اِخْتَارُ الْعَارَ عَلَى النَّارِ۔ دنیا کی شرم سے مجبور دوزخ میں جانا منظور۔ مگر خدا
کا بڑا احسان ہے کہ امیروں کی تو میں کہتی نہیں متوسط الحال اور غربا کی عورتوں میں اس طرح کے
فسادات بہت ہی کم ہیں بلکہ گویا کہ نہیں ہیں۔ اور یہ سب برکتیں ہیں پردے کی۔ اور افسوس
ہے کہ آج کل کے انگریزی خوان اسی کے پیچھے پڑے ہیں کہ جس طرح ہو سکے اس کو توڑیئے۔ لیکن
اس وقت کی میری بھی ایک بات یاد رکھنا کہ جس قدر پردے میں کمی ہوگی اُسی قدر فسادات میں
ضرور زیادتی ہوگی۔ مگر یہ کہ خدا نے تو آدمیوں کی جگہ زمین پر فرشتوں کو لا بسائے تو کچھ کہا نہیں
جاتا۔ مجکو اس قسم کی کئی عورتیں ملیں جن کو حقیقت میں نکاح سے انکار تھا مگر تحقیق کیا تو ان کا
انکار اُسی طور کا تھا کہ ایک لومڑی انگور کی بیلوں کے تلے سے ہو کر نکلی انگور کے خوشے دیکھ کر اس کا
جی للچایا کودی اُچھلی بہت مگر انگور تھے اونچے پہونچ نہ سکی آخر یہ کہہ کر دم دبا چلتی ہوئی کہ انگور
کھٹے ہیں۔ تو جن کو انکار تھا اُن میں بعض کی تو صورت اچھی نہ تھی۔ بعض عمر سے اُتری ہوئی
بعض بچہ کش۔ کہ پہلے چار چار پانچ پانچ کے لئے ڈربہ بنائے تو ان سے نکاح کرے۔ اتنی عورتوں

میں سچا انکار تو ایک کا دیکھا کہ اُن کو کوئی چیز مانع نہ تھی مگر اس طرح کا آدمی خدا پرست مرد یا عورۃ
کوئی شخص آج تک میری نظر سے نہیں گزرا اور اگر انھوں نے مجھ سے عہد نہ لیا ہوتا تو میں
ضرور اُن کا نام و نشان سب کو بتا دیتی کیوں کہ ایسے بزرگوں کی زیارۃ کو میں داخل عبادۃ سمجھتی
ہوں۔ میں اس کو اپنی بڑی خوش قسمتی خیال کرتی ہوں کہ اتفاق سے اُن کے پاس جا نکلی
اور میں سچ کہتی ہوں کہ اگر مجکو اپنی نجاۃ کی توقع ہی تو صرف اس سے کہ میں نے اُن سے درخواست
کی اور انھوں نے میرے لئے دعا کرنے کا وعدہ کیا وہ ضرور اپنا وعدہ پورا کریں گی بلکہ کیا ہوگا اور
وہ اپنا وعدہ پورا کریں گی تو خدا بھی اپنا وعدہ ضرور پورا کرنے گا بلکہ کیا ہوگا کہ وہ اچھے بندوں کی
بات کو رد نہیں کرتا۔ تم بھی از برائے خدا دعا کرو کہ اپنے نیک بندوں کے طفیل میں خدا میرے
گناہوں سے درگزر کرے اور میں بھی تم سب کے حق میں یہی دعا کرتی ہوں خدا قبول کرے۔ کیا مزے
کا نکتہ ہی کہ ہم جس مونھ سے جھوٹ بولتے غیبتہ کرتے قسمیں کھاتے کوستے برا کہتے بیہودہ باتیں بکتے
اُسی گندے اور ناپاک مونھ سے دعا مانگتے تو ایسی دعا قبول ہو کیا خاک۔ لیکن اگر ایک بندہ دوسرے
بندے کے لئے دعا کرے تو وہ دعا قبولیتہ سے زیادہ قریب ہی۔ کیوں کہ میرا مونھ گناہ گار ہی تو میرے لئے
نہ دوسروں کے لئے۔ وہ بی بی جن کا میں نے ذکر کیا میں نے اُن کو جا کر دیکھا تو بس خدا یاد آگیا
میں نہیں جانتی تھی کہ اس زمانے میں اور ہمارے ہی شہر میں ایسے ایسے بزرگ چھپے پڑے ہیں
اور واقع میں اپنے اعمال کا تو حال معلوم ہی یہی لوگ ہیں جن کی برکت سے زمین و آسمان قائم
ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہی کہ انھوں نے اپنے تئیں اس طرح چھپایا ہی کہ کسی کو کانوں کان
اُن کے حال کی خبر نہیں۔ اچھے خوش حال گھر کی بیٹی ہیں باہر شہر کسی بڑے امیر کے گھر بیاہی گئی
تھیں میاں کے جیتے جی تو دین داری کی کوئی بات اُن میں تھی نہیں۔ میری اُن کی بیوی کی ملتی جلتی
ہوئی سی ہی۔ یہ بھی جوانی میں بیاہ کے تیسرے برس بیوہ ہو گئیں۔ میاں گھوڑے پر سوار چلے جاتے
تھے خدا جانے کیا ہوا۔ گھوڑا بدکا گرے اور گرتے کے ساتھ جان نکل گئی۔ ان کے بھی کچھ اولاد
نہیں ہوئی۔ ان پر میاں کے مرنے کا یہ اثر ہوا کہ دنیا کو چھوڑ بیٹھیں۔ اگر بیوگی کا نتیجہ ہو تو میں
کہتی ہوں الٰہی کل جہان کی عورتیں رانڈ۔ شہر میں آئیں تو غل غپاڑے کے خیال سے اپنے
میکے میں نہیں ٹھیریں۔ دُور کے رشتے کی کوئی خالہ ہیں اُن کے مکان میں الگ کوٹھے پر رہتی ہیں

مگر میں اس پر نازاں نہیں اس سے خوش نہیں۔ اور کیوں کر نازاں اور کیا خوش ہو سکتی ہوں
جب کہ میں خدا کے کلام میں یہ غضب کی آیۃ پاتی ہوں۔ وَاِن تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡہُ
یُحَاسِبۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ فَیَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔ اور تم اپنے
دل کی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ خدا اس کا تم سے حساب لے گا پھر جس کو چاہے معاف کرے اور
جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جسم پر میرا بس چلتا تھا اور میں نے اس کی
حفاظت کی۔ آنکھ غیر محرم پر نہیں پڑنے پائی۔ زبان کو گناہ کی بات نہیں بولنے دی۔ پاؤں بدراہ نہیں
چلا۔ ہاتھ بے جا نہیں ہلا۔ لیکن دل پر تو میرا اختیار نہ تھا۔ وسوسوں کو کیوں کر روکتی۔ خیالات کو
کس طرح ٹالتی۔ پس میرا بدن بالکل بے گناہ ہے لیکن دل نہ میں اس کو بے گناہ سمجھتی اور نہ بے گناہ
کہتی۔ بدن تو دنیا کی چیز ہے یہیں تک میرے ساتھ ہے اور میں یہیں اس کو چھوڑ جاؤں گی۔ جس سے
خدا کے یہاں باز پرس ہونی ہے وہ دل ہے۔ اور افسوس کہ وہ خدا کے سامنے پیش کئے جانے کے
قابل نہیں۔ لوگوں کی نظر میں اپنے تئیں بے گناہ ظاہر کرنا مجکو کیا فائدہ دے سکتا ہے جب کہ میں
خوب جانتی ہوں کہ خدا کی سرکار میں کسی کو دخل نہیں نہ کوئی کسی کو جنۃ میں لے جا سکتا اور نہ کوئی
کسی کو دوزخ سے بچا سکتا۔ بلکہ اپنی بے گناہی کا یقین دلانا جھوٹ بولنا اور دھوکا دینا ہے اور
میں نہیں چاہتی کہ چلتے چلتے ایک گناہ اَور اپنے سر پر لوں۔ مجھ پر ایک وقت گزرا ہے دن نہیں
ہفتے نہیں۔ مہینے نہیں۔ بلکہ برس کہ مرد کی آواز میرے کانوں کو بھلی معلوم ہوتی تھی۔ رات کو پیدا
پکارتا یا دن کو سودے والے صدا لگاتے تو میں کان لگا کر سنتی بلکہ ایک دفعہ تو بے اختیار ہو کر
ڈیوڑھی میں جا کھڑی ہوئی اور پھر مہینوں اپنے تئیں ملامۃ کرتی رہی۔ بیماری میں لوگوں نے میری
ایسی ایسی خدمتیں کی ہیں کہ بس میرا جی ہی جانتا ہے اور میں ان کے احسانوں کی کسی طرح تلافی نہیں
کر سکتی۔ لیکن ویسی تسلی ہی نصیب نہیں ہوئی جو خدا بخشے مولوی صاحب کے سرسری طور پر
پوچھ لینے سے ہوتی تھی کہ اب تمھارا مزاج کیسا ہے۔ ایسی بھی بہتیری عورتیں نظر سے گزری ہیں جن کا
سرے سے بیاہ ہی نہیں ہوا مجکو کبھی اُن کے حال پر ترس نہیں آیا لیکن بیوہ ہو کر بیوگی کی قدر
جانی کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں۔ جو میرے کہے کا یقین کرے خدا اس کو جزائے خیر دے
اور جو نہ کرے اُس کے حق میں اس کے سوائے اَور کیا کہوں کہ خدا کرے وہ بھی ہم ہی سری کی عورۃ

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ
سوال وجواب نیروزی
در مطبع محبوب القلوب طبع شد

سلک مخدوم که زادن را به مادر پیوند سے دهد و پدر را ازان بخشش
بهره نمی بخشد شگفته می آرد با خبران را چون بدین پایه [illegible]
بیاراید با بیخبران ازل ساکه در هیچ و هیچدانی تنگ وجود خویشم عاری [illegible]
و نامه چه بر تابد چون به سنگ این سخن زبان را آب در هم گسست
لازمتر افتد که بی باک روی ها ئے کلک آشفته خرامم را که
گستاخانه بر بساط ادب همی تازد و پوزشی بسزا خواسته بار [illegible] گرفت
گزیده را جواب ده هم مخدوم من جائے که شاعری پدر را گذاشته
مادر را پیشگاه همی آرد و دیگرے پدر را قفائے وی بجلوه گاه می آرد
شناوری باید که بغواصی نگاه ژرف دریا بنگرد تا شبهه از درون
پشک از مشک باز شناسد خداوندان جناب ندانم که زادن را چرا
از آن مادر دانسته اند و به پدر ستم رسیده پاره از ان می رساند
مطلع قاآنی که به گرانمایگی اشتهار دارد و پیش مولانا میرسد چیزی
سے گوید خداے را بداد وی نرسند و هرزه ناکامش نگرانند

وهی هذا گر دون تیره ابرے بامدادان بر شد از دریا
جواهر ریز و جوهر خیز و گوهر بیز و گوهر زا و حسن مطلع عبد الواسع
جبلی که از ریزش کلکش آب بجوی میرسد نظاره فروز نگاه تو دی
می گردد و دو ساغر انجمنیان بگردش می آرد ـ

از برای آتشش زآینده ام پشت چیر	نعل و آهو خار و نے بحر و جبل کان و تراب
شهد خالص مشک اذفر در احمر قند عنبر	در بیضا لعل روشن سیم صافی زر ناب

و میدانم که بر زبان کهر بار مولانا نیز لفظ بنده زاده و مخدوم زاده و برادر زاده و شاهزاده و گدا زاده و سرهنگ زاده و ملک زاده و میرزا و غیره گذشته باشد اگر زادن پدر دیده ظاهر اما لم صورت ندیده باشد اشعار استاذه را نگرد و زادن را به مادر و پدر نیمه نیمه قسمت نماید تا گله از میان برخیزد احسان الله خان تنغ

پور و دختی شام زادی هم صباح　　اختلاف بطن بود سے در نکاح

وله

زادیس قابیل با دخواهرش	حسن روز افزون فزون زافزون ترش

وله

زد کیومرث از همه نوبت نخست	زاد او از شدت و این باشد درست

مولانا نظامی فرماید۔ بندگی باید پیمبر زادگی منظور نیست و

سنائی صاحب تحفه مے فرماید

زاده از یک دگر لعلم و بدم	آدم آزا احمد احمد از آدم

بدرالدین چاچی مے فرماید۔

حقا که نه پدر را و نه شش جهت زاده	چون تو کسے به عالم [illegible]

وله

زیبشت نه پدر را چار مادر بسته طفل	نه زاد چون تو جوان از کنار عالم پیر

صائب می فرماید۔

زاده ظالم ستمگر میشود	تیغ چون بشکست خنجر میشود

مولانا **خسرو** می فرماید۔

نے کس از تو زاده و نے از کس	زادن و نازادن ما ز [illegible]

وله

یکته آخرم حسا مان منزن	من ز تو زادم نه تو زادی ز من

وله

گر تو از آن شاه نکو زاده	من ز تو زادم که از و زاده

وله

مثل من اے پادشاه تو شادی مرا	هم تو نه زادی که بزادی مرا

نگاہے باید تا بنگرد و دلی کہ تا در رو فرد رود، والتسلیم والتکریم نگارش گر ہنرہ گرد شہرستان ہیچدانی۔

محمد رفیع الدین فرید

وتنشرح بها ثقب اذان العقول مشتملة على نظائر
مستطرفة وفقرات مستطرفة شامخة شافية راجحة
وافية هذا ما كتبه ابو القاسم محمد بن الشهير بفضل
رب عرشي المتخلص تاجفوري الموطن حرسه الله
عن محن الزمن

قطعهٔ تاریخ

یاران زکلک رفیعای فریدی | مانا بحث را ز گهرپاش نظام است
بر ساغرش آن باده به بینی که حلال است | در ششتر لتش آن ماه بیابی که تمام است
زادن بزبان کرد که مختص خبر آرید | کاین جاده خوابیده که زینت کلام است
بالجمله درین مسئله کلکش گه تحریر | تیغ صفهانیست که بیرون زنیام است
خون از رگ اندیشه خود چون بچکاند | کش از فلکان باده تحقیق بجام است
تاریخ کتابت بسخن گوی فریدی | گفتیم که گفتار تو آئین کرام است

۱۲۹۰ھ

تقریظ و تاریخ از شاعر نازک خیال نظیر بی نظیر
وظهوری ظهور مولانا سیف الحق صاحب

ادیب

قد رأیتها جمیعاً فوجدتها صحیحاً العبد المذنب
سیف الحق حفظه الله تعالی بفیضه المطلق

داد و داد همه دانی چو رفیع	بحث طے شد که بدانیک لاحق
یعنی زادن بجمیع ایراد	کرد مرقوم پے ہر شایق
بود یک را نه نیرش چو خلاف	ماند خیره نه دگر زین منطق
از نظیر و سند نظم سلف	کام جان گشت فراوان ذایق
سال تاریخ بہ ہیش ادیب	گفت شایسته جواب مشفق ۱۳۰۱

تقریظ از علامہ دوران مولوی محمد افہام اللہ صاحب
لکھنوی برادر عم زاد مولانا عبد الحی صاحب مرحوم

رأیت هذا التقریر للظریف الظریف سطیع البرهان
الذکی السمیدع الماهر رفیع الشان المشتهر بفرید
الشاعی فوجدتها عین الانصاف طاویاً عن
الجحود والاعتساف فان اللفظ المتنازع فیه
قد استعمل فی الابوین علی السویة لا اعتراض
علیه هرب عن الطریقة المستویة وما حرره کاف
للفهیم اللبیب ووافٍ للادیب الاریب هذا ما فاه
بفمه وکتبه بقلمه الراجی انعام الله محمد المدعو به

فہام اللہ اللکھنوی الفرنجی محلی صانہ اللہ عن شر
کل غبی وغوی

قطعۂ تاریخ از طبع زاد شاعر بے بدل جناب مولوی حفیظ اللہ صاحب پاس

باز نان مختص نباشد لفظ استاد علم	بر خلاف فارسی گر دید بلیغ مدعی
پاس تاریخ رقم زد دیدہ استاد عجم	لیس بود بے عجیب تقریر فریدی [illegible]

١٣٠٦ھ

قطعۂ تاریخ از ناشر ظہوری خیال شاعر خاقانی مثال مولوی محمد رفیع الدین صاحب نفیس

چو فکر من بگیرد دار معنی	سر حفظم از شان خامہ بشنود
تاریخ از سر الطاف گفتم	فریدی قابل تسلیم فرمود

١٣٠٦ھ

تمّ

١٥٩٩